بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۚ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا (نساء ۶۹)

مآثر الانبیاء والصدیقین و آثار الشہداء والصالحین

ملقب بہ

اقوالِ سلف

حصہ سوم

جسمیں پانچویں، چھٹی، ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے نصف اول تک اولیاء کرام کے احوال واقوال مختصراً ذکر کئے گئے ہیں۔

مرتب

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم

ناشران

مکتبہ دائرۃ المعارف الٰہ آباد

ادارہ معارف مصلح الامت الٰہ آباد

کتاب سے متعلق ضروری معلومات

نام کتاب: مَاٰثِرُ الاَنْبِیَاءِ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَاٰثَارُ الشُّھَدَاءِ وَالصَّالِحِیْنَ
مُلقّب بہ اقوال سلفؒ حِصّہ سوم
مرتب: شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم
صفحات: ۶۰۸ تعداد اشاعت ۱۱۰۰
ناشران: مکتبہ دارالمعارف الہ آباد
ادارہ معارف مصلح الامتؒ الہ آباد
باہتمام: مولوی محمد عبداللہ قمر الزماں قاسمی الہ آبادی
سنہ اشاعت: بار سوم، صفر ۱۴۳۳ھ مطابق جنوری ۲۰۱۲ء
کتابت: قربان علی و مولوی شمیم احمد القاسمی الہ آبادی
قیمت:

ملنے کے پتے

مکتبہ دارالمعارف الہ آباد۔ بی/۶۳۹ وصی آباد، الہ آباد (یو.پی) ۲۱۱۰۰۳
مکتبہ فیضان قمر۔ ٹائم ٹو ٹائم دوکان کے ایس ڈی چال، بہرام باغ روڈ۔ جوگیشوری۔ ممبئی
مکتبہ رحمانیہ۔ دارالعلوم عربیہ اسلامیہ بھروچ۔ محمود نگر کنتھاریہ۔ بھروچ (گجرات)
قاضی بک ڈپو، بالمقابل بڑی مسجد (مرکز) رانی تلاؤ۔ سورت (گجرات) ۳۹۵۰۰۳
کتب خانہ انجمن ترقی اردو۔ جامع مسجد۔ دہلی
مکتبہ البلاغ، دیوبند مسعود پبلشنگ ہاؤس، دیوبند
مکتبہ نفیس جعفر نگر، نزد مسجد محمدیؐ۔ مالیگاؤں (ناسک) الفرقان بکڈپو ۱۱۴/۳۱ نظیر آباد۔ لکھنؤ
مکتبہ ۔۔۔۔الی۔ مدینہ چوک۔ سری نگر۔ کشمیر ۱۹۰۰۰۱

فہرست

مآثر الانبیاء والصدیقین وآثار الشہداء والصلحین

ملقب بہ "اقوال سلف" حصہ سوم

اولیاء کرام ساتویں صدی ھجری

عرض ناشر

آپ حضرات کی خدمت میں "اقوال سلفؒ" حصہ سوم کثیر اضافات کے ساتھ پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں جس پر اوّلاً ہم اللہ تعالیٰ کا بیحد وحساب شکرادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین!

ثانیاً ان تمام حضرات علمی ومالی معاونین کا جن کی عنایت وجد وجہد اور مشقت سے یہ جلد پایۂ تکمیل کو پہنچی، خصوصاً مشفقی المکرم مولانا مقصود احمد صاحب قاسمی اُستاذ حدیث مدرسہ عربیہ بیت المعارف الہ آباد۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

حسب سابق مشفقی المکرم حضرت والد صاحب اطال اللہ ظلالہ علینا نے اس حصہ سوم میں بھی متعدد قابل قدر علماء ومشائخ کے تذکروں کا اضافہ فرمایا ہے۔ نیز جن حضرات کے احوال واقوال کم مذکور تھے یا نہ کے برابر تھے، اس میں بھی مزید اقوال واحوال کا اضافہ فرمایا جس سے الحمدللہ اس کی افادیت میں مزید اضافہ ہوگیا۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مکرم والد صاحب مدظلہ کو صحت وقوت کے ساتھ بقیہ حصّوں کو بھی اسی طرح ترتیب دینے کی توفیق اور فرصت مرحمت فرمائے۔ آمین!

الحمدللہ حسب معمول مکتبہ دار المعارف الہ آباد سے نوع بنوع کتب کی تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری ہے۔ انشاء اللہ جلد ہی ایک معرکۃ الآراء تصنیف "دینی اداروں وجماعتوں کی ذمہ داریاں" کے نام سے طباعت کا شرف حاصل کرنے کی سعادت حاصل کریگا، جو انشاء اللہ تعالیٰ اُمت کے عوام وخواص سب کیلئے بیحد مفید ہوگی۔ وَمَا ذَالِکَ عَلَی اللہِ بِعَزِیْزٍ۔

محمد عبد اللہ قمر الزمان قاسمی الہ آبادی

پیش لفظ

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ راس الصالحین وعلیٰ آلہ واصحابہ الطاہرین۔

امّا بعد! الحمد للہ، آج قلب میں لامتناہی فرح وسرور محسوس کر رہا ہوں کہ "اقوال سلفؒ" کا حصہ سوم پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ جس میں پانچویں صدی سے لے کر آٹھویں صدی ہجری کے نصف اوّل تک کے علماء وصلحاء کے احوال رفیعہ اور اقوال مفیدہ مذکور ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے قبول فرمائے اور مثل اصل مآخذ ومصادر کے اس کو بھی امت کے لئے مفید بنائے۔ آمین!

حسب معمول اس جلد میں ولادت ووفات کے سنین کو لکھنے کی سعی کی گئی ہے، نیز جا بجا افادات کے لکھنے کا بھی معمول رہا اور آئندہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ اہتمام کرنے کا عزم ہے۔

یوں ماشاء اللہ اس جلد میں حسب سابق بہت سے سلف صالحین کے تذکروں کا اضافہ ہوا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ آنے والے ہر حصہ میں ایسا ہوتا رہے گا۔ اس طرح اب یہ سلسلہ انشاء اللہ تعالیٰ آٹھ حصوں میں پایۂ تکمیل کو پہنچے گا۔ اور امید ہے کہ ہر حصہ چھ سو صفحات پر مشتمل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کی تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین!

بفضلہ تعالیٰ اس جلد کی تکمیل وتتمیم میں بھی عزیزم مولوی کمال احمد سلمہٗ

اور مولوی صابر علی صاحب اور مولوی فیروز عالم سلمہٗ نے بہت ہی جد و جہد کی۔ مگر اصل کارنامہ تو مولانا مقصود احمد صاحب گورکھپوری سلمہٗ کا ہے کہ بیحد جانفشانی سے ولادت و ممات کی تاریخوں کو ثبت کیا۔ اور اس کی مناسب و موزوں ترتیب سے کتاب کو محقق و مزین کیا۔ مزید آخر میں عزیزم قاری ناظر حسین سلمہٗ استاذ فلاح دارین ترکیسر (گجرات) نے بھی نظر ثانی کیا۔ فجزاہم اللہ تعالےٰ احسن الجزاء۔

اس جلد میں اس مختصر سے دیباچہ پر اکتفاء کرتا ہوں۔ انشاء اللہ تعالےٰ جلد چہارم میں مزید ضروری باتیں لکھنے کی سعی کروں گا۔

اس وقت دلی تقاضا ہوا کہ علامہ ابن الجوزی رح کے مضمون کو جو اولیاء و صلحاء کرام کے فضائل و کمالات علمیہ و عملیہ کے ذکر پر مشتمل ہے نقل کروں، جیسا کہ پہلی طباعت کے حصہ اوّل کے مقدمہ میں درج کیا تھا۔ اللہ تعالےٰ اس کو بھی نافع و مفید بنائے۔ آمین! محمد قمر الزمان الٰہ آبادی

اولیاء و صلحاء کی فضیلت

اولیاء اور صلحاء ہی مقصود کائنات ہیں اور یہی حضرات حصولِ علم کے بعد اُس کی حقیقت پر عامل ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ " جس نے میرے کسی ولی سے عداوت کی تو میں اُس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ اور میرے بندے نے میرے فرض کی ادائیگی سے زیادہ کسی اور چیز کے ذریعہ میرا قرب نہیں حاصل کیا اور میرا بندہ برابر نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہانتک کہ میں اس سے محبت کرنے

لگتا ہوں۔ پس جب میں اُس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اُس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سُنتا ہے، اور اُس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اُس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اُس کا پیر ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں ضرور اُس کو دوں اور اگر مجھ سے پناہ مانگے تو میں ضرور اُس کو پناہ دوں۔ اور میں کسی چیز میں جس کو کرنے والا ہوتا ہوں تردد نہیں کرتا جیسا کہ مومن کی جان (قبض کرنے) میں تردد کرتا ہوں جبکہ وہ موت کو ناگوار سمجھتا ہے اور میں اُسکی تکلیف پسند نہیں کرتا۔ (بخاری شریف ص ۹۶۳ باب التواضع)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اور آپ حضرت جبرئیلؑ سے اور وہ اپنے پروردگار عز وجل سے، کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس نے میرے کسی ولی کی اہانت کی تو اُس نے مجھے جنگ کا چیلنج دیا، اور میں کسی چیز میں جسکو کرنے والا ہوتا ہوں تردّد نہیں کرتا جیسا کہ مومن کی جان قبض کرنے میں، کہ میں اُس کی تکلیف کو پسند نہیں کرتا اور اس سے کوئی چارہ بھی نہیں۔ اور میرے بعض مومن بندے ایک نوع کی عبادت کرنا چاہتے ہیں، لیکن میں اُن کو اُس سے روک دیتا ہوں تاکہ اُن کے اندر عُجب نہ داخل ہو جائے اور وہ اُن کو تباہ کر دے۔ اور میرے بندے نے میرے فرض کی ادائیگی کے برابر کسی اور چیز سے میرا قرب حاصل نہیں کیا اور ہمیشہ میرا بندہ نفل ادا کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اُس سے محبت کرنے لگتا ہوں، اور میں جس سے محبت کرتا ہوں تو اُس کا کان اور اُسکی آنکھ اور اُس کا ہاتھ اور اُس کا مددگار ہو جاتا ہوں، وہ مجھ کو پکارتا ہے تو میں اُس کی پکار کو قبول کرتا ہوں اور وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اُس کو دیتا ہوں اور وہ میرے ساتھ خلوص

اختیار کرتا ہے تو میں اُس کے ساتھ خیر کا معاملہ کرتا ہوں۔ اور میرے بعض مومن بندے ایسے ہیں کہ اُن کے ایمان کو فقر و اِفلاس ہی درست رکھ سکتا ہے، اور اگر میں اُس کو کُشادگی عطا کردوں تو وہ اُس کو تباہ کردے۔ اور میرے بعض بندے ایسے ہیں کہ جن کے ایمان کو غنا اور تونگری ہی درست رکھ سکتا ہے، اور اگر میں اُس کو مفلس کردوں تو وہ اُس کو تباہ کردے۔ اور میرے بعض مومن بندے ایسے ہیں کہ جس کے ایمان کو بیماری ہی درست رکھ سکتی ہے، اور اگر میں اُس کو صحت عطا کردوں تو وہ اُس کو تباہ کردے۔ چونکہ میں اپنے بندوں کے احوالِ قلوب کا عِلم رکھتا ہوں اِسی لئے اُس کے مطابق اُن کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں۔ یقیناً میں علیم اور خبیر ہوں۔

نیز اِسی روایت کو عبدالکریم جزری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مختصراً روایت کیا ہے۔ جس میں یہ ہے کہ میں اپنے اولیاء کی مدد کرنے میں سب سے زیادہ جلدی کرتا ہوں۔ میں اُس کے واسطے غضبناک شیر سے بھی زیادہ غضب کرتا ہوں۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ مَنْ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ" (بیشک اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ اُس کو ضرور پورا کردے۔)

(بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، احمد)

عطاء ابن یسار سے روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار! وہ لوگ کون ہیں جو تیرے اہل ہیں، جن کو تو اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دے گا؟ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ وہ، وہ لوگ ہیں جن کے ہاتھ بے گناہ ہیں، جن کے دل پاک ہیں، جو میرے جلال کے سبب باہم محبت کرتے ہیں۔ وہ وہ لوگ ہیں کہ جب میرا ذکر

کیا جاتا ہے تو اُن کا بھی ذکر کیا جاتا ہے، اور جب اُن کا ذکر کیا جاتا ہے تو میرا بھی ذکر کیا جاتا ہے، اور ہم اُن کا ذکر کرتے ہیں، اور وہ وہ لوگ ہیں جو باوجود تکلیف کے پوری طرح وضو کرتے ہیں، میرے ذکر کی طرف ایسے ہی رجوع کرتے ہیں جس طرح گدھ اپنے گھونسلوں کی طرف، میری محبت پر ایسے ہی فریفتہ ہوتے ہیں جیسے بچہ لوگوں کی محبت پر، اور میرے محارم (حرام کی ہوئی چیزوں) کو جب حلال سمجھا جانے لگتا ہے تو وہ ایسے ہی غضب ناک ہوتے ہیں جس طرح جنگ کے وقت چیتا۔

وہب بن منبہؒ سے روایت ہے کہ اُنھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ اور اُن کے بھائی حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس بھیجا تو فرمایا کہ اُس کی زینت اور ساز و سامان تم لوگوں کو تعجب میں نہ ڈالے اور تم دونوں اُس کی طرف اپنی آنکھیں نہ اُٹھانا، اِس لئے کہ وہ دنیوی زندگی کی رونق اور دنیادار خوشحالوں کی آرائش ہے۔ اور اگر میں تم دونوں کو دُنیوی زینت سے آراستہ کرنا چاہوں، تاکہ فرعون اُس کو دیکھ کر یقین کرلے کہ اُس کی قدرت اِس سے بالکل عاجز ہے جو تم دونوں کو عطا کی گئی ہے، تو ضرور آراستہ کردوں۔ لیکن میں تم کو اِس سے روکتا ہوں اور اِس کو تم سے پھیرتا ہوں۔ اور میں اپنے اولیاء کے ساتھ اسی طرح کیا کرتا ہوں۔ اور پہلے ہی میں نے اُن کے لئے خیر مقرر کر رکھی ہے، بس میں اُن کو دُنیا کی نعمت و آسائش سے ہٹاتا ہوں، جس طرح مہربان چرواہا اپنی بکریوں کو ہلاکت والی چراگاہوں سے ہٹاتا ہے۔ اور میں ان کو اس کی خوشحالی اور عیش سے اس طرح بچاتا ہوں جس طرح مہربان چرواہا اپنے اونٹوں کو گندی جگہوں سے بچاتا ہے۔ اور یہ اِس لئے نہیں کہ میں اُن کو کم درجہ کا

سمجھتا ہوں، بلکہ اِس لئے تا کہ وہ میرے اعزاز میں سے اپنا حصّہ صحیح وسالم رہ کر پورا پورا حاصل کرلیں، اور دنیا اُن کو کوئی تکلیف نہ پہنچا سکے اور نہ خواہش نفسانی اُن پر کوئی زیادتی کر سکے۔

اور جان لو کہ زُہد فی الدنیا سے بڑھ کر کسی اور زینت سے بندے آراستہ نہیں ہوتے، اِس لئے کہ وہ متّقیوں کی زینت ہے، ان کے اوپر تقویٰ کا لباس ہے جس سے وہ پہچانے جاتے ہیں، یعنی سکینہ اور خشوع، سجدہ کے اثر سے اُن کے چہروں میں نشانی ہے۔ یقیناً یہی میرے اولیاء ہیں، جب تم اُن سے ملو تو اُن کے سامنے تواضع اختیار کرو۔ اور اپنے قلب و زبان کو اُن کے تابع رکھو۔ اور جان لو کہ جس نے میرے کسی ولی کی اہانت کی یا اُس کو خوف زدہ کیا، تو اُس نے مجھ کو جنگ کا چیلنج دیا اور مجھ سے مقابلہ کیا اور میرے سامنے اپنی ذات پیش کی اور مجھ کو اُس کی طرف بلایا۔ اور میں اپنے اولیاء کی مدد کے لئے سب سے زیادہ جلدی کرتا ہوں۔ کیا مجھ سے جنگ کرنیوالا گمان کرتا ہے کہ میرے مقابلہ میں کھڑا ہو سکتا ہے؟ یا مجھ سے دشمنی کرنے والا گمان کرتا ہے کہ مجھ کو عاجز کر دے گا؟ یا میرے مقابلہ پر آنے والا گمان کرتا ہے کہ مجھ سے آگے بڑھ جائے گا، یا مجھ سے گزر جائے گا؟ بھلا یہ کیسے ممکن ہے جبکہ میں خود اُن کا بدلہ لینے والا ہوں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اُن کی نصرت دوسرے کے سپرد نہ کروں گا۔

اور وہب ابن منبہؒ ہی سے روایت ہے۔ اُنھوں نے فرمایا کہ حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ! اللہ کے وہ اولیاء کون ہیں جن پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں؟ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے دنیا کے باطن کو

دیکھا، جبکہ لوگوں نے دنیا کے ظاہر کو دیکھا۔ اور جنھوں نے دنیا کے آجل (انجام) کو دیکھا، جبکہ لوگوں نے اس کے عاجل (نقد اور فوری نفع) کو دیکھا۔ پھر اسمیں سے اُس حصہ کو فنا کر دیا جس سے اُن کو خوف ہوا کہ وہ اُن کو ہلاک کر دے گا، اور اُس حصّہ کو چھوڑ دیا جس کو اُنھوں نے جانا کہ وہ اُن کو چھوڑ دے گا۔ پس وہ جس کو زیادہ سمجھے تھے وہ کم نکلا، اور جس کو وہ محفوظ کیے ہوئے تھے وہ فوت ہو گیا۔ اور جس کو پا کر وہ خوش ہوئے وہ رنج و غم کا سبب ہو گیا۔ پھر اس دنیا سے حاصل شدہ چیز میں سے جس نے اُن کا مقابلہ کیا اُس کو اُنھوں نے چھوڑ دیا، اور جو ناحق بلند ہوئی اُس کو اُنھوں نے پست کر دیا۔ دنیا اُن کے پاس پرانی ہو گئی تو وہ اسکو نئی نہیں بناتے اور دنیا اُن کے درمیان ویران و برباد ہو گئی، تو وہ اُسکو آباد نہیں کرتے۔ اور دنیا اُن کے سینوں میں مر گئی، تو وہ اس کو زندہ نہیں کرتے۔ وہ دنیا کو منہدم کر کے اس سے اپنی آخرت کی تعمیر کرتے ہیں۔ اور وہ اس کو بیچ کر اُس سے وہ چیز خریدتے ہیں جو ہمیشہ باقی رہے، اُنھوں نے اُس کو چھوڑ دیا اور اس کے چھوڑنے پر وہ خوش ہیں۔ اور انھوں نے اُسکو فروخت کر دیا اور اسمیں وہ نفع میں ہیں۔ اُنھوں نے دنیا داروں کو دیکھا کہ وہ پچھاڑے پڑے ہوئے ہیں اور طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہیں، تو انھوں نے موت کے ذکر کو زندہ کیا اور حیات کے ذکر کو مُردہ کر دیا۔ وہ اللہ سے اور اللہ کے ذکر سے محبت کرتے ہیں اور اُس کے نور سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ اُن کا عجیب حال ہے اور اُن کے پاس جو علم ہے وہ بھی عجیب ہے۔ اُن کے ساتھ کتاب قائم ہے اور وہ کتاب کے ساتھ قائم ہیں۔ اُن کے ساتھ کتاب ناطق ہے اور وہ کتاب کے ساتھ ناطق ہیں۔ اُنھی سے کتاب کا علم ہے اور وہی کتاب کے عالم ہیں۔ اُنھوں نے جو کچھ حاصل کر لیا ہے اُسکے علاوہ کسی چیز کو وہ لائق تحصیل نہیں سمجھتے۔ اور جس کے امیدوار ہیں اُس کے علاوہ کسی چیز کو امان نہیں سمجھتے

اور جس سے وہ ڈرتے ہیں اس کے علاوہ کسی چیز کو خوف کی چیز نہیں سمجھتے۔ (احمد)

حضرت کعبؒ نے فرمایا کہ، نوح علیہ السلام کے بعد ہمیشہ دنیا میں چودہ حضرات ایسے رہیں گے جنکے سبب سے عذاب ہٹایا جائے گا۔ (احمد)

اور سفیان بن عیینہؒ نے فرمایا کہ، "عِندَ ذِکرِ الصَّالِحِینَ تَنزِلُ الرَّحمَةُ" (صالحین کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے) محمد بن یونسؒ کہتے ہیں کہ میں نے صالحین کے ذکر سے زیادہ قلب کیلئے نفع بخش کوئی چیز نہیں دیکھی۔ (صفۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۳۹ تا ۴۱)

ف: دیکھئے! علامہ ابن جوزیؒ جن کو عموماً خشک کہا جاتا ہے وہ کتنے شد و مد سے اولیاء کی صفت و فضیلت اور اُن کے ذکر کی اہمیت وضرورت کو بیان فرما رہے ہیں جو آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہے۔ اب بھی ہم تسلیم نہ کریں تو محل تعجب ہے۔

اظہار مسرت: میرے لئے بہت ہی مسرت و سعادت کی بات ہے کہ بکثرت علماء و مشائخؒ نے اقوالِ سلفؒ کے اس زریں سلسلہ کو پسند فرمایا اور اسکی افادیت کا تقریراً و تحریراً اظہار فرمایا۔ جن میں سے چند کو حصہ اول و دوم میں نقل کر چکا ہوں اب مزید چند اکابر کے تأثرات و تقریظات درج کر رہا ہوں۔ بقیہ حضرات کے تاثرات بعد کے حصوں میں شائع کئے جائیں گے۔ واللہ ولیُّ التوفیق۔

محمد قمر الزمان الہ آبادی

۱۵ر ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ

۱۲ر نومبر ۲۰۱۱ء

مدرسہ عربیہ بیت المعارف بخشی بازار الٰہ آباد

(یو، پی)

تاثر

مخدومی المکرم مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی قدس سرہ (المتوفی ۱۴۱۸ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اہل اللہ کو حق تعالےٰ کی ذات سے تعلق خاص کی جو نسبت حاصل ہوتی ہے اس کا ایک ادنیٰ کرشمہ اور ثمرہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جیسے اُن کی موجودگی میں اُن کی مجلس اور ہمنشینی سے روح کو غذا ملتی ہے، مریضِ باطن کو دوا ملتی ہے، بےچین دلوں کو چین نصیب ہوتا ہے، اسی طرح اُن کی غیر موجودگی میں ان کے کلام اور اقوال سے روح کو تازگی ملتی ہے، امراض کے ازالہ کی رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

اللہ پاک جزائے خیر عطا فرمائے محبی ومکرمی جناب مولانا قمرالزمان صاحب مدظلہ العالی کو کہ انھوں نے اِس سلسلہ کو جاری فرمایا۔

اقوال سلفؒ کا یہ تیسرا حصہ ناظرین کرام کے سامنے ہے۔ اللہ پاک موصوف کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور مزید توفیق نصیب فرمائے۔

صدیق احمد عفی عنہ

خادم جامعہ عربیہ ہتورہ۔ باندا

رجب سنہ ۱۴۱۰ھ

تأثر

از مفتی شہیر حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب قدس سرہ (المتوفی ۱۴۲۲ھ)

(صاحبِ فتاویٰ رحیمیہ)

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ

محترم مکرم حضرت اقدس مولانا قمر الزمان صاحب دامت فیوضہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بندہ پڑھنے لکھنے سے معذور ہے۔ لیکن ہمارے محبین نے مختلف مقامات سے اکابر کے ملفوظات کتاب "اقوالِ سلف رحؒ" حصہ پنجم، ششم سے سنایا۔ سُن کر دل بیحد مسرور ہوا۔

مؤلف عزیز نے بہت سی جگہ اُمت کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھا ہے۔ اس وجہ سے کہ "اقوال سلفؒ" ظاہری وباطنی امراض کا بہترین علاج ہے۔ اس پُرفتن دور میں تو اِن باتوں کی اشد ضرورت ہے۔ حق تعالیٰ اِس بیش قیمت تحفہ کو شرفِ قبولیت عطا فرما کر اُس کی برکات عام وتام فرمائیں۔ اور آپ کو دین کی خدمت میں تا دمِ حیات مشغول رکھیں۔ اور میرے لئے حق تعالیٰ سے خوب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ کامل رضامندی نصیب کرے اور مرتے وقت حسن خاتمہ نصیب فرمائے۔

مفتی عبد الرحیم لاجپوری

بقلم صادق محمد پٹیل دیولوی

۱۱ر رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ

تأثر حضرت محترم مولانا عبد القیوم صاحب حقانی زید مجدہم

سرپرست اعلیٰ "جامعہ ابوہریرہؓ" خالق آباد، نوشہرہ، صوبہ سرحد (پاکستان)

شیخ المشائخ العارف باللہ مجمع البحرین پیر طریقت سیدی والدی الکریم حضرت العلامہ مولانا الحاج قمر الزمان صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی وقیع اور گرانقدر تالیف لطیف "اقوال سلفؒ" مخدوم محترم حضرت مولانا محمد اسمٰعیل بھوٹا مدظلہ کی وساطت سے موصول ہوئی۔ جلد اوّل سے ششم تک علی الترتیب استفادہ کیا۔ شیخ کامل کی صحبت، ولی کامل کی نظرِ عنایت اور اربابِ قلوب کی مجالست کا حظ وافر حاصل ہوا۔

"اقوالِ سلفؒ" تاریخ دعوت وعزیمت کا اچھوتا نمونہ، اصلاح انقلاب امت کی جانب کامیاب پیش رفت اور اکابر علماء دیوبند کے مسلکِ اعتدال کی امین ہے مؤلف نے بڑے حزم واحتیاط سے شریعت وطریقت کو ساتھ ساتھ رکھ کر اپنے اکابر اور مشائخ کے دامنِ رشد وہدایت کے ساتھ قارئین کو جوڑ دیا ہے۔ اور اب ادارۃ العلم والتحقیق جامعہ ابوہریرہ کے خدام نے فیصلہ کیا ہے کہ حضرت کی اجازت کے بعد اسے جدید عمدہ کتابت اور شاندار زیورطباعت سے آراستہ کرکے پاکستان اور دنیا بھر میں سبھی علمی و دینی اور مطالعاتی حلقوں کو "اقوال سلفؒ" کے نور معرفت سے منور کیا جائے۔

عبد القیوم حقانی

۲۹ صفر ۱۴۲۰ھ

ے ماشاء اللہ آپ بہت سی علمی وتحقیقی کتابوں کے مصنف ہیں۔ مثلاً "توضیح السنن شرح آثار السنن للنیموی" دفاع ابوحنیفہؒ، صحبتے با اہل حق، ارباب علم وکمال اور پیشہ، رزق حلال، وغیرہ۔ (مرتب)

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿یونس﴾

تذکرۂ

اولیاء مقربین علماء ربانیین

رحمھم اللہ تعالیٰ

الحمدللہ علیٰ احسانہ، اب ہم اصل کتاب کو شروع کرتے ہیں۔ قارئین کی معلومات کیلئے عرض ہے کہ "اقوال سلف اول" میں انبیاء علیہم السلام، صحابہ و صحابیات رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور متعدد تابعینؒ کے احوال واقوال ذکر کئے گئے ہیں۔

• "اقوال سلف دوم" میں متعدد تابعین و تابعات، تبع تابعین اور چوتھی صدی ہجری تک کے اولیاء ومشائخ کرام رحمہم اللہ کے احوال واقوال ذکر کئے گئے ہیں۔

اب بفضلہ تعالیٰ وتوفیقہ اس حصہ سوم میں پانچویں، چھٹی، ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے نصف اول کے اکابر امت واولیاء عظام رحؒ کے احوال واقوال درج کئے جارہے ہیں۔ چنانچہ اس حصہ کا اختتام حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ المتوفی ۷۵۷ھ پر ہو رہا ہے۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کے فیوض سے مستفیض فرمائے۔ آمین!

اس کے بعد حصہ چہارم میں انشاء اللہ تعالیٰ دسویں صدی ہجری تک کے اکابر علماء، مشائخ وسلاطین ہند کے مختصر احوال وارشادات نقل کئے جائیں گے۔ واللہ ولی التوفیق۔

حضرت ابو علی محمد دقاق رحمۃ اللہ المتوفی ۴۰۵ھ

نام و نسب نام حسن، کنیت ابو علی، والد کا نام محمد ہے۔

تعارف آپ اپنے عہد میں نیشا پور کی زبان، اپنے وقت کے امام اور یکتائے زمانہ تھے۔ بہت ہی فصیح و بلیغ تقریر کرتے تھے آپ نے بہت سے مشائخ کو دیکھا۔ آپ شیخ نصر آبادی (ابو القاسمؒ) کے مرید تھے اور وعظ فرمایا کرتے تھے۔

شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ آپ کا یہ معمول تھا کہ ہر سال سفر کرتے اور کسی نئے شہر میں قیام کرتے اور کچھ عرصہ رہنے کے بعد واپس آجاتے مشہور زمانہ صوفی استاذ ابو القاسم قشیریؒ آپ کے داماد اور شاگرد تھے۔ شیخ ابو القاسمؒ قشیری نے آپ کی مجلس کے مضامین کو جمع کیا تھا۔

شیخ ابو علی دقاق صاحب قال ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب حال بھی تھے۔ اور طبیعت میں شورش اور حرارت تھی۔ ان کا معمول تھا کہ انکی مجلس میں جو کوئی نعرہ مارتا تو یہ بھی انکے ساتھ نعرہ مارتے۔

ارشادات فرماتے تھے کہ خود رو درخت جس کی کسی نے تربیت نہ کی ہو پتے تو نکال لیتا ہے لیکن اس میں پھل نہیں آتا اگر اس میں پھل آ بھی جاتا ہے تو بد ذائقہ ہوتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں نے یہ طریقہ شیخ نصر آبادیؒ سے سیکھا ہے اور انہوں نے شیخ شبلیؒ سے اور شیخ شبلیؒ نے شیخ جنیدؒ سے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ سالک کسی مربی کی تربیت سے ہی باطنی ثمرہ سے بہرہ ور ہوتا ہے

ورنہ اس سے محروم رہتا ہے۔ حضرت مصلح الامۃ مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ بھی یہ یاد فرماتے تھے (مرتب)

ایک روز ایک شیخ تشریف لائے۔ حاضرین مجلس میں سے ایک صاحب نے ان کو پہچان لیا اور کہا کہ شیخ ابو علی دقاق کے مرشد ہیں۔ یہ سنتے ہی بہت سے مشائخ جمع ہو گئے اور ان سے درس طریقت کی درخواست کی گئی لیکن انہوں نے قبول نہیں فرمایا مگر لوگوں کے اصرار سے مجبور ہو کر وہ منبر پر تشریف لے گئے اور دائیں طرف اشارہ کر کے کہا" اللہ اکبر" پھر قبلہ کی طرف رخ کیا اور فرمایا" وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ" یعنی اللہ تعالیٰ کی رضامندی بہت بڑی ہے۔ اس کے بعد بائیں طرف اشارہ کیا اور فرمایا: " فَاللّٰہُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی" (پس اللہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے) یہ سنکر لوگوں پر کیفیت طاری ہو گئی، چند لوگوں نے اسی وقت دم توڑ دیا، یعنی وفات ہو گئی۔ وجد اور کیفیت کا یہ شور برپا تھا کہ استاد منبر سے اترے اور وہاں سے روانہ ہو گئے۔ اس کے بعد ان کی بہت جستجو کی گئی لیکن وہ نہیں ملے۔

آپ فرماتے تھے الٰہی ہم نے گناہوں سے اپنا نامۂ اعمال سیاہ کر ڈالا ہے اور تو نے زمانے میں ہی سارے بال سفید کر دیئے پس اے خالقِ سیاہ و سفید اپنا لطف و کرم فرما اور جو کچھ سیاہ ہے اس کو سفیدی سے بدل دے۔

کہتے ہیں کہ اس زمانے (آخر عمر) میں وہ ایسی باتیں کرنے لگے تھے کہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں اور کسی میں یہ طاقت نہیں تھی کہ انکو سمجھے چنانچہ ان کی مجلس میں حاضرین کی تعداد بس ۱۷-۱۸، افراد ہوتی تھی۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ جب شیخ ابو علی دقاق کا کلام اس بلندی پر پہنچا تو ان کی مجلس لوگوں سے خالی ہو گئی تھی۔

وفات | نیشاپور میں بماہ ذیقعدہ ۴۰۵ھ میں آپ نے وفات پائی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

نفحات الانس ص ۵۲۵-۵۲۶

حضرت بابا ریحان بھروچیؒ المتوفیٰ ۴۴۰ھ

(مرتبہ مولانا اقبال صاحب ٹنکاروی سلمہٗ)

نام ونسب آپ کا پورا نام ونسب حوالہ میں مذکور کتابوں میں نہیں مل سکا۔ البتہ " اکابرین گجرات " میں آپ کا نام سید علی عرف بابا ریحان اور اور بعضوں نے بابا گنج ریحان ذکر کیا ہے۔

تعارف آپ شیوخ ماوراءالنہر میں سے ہیں۔ کچھ لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ یہ بغداد سے آئے تھے۔ بعضوں نے مزید وضاحت کی کہ بغداد میں " ریحان " نامی جگہ سے آئے تھے۔ کچھ لوگ اُنکو خراسانی مانتے ہیں۔

گجرات میں سورت اور بڑودہ کے درمیان واقع قدیم شہر بھروچ میں پانچویں صدی میں چالیس ساتھیوں کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ البتہ وہ کس سنہ میں آئے تھے؟ اس میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ بمبئی گیزیٹر کے مطابق ۴۹۲ سنہ ھ میں اُنکی آمد ہوئی۔ لیکن یہ قول درست نہیں ہے، کیونکہ حضرت کی وفات کا سال ۴۳۰ سنہ ھ کے بعد ہے۔ جبکہ ایک قدیم قلمی نسخہ کے مطابق ۴۰۸ سنہ ھ میں ان کا ورود ہوا۔ تذکرۂ قاریانِ ہند میں آپ کی آمد کا سال ۴۰۰ سنہ ھ لکھا ہے۔

آپ کے رفقاء میں سید محمد مکی عرف نقیب، سید موسیٰ چرخی حسین سید عیسیٰ چرخی، آپ کے بھائی بابا روحان واحمد، سید شرف الدینؒ کے نام ملتے ہیں۔

بھروچ کے راجہ سے جنگ

اُنھوں نے بھروچ شہر میں سکونت اختیار کی۔ لوگوں کی خدمت میں مشغول رہتے، ان کو علم سکھلاتے، اُن کے اخلاق کی اصلاح کرتے۔ کسی سے کوئی معاوضہ نہ لیتے۔ آہستہ آہستہ حاجت مندوں کا ہجوم بڑھنے لگا تو درباریوں نے بھیل راجہ سے جو اُسوقت حکمراں تھا، شکایت کی کہ یہ فقیر اپنا اثر بڑھا رہا ہے، اس کا وجود آپ کے لیے مضر ثابت ہوگا۔ چنانچہ بھیل راجہ نے ایک وفد دریافتِ حال کے لئے مقرر کیا، جس کا صدر بھیل راجہ کا لڑکا کرن تھا۔

اُس وفد نے باباصاحب کے پاس جاکر اُن کے حالات معلوم کئے، اس کے بعد ارکانِ وفد حضرت اور ان کے ساتھیوں سے ملے، اُن پر حضرت کے اخلاق اور شخصیت کا اتنا اثر ہوا کہ راجکمار کرن تو وہیں ٹھہر گیا اور وفد کے دوسرے ارکان واپس آئے اور راجہ سے واقعات بیان کئے کہ باباصاحب کی شخصیت بڑی زبردست ہے، بہرصورت حکومت کو خطرہ ہے، ان کو نکال دینا ہی مناسب ہے۔ اس پر راجہ نے حکم دیا کہ باباصاحب بھروچ سے نکل جائیں۔ اِس پر باباصاحب نے انکار کیا۔ آخر فوج بھیجی گئی۔

درویشوں سے لڑائی ہوئی۔ طرفین سے لوگ مارے گئے۔ باباصاحب کے بھائی سید احمد اور دوسرے ساتھی سید مکی نقیب، سید حسین اور بہت سے ساتھی شہید ہوئے۔ مگر راجہ کی فوج کا بہت زیادہ نقصان ہوا اس پر راجہ نے مرعوب ہوکر صلح کرلی اور باباصاحب کو رہنے کی اجازت دے دی۔

باباصاحبؒ نے پھر خدمتِ خلق شروع کردی۔ بھیل راجہ کی بیٹی رانی بھاگا بھی مسلمان ہوگئی۔ اُس کا نام زیب النساء رکھا گیا۔ یہ دونوں باباصاحب کے احاطہ میں مدفون ہیں۔

قیامِ مدرسہ

باباصاحبؒ نے ۴۳۰ھ میں ایک مدرسہ قائم کیا جس میں علومِ قرآنی پڑھائے جاتے تھے۔ اس عمارت پر مندرجہ ذیل عبارت کندہ ہے:۔

هذه العمارة القديمة فى شهر ثلاثين واربع مائة

اِس بابرکت عمارت میں اُس وقت سے لیکر اب تک تعلیم کا سلسلہ جاری ہے درمیان میں یہ مدرسہ چند روز کے لئے جینوں کے قبضہ میں چلا گیا تھا۔ نواب مرتضےٰ خاں نے پھر سے مرمت کرائی۔ اس کا سن مرمت "مسجد قاضی (۱۱۹ھ) سے نکلتا ہے۔ اس میں صندل کے موٹے موٹے چار ستون ہیں، اور فرش سنگِ مرمر کا ہے۔

کچھ مدت کے بعد اُن کے مقبرہ پر لکڑی کی چھت بنائی گئی۔ اُن کے قریب ہی غربی سمت میں ان کے بھائی سید احمد کی قبر ہے اور ان کی قبر سے قریب ہی مشرقی سمت میں گیارہ (۱۱) قبریں ہیں۔ اور دروازہ کے قریب شمال میں تین قبریں ہیں، جن میں ایک قبر سید موسیٰ، دوسری سید حسینؒ اور تیسری سید عیسیٰ کی ہے۔ اور جنوبی سمت میں نچلے حصہ میں کچھ پرانی قبریں ہیں، جن میں ایک ملک محمد (راجکمار کرن) کی قبر ہے۔

تاریخِ وفات

کچھ لوگوں نے آپ کا سنہ وفات تخمیناً ۶ر شعبان ۴۳۰ھ ذکر کیا ہے۔ جبکہ "اولیائے گجرات" میں

آپ کا سنہ وفات ۴ر شعبان ۱۰۴۹ھ مطابق ۱۰۳۹ء مذکور ہے۔" تذکرۃ الاولیاء" میں آپ کی تاریخ وفات ۶ر شعبان ہے۔

آپ کا مدفن بھروچ سے جمبوسر کی شاہراہ کے درمیان واقع ویجل پور ریلوے اسٹیشن سے تھوڑے فاصلہ پر ایک خوبصورت ٹیلے پر واقع ہے۔

"تذکرہ قاریان ہند کے حاشیہ میں ذکر کیا ہے کہ جہاں بابا ریحان کے ساتھی جنگ میں شہید ہو کر دفن ہوئے تھے وہیں بابا ریحان کو دفن کیا گیا۔ یہ مقام بھروچ سے چار میل کے فاصلہ[1] پر ہے۔ عماد الملک نے قبروں کو پختہ بنوا کر اپنے لئے ایک گنبد حضرت کی مزار سے نچلے حصہ میں تعمیر کرایا تھا وہیں دفن ہوئے۔

(تذکرہ قاریان ہند، ترجمہ نمبر ۱۰۳ ص ۱ر ۹۱ ۔ تاریخ اولیائے گجرات ص ۱۳۹، اکابرین گجرات ۱ر ۲۷۸ ۔ اولیائے گجرات ۱۰۸ ۔

---

[1] اب شہر کے درمیان میں آگیا ہے اور اسی نام کی ایک کالونی بھی ہے۔ الحمد للہ بابا ریحان رح کی مزار پر حاضری کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی برکات عام و تام فرمائے۔ آمین! محمد قمر الزمان عفی عنہ

حضرت ابو نصر عبید اللہ بن سعید سنجری المتوفی ۴۴۴ھ

نام و نسب نام عبید اللہ، والد کا نام سعید، دادا کا نام حاتم، کنیت ابو نصر۔

تعارف آپ امام العلماء اور قوی الحافظہ حافظ الحدیث اور شیخ السنۃ اور شیخ الحرم تھے۔ سجستان کے ایک گاؤں وائل کے رہنے والے تھے۔

حصولِ علم کے لئے سفر ۳۸۰ھ کے بعد طلبِ علم کی نیت سے وطن کو خیرباد کہا اور خراسان و عراق و شام و مصر میں حدیث کا علم حاصل کیا۔ اس کے بعد حرم مکہ میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ حبال کا بیان ہے کہ ایک دن میں ان کی خدمت میں تھا، کہ کسی نے دروازہ پر دستک دی، میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو ایک عورت داخل ہوئی اور دس ہزار دینار کی تھیلی شیخ کے سامنے رکھ کر کہا کہ آپ اس کو جس طرح مناسب سمجھیں خرچ کریں۔ شیخ نے پوچھا تمھاری تمنا کیا ہے؟ اس نے کہا میری تمنا ہے کہ آپ مجھ سے عقد کر لیں اور یہ تمنا صرف اس واسطے ہے کہ میں آپ کی خدمت کر سکوں ورنہ مجھ کو شادی کی قطعًا خواہش نہیں ہے۔ شیخ نے اس سے کہا تھیلی اٹھا لو اور سمجھا بجھا کر اس کو رخصت کرنے کے بعد مجھ سے فرمایا کہ میں سجستان سے تحصیل علم (طالب العلمی) کی نیت کر کے نکلا ہوں، اگر شادی کر لوں تو طالب علم کی فہرست سے میرا نام خارج ہو جائے گا۔ اور میں طلب علم

کے ثواب پر کسی دوسری چیز کو ترجیح نہیں دے سکتا۔

ف : سبحان اللہ! طلبِ علم کے لئے اجر و ثواب پر کس قدر حریص تھے اور ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر قیمتی چیز ہے کیا؟ اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ دولت نصیب فرمائے۔ آمین (مرتب)

مسئلہ قرآن میں ان کی کتاب "الابانۃ الکبریٰ" اُن کی امامت فن پر شاہد عدل ہے۔ حبال کا قول ہے کہ ابو نصر حافظ صوری جیسے پچاس حافظوں پر بھاری ہیں۔ محدثین میں ایک حدیث مسلسل بالاولیت کے نام سے شہرت رکھتی ہے۔ اس کے راوی بھی محدث ابو نصر ہی ہیں۔ جتنے لوگوں نے اس حدیث کی سند لی ہے۔ اکثر کی سندوں میں آپ کا نام آتا ہے۔ (اعیان الحجاج ص ۳۶/۲)

ارشادات آپ فرماتے تھے کہ جب مال و زر کی خاطر نکاح کیا جائے تو اس کا اثر و ثواب کم ہو جائے گا ہاں اگر اس کے علاوہ یعنی مال و زر کے حصول کی نیت نہ ہو تو بہتر ہوگا۔

ف : یعنی اتباعِ سنت اور حصولِ عفت اور صالح اولاد کی ولادت اور امت محمدیہ کی کثرت کی نیت سے ہو تو موجب اجر و ثواب ہے (مرتب)

وفات آپ کی وفات مکہ معظمہ میں ماہ محرم الحرام ۴۴۴ھ میں ہوئی۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۶۵۴/۱۷)

حضرت ابو عمرو الدانی رح المتوفی ۴۴۴ھ

نام و نسب نام عثمان ، والد کا نام سعید، دادا کا نام عثمان کنیت ابو عمرو ہے۔

ولادت و تعارف آپ امام حفاظ اور عمدہ ترین قاری اور اندلس کے عالم تھے۔

آپ فرماتے تھے کہ میرے والد نے بتلایا کہ میری پیدائش ۳۷۱ھ میں ہوئی اور میں نے تحصیل علم ۳۸۶ھ کے شروع میں شروع کیا۔ اور ۳۹۷ھ میں مشرق کا سفر کیا۔ تو قیروان میں چار ماہ قیام کیا۔ اس کے بعد مصر کا رخ کیا اور اس سال ماہ شوال میں مصر میں داخل ہوا۔

منابی (مؤرخ) فرماتے ہیں کہ ابو عمرو رح مالکی مذہب کے پیرو تھے، اور مستجاب الدعوات تھے۔

اور حمیدی رح فرماتے ہیں کہ ابو عمرو احادیث کے بہت ہی زیادہ بیان کرنے والے تھے۔ اور متقدمین قراء میں سے تھے۔ آپ نے اندلس اور مشرق میں علم حدیث حاصل کیا۔

ابو القاسم بن شکوال فرماتے ہیں کہ ابو عمرو علم قرآن اور اس کی روایت اور تفسیر اور معانی کے امام تھے اور ساتھ ہی اس کے طرق اور اعراب کے بھی ماہر تھے۔

تصانیف آپ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں ان میں چند مشہور کتابیں یہ ہیں، جامع البیان فی السبع، کتاب التیسیر،

کتاب الاقتصاد، ایجاز البیان، التلخیص وغیرہ، ایسے تو آپ کی کل تصانیف ایک سو بیس ۱۲۰ ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ص۱۸/۷۷)

فضل وکمال حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمیؒ آپ کے فضل وکمال کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:۔ عثمان بن سعید نام، اور قرطبہ (اسپین) وطن تھا۔ دانیہ میں سکونت کی وجہ سے دانی کہلاتے تھے۔ ۳۹۶ھ میں انھوں نے مشرق کا سفر شروع کیا چار ماہ قیروان میں رہ کر مصر پہونچے۔ وہاں ایک سال قیام کرنے کے بعد حج کیا اور حج کے بعد ذی قعدہ ۳۹۹ھ میں اندلس واپس آگئے۔ اس سفر میں ہر جگہ انہوں نے حدیث اور قرأت کا علم حاصل کیا تا آنکہ اللہ نے ان کو اس مرتبہ پر پہونچایا کہ ان کے زمانہ سے لے کر آج تک کے تمام قراء ان کے مرہون منت اور سب کی گردنیں ان کے آگے خم ہیں۔ ذہبی نے سچ کہا ہے الیٰ ابی عمرو المنتھی فی اتقان القرائت۔ یعنی قراء توں کا مضبوط ومستحکم علم ابوعمرو دانی پر ختم ہے۔ (اعیان الحجاج ص۳۶/۲)

وفات آپ کی وفات نصف شوال ۴۴۴ھ میں ہوئی اور اسی دن بعد نماز عصر دانیہ کے قبرستان میں دفن کئے گئے اور اس وقت اس شہر کا بادشاہ آپ کے جنازے میں شریک ہوا اور ایک جم غفیر نے آپ کے جنازے میں شرکت کی۔ نور اللہ مرقدہٗ۔

(سیر اعلام النبلاء ص۱۸/۷۷)

حضرت امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقیؒ المتوفی ۴۵۸ھ

نام و نسب نام احمد، والد کا نام حسین کنیت ابوبکر۔

ولادت آپ ماہ شعبان ۳۸۴ھ میں بیہق میں پیدا ہوئے۔

تعارف آپ نے فقہ اپنے زمانے کے مشہور فقیہ و عالم ابوسہل صعلوکیؒ اور ابوالفتح ناصر بن محمد عمری مروزیؒ سے حاصل کیا، آپ کو اپنے اساتذہ میں سے ابوالحسن محمد بن حسین علویؒ اور ابوعبداللہ حاکمؒ سے استفادہ کا زیادہ موقع ملا اور آپ خاص طور پر حاکم کے جلیل القدر تلامذہ میں سے شمار کیے جاتے تھے۔ اور ایک طویل عرصہ تک آپ کی صحبت میں رہنے کا اتفاق ہوا تھا۔

تلامذہ آپ کے تلامذہ کی ایک طویل فہرست ہے۔ اس وقت کے بہت سے علماء نے آپ سے استفادہ کیا ان میں سے آپ کے فرزند اسمٰعیل بن احمدؒ، حسین بن احمد بن علیؒ، ابوالقاسم زاہر بن طاہر شحامی وغیرہم ہیں۔ شیخ الاسلام ابواسمٰعیل انصاری کو بھی امام بیہقی سے اجازت حاصل تھی۔

طلب حدیث کیلئے سفر آپ بچپن سے ہی حدیث کے مبارک علم کی تحصیل و تکمیل اور اس کی جمع و تحریر میں مشغول ہو گئے تھے۔ آپ نے اس کے لئے متعدد مقامات اور علمی مراکز کا سفر

بھی کیا تھا۔

فضل وکمال آپ کے حفظ اور ضبط اور ثقاہت اور اتقان پر ائمۂ فن اور محدثین کا اتفاق ہے۔ ابوالحسن عبدالغافر فارسیؒ فرماتے ہیں کہ آپ اپنے زمانے میں حفظ میں یکتا اور اپنے تمام معاصرین میں ضبط واتقان کے اعتبار سے یگانہ تھے۔

ظہیرالدین بیہقی لکھتے ہیں کہ فن حدیث میں آپ کا کوئی ہم پلہ نہ تھا۔ امام بیہقی کو فقہ اور اصول میں پورا ادراک حاصل تھا۔ فقیہ جلیل اور اصولی ان کے نام کا جزبن گیا تھا۔ آپ کی تصنیفاتِ حدیث ہیں گوناگوں فقہی معلومات ومسائل موجود ہیں۔ اسی لئے انکو علم حدیث وفقہ کا جامع کہا جاتا ہے۔

تحقیق وانصاف پسندی آپ کی ایک خصوصیت نیک نیتی اور انصاف پسندی بھی ہے۔ مورخین اور اصحاب سیر نے علمی وفنی مباحثہ میں امام صاحب کی غیر معمولی تحقیق وتدقیق اور انصاف پسندی کا ذکر کیا ہے۔

مسلک آپ مسلکاً شافعی المذہب تھے اور آپ کو اس مذہب سے غیر معمولی تعلق اور لگاؤ تھا۔ اور آپ نے اس کی نشرو اشاعت اور تہذیب وتنقیح میں اہم کردار ادا کیا۔ اور اس مسلک کو آپ سے بہت زیادہ فائدہ پہنچا۔ کوئی شافعی المسلک آپ کی تصنیفات سے بے نیاز نہیں ہوسکتا ہے۔

زہد وورع آپ زہد وورع میں ممتاز تھے۔ تذکرہ نگاروں نے آپ کو دیندار صاحب ورع زاہد قانت اور عفیف

وغیرہ لکھا ہے۔ آپ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وفات سے تیس سال پہلے سے مسلسل روزے رکھنا شروع کر دیئے تھے۔ (تذکرۃ المحدثین ص۲۱۵)

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ نے آپ کے تذکرے میں جو کچھ تحریر کیا ہے اس کو بعینہٖ نقل کرتا ہوں۔

احمد بن حسین نام ابوبکر کنیت تھی، بیہق (سبزوار) وطن تھا، فقیہ، محدث اصولی اور مشہور مصنف و حافظ حدیث ہیں۔ حاکم صاحب مستدرک کے شاگرد تھے، بڑے عابد و پرہیز گار تھے اور زاہدانہ زندگی گزارتے تھے سنن کبریٰ، معرفۃ السنن والآثار، دلائل النبوۃ اور شعب الایمان کے ناموں سے کون واقف نہیں ہے۔ یہ انہیں کی تصنیفات ہیں۔ امام الحرمین (شافعی) کا قول ہے کہ ہر شافعی کا ہر شافعی پر احسان ہے اور بیہقی کا امام شافعی پر احسان ہے۔ اور امام الحرمین کا یہ قول ان کتابوں کے پیش نظر ہے جو بیہقی نے امام شافعی کی تائید و حمایت میں لکھی ہیں۔ آخر عمر میں ائمہ علم کی درخواست پر بیہق سے نیشاپور آگئے، وہاں ان کے لئے ایک خاص مجلسِ درس قائم ہوئی اور انہوں نے اپنی تصنیفات سنائیں۔ اس مجلس میں بڑے بڑے علماء شریک ہوتے تھے۔

آپ کا سفر حج بڑا امتیاز سفر تھا اس لئے کہ اس سفر میں شیخ الصوفیہ امام ابوالقاسم قشیریؒ اور امام الحرمین بھی ساتھ تھے۔ (اعیان الحجاج ص۳۳)

وفات آپ کی وفات ۱۰ جمادی الاولی ۴۵۸ھ میں نیشاپور میں ہوئی اور بیہق میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (تذکرۃ المحدثین ص۲۱۵)

اور اعیان الحجاج میں سال وفات ۴۴۸ھ درج ہے۔ (اعیان الحجاج ص۳۴)

حضرت حسن ابو علی الجوزجانی رحمۃ اللہ المتوفی

نام ونسب نام حسن، والد کا نام علی، کنیت ابو علی۔
آپ اپنے دور میں خراسان کے کبار علماء میں سے تھے۔ اور آپ کا بیان مناسب مکمل ومدلل ہوتا تھا۔ آپ طبقہ دوئم کے مشائخ میں شمار کیے جاتے ہیں اور اپنے وقت کے بے نظیر صوفی اور شیخ طریقت تھے۔ آپ شیخ محمد بن علی الترمذی اور شیخ محمد بلخیؒ کی صحبت میں رہا کرتے تھے۔ آپ کی تصانیف بھی ہیں۔ (نفحات الانس ص۳۰)

ارشادات آپ فرماتے تھے کہ تین چیزیں توحید کے ستون ہیں (۱) خوف وخشیت (۲) رجاء وامید (۳) محبت۔

۱۔ خوف کی زیادتی گناہوں کی وعید کی زیادتی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

۲۔ امید کی زیادتی نیک اعمال پر اللہ کے وعدوں کی زیادتی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

۳۔ اللہ کی محبت کی زیادتی ان کے ذکر کی زیادتی پر اللہ تعالیٰ کے انعام واحسان کی وجہ سے ہوتی ہے۔

خائف (ڈرنے والا) محبوب کے ذکر سے غافل نہیں ہوتا۔ خوف روشن کرنے والی نار وآگ ہے۔

رجا۔ (امید) روشن کرنے والا نور وروشنی ہے۔ اور محبت نور الانوار یعنی نوروں کا نور ہے۔

ف: سبحان اللہ ان حقائق کی کیا ہی خوب تشریح فرمائی ہے جو

قلوب پر لکھے جانے کے قابل ہیں۔ (مرتب)

بخل کے بارے میں آپ کا قول ہے کہ بخل میں تین لفظ ہیں۔

۱۔ "ب" جس سے مراد بلاء ہے۔ ۲۔ "خ" جس سے مقصود خسران ہے

۳۔ "ل" جس کے معنی لوم کے ہیں یعنی ملامت۔

پس بخیل اپنے بخل کی وجہ سے بلاء و مصیبت میں گرفتار رہے اور اپنی کوشش میں خاسر و ناکام ہے نیز صفت بخل کی بناء پر اس کی ملامت کی جاتی ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ص۳۷۷)

ف : اس سے بخل کی کیسی مذمت ثابت ہوئی۔ اس لئے علماء ربانیین نے اس کو صفات مذمومہ میں شمار فرمایا ہے جس کی اصلاح کو ضروری قرار دیا ہے تاکہ برے نتائج سے حفاظت رہے۔ (مرتب)

آپ کے کلام سے یہ بات ہے کہ منجملہ علامات سعادت کے یہ ہے کہ بندے پر طاعات کا کرنا آسان ہو۔ اور افعال میں سنت کی متابعت نصیب ہو، اور صالحین سے محبت ہو، بھائیوں کے ساتھ حسن خُلق کا معاملہ ہو، عام مخلوق کے ساتھ جود و سخا ہو، امور مسلمین کا خیال ہو، اور اپنے اوقات کی حفاظت کا التزام ہو۔ اور شقاوت کی علامت ان صفات کے برعکس ہے۔

فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا سب سے درست اور آباد اور شک و شبہ سے دور والا راستہ قول و فعل، عزم اور قصد میں اتباع سنت کا طریقہ ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا (اگر ان کی اطاعت کروگے تو ہدایت یاب ہوجاؤگے۔)

ف : سبحان اللہ کس قدر جامع و نافع ارشادات ہیں جن کو پیش نظر

رکھنا ہر مسلمان کے لئے لازم ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا سب سے درست اور یقینی راستہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہر قول وفعل کی متابعت ہے۔ (مرتب)

آپ سے دریافت کیا گیا کہ اتباع سنت تک پہنچنے کا کیا ذریعہ ہے؟

تو فرمایا کہ: اس کا طریقہ یہ ہے کہ بدعات سے اجتناب کریں۔ صدر اول کے علماء نے جن چیزوں پر اتفاق کر لیا ہے اس کی اتباع کریں۔ علم کلام کی مجالس اور اصحاب کلام سے احتراز کریں۔ اور سلف صالحین کے طریقہ کو لازم پکڑیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ اِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا (سو تم ملت ابراہیم کا اتباع کرو جس میں ذرا کجی نہیں۔) (طبقات ج ۱ ص۲۷)

ف: اسی طرح قرن اول کے علماء کے متفقہ مسائل میں ان کی اتباع کو ضروری قرار دیا ہے اس لئے کہ جمہور امت کے طریقہ سے سرمو انحراف نہ کرنے میں ہی عافیت ہے اس لئے کہ جن علماء اعلام نے جمہور کے مسلک کی مخالفت کی آخر میں ان کو بعد از خرابی بسیار جمہور کے مسلک کی طرف رجوع کرنا ہی پڑا ہے، اس لئے سیرت سلف اور مسلک جمہور سلف کو لازم سمجھنا چاہیئے۔ خوب سمجھ لیں۔ (مرتب)

وفات آپ کا انتقال ۴۶۰ھ میں ہوا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

(سیر اعلام النبلاء ص۱۷۸ ج۱۸)

حضرت علی ابن عثمان ہجویری المتوفی ۴۶۰ھ

نام و نسب نام علی کنیت ابو الحسن، والد کا نام عثمان بن ابی علی ہجویری ہے۔ داتا گنج کے نام سے مشہور ہیں۔

تعارف آپ اپنے زمانہ کے بڑے شیخ، عالم، محدث اور زاہد تھے۔ آپ نے اپنے زمانہ کے مشائخ کبار اور علماء محدثین سے علوم کی تحصیل کی۔ ہجویر اور جلاب غزنین کے دو گاؤں ہیں۔ شروع میں آپ کا قیام وہیں رہا اس لئے ہجویری اور جلابی کہلائے۔ آخر میں لاہور تشریف لائے اسی لئے لاہوری کہلاتے ہیں۔

ولادت آپ کی ولادت ۴۰۰ھ میں ہوئی۔

تصنیف آپ کی مشہور تصنیف کشف المحجوب ہے جو ہر زمانہ میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے بے مثل سمجھی گئی ہے۔ فارسی زبان میں تصوف کی یہ پہلی کتاب ہے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا ارشاد ہے کہ جس کا کوئی مرشد نہ ہو اس کو کشف المحجوب کے مطالعہ کی برکت سے باطنی دولت مل جائے گی۔

حضرت شرف الدین یحییٰ منیری اپنے مکتوبات میں اس کتاب کا جا بجا ذکر فرماتے ہیں۔ حضرت جہانگیر اشرف سمنانی کے ملفوظات لطائف اشرفی میں اس کا حوالہ بکثرت موجود ہے۔ ملا جامی رقمطراز ہیں کشف المحجوب از کتب معتبرہ مشہورہ در ایں فن است ولطائف وحقائق دراں کتاب جمع کردہ است۔ چنانچہ آپ نے ارقام فرمایا ہے کہ ظاہر بغیر باطن کے منافقت ہے اور باطن بغیر ظاہر کے زندقہ ہے۔ علم باطن حقیقت اور علم ظاہر شریعت ہے۔ علم حقیقت کے تین ارکان ہیں (۱) اللہ تعالیٰ کی ذات

کا علم یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اور نہ کسی مکان میں ہے نہ جہت
میں۔ اس کا کوئی مثل نہیں (۲) اللہ تعالیٰ کے صفات کا علم یعنی وہ عالم
ہے اور ہر چیز کو جانتا دیکھتا اور سنتا ہے۔ (۳) اللہ تعالیٰ کے افعال کا
علم یعنی وہ تمام خلائق کا پیدا کرنے والا ہے۔ (بزم صوفیہ ص۱۴۱)

آداب سالک حضرت شیخ ہجویری نے کشف المحجوب میں مختلف ابواب
میں سالک کے طریق و آداب پر بحث کی ہے جس کا خلاصہ
یہ ہے کہ (۱) سالک ہر حال میں حق کی اتباع کرتا ہو۔ (۲) بندوں کا
بھی حق ادا کرتا ہو۔ (۳) اس کے لئے کسی شیخ کی صحبت ضروری ہے کیونکہ
تنہائی اسکے لئے آفت ہے۔ (۴) جب کوئی درویش اس کے پاس آئے
تو عزت کے ساتھ استقبال کرے۔ (۵) سفر کرے تو اللہ کے لئے کرے یعنی
اس کا سفر حج یا غزوہ یا علم یا کسی شیخ کی تربت کی زیارت کیلئے ہو۔
(۶) اس کا کھانا پینا بیماروں کے کھانے پینے کی طرح ہو یعنی زیادہ تکلف
نہ ہو، اور حلال ہو اور وہ دنیا دار کی دعوت قبول نہ کرے (۷) چلے تو خاکساری
و تواضع سے چلے، تکبر و رعونت اختیار نہ کرے۔ (۸) اسی وقت سوئے
جب نیند کا غلبہ ہو (۹) خاموش رہے کیونکہ خاموشی گفتار سے بہتر ہے۔
لیکن گفتار کے ساتھ حق ہو تو خاموشی سے بہتر ہے۔ (۱۰) کسی چیز کی طلب
کرے تو اللہ تعالیٰ سے کرے۔ (۱۱) تجرد کی زندگی سنت کے خلاف ہے
اس کے علاوہ تجرد میں نفسانی خواہشات کا غلبہ رہتا ہے لیکن اگر سالک
خلق سے دور رہنا چاہتا ہو تو مجرد رہنا اس کے لئے زینت ہے۔ (بزم صوفیہ ص۱۴۲)

ف: سبحان اللہ کیا ہی خوب آداب تحریر فرمائے ہیں۔ اللہ تعالےٰ
ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین واللہ الموفق۔ (مرتب)

ایثار کا واقعہ

آپ فرماتے ہیں کہ خواجہ احمد حماد سرخسیؒ کی رفاقت میں میں نے بہت سے عجائبات کا مشاہدہ کیا۔ ایک دن میں نے خواجہ احمدؒ سے پوچھا کہ آپ کا ابتدائی حال کیسا تھا تو کہا کہ میں سرخس سے روانہ ہوا اور جنگل میں اونٹوں کی نگہداشت کرنے لگا۔ مجھے بھوکا رہنا بہت پسند تھا۔ اپنے حصہ کا کھانا دوسروں کو کھلا دیا کرتا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پیش نظر رہتا۔ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (یعنی خود حاجتمند رہتے ہوئے دوسروں پر ایثار کرتے ہیں) ایک دن ایک شیر جنگل سے نکل کر میرے ایک اونٹ کو دبوچ کر ٹیلے پر لے گیا اور وہاں جا کر دھاڑا۔ جنگل کے تمام دوسرے جانور اس کی دہاڑ سن کر اکٹھے ہو گئے۔ شیر نے اونٹ کو پھاڑ دیا اور چلا گیا۔ خود کچھ نہیں کھایا، دوسری جگہ جا کر بیٹھ گیا۔ تمام درندوں اور دوسرے جنگلی جانوروں نے مل کر اونٹ کو کھایا اور سیر ہو کر چلے گئے۔ جب سب جانور چلے گئے تو پھر شیر آیا اور اس میں سے کچھ کھانا چاہا اسی وقت دور سے ایک لومڑی نظر آئی شیر پھر ٹیلے پر چلا گیا۔ لومڑی آئی اور کھا کر چلی گئی پھر شیر اتر کر آیا اور کچھ اس میں سے کھایا۔ میں دور سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس نے چلتے وقت مجھ سے کہا اے احمد لقمہ کا دے دینا کتوں کا کام ہے اور مردوں کا کام یہ ہے کہ اپنی جان دوسروں پر قربان کر دیں۔ جب میں نے شیر سے یہ پختہ دلیل سنی میں نے تمام مشاغل چھوڑ دیئے اور یہیں سے میرے توبہ کی ابتدا ہوئی۔ (نفحات الانس ص۵۵۲)

ف: غور فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے خواجہ احمد سرخسیؒ کی تربیت کیلئے کیسا عجیب وغریب طریقہ اختیار فرمایا کہ ایک درندہ شیر کی زبان سے نہایت اہم حقیقت کو آشکارہ فرمایا کہ جوانمردی کی حقیقت یہ ہے کہ دوسروں کو

کھلا کر خود کھائے۔ اس لئے سالکین راہ کو تو کم از کم اسے اختیار کرنا ہی چاہیئے بلکہ ہر مسلمان کا یہ جذبہ ہونا چاہیئے کہ کھانا ہی نہیں بلکہ اپنی تمام ضروریات کو پس پشت ڈال کر اپنے بھائیوں کی ضروریات کیلئے پوری کرے۔ یعنی ایثار وہمدردی کو اپنا شعار بنائے۔ پس اس کے خلاف طریق اختیار کرنا مردانِ حق کا شیوہ نہیں۔ اسی کو کسی بزرگ نے ذرا سخت الفاظ میں یوں فرمایا ہے۔ ے

ہر حریصے ناسزائے ترک دنیا کے کند
شیر مردے باید و دریا دلے مردانہ

یعنی ترک دنیا ہر حریص و نالائق کا کام نہیں بلکہ اس کے لئے شیر مرد اور دریا دل ہونے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مردان راہ کی صفات سے متصف فرمائے۔ آمین! واللہ الموفق۔ (مرتب)

وفات آپ کا انتقال ۲۰ ربیع الثانی ۴۶۵ھ میں لاہور میں ہوا وہاں آپ کی قبر آج بھی زیارت گاہ خاص وعام بنی ہوئی ہے۔ (نزہۃ الخواطر صـ ۶۷)

ء : نہایت حسرت وافسوس کے ساتھ یہ عرض ہے کہ یکم جولائی ۲۰۱۰ء بروز جمعرات حضرت ابوالحسن ہجویری کے درگاہ میں دو شخص داخل ہوگئے اور خود کو بم سے اڑا دیا اور بینتالیس مسلمانوں کو موت کی نیند سلا دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس درگاہ کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر وقت کلام اللہ کی تلاوت ہوتی رہتی ہے مگر ان کو ان عبادت گذاروں و تلاوت کرنے والوں پر ذرا ترس نہ آیا۔ فیا ویلاہ وحسرتاہ (مرتب)

حضرت ابوبکر خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۴۶۳ھ

نام و نسب نام احمد، والد کا نام علی، دادا کا نام ثابت، کنیت ابوبکر، لقب خطیب۔

ولادت آپ کی ولادت پنجشنبہ کے دن ۲۴ جمادی الاخری ۳۹۲ھ کو عراق کے قریہ درزیجاں میں ہوئی۔ یہ بغداد کے قریب اسکے مغرب جانب دریائے دجلہ کے کنارے ایک بڑا گاؤں ہے لیکن چونکہ پرورش دارالسلام بغداد میں ہوئی، اسی وجہ سے آپ بغدادی کہلاتے ہیں۔

فضل و کمال اپنے صاحب علم و کمال باپ کی وجہ سے ابوبکر خطیب بچپن ہی سے علم و فن کی تحصیل میں منہمک ہو گئے تھے۔
آپ کے اساتذہ میں مختلف اسلامی ملکوں اور مراکز حدیث کے فضلاء شامل ہیں۔

حدیث آپ جب گیارہ سال کے ہوئے تو آپ کے والد مکرم نے باقاعدہ حدیث کا سماع شروع کرایا اس کے بعد بیس سال کی عمر تک وہ اپنے وطن ہی کے علماء اعلام اور اساطین فن سے استفاضہ کرتے رہے۔ چنانچہ حضرت عطاءؒ جو فن حدیث میں کمال رکھتے تھے انہوں نے آپ کے ضبط حفظ، ثقاہت، اتقان اور روایت میں اہمیت کا اعتراف کیا ہے

(تاریخ المحدثین ص ۲۶۴)

خطیب بغدادی اپنے عہد میں حدیث کے بے نظیر عالم تھے اور خاتمۃ الحفاظ تھے۔ موتمن ساجی نے صحیح لکھا ہے کہ دارقطنی کے بعد خطیبؒ جیسا محدث بغداد

میں پیدا نہیں ہوا۔ آپ میں مذکورہ بالا کمالات کے علاوہ یہ بھی کمال تھا کہ آپ دمشق کی جامع اموی میں اتنی بلند آواز سے حدیث پڑھتے تھے کہ ان کی آواز جامع کے آخری حصے تک پہنچتی تھی اور پورے اعراب کے ساتھ نہایت صحیح پڑھتے تھے۔

ان کمالات کے باوجود ان میں بڑوں کا احترام اور تواضع بھی اس درجہ تھا کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ ابوبکر حافظ حدیث آپ ہی ہیں انھوں نے کہا کہ میں احمد بن علی خطیب ہوں۔ حفظ حدیث کا تو دارقطنی پر خاتمہ ہو چکا ہے۔ (اعیان الحجاج ص۳۵)

ف: یقیناً تواضع وانکسار کمال علم کا ثمرہ ہے۔ اگر کسی کے اندر نہ ہو تو اس کے پیدا کرنے کی فکر وسعی کرنی چاہئے۔ اور اللہ رب العزت سے اس کے لئے خوب دعائیں کرنی چاہئے۔ واللہ الموفق۔ (مرتب)

فقہ آپ نامور اور ممتاز فقیہ بھی تھے۔ علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ وہ اصلاً فقیہ تھے لیکن فن حدیث وتاریخ سے ان کو زیادہ سروکار رہا اسی لئے ان علوم کا ان پر غلبہ رہا۔

قرأت وعلم قرآن فن قرأت وتجوید اور علوم قرآنیہ میں آپ ممتاز تھے۔ بڑے خوش الحان تھے اور قرآن پاک نہایت ترتیل سے پڑھتے تھے۔ آپ کے حسن قرأت اور لب ولہجہ کا خاص طور پر تذکرہ ملتا ہے۔

زہد وتقویٰ آپ زہد وتقویٰ میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے انفاق فی سبیل اللہ کا ذوق آپ کے اندر بہت زیادہ تھا۔ تصنیف و

تالیف اور درس و تدریس اور مطالعہ حدیث سے جو وقت بچتا تھا وہ عبادت اور تلاوت قرآن میں صرف ہوتا تھا۔ اور دن ڈوبنے سے قبل قرآن ختم کر لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد لوگ سواری کی حالت ہی میں ان کے گرد اکٹھا ہو جاتے اور حدیث سنانے کی درخواست کرتے تھے، وہ سُنانا شروع کر دیتے تھے۔ (تذکرۃ المحدثین صـ۲۶۴)

تاریخ حدیث، فقہ، کی طرح تذکرہ، تراجم اور تاریخ بھی آپ کا خاص موضوع تھا۔ چنانچہ آپ کی شہرۂ آفاق تصانیف میں تاریخ بغداد کو عالمگیر شہرت حاصل ہے جو چودہ جلدوں میں مصر میں شائع ہو چکی ہے۔ اصول حدیث میں ان کی کتاب الکفایہ حیدر آباد میں چھپی ہے۔ ان کے علاوہ تقریباً سو کتابوں کے وہ مصنف ہیں۔ شافعی المذہب تھے۔ فقہ میں ابو طالب طبری کے شاگرد تھے۔ نیشاپور و اصفہان اور شام و حجاز وغیرہ میں انہوں نے حدیثیں سنیں، ۴۴۵ھ میں انھوں نے دمشق کا سفر کیا تھا، اسی سال حج کیا۔ حج میں اس سال قضاعی محدث بھی آئے ہوئے تھے۔ خطیب نے مکہ میں ان سے حدیثیں سنیں اور وہیں کریمہ بنت احمد کے پاس جو صحیح بخاری کی مشہور راویہ تھیں، پانچ دن میں صحیح بخاری سنا کر ختم کی۔

ف: سبحان اللہ! ایک عورت حضرت کریمہ کو اللہ تعالیٰ نے کتنا شرف عطا فرمایا تھا کہ خطیب بغدادی نے ان کو صحیح بخاری سنائی۔ (مرتب)

ارشادات خطیب بغدادی فرماتے تھے، میں نے آب زمزم پیتے وقت نیت کی تھی کہ میں بغداد پہنچ کر اپنی تاریخ بغداد لوگوں کو سنادوں اور یہ کہ میں بغداد ہی میں مروں اور مرنے کے بعد بشر حافی کے پاس مجھ کو

جگہ ملے۔ دو باتیں تو پوری ہو چکیں کہ بغداد پہنچ گیا اور تاریخ بغداد
امید کرتا ہوں کہ تیسری بات بھی پوری ہو گی۔[1] ابوالفرح اسفرائینی کا بیان
ہے کہ سفر حج میں ہم خطیب بغدادی کے ساتھ تھے۔ اس سفر میں ہم نے
ان کو دیکھا ہے کہ روزانہ ایک ختم قرآن پاک پڑھا کرتے تھے۔ ترتیل کے
ساتھ پڑھتے تھے۔ (اعیان الحجاج ص۲۵ ج۲)

وفات آپ رمضان المبارک ۴۶۳ھ میں بیمار ہوئے اور ذی الحجہ
کی ابتدائی تاریخ میں آپ کی حالت زیادہ خراب ہو گئی
اور بالآخر، ذی الحجہ بروز دوشنبہ اکہتر (۷۱) سال کی عمر میں داعی اجل
کو لبیک کہا اور دوسرے روز آپ کی تجہیز و تکفین عمل میں آئی۔
رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (تذکرۃ المحدثین)

---

[1] اس واقعہ میں ذہبی کا بیان ابن الجوزی کے بیان سے مختلف ہے۔ ذہبی نے تین باتوں
میں سے ایک بات جامع منصور میں حدیث سنانے کی تمنا نقل کی ہے۔ ۱۲

حضرت امام تصوف ابوالقاسم القشیری رحمہ اللہ المتوفی ۴۶۵ھ

نام ونسب نام عبدالکریم، کنیت ابوالقاسم، والد کا نام ہوازن القشیری۔ استاذ کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔

ولادت آپ کی ولادت ۳۷۶ھ میں ہوئی۔

تعارف حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب اعیان الحجاج جلد دوم میں آپ کے متعلق مختصر مگر نہایت جامع تذکرہ تحریر فرمایا ہے۔ اس سے ہم اقتباسات نقل کرتے ہیں عبدالکریم بن ہوازنؒ نے ابوعلی دقاق کی صحبت میں رہ کر تصوف اور ابوبکر طوسیؒ سے فقہ شافعی اور ابوبکر بن فورک سے علم کلام حاصل کیا۔ مشائخ تصوف میں ان کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ ان کی کتاب الرسالۃ القشیریہ حقانی تصوف کی بہترین شرح اور نیک دل صوفیوں کے لئے مشعل راہ ہے۔

آپ کا تاریخی حج آپ کا سفر حج شیخ ابومحمد جوینی امام الحرمین اور امام بیہقی کی معیت میں ہوا ہے۔ اس اہم سفر میں بیہقی و امام الحرمین کے ساتھ بغداد و حجاز میں حدیثیں بھی سنی ہیں۔ (اعیان الحجاج ۱۶۳)

وعظ ونصیحت حضرت ابوعلی دقاق کی حیات ہی میں ان کی اجازت سے آپ نے مسجد میں وعظ و نصیحت کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ آپ کے مواعظ اتنے پر تاثیر ہوتے تھے کہ قلوب کو پگھلا دیتے تھے۔ مجالس میں مریدوں کے سوالات کا جواب دیکر ان کے قلوب کو منشرح فرماتے تھے

قرآن پاک سے زبردست استدلال فرماتے اور مشائخ کے کلام سے حوالہ پیش فرماتے تھے۔

ارشادات آپ فرماتے تھے کہ میں نے اپنے استاذ ابوعلی دقاق کو فرماتے ہوئے سُنا کہ ہر جدائی کی ابتدا مخالفت سے ہوتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کسی نے اپنے شیخ کی مخالفت کی تو اس کے طریقہ پر نہیں رہا اور ان دونوں کے درمیان کا رشتہ ٹوٹ گیا خواہ ایک ہی علاقہ میں کیوں نہ ہوں۔

آپ فرماتے تھے کہ جو شخص کسی شیخ کی صحبت اختیار کرتا ہے پھر اس پر دل سے اعتراض کرتا ہے۔ تو اس نے صحبت کا عہد توڑ دیا۔

آپ فرماتے تھے کہ جب مرید اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان اپنے عہد مضبوط کر چکے تو اس پر لازم ہے کہ وہ شریعت کا اتنا علم حاصل کرے جس سے اسلامی فرائض کو ادا کر سکے۔

آپ فرماتے تھے کہ مرید پر لازم ہے کہ وہ کسی شیخ سے ادب حاصل کرے اس لئے کہ اگر اس کا کوئی استاذ نہ ہوگا تو وہ کامیاب نہ ہو سکے گا۔ چونکہ میں نے اپنے استاذ ابوعلی دقاقؒ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ درخت جب بغیر کسی لگانے والے کے خود بخود اگتا ہے تو اس پر پتے تو لگتے ہیں لیکن پھل نہیں دیتا۔

ف: سبحان اللہ اس باطنی حقیقت کو ظاہری وحسی مثال سے کس قدر فہم کے قریب کر دیا۔ (مرتب)

آپ فرماتے تھے کہ مشائخ کے قلوب میں قبولیت، کسی مرید کی سعادت کی سب سے سچی شہادت ہے۔ اور جسے مشائخ میں سے کسی شیخ کے قلب نے ٹھکرا دیا وہ لامحالہ اس کا انجام دیکھے گا۔ خواہ کچھ عرصہ بعد ہی سہی۔

مرید کو نوعمر لڑکوں کی ہم نشینی اور ان کے ساتھ اختلاط سے قطعی بچنا چاہیئے اس لئے کہ اس کا تھوڑا سا حصہ بھی رسوائی کے دروازے کے کھلنے اور اللہ تعالیٰ سے جدائی کی حالت کا آغاز ہے۔

فرماتے تھے کہ اے شخص! جسے تو دیکھے کہ حق تعالیٰ نے اس کے مرتبہ کو تجھ پر مقدم کیا ہے تو تجھے اس کا خادم بن جانا چاہیئے۔ کیونکہ اہل سلوک میں سمجھدار لوگوں کا ہمیشہ یہی طریقہ رہا ہے۔ نیز فرماتے تھے کہ مریدوں کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے کو بڑا بننے اور اپنے کو صدارت کے مواقع سے بچائیں۔ بلکہ ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے کو مشائخ کے شاگردوں اور مریدوں میں شمار کریں۔ کیونکہ مرید اگر نفس کے آفات کے ختم ہونے سے پہلے ہی مراد ہو جائے گا تو وہ حقیقت سے محروم ہو جائے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا اس کے ارشادات اور تعلیمات سے کسی کو فیض نہ ہوگا۔ (روح تصوف ترجمہ الرسالۃ القشیریہ ص۶۵)

نوٹ: مذکورہ بالا تمام نصائح آپ ہی کی شہرہ آفاق کتاب الرسالۃ القشیریہ کے اردو ترجمہ "روح تصوف" سے نقل کیا ہے اب چند اہم نصائح اسی کتاب کے ایک باب "الوصیۃ للمریدین" کے اردو ترجمہ "النصیحۃ للمسترشدین" سے نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جس کا ترجمہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ اور مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کرایا ہے۔

نصیحت: پہلا قدم مرید کا اس طریق میں صدق یعنی خلوص پر ہونا چاہیئے۔ بقول حضرت مولانا فریدالدین عطار رحمۃ اللہ ؎

در ارادت باش صادق اے فرید تا بیابی گنج عرفاں را کلید

یعنی اے فرید ارادت میں سچے رہو تاکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کی کنجی پاجاؤ۔

تاکہ اصل صحیح پر مبنی ہوکر بنائے صحیح قائم ہو ورنہ یہ شعر صادق ہوگا۔ ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج تا ثریا می رود دیوار کج

یعنی جب راجگیر پہلی اینٹ ٹیڑھی رکھتا ہے تو ثریا تک دیوار ٹیڑھی ہی جائے

اسی لئے مشائخ نے فرمایا ہے کہ لوگ اضاعت اصول کے سبب دولت وصول

سے محروم رہتے ہیں۔ (مرتب)

نصیحت: احکام مریدین سے یہ بھی ہے کہ جب وہ اپنے جائے قیام پر کوئی شیخ مربی

نہ پائے تو اس کو ایسے شخص کی جانب ہجرت کرنی چاہئے جو اسکے زمانہ میں ارشاد مریدین

کے منصب پر منجانب اللہ مامور رہو اور اسکے پاس جاکر قیام کرے اور اسکی چوکھٹ

سے تا وقت اجازت جدا نہ ہو۔

نصیحت:۔ اس طریق کی بناء اور مدار آداب شریعت کی حفاظت پر ہے اور ہاتھ

کو حرام و مشتبہ کی طرف بڑھنے سے محفوظ رکھنے پر اور حواس کو ممنوعات شرعیہ سے بچانے

پر اور انفاس کو غفلتوں سے ہٹا کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ کرنے پر ہے اور اس پر کہ

ایک ادنیٰ تل کو جس میں شبہ ہو ضرورتوں کے وقت بھی حلال نہ سمجھے اور عدم اضطرار

اور راحتوں کے وقت کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

سبحان اللہ! کس قدر بصیرت سے بھرے ہوئے نصائح ہیں ان کو بار بار پڑھا

جائے اور خوب سمجھ کر عمل کرنے کی کوشش کی جائے۔ واللہ الموفق (مرتب)

(معارف صوفیہ صہ ۳۰۵ بحوالہ النصیحۃ للمسترشدین)

وفات ربیع الآخر ۴۶۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

(نفحات الانس صہ ۵۴۵)

حضرت الشیخ ابو الحجاج الاقصری رحؒ المتوفی چوتھی یا پانچویں صدی

تعارف آپ کے شیخ جن کی مزار اسکندریہ میں ہے، شیخ ابو مدین رحؒ کے معزز اصحاب میں سے تھے۔ طریقت میں آپ کا کلام بلند تھا. آپ جلیل القدر کبیر الشان بزرگ تھے۔

سبق آموز واقعہ لوگوں نے ایک مرتبہ آپ سے سوال کیا کہ آپ کا پیر کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ میرا پیر گبریلا ہے۔ لوگوں نے خیال کیا کہ شاید شیخ مذاق میں یہ کہہ رہے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں یہ مذاق میں نہیں کہہ رہا ہوں۔ تو لوگوں نے سوال کیا کہ گبریلا ہے کیا؟ آپ نے فرمایا کہ میں جاڑوں کی راتوں میں سے ایک رات جاگ رہا تھا کہ اچانک میری نظر ایک گبریلے پر پڑی جو چراغ دان پر چڑھ رہا تھا اور برابر کوشش کر رہا تھا لیکن چڑھنے میں اسے کامیابی نہیں مل پا رہی تھی، بار بار گر جاتا تھا۔ تو میں نے اُس کی ناکامی کو شمار کیا، تو وہ سات سو پہنچ گئی۔ لیکن پھر بھی اُس نے ہمت نہ ہاری اور فجر کا وقت ہو گیا، اور میں نماز فجر کیلئے باہر آگیا۔ اور نماز سے فارغ ہو کر جب اندر گیا تو دیکھا کہ گبریلا چراغ دان کے اوپر چراغ کے بازو میں جلوہ افروز ہے۔ تو جو کچھ میں نے سیکھا اسی سے سیکھا۔

ف: اِس سے معلوم ہوا کہ اِس طریق میں ہمت نہ ہارنی چاہیئے۔ طالب اگر جد و جہد جاری رکھے گا تو ایک نہ ایک دن منزلِ مقصود تک پہنچ ہی جائے گا۔ (مرتب)

نفس سے مکالمہ آپ فرماتے ہیں کہ میں اپنے ابتدائی دور میں

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ کا ذکر کیا کرتا تھا اور اس سے کبھی بھی غافل نہ ہوتا تھا، تو ایک بار میرے نفس نے مجھ سے سوال کیا کہ تیرا رب کون ہے؟ اُس کے جواب میں میں نے کہا کہ میرا رب اللہ ہے۔ تو نفس نے کہا کہ میرے سوا تیرا رب کوئی نہیں ہے۔ اس وجہ سے کہ حقیقت میں رب وہی ہے جسکی بندگی کی جائے اور اس کا حکم بجالایا جائے۔ اور تم میرا حکم بجالاتے ہو، اس وجہ سے میں ہی تمھارا رب ہوں۔ کیونکہ جب میں تم سے کھانا کھلانے کو کہتا ہوں تو تم مجھ کو کھانا کھلاتے ہو، اور سونے کو کہتا ہوں تو سوتے ہو اور اُٹھنے کو کہتا ہوں تو اُٹھتے ہو، چلنے کو کہتا ہوں تو چلتے ہو، سُننے کو کہتا ہوں تو سُنتے ہو اور پکڑنے کو کہتا ہوں تو پکڑتے ہو۔ تم میرے سارے حکموں کو بجالاتے ہو، اس وجہ سے میں ہی تمھارا رب ہوں اور تم میرے بندے ہو۔

تو آپ فرماتے ہیں کہ میں کافی دنوں تک اس میں متفکر رہا۔ پھر میرے لئے (من جانب اللہ) شریعت کا ایک چشمہ ظاہر ہوا، اور اُس نے مجھ سے کہا کہ تو نفس سے اللہ تعالےٰ کی کتاب کے ذریعہ جنگ کر، یعنی جب وہ تم سے کہے کہ سو رہو، تو اُس سے کہو کہ "كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ" (رات کو بہت ہی کم سوتے تھے) اور جب تم سے کہے کہ کھاؤ، تو تم اُس سے کہو کہ "كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا" (کھاؤ، پیو اور فضول خرچیاں نہ کرو) اور جب کہے کہ چلو، تو کہو "وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا" (زمین پر اکڑ کر نہ چلو) اور جب تم سے کسی چیز کو پکڑنے کے لئے کہے تو اُس سے کہہ دو "وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ" (اپنے ہاتھ کو نہ گردن میں بندھا رکھو، اور نہ پوری طرح پھیلاؤ) تو میں نے

اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہا کہ ان کاموں کی حقیقت یہ ہے، تو پھر مجھے کیا ملیگا، اگر میں ان کاموں کو اس سمجھ کے ساتھ کروں؟ تو اُس نے کہا کہ تب تو میں تجھ کو پرہیزگاروں کی خلعت پہنا دوں گا اور عارفوں کے تاج سے سرفراز کروں گا، اور صدیقوں کا پٹکا تیرے زیر کمر کر دوں گا، اور تجھ کو محققوں کا ہار پہنا دوں گا اور عاشقوں کے بازار میں " اَلتَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّائِحُوْنَ الرَّاكِعُوْنَ" کا اشتہار تیری نسبت کر دوں گا۔ (طبقات کبریٰ ص۱۵۷)

ف: سبحان اللہ، کیا خوب مکالمہ ہے جو سب کے لئے بصیرت افروز ہے۔ (مرتب)

ارشادات

آپ فرماتے تھے کہ جس شخص کو اس راہ کا طالب پاؤ، میرے پاس لاؤ، اگر وہ سچا طالب ہوگا تو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے کی میری ذمہ داری ہوگی۔ اور اگر غافل ہوگا تو اس کو دور کر دوں گا، تاکہ وہ مریدوں کو ضائع نہ کرے۔

فرماتے تھے کہ میں اور میرے پیر بھائی ابوالحسن ابن الصائغ اپنے شیخ کے پاس اسکندریہ میں حاضر ہوتے تھے تو مجھے اپنا مقام ان سے اعلیٰ معلوم ہوتا تھا، تو میں دعا کرتا تھا کہ اے اللہ! ان کے درجہ کو میرے درجہ سے بلند فرما دے۔ اسی طرح میرے بھائی جب اپنے رُتبہ کو مجھ سے بلند پاتے تو ایسے ہی دعا کرتے تھے۔ ایسے ہی تمام بھائیوں کا حال تھا کہ آپس میں حسد و کینہ بالکل نہیں رکھتے تھے۔ (طبقات ص۱۵۷)

ف: کاش آجکل کے اخوان الطریق اس کو سمجھ لیتے اور عمل کرتے تو بہت سے نزاعات و فسادات کا خاتمہ ہو جاتا۔ اب تو حسد و کینہ کا بازار گرم

گرم ہے۔ تاہم اپنے کو اہل طریق ہی کہے جاتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ (مرتب)

آپ فرماتے تھے کہ کسی شیخ سے ملاقات کا نہ ہونا اس کی محبت میں قادح نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و صحابہؓ و تابعین سے محبت رکھتے ہیں حالانکہ ہم نے ان کو دیکھا نہیں ہے۔ اس لئے کہ معتقدات کی صورت جب ظاہر ہو تو پھر اشخاص کے دیکھنے کی حاجت نہیں رہتی بخلاف اشخاص کی صورتوں کے کہ ان کے ظہور کے باوجود معتقدات کی صورتوں کی ضرورت باقی رہتی ہے (جیسا کہ کفار عرب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو دیکھا مگر وہ ان کے لئے کافی نہ ہوا۔ اس لئے کہ اعتقاد کا ظہور نہ ہوا) ہاں اگر دونوں جمع ہو جائیں تو بڑی نعمت ہے۔ (طبقات ص ۱۵۷)

وفات تلاش بسیار کے باوجود آپ کی وفات کی تاریخ متعین نہ ہو سکی مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی یا پانچویں صدی میں وفات ہوئی۔

رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

حضرت سید سالار مسعود غازی بہرائچ رحمۃ اللہ المتوفی ۴۲۴ھ

نام ونسب نام سالار مسعود، والد کا نام ساہو، دادا کا نام عطاء اللہ تھا۔ آپ کے والد ماجد سلطان محمود کی طرف سے اجمیر میں بڑے عہدے پر فائز تھے۔ آپ سلطان محمود غزنوی کے بھانجے ہیں۔

ولادت آپ کی ولادت ۲۱ رشعبان ۴۰۵ھ میں اجمیر میں ہوئی۔

تعارف آپ مجاہد فی سبیل اللہ اور ہندوستان کے مشہور شہیدوں میں سے ہیں۔ آپ محمد بن حنفیہ علوی رح کی نسل سے ہیں۔ (نزہۃ الخواطر ص ۱۳۶ ج ۱)

مفتی عبد الباطن نعمانی بنارسی سلمہ نے "مشائخ بنارس" کے حاشیہ پر آپ کے حالات یوں لکھا ہے:۔

آپ نہایت بہادر اور نیک صفات کے حامل تھے۔ جہاد اور اعلاء کلمۃ اللہ کا جذبہ ایام طفولیت ہی سے غالب تھا۔ چنانچہ محمود غزنوی جب سومناتھ کی مشہور مہم پر ہندوستان آئے تو آپ کے والد سالار ساہو نے آپ کو بھی اسی جذبہ کی بنیاد پر اس مہم میں شرکت کا حکم دیا۔ جبکہ آپ کی عمر اسوقت صرف نو سال تھی۔ سید سالار مسعود غازیؒ اس مہم کے بعد محمود غزنوی کے ہمراہ غزنی چلے گئے۔ لیکن وہاں کے سیاسی حالات کے ناموافق ہونے کے باعث محمود غزنوی سے اجازت لیکر نیم تبلیغی و نیم فوجی جماعت کے ساتھ اشاعت اسلام و دین حق کی خدمت کی غرض سے غزنی سے ہندوستان تشریف لائے۔ غزنی سے پہلے اجمیر آئے، اور اپنے والد سالار ساہو سے ملاقات کے بعد اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اپنے مشن پر چل پڑے۔ ہندوستان کے جن جن علاقوں میں آپ تشریف لے گئے انمیں شیوپور، ملتان، اوچھ، اجودھن، دہلی، میرٹھ، گڈھ مکتیشر، سنبھل، قنوج، کڑا مانکپور، بلگرام، سترکھ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ آخر میں بہرائچ تشریف لائے۔

آپ کا فیض بنارس میں پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں جب سلطان محمود غزنوی

کو شمالی ہند کی فتح نصیب ہوئی تو آپ نے اُسوقت بنارس میں ایک تبلیغی قافلہ بھیجا جس کا مقصد اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کی نو آبادی قائم کرنا تھا۔ اِس لئے کہ بنارس ابتک اسلام کی نورانی کرنوں سے منور نہ ہو سکا تھا۔ اور یہاں کی فضا صدائے ناقوس سے گونج رہی تھی۔ اور ہر طرف رام و لچھمن کا غلغلہ بلند ہو رہا تھا۔ یہ حضرت سید سالار مسعود غازی کا فیض ہے کہ ملک افضل علوی کو بنارس کے علاقے کی خدمت سپرد کرکے اسلام کی تبلیغ کے لئے بنارس بھیجا۔ (مشائخ بنارس صـ۱۹)

اظہار حقیقت مفکر اسلام حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی ''تقویۃ الایمان'' کے حاشیہ پر رقمطراز ہیں:۔

آپ ہندوستان کے مشہور و معروف بزرگ ہیں، ان کے بارے میں بہت سے قصے بلا سند مشہور چلے آرہے ہیں۔ ان کی شخصیت پر علمی و تاریخی اعتبار سے کچھ زیادہ روشنی نہیں ڈالی جا سکتی۔ ابن بطوطہ نے بھی اپنے سفر نامہ میں ان کا تذکرہ کیا ہے اس نے لکھا ہے کہ ہندوستان کے بیشتر حصہ کو اُنھوں نے ہی فتح کیا۔

صاحب ''نزہۃ الخواطر'' نے لکھا ہے کہ: آنے والوں کا کہنا ہے کہ اُنھوں نے شادی نہیں کی تھی، اِس لئے ہر سال زائرین ان کی شادی کراتے ہیں، ان کا عرس کرتے ہیں۔ (تقویۃ الایمان صـ۲۵)

شہادت

آپ کی شہادت ۴۲۴ھ میں ضلع بہرائچ میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔

(مشائخ بنارس)

ہندوستان کے بادشاہوں نے آپ کی مزار پر عالیشان عمارت تعمیر کی ہے۔

تاریخ شہادت میں متعدد دوسرے اقوال بھی ملتے ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

حضرت وزیر بن وزیر ابو شجاع ابی یعلی المتوفی ۴۸۸ھ

نام ونسب محمد بن حسین نام تھا، یہ اور ان کے باپ دونوں دولت عباسیہ کے وزیر تھے اسی وجہ سے وزیر سے مشہور ہیں۔

اخلاق وعادات یہ نہایت نیک نام وزیر تھے، ان میں لالچ بالکل نہیں تھی۔ جب وزیر ہوئے تو چھ لاکھ دینار کے مالک تھے، سب کو خیرات وصدقات میں خرچ کر دیا

انہوں نے بہت سی جائدادیں وقف کیں، متعدد مسجدیں بنوائیں اور یتیموں اور بیواؤں پر انعامات کی خوب بارش کی۔ ایک مرتبہ شہر میں کوئی بیماری پھیل گئی تو نہایت کثیر مقدار میں دوائیں اور شربت تیار کرا کے سارے شہر میں مفت تقسیم کرائے۔

ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ ایک عورت اور اسکے چار بچے بھوکے اور ننگے ہیں۔ وزیر نے بہت کھانا اور کپڑا اور نقدی دیکر اس کو بھیجا اور اپنے کپڑے اتار کر کہا کہ جب تک آکر یہ خبر نہ کروگے کہ تم نے ان کو کھلا پہنا کر خوش کر دیا، اس وقت تک میں سردی میں یوں ہی ٹھٹھرتا رہوں گا۔ جب وہ لوٹ کر آیا تو وزیر سردی سے کانپ رہا تھا، اس نے جب خبر دی کہ ان سب نے کھا پہن لیا تو وزیر نے کپڑے پہنے۔ خاکساری اس میں اتنی تھی کہ اس نے دربان نہیں رکھے تھے۔ عورت بچے اور عوام بے روک ٹوک اس کے پاس پہونچتے تھے۔ اور وہ سب سے باتیں کرتا تھا۔ اپنے دربار میں وہ علماء وفقہاء کو ساتھ بٹھا کر کام کرتا تھا۔ اور ان کے مشورہ کے مطابق فیصلے اور احکام نافذ کرتا تھا۔ اس نے اپنے وزارت میں ہر قسم کے ٹیکس معاف کر دیئے تھے۔

حج کا واقعہ اس نے ۴۸۰ھ میں جب وہ منصب وزارت پر تھا حج کیا تو راستہ میں تمام اہل قافلہ پر دوائیں اور کھانے پینے کی چیزیں خرچ کرتا ہوا گیا اور حرمین میں بلا امتیاز روپئے وغیرہ بانٹے اور فقراء وغیرہ کے دوش بدوش مساویانہ حیثیت سے تمام مناسک واعمال حج ادا کئے اس عروج کے بعد زمانہ نے پلٹا کھایا اور وہ وزارت کی کرسی سے ہٹا دیا گیا۔ پھر اس کو بغداد سے نکل جانے کا حکم دیا گیا۔ تب اس نے حج کے لئے جانے کی اجازت مانگی جو اس کو مل گئی اور حج کے لئے چلا گیا۔

ایک صاحب کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں میری اس کی ملاقات مدینہ منورہ میں ہوئی تو اس نے میرے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ میں نے اس پر بڑا تعجب کا اظہار کیا تو اس نے کہا کہ تم زمانۂ وزارت میں میرے ہاتھوں کو بوسہ دیتے تھے تو میں نے چاہا کہ اس کی مکافات کر دوں۔

وفات بہرحال وہ مدینہ میں مجاور ہو گیا۔ جب آخری دفعہ بیمار ہوا تو اس نے اپنے کو اٹھوا کر وہاں پہنچوایا جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس کی زیارت کی جاتی ہے اور سلام پڑھا جاتا ہے۔ وہاں پہنچ کر وہ زیر کھڑا ہوا اور رو کر کہا یا رسول اللہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ"

تو میں حاضر ہو گیا ہوں اور اپنے جرائم اور گناہوں کا اقرار کرتا ہوں اور امیدوار ہوں آپ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش فرمائیں گے۔ یہ کہہ کر پھر رویا اور روتا ہوا واپس ہوا۔ اسی دن اس کی وفات ہوئی یہ ۴۸۸ھ کا واقعہ ہے۔

(ابن الجوزی وابن کثیر مختصراً) (اعیان الحجاج ج ۲ ص ۴۳)

حضرت ابو نصر بن ابو جعفر ہروی رح المتوفی ۵۰۰ھ

نام و نسب نام ابو نصر۔ والد کا نام ابو جعفر ہے۔

تعارف آپ کرمان کے رہنے والے تھے بعد میں ہرات کی طرف منتقل ہو گئے۔ اسی لئے ہروی کہلاتے ہیں۔ آپ ظاہر و باطن کے عالم اور فقیہ زمانہ تھے۔ تین سو مشائخ کی صحبت سے بہرہ ور رہے۔ حضرت خضر علیہ السلام کی صحبت میں بھی وقت گذارنے کا موقع ملا۔ حرم شریف مسجد نبوی اور بیت المقدس میں عرصہ تک مجاہدے اور عبادت میں مصروف رہے۔

عبرتناک واقعہ آپ کی توبہ کا سبب یہ ہوا کہ ایک شخص آپ سے فتویٰ لینے آیا۔ فتویٰ کا مضمون یہ تھا کہ ایک شخص نے اپنی جوانی میں چند ڈنڈے ایک دراز گوش کو مارے۔ اس وقت دراز گوش نے کہا کہ اے خواجہ تو اس وقت مجھ عاجز پر اپنا غصہ اتار رہا ہے اتار لے لیکن قیامت کے دن اُسکے غصے کی سزا سے کیونکر بچ سکے گا۔ اب بیس سال ہو گئے ہیں، وہ شخص ہر وقت روتا رہتا ہے۔ اس کی آنکھوں کا پانی خون سے بدل گیا ہے۔ اسکی طہارت و نماز کے متعلق کیا حکم ہے۔

جب ابو نصرؒ نے اس مضمون کو پڑھا تو حیرت سے بیہوش ہو گئے۔ ہوش میں آنے کے بعد اس شخص سے ملنے کے لئے چل پڑے پہنچنے پر معلوم ہوا کہ اس شخص کا انتقال ہو گیا ہے۔ جب اندر پہنچے تو دیکھا کہ اُن کے سر اور داڑھی کے بال سفید ہو چکے ہیں۔ ان کی آنکھوں سے بہنے والا خون چہرے پر جم گیا ہے

پھر کبھی چہرہ نورانی ہے اور وہ ہنس رہے ہیں۔ آپ کو اس وقت سخت تعجب ہوا۔ بہرحال تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر روتے ہوئے آپ چل پڑے راستہ میں ایک پیر مرد سے آپ کی ملاقات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے جوان کیوں روتے ہو۔ شاید تو نے قرآن کی کوئی آیت سنی اور اس پر عمل نہ کر سکا لیکن تیرا یہ رونا دامن جلے لوگوں کا رونا ہے، دل جلے لوگوں کا رونا نہیں ہے۔ یہ کہہ کر وہ پیر مرد چلے گئے۔ ابو نصرؒ نے چوٹ پر چوٹ کھائی اور درد پر درد۔ آپ گھر آئے اور جو کچھ مال و متاع تھا سب سے دستبردار ہو کر اللہ کے لئے سیر و سفر میں نکل پڑے۔

وفات آپ کا انتقال ایک سو بیس سال کی عمر میں ۵۰۰ھ میں ہوا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (نفحات الانس صفحہ ۵۹)

حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ المتوفی ۵۰۵ھ

نام ونسب نام محمد، کنیت ابوحامد، والد کا نام بھی محمد تھا۔

ولادت وتعلیم طوس کے ضلع طاہران میں ۴۵۰ھ میں پیدا ہوئے والد کی وصیت کے مطابق جو ایک مخلص، علم دوست اور غریب مسلمان تھے ان کے ایک صوفی دوست نے تعلیم کا انتظام کرنے سے معذرت کی اور کسی مدرسہ میں داخل ہوجانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ وہ ایک مدرسہ میں داخل ہوکر تعلیم میں مشغول ہوگئے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنے وطن میں شیخ احمد الراذکانی رحمہ اللہ سے فقہ شافعی کی تعلیم حاصل کی۔ پھر جرجان میں امام ابونصر اسمٰعیلی سے پڑھا۔ اس کے بعد نیشاپور جاکر امام الحرمین کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔ اور تھوڑی ہی مدت میں اپنے رفقاء میں جو چارسو کی تعداد میں تھے ممتاز ہوگئے اور اپنے نامور استاذ کے نائب (معید) بن گئے۔ امام الحرمین ان کی تعریف میں فرماتے تھے کہ غزالی بحرِ ذخار ہے (تجربۂ کار) امام الحرمین کے انتقال کے بعد نیشاپور سے نکلے۔ اُس وقت ان کی عمر اٹھائیس (۲۸) سال کی تھی۔ لیکن بڑے بڑے کبیر السن علماء سے وہ زیادہ ممتاز اور باکمال سمجھے جاتے تھے۔

مجلس تدریس درس سے فارغ ہونے کے بعد امام غزالی رحمہ اللہ نظام الملک کے دربار میں پہنچے۔ نظام الملک نے ان کی شہرت اور ممتاز قابلیت کی بنا پر بڑے اعزاز واکرام سے دربار میں ان کو لیا، یہاں

اہل کمال کا مجمع تھا، علمی مباحثے اور دینی مناظرے درباروں اور مجلسوں یہاں تک کہ تقریبات شادی وغمی کا ایک ضروری عنصر تھے۔ امام غزالی رح ان مباحث میں سب پر غالب رہتے تھے۔ ان کی نمایاں قابلیت دیکھ کر نظام الملک نے ان کو مدرسہ نظامیہ کی صدارت کے لئے منتخب کیا، جو اُس وقت ایک عالم کے لئے سب سے بڑا اعزاز اور منتہائے کمال تھا، اُس وقت اُنکی عمر چونتیس ۳۴ سال سے زیادہ نہ تھی۔ سنہ ۴۸۴ھ میں وہ بڑی شان وشوکت کے ساتھ بغداد میں داخل ہوئے اور مدرسہ نظامیہ میں درس شروع کیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں ان کے درس، حسنِ تقریر اور تبحرِ علمی کی بغداد میں دھوم مچ گئی۔ طلبہ وعلماء نے استفادہ کے لئے ہر طرف سے ہجوم کیا۔ اُن کی مجلسِ درس مرجعِ خلائق بن گئی۔ تین تین سو منتہی طالبِ علم اور سو سو اُمراء ورؤسا اُس میں شرکت کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ اُنھوں نے اپنی عالی دماغی، علمی فضیلت اور بلند شخصیت سے بغداد میں ایسا اثر ورسوخ پیدا کر لیا کہ ارکانِ سلطنت کے ہمسر بن گئے اور بقول ایک معاصر (شیخ عبدالغافر فارسی) کے ان کے جاہ وجلال کے سامنے اُمراء، وزراء اور خود بارگاہِ خلافت کی شان وشوکت ماند پڑ گئی۔ یہاں تک کہ سنہ ۴۸۵ھ میں ان کو خلیفہ عباسی (مقتدی باللہ) نے ملک شاہ سلجوقی کی بیگم ترکان خاتون کے پاس (جو اُس وقت سلطنت کی مالک تھی) اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ خلیفہ مستظہر جو مقتدی باللہ کا جانشین تھا امام سے خاص ربط وارادت رکھتا تھا۔ اسی کی فرمائش سے امام غزالی رح نے باطنیہ کے رد میں کتاب لکھی، اور اس کا نام خلیفہ کی نسبت سے "مستظہری" رکھا۔

(تاریخ دعوت وعزیمت جلد اول صفحہ ۱۳۰

مؤلفہ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رح)

گیارہ سال کی رہ نوردی اور اس کے تجربات

اس انتہائی عروج کا جو کسی علمی و دینی شخصیت کو حاصل ہو سکتا ہے تقاضا تھا کہ امام غزالیؒ اس پر قناعت کریں اور اسی کے دائرہ کے اندر پوری زندگی گزار دیں، جیسا کہ اُن کے بعض اساتذہ نے کیا، اور لوگ عموماً کیا کرتے ہیں۔ مگر اُن کی بے چین طبیعت اور بلند حوصلہ طائر ہمت اِس بلندی پر راضی نہ تھا۔ اور دراصل اسی بلند ہمتی نے اُن کو امام اور حجۃ الاسلام بنا دیا۔ دنیا میں جاہ و اعزاز کی قربانی اور مقصد کی دُھن اور سچّی لگن کی ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔ امام غزالیؒ نے خود اُن حالات و اسباب کو بیان کیا ہے جنھوں نے اُن کو ایسا قدم اُٹھانے پر آمادہ کیا، اور ان کو تعلیم و تدریس کے کام کا نہیں رکھا۔ یہاں تک کہ وہ اقلیمِ علم کی بادشاہی چھوڑ کر یقینی علم اور دولتِ باطن کی تلاش میں نکل گئے، اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر پلٹے۔ جس کی تفصیل خود امام غزالیؒ نے اپنی تصنیف "المنقذ عن الضلال" میں تحریر فرمائی ہے، جو قابل مطالعہ ہے جس کے آخر میں لکھتے ہیں کہ:۔

صوفیا ہی اللہ کے راستہ کے سالک ہیں

ان تنہائیوں میں مجھے جو انکشافات ہوئے اور جو کچھ مجھے حاصل ہوا، اُس کی تفصیل اور اُس کا استقصاء تو ممکن نہیں لیکن ناظرین کے نفع کے لئے اتنا ضرور کہوں گا کہ مجھے یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ صوفیا ہی اللہ کے راستہ کے سالک ہیں۔ اُن کی سیرت بہترین سیرت، اُن کا طریق سب سے زیادہ مستقیم اور اُن کے اخلاق سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور صحیح ہیں۔ اگر عقلاء کی عقل، حکماء کی حکمت، اور شریعت کے رمز شناسوں کا علم مل کر بھی ان کی سیرت و اخلاق سے

بہتر لانا چاہے تو ممکن نہیں۔ اُن کے تمام ظاہری و باطنی حرکات و سکنات مشکوٰۃِ نبوت سے ماخوذ ہیں اور نورِ نبوت سے بڑھ کر زمین پر کوئی نور نہیں۔ جس سے روشنی حاصل کی جائے۔ (تاریخ دعوت وعزیمت ص۱۳۲ ج۱)

ف: سبحان اللہ، صوفیہ صافیہ کی سیرت کے متعلق کیسی تحقیقی بات ارشاد فرمائی جو امام غزالیؒ ہی کا حق تھا۔ (مرتب)

خلوت سے جلوت کی طرف

ممکن تھا کہ امام غزالیؒ اس خلوت وعزلت کی حالت میں رہ جاتے اور بقیہ عمر بھی روحانی لذت اور یکسوئی کے سکون واطمینان میں گزار دیتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو اُن سے جو عظیم الشان کام لینا تھا، اُس کے لئے ضروری تھا کہ وہ اُس خلوت سے نکلیں اور درس وتدریس، تالیف وتصنیف اور اجتماعی زندگی اختیار کریں تاکہ اللہ کے بندوں کو نفع ہو، الحاد وفلسفہ کی تردید اور عقلی وعلمی طور پر اسلام کی برتری اور صداقت ثابت کرنے کے لئے خصوصاً جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یقین ومشاہدہ کے مقام تک پہنچادیا تھا، عالمِ اسلام میں ان سے زیادہ کوئی موزوں شخصیت نہیں تھی۔ چونکہ یہ کام اللہ تعالیٰ کو منظور تھا اور اسلام کو اس کی سخت ضرورت تھی، اس لئے خود اُن کی طبیعت میں اس کا داعیہ اور جذبہ پیدا ہوا، اور ان پر اس چیز کا غلبہ ہوا کہ یہی عزیمت کا کام اور انبیاء علیہم السلام کی نیابت اور وقت کا فریضہ اور افضل عبادت ہے۔

چنانچہ خلوت سے جلوت میں آنے کا سبب تفصیل سے خود تحریر فرمایا، جس کے آخر کا حصہ ہم نقل کرتے ہیں۔ وہو ھذا:۔

"یہ سب تقدیرِ الٰہی کی کارفرمائی تھی، جس طرح بغداد سے نکلنا اور وہاں کی جاہ واعزاز

کو خیر باد کہنا تصور میں نہیں آتا تھا۔ لیکن اللہ کے حکم سے وہ سب آسان ہو گیا،
اسی طرح سے اس عزلت کے زمانہ میں خلوت سے جلوت کی طرف دوبارہ آنے کا
خیال بھی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ لیکن وقت پر اس کا بھی سامان ہو گیا۔"

غرض ذیقعدہ ۴۹۹ھ میں امام صاحب نے پھر نیشاپور کا رُخ کیا اور مدرسہ نظامیہ
کی مسند درس کو زینت دی اور دوبارہ تدریس و افادہ کا کام شروع کیا۔ لیکن
اب امام غزالیؒ کے درس و تدریس اور اصلاح و ارشاد اور اس انقلاب سے پہلے
کے تدریسی مشاغل اور وعظ و ارشاد میں فرق تھا۔ پہلے وہ نفس کے تقاضے اور
طبیعت کے جذبہ سے کرتے تھے، اب وہ اپنے کو مامور اور آلۂ کار سمجھتے تھے۔
چنانچہ خود پوری صاف گوئی سے لکھتے ہیں :۔

"مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اگرچہ علم کی نشر و اشاعت کی طرف میں نے
پھر رجوع کیا ہے لیکن در حقیقت اس کو پہلی حالت کی طرف بازگشت
کہنا صحیح نہیں ہے۔ میری اس پہلی اور دوسری حالت میں زمین
و آسمان کا فرق ہے۔ میں پہلے اُس علم کی اشاعت کرتا تھا جو حصولِ جاہ
کا ذریعہ ہے۔ اور میں اپنے قول و عمل سے اُسی کی دعوت دیتا تھا
اور یہی میرا مقصود و نیت تھی۔ لیکن اب میں اُس علم کی دعوت
دیتا ہوں، جس سے جاہ و جلال سے دست بردار ہونا پڑتا ہے
اب میں اپنی اور دوسرے کی اصلاح چاہتا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم
کہ میں اپنے مقصود تک پہنچوں گا، یا اُس سے پہلے میرا کام تمام
ہو جائے گا۔ لیکن اپنے یقین و مشاہدہ کی بناء پر میرا ایمان ہے کہ
اصل طاقت اللہ کی طاقت ہے، اسی سے آدمی گمراہی اور شر سے

بچ سکتا ہے اور ہدایت وطاعت کی طاقت حاصل کر سکتا ہے۔
دراصل میں نے اپنی طرف سے حرکت نہیں کی، اللہ مجھے حرکت میں لایا ہے، میں نے خود کام نہیں شروع کیا ہے، اللہ نے مجھے کام میں لگایا ہے۔ میری دعا ہے کہ پہلے اللہ میری اصلاح فرمائے، پھر مجھ سے دوسروں کی اصلاح ہو۔ پہلے مجھے راہ پر لگائے پھر مجھ سے دوسروں کی رہنمائی فرمائے۔ حق مجھ پر منکشف ہو جائے اور اس کے فضل سے مجھے اتباع کی توفیق ہو، باطل مجھ پر واضح کرے اور مجھے اس کی پیروی سے بچائے۔ (دعوت وعزیمت ص۱۴۱)

امام غزالیؒ کا تجدیدی کام

امام غزالیؒ نے اس کے بعد جو مجددانہ کام انجام دیا، اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ (۱) فلسفہ اور باطنیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا مقابلہ اور اسلام کی طرف سے ان کی بنیادوں پر حملہ (۲) زندگی و معاشرت کا اسلامی و اخلاقی جائزہ اور انکی تنقید و اصلاح۔

(۱) پہلے تجدیدی کارنامہ پر حضرت مولانا ابوالحسن ندویؒ نے کسی قدر تفصیل سے تحریر فرمایا ہے۔ مگر ہم بغرض اختصار اس کو یہاں نقل نہیں کر رہے ہیں۔ ہاں دوسرے کارنامہ کا ابتدائی حصہ نقل کرتے ہیں۔

امام غزالیؒ کا دوسرا اصلاحی کارنامہ، زندگی و معاشرت کا اسلامی جائزہ اور اس کی اصلاح و تجدید کی کوشش تھی۔ ان کی اس کوشش کا نمونہ اور کامیاب نتیجہ ان کی زندۂ جاوید تصنیف "احیاء علوم الدین" ہے۔

احیاء علوم الدین

تاریخ اسلام میں جن چند کتابوں نے مسلمانوں کے

دل و دماغ اور ان کی زندگی پر سب سے زیادہ اثر ڈالا ہے اور جن سے اسلامی حلقے طویل عرصہ تک متأثر رہے ہیں ان میں "احیاء علوم الدین" کو ممتاز مقام حاصل ہے۔ حافظ زین الدین العراقی صاحب "الفیہ" (م ۸۰۶ھ) جنھوں نے "احیاء" کی احادیث کی تخریج کی ہے کہتے ہیں کہ "امام غزالیؒ کی احیاء العلوم اسلام کی اعلیٰ ترین تصنیفات سے ہے"۔ عبدالغافر فارسی جو امام غزالیؒ کے معاصر اور امام الحرمین کے شاگرد ہیں، کہتے ہیں کہ "احیاء العلوم کے مثل کوئی کتاب اس سے پہلے تصنیف نہیں ہوئی"۔ شیخ محمد گازرونیؒ کا دعویٰ تھا کہ "اگر دنیا کے تمام علوم مٹا دیئے جائیں تو میں "احیاء العلوم" سے ان کو دوبارہ زندہ کر دوں گا"۔ حافظ ابن جوزی نے بھی بعض باتوں سے اختلاف کے باوجود اس کتاب کی تاثیر اور مقبولیت کا اعتراف کیا ہے اور اس کا خلاصہ "منہاج القاصدین" کے نام سے لکھا ہے۔

یہ کتاب خاص حالات و کیفیات اور خاص جذبہ کے ساتھ لکھی گئی ہے بغداد سے انھوں نے طلب حق اور تلاش یقین کا جو سفر شروع کیا تھا، اور جو دس برس کے مجاہدات اور بادیہ پیمائی کے بعد کامیابی پر ختم ہوا، "احیاء العلوم" اس سفر کی سوغات تھی، جو امام غزالیؒ اہل وطن کے لئے لائے، یہ اُن کے قلبی تأثرات، علمی تجربات، اصلاحی خیالات اور وجدانی کیفیات کا آئینہ ہے۔

اس طرح یہ کتاب اسلام میں پہلی مفصّل و مدلل کتاب ہے جس میں پوری زندگی اور بگڑے ہوئے اسلامی معاشرہ کا قوت کے ساتھ احتساب کیا گیا ہے اور اخلاقی بیماریوں کے عوارض و اسباب اور ان کا طریق علاج بتایا گیا ہے۔

علماء و اہل دین

امام غزالیؒ کے نزدیک اس عالمگیر فساد، دینی و اخلاقی انحطاط کی سب سے بڑی ذمہ داری علماء پر ہے ؎
ان کے نزدیک اُمت کا نمک ہیں۔ اگر نمک بگڑ جائے تو اُس کو کون سی چیز درست کر سکتی ہے۔ بقول شاعر

یا معشر القراء یا ملح البلد   ما یصلح الملح اذ الملح فسد

(ترجمہ) اے جماعتِ علماء، اے وہ جو شہر کا نمک ہے! بھلا یہ بتلاؤ کہ جب نمک ہی بگڑ جائے تو پھر اس کی اصلاح کس سے کی جائے؟۔

ایک جگہ امراضِ قلب کی کثرت اور عام غفلت کے اسباب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

الثالثه وھو الداء العضال فقد الطبیب فان الاطباء ھم العلماء وقد مرضوا فی ھذہ الاعصار مرضا شدیدا وعجزوا عن علاجه	تیسرا سبب اور وہ لاعلاج مرض کی حیثیت رکھتا ہے یہ ہے کہ مریض موجود ہیں اور طبیب مفقود۔ طبیب علماء ہیں اور وہ خود اس زمانہ میں بُری طرح بیمار ہیں اور علاج سے عاجز ہیں۔

ان کے نزدیک سلاطین و حکام کی خرابی کا سبب بھی علماء کی کمزوری اور اپنے فرائض سے غفلت ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں :۔

وبالجملة انما فسدت الرعیة بفساد الملوک و فساد الملوک بفساد العلماء فلولا القضاة السوء والعلماء	خلاصہ یہ کہ رعیت کی خرابی کا سبب سلاطین کی خرابی ہے، اور سلاطین کی خرابی کا سبب علماء کی خرابی ہے۔ اس لئے کہ اگر خدا ناترس قاضی اور علماء سو نہ ہوتے تو علماء کے

السوء لقل فساد الملوك خوفا من انكارهم۔ (احیاء علوم الدین ۲/۳۲) انکار کے خوف سے سلاطین کا فساد کم ہوجاتا۔

ان کو علمار وقت سے شکایت ہے کہ وہ علمار سلف کی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور کَلِمَۃُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ کا فریضہ انجام نہیں دیتے۔ انکے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ خود بہت سے علمار دنیا طلبی اور جاہ طلبی کا شکار ہوگئے ہیں۔ وہ سلاطینِ وقت اور اربابِ حکومت کے سامنے علمار حق کی جرأت و بیباکی اور احتساب و انکار کے مؤثر واقعات نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:۔

"یہ تھا علمار کا طرزِ عمل اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی شان، ان کو سلاطین کی شان وشوکت کی ذرا پرواہ نہ تھی، وہ اللہ تعالیٰ کے فضل پر اعتماد رکھتے تھے۔ اور ان کو اطمینان تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے گا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے اِس فیصلہ پر بھی راضی تھے کہ اُن کو شہادت نصیب ہو۔ چونکہ ان کی نیت خالص تھی اس لئے اُن کے کلام سے پتھر موم ہوجاتے تھے اور بڑے سے بڑے سنگدل متأثر ہوتے تھے۔ اب تو حالت یہ ہے کہ طمع دنیا نے علمار کی زبانیں گنگ کر رکھی ہیں اور وہ خاموش ہیں، اگر بولتے بھی ہیں تو ان کے اقوال و حالات میں مطابقت نہیں ہوتی۔ اس لئے کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اگر آج بھی وہ خلوص و صداقت سے کام لیں اور علم کا حق ادا کرنے کی کوشش کریں تو ان کو ضرور کامیابی ہو، کیونکہ رعیت کی خرابی سلاطین کی خرابی کا نتیجہ

ہے، اور سلاطین کی خرابی علمار کی خرابی کا نتیجہ ہے۔ اور علمار کی خرابی کی وجہ دولت اور جاہ کی محبت کا غلبہ ہے اور جس پر دنیا کی محبت غالب آجائے وہ ادنیٰ درجہ کے لوگوں پر بھی احتساب اور روک ٹوک نہیں کر سکتا، چہ جائیکہ سلاطین واکابر"۔ (احیاء العلوم ج ۲ ص۳۱۲)

امام غزالیؒ کے زمانہ میں ایک عالم کا عالم فقہ کی جزئیات اور اختلافی مسائل میں مشغول تھا، مباحثہ ومناظرہ کا بازار گھر گھر اور ملک کے چپہ چپہ پر گرم تھا، مجالس وتقریبات اور بادشاہوں کے درباروں کی رونق بھی انہی مذہبی وفقہی مباحثوں اور مناظروں سے تھی۔ اس بارے میں علمار وطلبہ کا انہماک اور غلو اتنا بڑھ گیا تھا کہ تمام دوسرے علوم ومشاغل اور خدمتِ دین کے شعبے نظر انداز ہوتے جارہے تھے، حد یہ ہے کہ اصلاحِ نفس، تہذیبِ اخلاق اور سعادتِ اُخروی کا جس علم اور کوشش پر انحصار تھا اُس سے بھی توجہ ہٹ گئی تھی۔ امام غزالیؒ اِس صورتِ حال کی تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اگر کسی فقیہ سے اِن مضامین (صبر وشکر، خوف ورجار وغیرہ یا بغض وحسد وکینہ، ناشکری، دغا، فریب وغیرہ) میں سے کسی کی بابت حتیٰ کہ اخلاص وتوکل اور ریا سے بچنے کے طریقوں کے متعلق سوال کیا جائے جس کا جاننا اُس کے لئے فرضِ عین ہے۔ اور اسکی طرف سے غفلت کرنے میں آخرت کی تباہی کا خطرہ ہے تو وہ جواب نہ دے سکیگا، اور اگر آپ لعان وظہار، سبق ورمی کو دریافت کریں تو وہ ایسی ایسی باریک جزئیات کے دفتر کے دفتر سنادے گا جس کی ضرورت مدتوں پیش نہیں آتی، اور اگر کبھی ضرورت پیش آجائے تو شہر

میں ان کے متعلق فتویٰ دینے والا اور بتانے والا ہر وقت موجود ہے۔ لیکن یہ عالم دن رات انھی جزئیات کے سلسلہ میں محنت کرتا رہے گا اور ان کے حفظ و درس میں مشغول رہے گا۔ اور اس چیز سے غفلت برتے گا جو دینی حیثیت سے اُس کے لئے ضروری ہے اگر اس سے کبھی اِس بارے میں سوال ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ میں اِس علم میں اِس لئے مشغول ہوں کہ وہ علم دین ہے اور فرض کفایہ ہے۔ اور وہ اس کے تعلیم و تعلم کے بارے میں اپنے کو بھی مغالطہ دیتا ہے اور دوسروں کو بھی، حالانکہ سمجھدار آدمی خوب جانتا ہے کہ اگر اس کا مقصد فرض کفایہ کے حق کو ادا کرنا ہوتا اور اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا ہوتا، تو وہ اِس فرض کفایہ پر فرض عین کو مقدم رکھتا۔ بلکہ دوسرے فرض کفایہ بھی ہیں جن کو مقدم ہونا چاہیئے۔ مثلاً کتنے شہر ہیں جن میں صرف غیر مسلم طبیب ہیں، جن کی شہادت احکامِ فقہ میں قبول نہیں کی جا سکتی، لیکن ہم نہیں دیکھتے کہ کوئی عالم (اِس کمی اور ضرورت کو محسوس کر کے) علمِ طب کی طرف توجہ کرتا ہو، اس کے بالمقابل علم فقہ بالخصوص خلافیات و جدلیات پر طلبہ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ حالانکہ شہر ایسے علماء سے بھرا ہوا ہے جن کا مشغلہ فتویٰ نویسی اور مسئلہ بتلانا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ علماء دین ایسے فرض کفایہ میں مشغول ہونے کو کیسے درست سمجھتے ہیں، جس کو ایک جماعت کی جماعت سنبھالے ہوئے ہے، اور ایسے فرض کو انھوں نے کیسے چھوڑ رکھا ہے جسکی

طرف کوئی توجہ کرنے والا نہیں۔ کیا اس کا سبب اس کے علاوہ اور کچھ ہے؟ کہ طب کے ذریعہ سے اوقاف کی تولیت، وصیتوں کی تنفیذ اور یتیموں کے مال کی نگرانی و انتظام اور منصب قضار و افتار پر تقرر اور ہمعصروں اور ہمچشموں میں فوقیت و امتیاز، اور دشمنوں اور حریفوں پر حکومت و غلبہ حاصل ہونے کا امکان نہیں۔" (احیار علوم الدین ص ۱۹/۱) (دعوت و عزیمت ص ۱۵۲/۱)

اہل دولت پر نکیر اہل دولت اور اغنیار پر بھی انھوں نے بڑی صحیح گرفت کی ہے اور اس سلسلہ میں ان کے قلم سے حقائق نکل گئے ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

"ان دولت مندوں میں بہت سے لوگوں کو حج پر روپیہ صرف کرنے کا بڑا شوق ہوتا ہے۔ وہ بار بار حج کرتے ہیں۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو بھوکا چھوڑ دیتے ہیں اور حج کرنے چلے جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے صحیح فرمایا ہے کہ اخیر زمانہ میں بلا ضرورت حج کرنے والوں کی کثرت ہوگی۔ سفر اُن کو بہت آسان معلوم ہوگا، روپیہ کی اُن کے پاس کمی نہ ہوگی۔ وہ حج سے محروم و تہی دست واپس آئیں گے، وہ خود ریتوں اور چٹیل میدانوں کے درمیان سفر کرتے ہوں گے، اور اُن کا ہمسایہ ان کے پہلو میں گرفتار بلا ہوگا، اُس کے ساتھ کوئی سلوک اور غمخواری نہیں کریں گے۔

ابو نصر تمار کہتے ہیں کہ ایک شخص بشر بن الحارث کے پاس آئے اور کہا کہ میرا قصد حج کا ہے۔ آپ کا کچھ کام ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ

تم نے خرچ کے لئے کیا رکھا ہے؟ اس نے کہا، دو ہزار درہم بشر
نے کہا کہ تمہارا حج سے مقصد کیا ہے؟ اظہار زہد، یا شوق کعبہ یا
طلب رضا؟ اس نے کہا، طلب رضا۔ انھوں نے فرمایا کہ اچھا اگر
میں تمہیں ایسی تدبیر بتلا دوں کہ تم گھر بیٹھے اللہ کی رضا حاصل کر لو، اور
تم یہ دو ہزار درہم خرچ کر دو، اور تم کو یقین ہو کہ اللہ کی رضا حاصل
ہو گئی، تو کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟ اس نے کہا بخوشی۔ فرمایا کہ اچھا
پھر جاؤ، اس مال کو ایسے دس آدمیوں کو دے آؤ جو مقروض ہیں،
وہ اس سے اپنا قرض ادا کر دیں، فقیر اپنی حالت درست کرے،
صاحب عیال اپنے بال بچوں کا سامان کرے، یتیم کا منتظم یتیم کو کچھ
دے کر اس کا دل خوش کرے اور اگر تمہاری طبیعت گوارا کرے تو
ایک ہی کو پورا مال دے آؤ۔ اس لئے کہ مسلمان کے دل کو خوش کرنا، بیکس
کی امداد، کسی کی مصیبت دور کرنا، کمزور کی اعانت سو نفلی حجوں سے
افضل ہے۔ جیسا میں نے تم سے کہا ہے ویسا ہی کر کے آؤ، ورنہ اپنے
دل کی بات ہم سے کہہ دو۔ اس نے کہا کہ شیخ! سچی بات یہ ہے کہ سفر
کا رجحان غالب ہے۔ بشر سن کر مسکرائے اور فرمایا کہ مال جب گندا
اور مشتبہ ہوتا ہے تو نفس تقاضا کرتا ہے کہ اس سے اس کی خواہش
پوری کی جائے۔ اور وہ اس وقت اعمال صالحہ کو سامنے لاتا ہے حالانکہ
اللہ تعالیٰ نے عہد فرمایا ہے کہ صرف متقین کے عمل کو قبول فرمائے گا۔

دولت مندوں کا ایک گروہ برہنائے بخل دولت کی حفاظت
میں مشغول رہتا ہے اور ایسی بدنی عبادات سے اس کو دلچسپی ہوتی

ہے جس میں کچھ خرچ نہیں، مثلاً دن کا روزہ، رات کی عبادت اور ختم قرآن۔ وہ بھی فریب میں مبتلا ہیں۔ اس لئے کہ مہلک بخل اُن کے باطن پر مستولی ہے اور اس کے ازالہ کے لئے مال کے خرچ کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن وہ ایسے اعمال میں مشغول ہیں جن کی ان کو کوئی خاص ضرورت نہیں۔ اُن کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص کے کپڑے کے اندر سانپ گھس گیا ہے اور اُس کا کام تمام ہونے والا ہے اور وہ سکنجبین کے تیار کرنے میں مشغول ہے تاکہ صفرا کو تسکین ہو، حالانکہ جو سانپ کا مارا ہے اُس کو سکنجبین کی ضرورت کب پڑے گی! بشر سے کسی نے کہا کہ فلاں دولت مند کثرت سے روزہ رکھتا ہے اور نمازیں پڑھتا ہے۔ اُنھوں نے فرمایا کہ بیچارہ اپنا کام چھوڑ کر دوسروں کے کام میں مشغول ہے۔ اُس کے مناسب حال تو یہ تھا کہ بھوکوں کو کھانا کھلاتا، مساکین پر خرچ کرتا، یہ اس سے افضل تھا کہ اپنے نفس کو بھوکا رکھتا ہے اور اپنے لئے (نفلی) نمازیں پڑھتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ دُنیا بھی سمیٹنے میں مشغول ہے اور فقیر کو محروم رکھتا ہے"

(احیاء علوم الدین ص ۳۵۱-۵۲ ج ۳، تاریخ دعوت و عزیمت ص ۱۶۵ ج ۱)

محاسبۂ نفس

کتاب کا مؤثر ترین حصہ وہ ہے جہاں امام غزالیؒ نصیحت اور ترغیب و ترہیب پر قلم اُٹھاتے ہیں اور دنیا کی بے ثباتی آخرت کی عظمت، ایمان و عمل صالح کی ضرورت، اصلاح و تہذیب نفس کی اہمیت اور امراض قلبی و نفسانی کی مضرت کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ جہاں اُنھوں نے نفس کو زجر و توبیخ کی ہے اور پڑھنے والوں کو تعلیم دی ہے کہ ان کو اپنے نفس سے

کس طرح مکالمہ کرنا چاہیئے اور منزلِ آخرت کے لئے کس طرح اسکو تیار کرنا چاہیئے۔ "المرابطة السادسة فی توبیخ النفس ومعاتبتها" عنوان کے تحت نفس سے مکالمہ کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں :۔

" اے نفس! ذرا انصاف کر، اگر ایک یہودی تجھ سے کہہ دیتا ہے کہ فلاں لذیذ ترین کھانا تیرے لئے مضر ہے، تو تو صبر کرتا ہے اور اسے چھوڑ دیتا ہے اور اس کی خاطر تکلیف اُٹھاتا ہے۔ کیا حضرات انبیاء علیہم السلام کا قول جن کو معجزات کی تائید حاصل ہوتی ہے اور فرمانِ الٰہی اور صحف سماوی کا مضمون تیرے لئے اس سے بھی کم اثر رکھتا ہے جتنا کہ اُس یہودی کا قیاس و اندازہ؟ اگر ایک بچہ کہتا ہے کہ تیرے کپڑوں میں بچھو ہے، تو بغیر دلیل طلب کئے اور سوچے سمجھے اپنے کپڑے اتار پھینکتا ہے۔ کیا حضرات انبیاء اور علماء، اولیاء اور حکماء کی متفقہ بات تیرے نزدیک اُس بچہ کی بات سے بھی کم وقعت رکھتی ہے؟ یا جہنم کی آگ، اُس کی بیڑیاں، اُس کے گُرز، اس کا عذاب، اس کا زقوم اور اُس کے آنکڑے، اُس کے سانپ بچھو اور زہریلی چیزیں تیرے لئے ایک بچھو سے کم تکلیف دہ ہیں، جس کی تکلیف زیادہ سے زیادہ ایک دن یا اس سے کم رہتی ہے۔ یہ عقلمندوں کا شیوہ نہیں۔

بس اے نفس! اگر یہ سب چیزیں تجھ کو معلوم ہیں اور ان پر تیرا ایمان ہے، تو کیا بات ہے کہ تو عمل میں تساہل اور ٹال مٹول سے کام لیتا ہے؟ حالانکہ موت کمیں گاہ میں منتظر ہے کہ بغیر مہلت کے تجھے اُچک لے جائے۔ اے نفس! تیرا کیا خیال ہے اُس مریض کے بارے

میں جس کو طبیب نے صرف تین روز کے لئے ٹھنڈے پانی سے پرہیز بتایا ہو، تاکہ وہ صحت حاصل کر سکے پھر زندگی بھر ٹھنڈے پانی کا لطف اُٹھائے، اُس نے اُس کو خبردار کر دیا ہو کہ ٹھنڈا پانی اِس حالت میں اُس کے لئے سخت مضر ہے۔ اگر اُس نے بد پرہیزی کی تو زندگی بھر اُس ٹھنڈے پانی سے اُس کو ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اُس وقت سچ سچ بتا، عقل کا تقاضا کیا ہے؟ کیا اُس کو تین دن صبر کر لینا چاہیئے، تاکہ زندگی آرام سے گزرے، یا اپنی خواہش پوری کر لینی چاہیئے۔ پھر تین سو دن یا تین ہزار دن اس نعمت سے محروم رہے؟ تین دن کی پوری عمر کے مقابلے میں وہ حقیقت نہیں، جو تیری پوری عمر کی ابدالآباد کی زندگی کے مقابلہ میں ہے (جو اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کی مدت ہے) کیا تو کہہ سکتا ہے کہ خواہشاتِ نفسانی کے ضبط کرنے کی تکلیف طبقاتِ جہنم میں عذابِ نار سے زیادہ سخت اور طویل ہے۔؟ جو شخص ایک معمولی تکلیف بھی نہیں برداشت کر سکتا، وہ عذابِ الٰہی کو کیسے برداشت کر سکتا ہے؟ میں دیکھتا ہوں تو دو وجہ سے اپنے نفس کو ڈھیل دیتا ہے۔ ایک کفرِ خفی دوسرے صریح حماقت۔ کفرِ خفی یہ ہے کہ یومِ حساب پر تیرا ایمان کمزور ہے۔ اور ثواب و عقاب سے تو ناواقف ہے اور صریح حماقت، اللہ تعالیٰ کی تدبیرِ مخفی اور اس کے استدراج کا خیال کئے بغیر اُس کے عفو و کرم پر اعتماد ہے۔ اس کے باوجود کہ تو روٹی کے ایک ٹکڑے، غلہ کے ایک دانہ اور زبان سے نکلے ہوئے ایک کلمہ کے لئے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا، بلکہ اس کے حصول

کیلئے ہزار جتن کرتا ہے۔ اور اسی جہالت کی وجہ سے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اِس ارشاد کا مصداق ہے کہ" الکیّس من دان نفسہ وعمل لما بعد الموت والاحمق من اتبع نفسہ ھواھا وتمنیٰ علی اللہ الامانی (احیاء العلوم ص۴۰۶ ج۴)

یعنی ہوشیار اور عقلمند وہ شخص ہے جو نفس کا محاسبہ کرے اور موت کے بعد کی زندگی کے لئے عمل کرے، اور احمق وہ ہے جو اپنے نفس کو اسکی خواہشات کے پیچھے لگادے اور اللہ تعالیٰ پر آرزوئیں باندھتا ہے۔

اے نفس! تجھ کو زندگی کے دام ہر نگ زمین سے ہوشیار رہنا چاہئے اور شیطان سے فریب نہیں کھانا چاہئے، تجھے اپنے اوپر ترس کھانا چاہئے تجھے اپنی ہی فکر کا حکم دیا گیا ہے۔ دیکھ! تو اپنے اوقات کو ضائع نہ کر، تیرے پاس گنی چنی سانسیں ہیں۔ اگر تیری ایک سانس بھی رائیگاں گئی تو گویا تیرے سرمایہ کا ایک حصہ ضائع ہوگیا۔ پس غنیمت سمجھ صحت کو مرض سے پہلے، فراغت کو مصروفیت سے پہلے، دولت کو غربت سے پہلے، شباب کو ضعیفی سے پہلے، زندگی کو ہلاکت سے پہلے اور آخرت کے لئے تیاری کر اسی لحاظ سے جتنا تجھے وہاں رہنا ہے۔ (تاریخ دعوت وعزیمت ج ۱ ص ۱۷۷)

ف : سبحان اللہ، کیسا موثر مضمون ہے جو ہر مومن کو پیش نظر رکھنے کے لائق ہے۔ (مرتب)

بقیہ زندگی اور وفات امام غزالیؒ نے یہ زمانہ علمی و دینی اشتغال میں گزارا ان میں اب بھی طالبعلمانہ روح تھی۔ وہ حدیث

کی طرف ایسی توجہ نہیں کر سکے تھے جیسی اُنھوں نے علوم عقلیہ اور بعض علوم نقلیہ کی طرف کی تھی۔ اُس زمانہ میں ان کو اپنی اس کمی کو پورا کرنے کا خیال ہوا۔ چنانچہ ایک مشہور محدّث حافظ عمر بن ابی الحسن الرواسی کو اپنے یہاں مہمان رکھ کر اُن سے صحیح بخاری و صحیح مسلم کا درس لیا اور اس کی سند حاصل کی۔ یہ اخیر زمانہ انکا حدیث کے مطالعہ اور اشتغال میں گزرا۔ ابن عساکرؒ کہتے ہیں :۔

"وکانت خاتمة امرہ اقبالہ علی حدیث المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم ومجالسة اھلہ ومطالعة الصحیحین البخاری ومسلم الذین ھما حجة الاسلام (تبیین کذب المفتری ص۲۹۶)	ان کی زندگی کا آخری کام یہ تھا کہ وہ حدیث نبویؐ کی طرف پوری طرح متوجہ ہوئے اور علماءِ حدیث کی ہمنشینی اختیار کی اور صحیحین (بخاری و مسلم) کا مطالعہ شروع کیا جو اسلام میں سند کا درجہ رکھتی ہیں۔

انتقال سے ایک سال پہلے ۵۰۴ھ میں اُنھوں نے "المستصفیٰ" لکھی جو اصول فقہ کے ارکان ثلٰثہ میں شمار کی جاتی ہے۔ اور علماء نے اس کے ساتھ بڑی اعتنار کی ہے۔ یہ اُن کی آخری تصنیف ہے۔

عمل کے سلسلہ میں سعی و ریاضت عمل کے سلسلہ میں اپنی ذہنی، علمی، اخلاقی اور روحانی ترقی و تکمیل کا انھوں نے کوئی گوشہ فروگزاشت نہیں کیا۔ علمی تبحر اور جامعیت و کمال کے ساتھ اپنے وقت کے ایک مخلص و مبصر شیخ طریقت شیخ ابو علی فارمدی (م ۴۷۷ھ) سے بیعت کی اور تصوف کی تعلیم حاصل کی۔ پھر اس راہ میں اپنا سب کچھ قربان کرکے اسکے مقاصد و غایات کو پہنچے اور اذواق صحیحہ سے لذت آشنا ہوئے۔

ف : غور فرمائیے کہ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے خاص و مخلص

بندے کو کس قدر احوال رفیعہ واذواق لطیفہ سے نوازا تھا، جسکی برکت سے صرف پچپن (۵۵) سال کی عمر میں علاوہ درس وتدریس کے ایسی نادر ونافع تصانیف فرمائیں، جن کے فیض سے اُمت مسلمہ فیضیاب ہوئی اور ہو رہی ہے فجزاھم اللّٰہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ اللہ تعالیٰ اس اسّی سال کے بوڑھے کو بھی اُس کا عشر عشیر ہی سہی خدمتِ دین کی توفیق مرحمت فرما کر اپنے قرب وقبول سے مشرف فرمائے۔ آمین! (مُرتّب)

وفات امام غزالی ؒ نے طابران میں ۱۴ جمادی الاخریٰ ۵۰۵ھ کو پچپن سال کی عمر میں انتقال کیا اور یہ گنج گرانمایہ اسی خاک میں ودیعت ہوا۔ ابن جوزی ؒ نے ان کے انتقال کا واقعہ ان کے بھائی احمد غزالی کی روایت سے اس طرح بیان کیا ہے:۔

دوشنبہ کے دن وہ صبح کے وقت بستر خواب سے اُٹھے۔ وضو کر کے نماز پڑھی پھر کفن منگوایا اور آنکھوں سے لگا کر کہا "آقا کا حکم سر آنکھوں پر" یہ کہہ کر پاؤں پھیلا دیئے۔ لوگوں نے دیکھا تو روح پرواز کر چکی تھی۔ رحمہ اللّٰہ ونوّر اللّٰہ مرقدہٗ

(منقول از "دعوت وعزیمت ص۱۹۱") (اتحاف السادۃ المتقین شرح احیاء العلوم ص۱۲-۱۱)

حضرت ابو الوفاء ابن عقیل حنبلی رحمۃ اللہ المتوفی ۵۱۳ھ

نام و نسب، ولادت

نام علی، کنیت ابو الوفاء، والد کا نام عقیل ہے۔ آپ کی ولادت ۴۳۱ھ میں ہوئی۔

تعارف

آپ اسلام کے عظیم ترین شخص تھے، نہایت ذکی تھے۔ شیخ ابن الجوزی رح فرماتے ہیں کہ آپ ہمیشہ علم میں مشغول رہتے تھے اور عمدہ خیالات رکھتے تھے۔ مشکل اور دقیق مسائل کی جستجو میں رہتے تھے حافظ ابن رجب حنبلی رح فرماتے ہیں کہ ابن عقیل رح کی مختلف علوم میں بہت سی تصانیف ہیں جنکی تعداد تقریباً بیس ہے۔

دنیا کی سب سے بڑی کتاب

آپ کی سب سے بڑی تصنیف "کتاب الفنون" ہے۔ اس میں وعظ، تفسیر، فقہ، اصولِ فقہ، اصولِ دین، نحو، لغت، شعر، تاریخ اور حکایات وغیرہ علوم کے عظیم فوائد ہیں۔ اس میں انھوں نے اپنے خواطر واردہ اور نتائج فکر کو جمع کیا ہے۔ حافظ ذہبی رح فرماتے ہیں کہ دنیا میں اس سے بڑی کوئی دوسری کتاب نہیں لکھی گئی۔ مجھے یہ بات اُس شخص نے کہی جس نے اس کتاب کی چار سو کے بعد فلانی جلد دیکھی تھی۔ ابن رجب رح فرماتے ہیں کہ بعضوں نے کہا ہے کہ یہ کتاب آٹھ سو جلدوں میں تھی۔

مختلف علوم وفنون کے جامع تھے۔ مدرس، مفتی، مناظر، مختلف علوم وفنون کے جامع تھے۔ ابن الجوزی رح نے لکھا ہے کہ "کَانَ اِمَامَ دَهْرِهٖ وَفَرِيْدَ عَصْرِهٖ" (یعنی اپنے وقت کے امام اور اپنے زمانہ کی منفرد

شخصیت کے مالک تھے۔ (نصیحۃ المسلمین ص۲۵۴)

نصیحت آموز واقعہ

ابن عقیلؒ نے اپنی کتاب الفنون میں لکھا ہے کہ ایک سال جب میں حج کو گیا تھا تو ایک دن حرم میں مجھ کو ایک چمکتی ہوئی چیز نظر آئی۔ میں نے جو اس کو ہاتھ میں لیا تو وہ موتیوں کا ایک بہت قیمتی ہار تھا، جو ایک سُرخ دھاگے میں گُندھا ہوا تھا۔ میں اس کو اُلٹ پلٹ کر دیکھ ہی رہا تھا کہ ایک نابینا بوڑھے کو میں نے یہ آواز لگاتے سنا کہ "جس نے ہمارا موتیوں کا ہار پایا ہو وہ دیدے اس کو سو دینار انعام میں ملیں گے"۔ میں نے اس سے کہا کہ اس کی پہچان کیا ہے؟ اس نے کہا، وہ سرخ دھاگے میں گُندھا ہوا ہے۔ میں نے ہار اُسکی طرف بڑھاتے ہوئے کہا، یہ لو اپنا ہار، تو اس نے کہا، تم یہ سو دینار انعام کے لو! میں نے کہا خدا کی قسم! میں نہ لوں گا۔

اس کے بعد اتفاق سے میرا شام جانا ہوا۔ میں بیت المقدس کی زیارت کر کے دمشق آیا، اُسوقت میری والدہ زندہ تھیں، اس لئے دمشق سے میں بغداد روانہ ہو گیا۔ راستہ میں حلب کی طرف سے میرا گزر ہوا، وہاں میں شام کے وقت پہنچا اور ایک مسجد میں پناہ لی، بھوک اور سردی سے میرا برا حال تھا۔ جب نماز کا وقت ہوا تو مسجد کے متولی نے مجھ سے امامت کرنے کو کہا، میں نے نماز پڑھا دی۔ اُن لوگوں نے مجھے کھانا کھلایا۔ وہ رمضان کا مہینہ تھا، ان لوگوں نے مجھ سے کہا، یہاں کے امام صاحب بہت بزرگ شخص تھے، چند دن ہوئے ان کا انتقال ہو گیا ہے، ہماری درخواست ہے کہ آپ یہاں مہینہ بھر رہ جائیں۔ میں نے بھی منظور کر لیا اور نماز

پڑھانے لگا۔ ایک دن لوگوں نے کہا کہ سابق امام کی ایک لڑکی ہے، ہمارا خیال ہے کہ آپ کا اس سے نکاح کر دیں، میں نے اسکو بھی قبول کیا۔ اسکے بعد میں وہاں سال بھر رہا اور میرا ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اور اسی کی پیدائش کے سلسلہ میں میری بیوی بیمار ہو گئی۔ ایک دن میں اس کو دیکھ رہا تھا تو اس کے گلے میں ایک سرخ دھاگا نظر آیا، غور کیا تو وہی ہار تھا جو میں نے مکہ میں پایا تھا۔

میں نے اس کا پورا قصہ اپنی بیوی کو سنایا تو وہ رونے لگی اور کہا، تم وہی شخص ہو؟ بخدا میرے والد دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! میری لڑکی کو ویسا ہی شوہر دے جیسا ہار واپس کرنے والا تھا۔ اللہ نے اُن کی دعا سُن لی۔ اُس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا، میں وہ ہار اور اس کے دوسرے متروکات لے کر بغداد چلا آیا۔ (ابن جوزی و مرآۃ)

(منقول از اعیان الحجاج ص۷۹)

ف: محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ نے "اعیان الحجاج" میں اسی قسم کا ایک واقعہ قاضی محمد بن عبد الباقیؒ کے متعلق بھی نقل فرمایا ہے۔ اسے اختصار کی غرض سے میں نے حذف کر دیا ہے۔ (مرتب)

ارشادات

ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو عورتیں رونے لگیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے پچاس سال تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیابۃً فتاویٰ پر دستخط کیا ہے۔ اس لئے مجھے چھوڑ دو تا کہ

میں اُس کی ملاقات سے خوشی حاصل کروں۔ انھوں نے اپنے کپڑے اور کتابوں کے علاوہ کوئی ترکہ نہیں چھوڑا۔

آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے نفس کا خرچ کرنا تمھیں بھاری نہ معلوم ہو، جبکہ دوسرے کاموں میں صرف کرنے سے بار محسوس نہیں کرتے۔

آپ فرماتے تھے کہ میرے لئے جائز نہیں ہے کہ میں اپنی عمر کی ایک گھڑی بھی برباد کروں۔ یہاں تک کہ جب میری زبان مذاکرہ و مناظرہ سے معطل رہتی ہے اور میری آنکھ مطالعہ سے بند رہتی ہے تب راحت کے وقت بھی میں اپنی فکر کو کام میں لاتا ہوں، حالانکہ میں لیٹا رہتا ہوں۔

آپ فرماتے تھے کہ میں انتہائی محنت سے اپنے کھانے کے اوقات کو مختصر کرتا ہوں۔ یہاں تک کہ روٹی کھانے پر کعک کا سفوف پھانکنا اور پانی کے ساتھ اس کے نگلنے کو پسند کرتا ہوں، تاکہ مطالعہ کا وقت مل سکے یا کوئی فائدہ کی بات تحریر کرسکوں۔

ف: معلوم ہوا کہ اپنے اوقات کی قدر کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ ان قیمتی لمحات کی کوئی قضا نہیں۔ لہذا ہم سب کو خصوصاً طلبہ اور علماء کو اسکا بہت لحاظ رکھنا چاہئے کہ ضیاع وقت کے شکار نہ ہوں۔ (مرتب)

وفات

آپ کا انتقال ۵۱۳ سنہ ھ میں ہوا۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

(نصیحۃ المسلمین ترجمہ رسالۃ المسترشدین صلک ۲۵۶-۲۴۷)

حضرت قاضی ابوبکر محمد بن عبدالباقیؒ المتوفی ۵۳۵ھ

نام ونسب، تعارف نام محمد، کنیت ابو بکر، والد کا نام عبدالباقی ہے آپ شیخ، امام، عالم کامل اور عادل سند عصر تھے۔ آپ بغداد کے محلہ نصریہ کے رہنے والے تھے، اسی وجہ سے آپ نصری کہے جاتے تھے۔ اور آپ نسباً انصاری (انصار مدینہ) تھے، آپ مسلکاً حنبلی تھے اور قاضی اعرستان سے مشہور ومعروف تھے۔

ولادت آپ کی ولادت ۱۰ ارصفر ۴۴۲ھ میں ہوئی۔

تعلیم وتصنیف آپ کی تصنیف "مشیخۃ" تین جلدوں میں ہے۔ ابو القاسم تنوخیؒ نے آپ کو اجازت دی تھی۔ اور آپ نے قاضی ابو یعلیٰؒ سے بعض فقہی مسائل حاصل کئے تھے آپ نے خطیب کے زمانہ میں احادیث کی روایت شروع کر دی تھی۔ اور اس وقت آپ کی عمر بیس سال تھی۔ اور علو اسناد آپ پر ختم ہوتی ہے۔

ابو موسیٰ مدینیؒ کہتے ہیں کہ آپ فنون وعلوم میں امام تھے آپ نے فرمایا کہ میں نے سات سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا تھا اور کوئی بھی علم نہیں تھا مگر میں نے اس میں غور وفکر کیا۔ یا تو میں نے اُس علم کو پورا کا پورا حاصل کر لیا، یا اس کا کچھ حصہ حاصل کیا سوائے علم نحو کے۔

اور آپ فرماتے تھے کہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی اپنا قیمتی وقت

کچھ دیر کے لئے بھی کھیل کود میں ضائع کیا ہو۔

ابن جوزی رح فرماتے ہیں کہ خود انھوں نے اپنا واقعہ بتایا کہ میری پیدائش کے وقت دو نجومی آئے اور ان دونوں نے کہا کہ میری عمر باون ۵۲ سال ہو گی۔ اور میں اب بھی موجود ہوں جبکہ میری عمر اس وقت نوّے ۹۰ سال سے بھی زیادہ ہے۔

ف: معلوم ہوا کہ نجومی لوگ غلط خبر بھی دیتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہ (مرتب)

ابن جوزی رح فرماتے ہیں کہ آپ حسین وجمیل، شیریں کلام اور عمدہ معاملہ والے تھے۔ اور آپ جامع منصور میں نماز ادا کرتے تھے۔ آپ ثقہ، ذکی اور فہیم تھے۔ اور علم فرائض میں آپ کا کوئی نظیر اور مثیل نہ تھا۔

وفات

۲ ر رجب ۵۳۵ھ میں ظہر سے پہلے اِس دارِ فانی سے دارِ بقاء کی طرف رحلت فرمائی۔ رَحِمَهُ اللهُ رَحْمَةً وَّاسِعَةً۔

(سیر اعلام النبلاء ص۲۳)

شیخ ابو یعقوب یوسف بن ایوب ہمدانیؒ متوفی ۵۳۵ھ

ولادت و تعارف

آپ کی ولادت ۴۴۰ھ کے قریب ہوئی۔ آپ کا شمار یگانۂ روزگار اماموں میں ہوتا تھا۔ آپ کو خراسان میں مریدین کی تربیت میں کمال حاصل تھا۔ آپ کی خانقاہ میں علماء و صلحاء کی کثیر جماعت موجود رہتی تھی۔ جو آپ سے اور آپ کے کلام سے نفع اُٹھاتی تھی۔

آپ نے سماع سے متعلق کلام کیاہے لیکن ہم نے اس کو مصلحتاً نقل نہیں کیا اس میں انھوں نے سماع کی مدح و منقبت اور اہل سماع کے حالات و کیفیات کو بخوبی واضح کیاہے۔ جو چاہے اصل کتاب کا مطالعہ کرے۔

شیخ کی کرامات ابراہیم بن جوفی بیان کرتے ہیں کہ شیخ یوسف ہمدانی لوگوں کے سامنے وعظ فرمارہے تھے کہ دو مولویوں نے جو اس مجلس میں موجود تھے نہایت بے ادبی سے کہا کہ تم چُپ رہو، اس لئے کہ تم بدعتی ہو۔ اس پر شیخ نے ان دونوں سے کہا، تم لوگ خاموش رہو تم لوگ زندہ رہنے کے لائق نہیں ہو۔ چنانچہ وہ لوگ اسی جگہ فوت ہوگئے۔

آپ کے پاس ہمدان سے ایک عورت روتی ہوئی آئی اور اس نے ان سے کہا کہ میرے بیٹے کو فرنگیوں نے قید کرلیاہے۔ آپ نے اس کو صبر کی تلقین فرمائی، مگر اسے صبر نہ آیا۔ آخر آپ نے دُعا کی کہ اے اللہ! اس کی بیڑی کھولدے

اور جلد اس کو نجات دے۔ اس کے بعد اس عورت سے کہا کہ اپنے گھر جا تجھ کو تیرا بیٹا وہیں ملے گا۔ چنانچہ وہ عورت اپنے گھر آئی تو اس کا بیٹا وہیں موجود تھا۔ اس کو تعجب ہوا اور اس نے اپنے بیٹے سے حالات پوچھے۔ اس نے کہا کہ میں ابھی قسطنطنیہ میں پاؤں میں بیڑیاں پہنے تھا کہ مجھ پر نگہبان مقرر تھے کہ میرے پاس ایک شخص پہنچا اور مجھے اُٹھا کر پلک جھپکتے یہاں لے آیا۔

ف: سبحان اللہ! کیسی کرامت ظاہر ہوئی۔ اس لئے کہ جب آدمی سُنّت کی متابعت کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ اپنے فضل سے کرامات سے نوازتے ہیں۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ۔ (مرتّب)

وفات

آپ کی وفات ۵۳۵ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

حضرت علامہ محمود جار اللہ زمخشری رحمہ اللہ المتوفی ۵۳۸ھ

نام و نسب محمود نام، والد کا نام عمر ابوالقاسم جار اللہ، دادا کا نام محمد ہے۔

ولادت ماہ رجب ۴۶۷ھ میں زمخشر میں پیدا ہوئے۔ زمخشر خوارزم کا ایک گاؤں ہے جو مثل شہر کے ہے۔

تعلیم آپ خوارزم سے بغداد تشریف لے آئے اور وہاں کبار علماء سے ملاقات کی اور اُن سے استفادہ کیا۔ اور اِس دوران آپ کئی بار خراسان بھی تشریف لے گئے۔ آپ جس شہر میں بھی جاتے تھے وہاں کے علماء اور دوسرے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کی شاگردی اختیار کرتے تھے۔ جس سے بھی آپ نے بحث و مباحثہ کیا اُس نے آپ کی بڑائی و عظمت کو تسلیم کر لیا۔ اِس طرح آپ کی شہرت بہت زیادہ ہو گئی اور آپ اپنے دور کے امام ہو گئے۔ آپ تفسیر اور حدیث، نحو ادب کے امام تھے۔ اور آپ کی بہت سی عمدہ اور مہتم بالشان کتابیں مختلف علوم و فنون میں ہیں۔ جیسے کشّاف علم تفسیر میں، مفصّل علم نحو میں، اساس البلاغۃ لغت میں۔ اِس کے علاوہ بھی بہت سی کتابیں آپ نے تصنیف فرمائی ہیں۔

اب ہم "الاکلیل علی مدارک التنزیل"[۱] سے بعض باتیں نقل کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ :-

---

[۱] یہ حضرت مولانا عبدالحق صاحب (المتوفی ۱۲۵۲ھ ساکن نیوان متصل شہر الٰہ آباد جوگنگا ندی (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

مرض ان کے پاؤں میں ایک خطرناک مرض ہوگیا تھا جس کے سبب ان کا ایک پاؤں کاٹا گیا، پھر اُس کی جگہ لکڑی کا ایک پاؤں بنا کر لگایا گیا۔ آپ جب چلتے تو اُس پر ایک لمبا کپڑا اڈال لیتے تاکہ دیکھنے والا سمجھے کہ پاؤں سے لنگڑے ہیں۔

علامہ زمخشریؒ کی اعتزال سے توبہ قال العلامۃ اکمل الدین فی حاشیۃ الکشاف انہ

قد تاب من مذھب الاعتزال وصنف النصائح الصغار والنصائح الکبار بعد توبتہ من الاعتزال۔

(الاکلیل علی مدارک التنزیل صفحہ ۱۸۱ سورۃ اعراف)

(ترجمہ: علامہ اکمل الدین نے کشاف کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ صاحبِ کشاف نے مذہبِ اعتزال سے توبہ کر لی تھی اور اعتزال سے توبہ کے بعد "نصائح صغار ونصائح کبار" بھی تصنیف فرمائی ہے۔

کشاف کی اہمیت یہ ایسی تفسیر ہے کہ اس سے پہلے اس جیسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی، جیسا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کے کنارے ایک موضع ہے) انھوں نے "مدارک التنزیل" کا حاشیہ "الاکلیل" کے نام سے لکھا ہے۔ اُس میں جب حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے امام زمخشریؒ کے اعتزال سے توبہ کے متعلق پڑھا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ نہایت تعجب وتحسر سے فرماتے تھے کہ کشاف جیسی تفسیر لکھنے والے علامہ زمخشری رحؒ کو اللہ تعالیٰ کیسے عذاب دیں گے؟ اس لئے انکی توبہ کو معلوم کرکے بہت مسرور ہوئے۔

الحمدُ للہ اِس حقیر نے "کشاف" اور "مدارک" کے کچھ حصے حضرت مصلح الامتؒ سے سبقاً سبقاً پڑھا ہے۔ فللہ الحمد والمنۃ۔ (مرتب)

صاحبِ کشاف نے خود اپنی اِس کتاب کے بارے میں یوں لکھا ہے:۔

فالکتاب وحید فی بابہ وعلم شامخ فی نظر علماء التفسیر وطلابہ ولقد اعترف لہ خصومہ بالبراعة وحسن الصناعة۔

(ترجمہ: یہ کتاب اپنے باب میں وحید و فرید (بے مثال) ہے، علماء تفسیر وطلابِ تفسیر کی نظر میں یہ کتاب علوم تفسیر کی جامع ہے۔ اور اُن لوگوں نے بھی اس کتاب کی اچھائی اور حسنِ تصنیف کی تعریف کی ہے جو مخالف تھے ؎

فَاَرْضُ مَكَّةَ تَذْرِی الدَّمْعَ مُقْلَتُهَا
حُزْنًا لِفُرْقَةِ جَارِاللهِ مَحْمُوْدِ

(ترجمہ: مکہ کی زمین نے آپ کی وفات پر آنسو بہائے محمود جاراللہ کی جدائی کے غم میں)

(از: کتاب التفسیر والمفسرون ص۴۳۱)

علامہ کا علمی لطیفہ ملا علی قاری رحؒ نے نقل کیا ہے کہ عمر نسفی رحؒ (صاحبِ عقائد نسفیہ) علامہ کی خدمت میں مکہ مکرمہ سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ کیونکہ ع

بہارِ عمر ملاقاتِ دوستاں باشد

دروازے پر دستک دی، علامہ جاراللہ نے اندر سے پوچھا، کون؟ موصوف نے جواب دیا، عمر! علامہ زمخشری رحؒ نے کہا: "اِنْصَرِفْ" یعنی منصرف ہوجا (لوٹ جا!) آپ نے فرمایا "عُمَرُ لَا يَنْصَرِفُ" یعنی عمر منصرف نہیں ہوتا۔ علامہ زمخشری رحؒ نے جواب میں کہا: "اِذَا نُكِّرَ صُرِفَ" یعنی جب نکرہ کردیا جاتا ہے تو وہ منصرف ہوجاتا ہے۔ (ظفر المحصلین ص۲۹۴)

مندرجہ ذیل آیت کی تفسیر | حضرت العلامہ زمخشری رح مندرجہ ذیل آیت کے تحت یوں رقمطراز ہیں :۔

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آل عمران ۱۹۱)	جو اللہ کا ذکر کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے کرتے ہیں اور زمین و آسمان کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں۔
وعن سفیان الثوری انہ صلی خلف المقام رکعتین ثم رفع راسہ الی السماء فلما رای الکوکب غشی علیہ وکان یبول الدم من طول حزنہ وفکرتہ	حضرت سفیان ثوری رح سے مروی ہے کہ انھوں نے مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کی، اُس کے بعد اپنے سر کو آسمان کی طرف اُٹھایا تو ستاروں کو دیکھ کر ان پر غشی طاری ہو گئی اور مسلسل حزن و غم کی وجہ سے خون کا پیشاب ہونے لگا۔
وعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بینما رجل مستلق علی فراشہ ان رفع راسہ فنظر الی النجوم والی السماء فقال اشھد ان لک ربا وخالقا اللھم اغفر لی فنظر اللہ الیہ نغفر لہ۔	نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ اس دوران کہ ایک آدمی اپنے بستر پر چیت لیٹا ہوا تھا کہ اپنا سر آسمان کی طرف اُٹھایا، تو ستاروں اور آسمان کو دیکھ کر کہا، میں شہادت دیتا ہوں کہ تمھارے لئے کوئی رب اور خالق ہے۔ اے اللہ میری مغفرت فرمادے! تو اللہ تعالےٰ نے اُس کی طرف
وقال النبی	

صلى الله عليه وسلم لا عبادة كالتفكر وقيل الفكرة تذهب الغفلة وتحدث للقلب الخشية كما يحدث الماء للزرع النبات وماجليت القلوب بمثل الاحزان ولا استنارت بمثل الفكرة۔

نظر رحمت فرمائی اور مغفرت فرمادی۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تفکر کی طرح کوئی عبادت نہیں ہے۔ نیز کہا گیا ہے کہ فکر غفلت کو دور کر دیتا ہے اور قلب میں خشیت کو پیدا کرتا ہے جیسا کہ پانی کھیت کو پودوں سے آباد و شاداب کرتا ہے اور حزن سے بڑھ کر کسی چیز سے قلوب کو جلا نصیب نہیں ہوتا اور نہ فکر کی طرح کسی چیز سے نورانیت حاصل ہوتی ہے۔

وروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تفضلونی علی یونس بن متیٰ فانہ کان یرفع لہ فی کل یوم مثل عمل اھل الارض۔

اور مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے یونس بن متیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو۔ کیونکہ ان کے لئے پوری زمین کے لوگوں کے مثل تنہا ان کا عمل آسمان تک پہنچتا ہے۔

قالوا وانما کان ذالک التفکر فی امر اللہ الذی ھو عمل القلب لان احدا لا یقدر ان یعمل بجوارحہ فی الیوم مثل عمل اھل الارض۔

(الکشاف ص ۴۸۸ ج ۱)

تو اسکی توضیح میں علماء اکابر نے فرمایا کہ یونس علیہ السلام کا وہ عمل اللہ کے امر میں تفکر ہے جو عمل قلب ہے اس لئے کہ کوئی شخص اس بات پر قادر نہیں ہے کہ اپنے ظاہری اعضاء سے ایک دن میں زمین والوں کے عمل جیسا عمل کرے۔ (سوائے اعمال قلب کے)

ف: مندرجہ بالا عبارت کا اکثر حصّہ دلیل الفالحین شرح ریاض الصالحین ص۲۵۴ میں مسطور ہے، جسکو حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے بہت پسند فرمایا، خصوصًا یہ حصّہ: "ماجلیت القلوب بمثل الاحزان" یعنی قلب کی جلاء وصفاء مثل حزن وغم کے کسی شئے سے نہیں ہوتی۔

اور اس پسندیدگی کی وجہ میری ناقص رائے میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باطنی صفات میں ایک نمایاں صفت حزن وفکر بھی ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسب روایت[ؑ] صحیحہ متواصل الاحزان رہتے تھے۔ اس لئے حضرت مصلح الامت رح جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری سُنتوں کے متّبع تو تھے ہی باطنی سنتوں سے بھی متصف تھے۔ اس لئے آپ بھی اس صفت حزن وفکر آخرت کی بنا پر برابر حزین وفکرمند رہتے تھے۔ لہٰذا اپنے منتسبین وسالکین کے اندر بھی اس صفت کو دیکھنا چاہتے تھے بلکہ بسا اوقات فعل وقول سے ایسی تدبیر اختیار فرماتے تھے جس سے سالکین راہ میں حزن کی صفت پیدا ہو۔

میں سمجھتا ہوں کہ اصلاح وتربیت کے باب میں حضرت مصلح الامتؒ کی یہ امتیازی شان تھی، جسکو علماء ومشائخ نے بھی حسن قبول سے نوازا۔ فللّٰہ الحمد والمنۃ

اس لئے دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہم سب کے اندر اس عالم میں حزن وخوف کی صفت سے نواز کر آخرت کے خوف وحزن سے مامون ومحفوظ رکھے، جیسا کہ اپنے اولیاء کا حال بیان فرمایا ہے کہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ یعنی وہ لوگ آخرت کے حزن وغم سے محفوظ رہیں گے۔

وفات خوارزم کے جرجانیہ میں عرفہ کی رات ۵۳۸ھ میں وفات ہوئی۔

(رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً (التفسیر والمفسرون ص۲۳۱)

ؑ شمائل ترمذی کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم متواصل الاحزان ودائم الفکرۃ تھے (یعنی ہمیشہ غم میں رہتے اور ہمیشہ فکر کرنے والے تھے۔ (انوار محمدی ص۲۱۱) (ترجمہ شمائل ترمذی، از حضرت مولانا کرامت علی جونپوری رح)

حضرت الشیخ ابوبکر بن ہوار البطائحی رحمۃ اللہ علیہ چھٹی صدی ہجری

تعارف

پہلے آپ ڈاکو تھے۔ رات میں ان کو ایک غیبی آواز سنائی دی اَمَا اٰنَ لَكَ اَنْ تَخَافَ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی (یعنی کیا تمہارے لئے ابھی وقت نہیں آیا کہ اللہ تعالےٰ سے ڈرو) یہ سن کر فوراً ہی تائب ہوگئے۔ ان کے ہمعصر مشائخ نے ان کے علو مقام و جلالتِ شان پر اجماع کیا ہے۔

ف: ایسے ہی حضرت فضیل بن عیاض رح یہ آیت "اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ (الحدید)" سن کر ڈاکہ زنی سے تائب ہوگئے۔ یقیناً اللہ تعالےٰ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے ایسی ہی تدبیر سے راہِ راست پر لے آتا ہے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔ (مرتب)

ارشادات

فرماتے تھے کہ: خوف تم کو اللہ تعالےٰ تک پہنچا دے گا۔ اور خوف یہ ہے کہ ہر سانس کے آنے جانے کے وقت اس کی گرفت و مواخذہ سے مامون نہ ہو۔ نیز فرماتے تھے کہ لوگوں کو بنظر حقارت دیکھنا ایسا مرض ہے کہ جس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ (طبقات صـ۱۳۲)

وفات باوجود تلاش بسیار کے تاریخ وفات نہ مل سکی۔ لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ چھٹی صدی کے ہوں گے۔ چونکہ آپ کے ہاتھ پر حضرت ابو محمد شنبکی رح نے توبہ کی ہے۔ (م ۵۴۰ھ) رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

حضرت الشیخ ابو محمد الشنبکی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۵۴۰ھ کے بعد

تعارف

آپ شریف الاخلاق، کامل الادب، وافر العقل اور نہایت متواضع شخص تھے۔ آپ بھی ابتداءً قافلوں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر بن ہوار بطائحیؒ کے ہاتھ پر ایسی توبہ کی کہ ان کی دعا سے مادر زاد اندھے، جذامی اور مجنون اچھے ہو جاتے تھے۔

کرامت سیدنا امام رفاعیؒ (المتوفی ۵۷۸ھ) کے ماموں شیخ منصور بطائحیؒ (المتوفی ۵۴۰ھ) کی والدہ صاحبہ جب حالت حمل میں آپ کی زیارت کیلئے آتیں تو شیخ تعظیماً کھڑے ہو جاتے۔ جب یہ کیفیت بارہا ہوئی تو لوگوں نے دریافت کیا، آپ نے فرمایا کہ یہ خاتون ایک ولی کامل کا حمل رکھتی ہیں، (جس کا عند اللہ بڑا مرتبہ ہے) اس بچہ کی تعظیم کر رہا ہوں۔

ارشادات

فرماتے تھے کہ جس نے اپنے نفس کو ادب کے ذریعہ مغلوب کر لیا تو وہی اللہ تعالیٰ کی عبادت خلوص سے کر سکتا ہے۔ فرماتے تھے کہ سچوں کی خواہش تو مجاہدہ اور ریاضت کی ہوتی ہے۔ مگر جھوٹے تو بس سونے اور سست پڑے رہنے کے ہی طالب رہتے ہیں، یعنی ذرا محنت نہیں کرنا چاہتے مگر یہ لوگ بھی عموماً احوال وکیفیات کے طالب رہتے ہیں۔ حالانکہ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ :۔

الاحوال نتائج الاعمال (احوال وکیفیات، اوراد واعمال کے ثمرات ہیں)

پس جب عمل ہی نہیں تو پھر حال کیسے میسر ہوگا۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ جو شخص اللہ تعالےٰ کے ساتھ کسی سر و راز کا مدعی ہو مگر اس کے صدق پر اس کی ظاہری حالت شاہد نہ ہو، تو اس کو دین کے معاملہ میں متہم قرار دیا جاسکتا ہے۔ فرماتے تھے کہ علم میں اخلاص کے ساتھ مشغول ہونا صلاح قلب ہے اور ریا و سمعہ کے ساتھ اشتغال فسادِ قلب ہے۔ (طبقات صـ۱۳۳)

وفات

باوجود تلاش بسیار کے تاریخ وفات نہ مل سکی۔ لیکن اتنا محقق ہے کہ حضرت منصور بطائحیؒ (المتوفی ۵۴۰ھ) کے ولادت کے وقت آپ بقید حیات تھے۔ رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

حضرت الشیخ منصور البطائحی رح المتوفی ۵۴۰ھ

تعارف آپ حضرت الشیخ احمد رفاعی رح کے ماموں ہیں۔ آپ اجلہ عارفین، کبار محققین میں سے ہیں۔ آپ مستجاب الدعوات تھے۔ حالتِ حمل میں جب آپ کی والدہ صاحبہ اپنے شیخ عارف جلیل ابو محمد شنبکی رح کی خدمت میں زیارت کے لئے حاضر ہوتیں تو شیخ تعظیما کھڑے ہو جاتے۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ یہ خاتون ایک ولی کامل (جس کا عند اللہ بڑا مرتبہ ہے) کا حمل رکھتی ہیں، اس جنین (بحالت حمل بچہ) کی تعظیم کر رہا ہوں۔ شیخ منصور نہر وقلی میں مقیم تھے۔

بشارتِ نبوی حضرت منصور البطائحی رح کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں یہ بشارت سنائی تھی کہ اے منصور! چالیس روز کے بعد تیری بہن کو ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ اس کا نام احمد رکھنا۔ اولیاء میں وہ ایسا ہی سردار ہوگا جس طرح میں انبیاء کا سردار ہوں۔ (یہی بعد میں حضرت سیدنا احمد رفاعی رح کے نام سے مشہور ہوئے) اور جب وہ ہوشیار ہو جائے تو شیخ علی قاری واسطی کے پاس تعلیم کے لئے بھیج دینا۔

جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو آپ کی اہلیہ نے عرض کیا کہ اپنے لڑکے کو اپنے بعد کے لئے وصی بنا دیجئے۔ تو فرمایا کہ نہیں، اپنے بھانجے احمد کو وصی بناؤں گا۔ مگر اہلیہ محترمہ اپنی رائے پر مصر رہیں۔ تو اپنے صاحبزادے اور بھانجے کو بلا کر فرمایا کہ فلاں زمین سے ایک ایک کھجور کا پودا لاؤ۔ تو ان صاحبزادے

نے جاکر بہت سے پودے لاکر پیش کر دیئے۔ مگر بھانجے احمد ایک بھی پودا نہ لائے۔ تو فرمایا، اے احمد! تم کیوں نہیں لائے؟ تو عرض کیا کہ ہر پودے کو میں نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول پایا۔ اس لئے قادر نہ ہوا کہ کوئی پودا اُکھاڑ کر لاؤں۔ یہ سن کر شیخ کی اہلیہ خاموش ہو گئیں (یعنی سمجھ گئیں کہ بھانجے کی استعداد عالی اور صلاحیت کامل ہے۔ اس لئے وصی بنائے جانے کے یہی لائق ہیں۔) (طبقات ص ۱۳۴)

فرماتے تھے کہ جو دنیا کو پہچان لے گا وہ زاہد ہو جائے گا۔ اور جو اللہ تعالیٰ کو پہچان لے گا وہ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کو ہر چیز پر مقدم رکھے گا۔ اور جو اپنے ہی کو نہ پہچانے گا تو وہ زبردست غرور اور دھوکے میں مبتلا رہے گا۔

فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی آزمائش غفلت اور کسل سے بڑھ کر کسی چیز سے نہ فرمائی۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس کو غفلت اور نیند سے پناہ دیتا ہے۔

فرماتے تھے کہ تمھارے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ تم اس کو سمجھو کہ تین خصلتیں اولیاء اللہ کی ہیں۔ اوّل ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر وثوق و اعتماد کرنا۔ دوم: ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے فنا کا اختیار کرنا۔ سوم: ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرنا۔

فرماتے تھے کہ بے قراری پر صبر کرنا توشۂ راہ ہے اور رضا بالقضاء عارفوں کا درجہ ہے۔ پس جو شخص صبر کرے یقیناً وہ نیکوکار رہے۔

آپ فرماتے تھے کہ دُنیا کی جو چیزیں تمھارے دنیا سے زہد اختیار کرنے میں معین و مددگار ثابت نہ ہوں وہ تمھارے لئے نقصان دہ ہیں، مفید نہیں۔

ف : سبحان اللہ، کیا ہی معرفت کی باتیں ارشاد فرمائیں۔ فجزاہم اللہ تعالےٰ۔ اللہ تعالےٰ عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (مرتب)

آپ فرماتے ہیں: جس شخص کا دل اللہ تعالےٰ کی یاد میں اُنسیت حاصل کرلیتا ہے تو پھر ہر چیز سے بیگانہ ہوجاتا ہے اور اُس کا دل اللہ تعالےٰ کی یاد میں ہر طرح کی خوشی و تسکین کو پاتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ جو شخص عبودیت کی صفائی کو اپنا کمال سمجھا اس کو ربوبیت کے نسیان نے گھیر لیا۔ اور جس نے عبودیت کی پابندی میں ربوبیت کی صفت کا مشاہدہ کیا بس وہی اپنے نفس سے الگ ہوا۔ اور اپنے رب سے قریب ہوا اور وہ استدراج سے سلامت رہا۔ (طبقات کبریٰ ص۱۳۴)

ف : اللہ تعالےٰ ہم کو صفت عبودیت میں رسوخ عطا فرمائے، تاکہ استدراج سے محفوظ رہیں۔ (مرتب)

وفات

صاحبِ رموز لکھتے ہیں کہ آپ کا انتقال نہر وقلی میں سنہ ۵۴۰ھ میں ہوا مزار زیارت گاہ بنا ہوا ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

(تذکرہ حضرت رفاعی رح ص۱۳۹)

حضرت الشیخ رسلان دمشقی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۵۵۰ھ

نام ونسب نام رسلان ، والد کا نام یعقوب ، دادا کا نام عبدالرحمن ہے۔

تعارف آپ اپنے دور کے زاہد و عابد اور کبار مشائخ میں سے ہیں۔ آپ کے اجداد قلعہ جبر کے (جو کہ دریائے فرات کے کنارے واقع ہے) رہنے والے تھے اور وہ دمشق منتقل ہو گئے تھے۔

آپ شام کے مشائخ کبار میں شمار کئے جاتے ہیں۔ آپ ابو عامر مؤدب کی صحبت میں رہے جو آپ کے ساتھ باب توما میں آپ کے قبہ میں مدفون ہیں۔ اور اسی قبہ میں شیخ کے خادم ابوالمجد بھی مدفون ہیں۔

عبادت آپ باب توما کے اندر والی مسجد میں جو آپ کے گھر کی جانب میں ہے عبادت کرتے تھے۔ اس کے بعد آپ مسجد رب الحجر میں اس کے مشرقی حصہ میں قیام پذیر ہوئے۔ اور شیخ ابوالبیان اسی مسجد کے مغربی حصہ میں تھے۔ تو آپ نے اُس مسجد میں ایک مدت تک عبادت کی۔ اور آپ دونوں کے ساتھ ایک جماعت اس مسجد میں مقیم تھی اس کے بعد شیخ اپنے اصحاب کے ساتھ اس مسجد سے نکل کر مسجد خالد بن ولیدؓ میں قیام پذیر ہوئے اور وہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہے۔

(سیر اعلام النبلاء، ص ۲۷۹ ج ۲۰)

ارشادات

آپ فرماتے تھے کہ ہر شر کی کنجی تیزی ہے۔ اور غصہ تم کو عذر اور درگزر کرنے کی طلب میں مقامِ ذلت میں کھڑا کردے گا (یعنی غصہ میں کسی کو ناحق کوئی بات کہہ دوگے تو پھر اس کے بعد عذر کرنا پڑے گا جس سے بڑھ کر ذلت کیا ہوگی۔)

فرماتے تھے کہ مکارمِ اخلاق یہ ہیں: قدرت کے باوجود[1] عفو۔ ذلت میں تواضع[2]۔ بغیر کسی کے احسانِ سابق کے اس کو عطا کرنا۔

ف: ذلت میں تواضع کا مطلب شاید یہ ہے کہ کسی نے اسکو ذلت آمیز بات کہی مگر اس نے اپنے کو جھکا دیا اور پستی اختیار کرلی۔ تو یہ یقیناً منجملہ مکارم اخلاق کے ہے۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ کریم وہ ہے جو اذیتوں کو برداشت کرے اور مصیبت کے وقت شکوہ شکایت نہ کرے۔ فرماتے تھے کہ منجملہ مکارم اخلاق کے صاحبِ قدرت کا معاف کردینا اور محتاج کا جود و بخشش کرنا ہے۔ (طبقات ص۱۵۳)

وفات

آپ کا انتقال ۵۵۰ھ کے قریب یا اس کے بعد ہوا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(سیر اعلام النبلاء ص۳۷۹ ج۲۰)

حضرت الشیخ بقا ربن بطو رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۵۵۳ھ

نام، نسب و تعارف نام بقا، والد کا نام بطو ہے۔
آپ اپنے دور کے اکابرین میں سے تھے اور احوال نفیسہ، مقامات جلیلہ و کراماتِ باہرہ رکھتے تھے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلیلی رح آپ کے بارے میں فرماتے تھے کہ تمام مشائخ کو ناپ تول کر ملا ہے، مگر شیخ بقا بن بطو کو بغیر ناپ تول کے ملا ہے۔

بہت سے علمار و صلحار آپ کے مرید ہوئے اور کافی لوگ آپ کی زیارت کے لئے آیا کرتے تھے۔

ارشادات

آپ فرماتے ہیں کہ فقیری دل کے علائق سے خالی اور صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ مستقل ہونا ہے۔ اور املاک سے خالی ہونا تو فقیری کی ایک صفت ہے، اس وجہ سے کہ جو بندہ اپنے دل سے ان چیزوں میں پھنسا رہے گا اُس کے لئے یہ اللہ سے روکنے والی اور قطع کرنے والی ہیں۔ اور املاک سے مجرد ہونے کی علامت یہ ہے کہ اسباب کے وجود و عدم سے اس کا حال نہ بدلے، نہ قوت میں اور نہ ضعف میں، نہ سکون میں اور نہ بیقراری میں، بلکہ مہلکات بھی اُس پر اثر انداز نہ ہوں۔ جب یہ صفت اس کے اندر پیدا ہو جائے تو وہ فقیر ہے۔ اُس وقت نہ تو اس کو اسباب کی غلامی مقید کرے گی اور نہ

ان کا وجود اس کو خوش وخرم رکھے گا۔ اور نہ ہی اس کا نہ ہونا اس کو رنجیدہ کرے گا۔ اگر صاحبِ مال ہوا، تو ایسا ہے گویا وہ صاحبِ مال نہ ہوا۔ یعنی اس پر اُس کے ہونے نہ ہونے کا کوئی اثر نہ پڑے گا۔

آپ فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے نفس کے اندر جھڑکنے والا ناصح نہ پایا اُس کا دل خراب ہے۔ اور جس شخص نے اپنے نفس کے مقابلہ میں اللہ سے مدد نہ چاہی یعنی اپنی قوت پر بھروسہ کیا تو اُسکو اُس کے نفس نے ہلاک کر دیا۔

آپ فرماتے تھے کہ لوگوں کے ساتھ اپنے معاملہ میں انصاف کیا کرو اور اپنے چھوٹوں سے بھی نصیحت قبول کیا کرو تو شرف منازل تک پہنچ جاؤ گے۔

فرماتے تھے کہ جو شخص اپنی ذات میں کوئی زجر کرنے والا نہ پائے تو وہ سمجھ لے کہ وہ خراب ہے۔ فرماتے تھے کہ جو شخص اپنے نفس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب نہ کرے گا تو اس کو اس کا نفس زیر کر دے گا۔

ف: مطلب یہ کہ سالک کو اپنی ریاضت ومجاہدہ پر بھروسہ نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ نفس کی اصلاح وتزکیہ کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگنی چاہیئے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعا فرما رہے ہیں: اَللّٰھُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰیھَا وَزَکِّھَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰھَا اَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلٰھَا (ترجمہ: اے اللہ! میرے نفس کو تقویٰ کی توفیق عطا فرما اور اس کا تزکیہ فرما تو ہی بہترین تزکیہ کرنے والا ہے، تو ہی میرے نفس کا ولی اور اسکا مربی ہے۔)

وفات

آپ کی وفات ۵۵۳ھ کے قریب ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

(طبقات ص ۱۲۶ ج ۱)

حضرت الشیخ ابوسعید القلوری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۵۵۶ھ

تعارف آپ صاحب انفاس صادقہ اور افعال خارقہ اور صاحب کرامات و معارف تھے اور اپنے شہر میں فتوے دیا کرتے تھے۔ آپ قلوریہ میں اونچے تخت پر علوم و شرائع و حقائق پر گفتگو فرماتے تھے اور اطراف کے لوگ آپ سے ملاقات کے لئے آتے رہتے تھے۔ آپ اکابر عارفین اور ائمہ محققین میں سے تھے۔

ارشادات آپ فرماتے ہیں کہ فقیر کی شرط یہ ہے کہ نہ وہ کسی چیز کا مالک ہو اور نہ اسکی کوئی چیز مالک ہو، اُس کا دل تمام آلائشوں سے صاف ہو اور اُسکا سینہ ہر شخص کے لئے بے کینہ ہو اور اپنی جان کو بخشش اور ایثار کردے۔ تصرف حق کے سوا سے بیزار ہو۔

ف: سبحان اللہ، اللہ تعالیٰ ہم فقیروں کو فقر کے شرائط سے آگاہ فرمائے اور ان سے آراستہ فرمائے، تاکہ نام کے نہیں بلکہ کام کے فقیر ہوجائیں۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ تصوف یہ ہے کہ ماسوی اللہ سے تبری اختیار کرے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (ترجمہ: بیشک لوگ میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے)

فرماتے تھے کہ توحید یہ ہے کہ خالق کائنات کے مشاہدہ کیوجہ سے پوری کائنات سے نظر پھیر لے۔ **ف:** اللہ تعالیٰ اس توحید کی نعمت سے نوازے۔ آمین! (مرتب)

وفات

آپ کی وفات تقریباً ۵۵۶ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

(طبقات ص ۱۴۷ ج ۱)

حضرت الشیخ مطر باذرائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

تعارف آپ عراق کے اجل مشائخ اور عارفین کے سردار تھے۔ آپ کی جلالتِ شان زہد اور بزرگی پر علماء کا اتفاق تھا۔ آپ کے شیخ تاج العارفین ابوالوفاءؒ فرماتے تھے کہ شیخ مطر میرے حال وقال کے وارث ہیں۔ آپ تاج العارفین کے خادمِ خاص تھے۔ آپ پر سُکر کی حالت طاری رہتی تھی۔

ارشادات فرماتے تھے کہ: نفس کی باگ ڈور عقل کے ہاتھ میں ہے۔ نفس عقل کے لئے مسخر کردیا گیا ہے۔ اور عقل انوارِ الٰہیہ سے مدد طلب کرتی ہے اور اسی سے وہ حکمت ظہور پذیر ہوتی ہے جو حکمت علوم کی سردار ہے، عدل کا ترازو ہے، ایمان کی زبان ہے، بیان کا سرچشمہ ہے، روحوں کا گلشن ہے، صورتوں کا نور ہے، حقائق کی میزان ہے، وحشت زدوں کا اُنس ہے، راغبوں کا مالِ تجارت ہے اور مشتاقوں کی آرزو ہے۔

فرماتے تھے کہ حق کو حاصل کرنا حکمت ہے۔ لہٰذا جب حکمت قلب میں پیوست ہوتی ہے تو دل کے گوشوں میں پوشیدہ عشق کا سراغ لگاتی ہے، قلوب کے زنگ کو صاف کرتی ہے اور باطن کے عیوب کو نیست و نابود کردیتی ہے۔

ف : ماشاء اللہ کتنے بصیرت افروز ملفوظات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح عقل و حکمت سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین! (مرتب)

وفات آپ کُردی تھے۔ عراق کے شہر نجف میں باذرا نامی جگہ پر سکونت اختیار کی۔ یہیں وفات پائی۔ آپ کی قبر موجود ہے اور زیارت گاہ ہے۔ لیکن تاریخِ وفات کی تعیین نہیں ہوسکی۔ (طبقات ص ۱۴۲ ج ۱)

حضرت الشیخ حمّاد ابن مُسلم دباس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۵۲۵ھ

تعارف

آپ کا شمار علوم حقائق کے علمار راسخین میں ہوتا ہے۔ آپ کو مریدین کی تربیت میں انتہائی درجہ کا کمال حاصل تھا۔ آپ کے صاحب کشف ہونے پر اجماع منقول ہے۔ آپ کے دور میں موجود بغداد کے مشائخ وصوفیاء آپ کی جانب منسوب تھے۔ آپ ان حضرات میں سے ہیں جنھوں نے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے فیض صحبت حاصل کیا۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی مدح کی اور انکی کرامات نقل کیں۔

ارشادات

فرماتے تھے کہ: اپنے قلب کو یقین کے ذریعہ پاک وصاف کرو، تاکہ اسمیں اللہ تعالیٰ کے قضا وقدر کے احکام جاری ہوں اور وہ برضا ورغبت قبول کرلے۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اسرار واحکام اسی قلب میں جاری ہوتے ہیں جو صفت یقین کے ذریعہ پاک وصاف ہوچکے ہوں۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ، اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا قریب ترین راستہ اس کی محبت اور عشق ہے۔ یہ محبت اُس وقت تک خالص نہیں ہوسکتی جبتک کہ محبؔ کی روح شرکت نفس سے پاک نہ ہوجائے۔ اور جب تک اُس میں نفس کی شرکت رہے گی وہ محب کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کا مزہ نہیں چکھ سکتا۔ (طبقات ص۱۳۵)

وفات | آپ کی وفات ۵۲۵ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

(العبر فی خبر من غبر للذہبی ج۳ ص۲۸)

حضرت الشیخ ابو یعزی المغربی رحمۃ اللہ علیہ

تعارف

ملک مغرب میں صادقین کی تربیت میں آپ کو نہایت کمال حاصل تھا آپ کی صحبت سے بڑے بڑے مشائخ اور مشہور و معروف زاہدین کمال حاصل کر کے نکلے۔ اہل مغرب آپ کے وسیلہ سے بارش طلب کرتے تھے تو بارش ہوتی تھی۔

ارشادات

آپ فرماتے تھے کہ احوال مبتدیوں کے مالک ہوتے ہیں، انھیں جس طرح چاہتے ہیں پھیرتے ہیں۔ اور منتہیوں کے مملوک ہوتے ہیں، منتہی جس طرح چاہتے ہیں احوال کو پھیرتے ہیں۔

ف: یعنی منتہی حضرات احوال سے مغلوب نہیں ہوتے۔ بلکہ خود ان پر غالب رہتے ہیں۔ (مرتب)

فرماتے تھے: جو حقیقت بندہ کی رسمی چیزوں اور علامتوں کو نہ مٹائے وہ حقیقت نہیں ہے۔

ف: یعنی حقیقت کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ حقیقت رسوم سے نکال کر حقائق تک پہنچا دیتی ہے۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ: جس نے حق کو اللہ کے فضل کے راستہ سے طلب کیا تو وہ حق تک پہنچ گیا۔ نیز فرماتے تھے کہ: جو اللہ واحد کا نہ ہوا وہ کسی کا نہ ہوگا۔

ف: اس کے بالمقابل جو اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے، کائنات کی سب

چیزیں اس کے تابع ہو جاتی ہیں۔ من کان ﷲ کان اللہ لہ۔ (مرتب)

ابو محمد افریقی فرماتے ہیں کہ شیخ ابو یعزیٰ اپنے ابتدائے سلوک میں پندرہ سال جنگل میں رہے، جہاں وہ محض جنگلی درختوں کے پھلوں کے سوا کچھ نہیں کھاتے تھے، شیر ان کی پناہ میں آکر رہتے تھے، پرندے انکے ارد گرد جمع رہتے تھے۔ جب آپ شیروں سے کہتے کہ یہاں نہ رہو تو شیر اپنے بچوں کو لے کر تمام کے تمام وہاں سے چلے جاتے۔

ف: سبحان اللہ، شیخ ابو یعزیٰ کا جو مقام تھا وہ ظاہر ہے۔ اسی کو شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے ؎

تو ہم گردن از حکمِ داور مپیچ　　　که گردن نہ پیچد ز حکمِ تو ہیچ

(یعنی تم بھی اللہ کے حکم سے گردن نہ موڑو۔ تاکہ کوئی مخلوق تمھارے حکم سے گردن نہ موڑے۔) (مرتب)

شیخ ابو مدینؒ نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ ان سے میدان میں ملا، آپ کے ارد گرد شیر اور درندو پرند موجود تھے اور اپنے احوال کے متعلق آپ سے مشورہ کر رہے تھے، اور وہ خشک سالی کا دور تھا۔ آپ ان وحشی جانوروں سے کہتے تم فلاں جگہ جاؤ، تم فلاں مقام پر جاؤ، تمھاری روزی وہیں ہے۔ پرندوں سے بھی یہی کہتے۔ وہ سب آپ کا حکم مانتے تھے اور جہاں جانے کا حکم دیتے تھے وہاں چلے جاتے تھے۔　　(الطبقات ج ۱ ص ۱۳۶)

وفات | تاریخ وفات نہیں ملی، البتہ حضرت ابو مدین مغربی (متوفی ۵۹۰ھ) نے آپ کی زیارت کی ہے، اس لئے قیاس یہ ہے کہ چھٹی یا ساتویں صدی میں وفات ہوئی۔

رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً۔

حضرت عدی بن مسافر الاموی رحمۃ اللہ المتوفی ۵۵۸ھ

نام ونسب نام عدی، والد کا نام مسافر الاموی، اور کنیت ابو محمد ہے۔

فضل وکمال آپ طریقہ سلوک کے منجملہ ارکان کے ایک اہم رُکن ہیں اور اس کے زبردست عالم ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح اُن کی تعریف فرماتے تھے۔ اور اُن کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اگر نبوت مجاہدہ سے حاصل ہوتی تو شیخ عدی اپنے مجاہدات سے اسکو حاصل کر لیتے۔ (طبقات صفحہ ۱۳۷ ج ۱)

آپ نے متعدد شیوخ کی صحبت اختیار کی اور اللہ کی راہ میں کافی مجاہدات کئے۔ آپ نے موصل کے بعض پہاڑوں میں سکونت اختیار کی، جہاں آپ بالکل تن تنہا تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے اُس ویران جگہ کو آباد ومانوس کر دیا۔ آپ راہِ طریقت کے طے کرنے کے بعد کسی سے بھی نہیں ڈرتے تھے۔ اور آپ کی برکت سے کردیوں کی ایک جماعت نے راہِ راست کو اختیار کر لیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو طویل عمر عطا فرمائی، تاکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق آپ سے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرے۔ آپ خیر (بھلائی) کے معلّم تھے اور لوگوں کے انتہائی خیر خواہ تھے، مگر امور دینیہ میں سخت گیر تھے (یعنی منکرات پر نکیر فرماتے تھے)۔ آپ نے کبھی خرید وفروخت نہیں کی اور نہ دُنیاوی اُمور میں اُلجھے۔ آپ کی پہاڑوں میں کھیتی تھی، جس کو کدال سے آپ کوڑتے تھے اور پھر اس میں بیج

ڈالتے تھے۔ پھر (تیار ہونے پر) اُس کو کاٹتے تھے اور اسی سے اپنا گزر بسر کرتے تھے۔

قدر و منزلت
حافظ عبد القادرؒ کہتے ہیں کہ میں موصل میں آپ کے ساتھ تھا، تو آپ عشار کی نماز ہمارے ساتھ ادا کرتے تھے پھر اُس کے بعد صبح تک آپ کو کوئی نہیں دیکھتا تھا۔ اور جب آپ کسی گاؤں کا رخ کرتے، تو وہاں کے لوگ خواہ مرد ہوں یا عورتیں آپ کی باتیں سننے کے بعد تائب ہو جاتے تھے، مگر جس کو اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق نہ عطا فرمائیں۔

فرماتے ہیں کہ ہم آپ کے ہمراہ دو راہبوں (پادریوں) کے پاس آئے اور اُن سے ملے، تو اُن دونوں نے آپ کی قدم بوسی کی اور آپ سے دعار کی درخواست کی کہ ہم تو صرف آپ کی برکت کی وجہ سے ہیں۔ پھر اُن دونوں نے روٹی اور شہد نکالی تو سب لوگوں نے اُسے کھایا۔ اور میں پہلی بار شیخ کی زیارت کے لئے نکلا، تو ہم سے محبت سے بات کرنے لگے اور حاضرین کو اپنی باتوں سے مانوس فرمانے لگے۔

عزلت نشینی
آپ کے بارے میں مشہور رہا کہ آپ کچھ کھاتے نہیں ہیں، تو اِس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے آپ نے بھرے مجمع میں کچھ لے کر تناول فرمایا۔ آپ اصلاً بعلبک کے شہر بیت غار کے رہنے والے تھے لیکن آپ جبل ہکاریہ کی طرف منتقل ہو کر بالکل یکسو ہو گئے اور اپنا ایک ٹھکانہ بنالیا تو شہر والے آپ کی طرف اِس طرح مائل ہوئے کہ اسکی نظیر نہیں ملتی، اور اس وقت بہت ہی زیادہ مشہور ہو گئے۔ اور ایک خلق عظیم نے آپ کی اتباع کی۔

کرامت
آپ کی کرامات اور بزرگی کے نشانات ظاہر و باہر تھے۔ آپکے مریدوں میں سے ایک مرید نے یہ ارادہ ظاہر کیا کہ مخلوق سے الگ تھلگ رہا جائے

اور کہا، کاش کہ اس جنگل میں پانی ہوتا اور کچھ کھانے کو مل جاتا تو میرے جسم کی توانائی باقی رہتی۔ تو شیخ اُٹھے اور وہاں پر جو دو بڑے پتھر پڑے تھے اُن میں سے ایک پر اپنا پاؤں مارا، اُسی دم چشمہ جاری ہوگیا، پھر دوسرے پر پاؤں مارا تو انار کا درخت نمودار ہوگیا، اور آپ نے اُس درخت سے مخاطب ہو کر فرمایا، اے درخت! ہر روز اللہ تعالےٰ کے حکم سے ایک دن میٹھا انار اور ایک دن ترش انار اس کو دے دیا کرنا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (نفحات الانس ص۸۳)

ارشادات

فرماتے تھے کہ جبتک تم کو اپنے شیخ کے ساتھ غایت درجہ کا اعتقاد نہ ہوگا اس وقت تک تم کو اس سے فیض حاصل نہ ہوگا۔ فرماتے تھے کہ خوش اخلاق وہ ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ایسا معاملہ کرے کہ اس کو بجائے وحشت کے اُنس پیدا ہو پس علماء کی صحبت میں رہے تو ان کی باتوں کو بغور سُنے۔ اگرچہ اس کا مقام اعلیٰ ہی کیوں نہ ہو۔ اور اہل معرفت کے سامنے سکون وانکسار کے ساتھ بیٹھے۔ اور اہل توحید کے ساتھ تسلیم وانقیاد کو لازم پکڑے۔

فرماتے تھے کہ جب تم دیکھو کہ کسی سے خوارق وکرامات کا ظہور ہو رہا ہے تو اس سے دھوکے میں نہ پڑو، جبتک اس کو امر ونہی کے موقع پر نہ دیکھ لو۔

ف: اس لئے کہ خوارق کا ظہور تو جوگیوں تک سے بھی ہوتا ہے مگر یہ انکی ولایت ومقبولیت کی دلیل نہیں۔ پس کرامت وہی ہوگی جو اتباع سنت کے ساتھ مقرون ہو۔ اس کو خوب سمجھ لینا چاہیئے۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ جس نے کسی مؤدب سے ادب نہ سیکھا (اس کے باوجود متبوع

ومقتدا ہو جائے) تو وہ اپنے متبعین کو فاسد کر دے گا۔ اس لئے ایسے شخص کے ساتھ بیٹھنے سے پرہیز کرو، تاکہ اس کی نحوست تمھاری طرف عود نہ کرے۔ اگرچہ کچھ دنوں بعد ہی سہی۔ ف: اسلئے کہ جب شیخ خود ہی باادب نہیں تو دوسروں کو کیا ادب سکھلائے گا۔ پھر اس کی صحبت میں رہنے سے سوائے فساد کے اور کیا ہوگا۔ (مرتّب)

فرماتے تھے کہ جس نے علم کے سلسلہ میں صرف کلام پر اکتفا کیا اور اسکی حقیقت سے متّصف نہ ہوا، تو وہ منقطع ہو گیا۔ اور جس نے بغیر فقہ کے صرف عبادت پر قناعت کیا تو وہ طریق سے خارج ہو گیا۔ اور جس نے فقہ کو بغیر ورع کے حاصل کیا تو وہ دھوکے میں پڑ گیا۔ اور جس نے احکام واجبہ پر اقامت اختیار کی تو وہ نجات پا گیا۔ فرماتے تھے کہ توحید باری تعالیٰ کی حقیقت کسی کلام میں سما نہیں سکتی۔ اور اس کی کیفیت کسی دل میں آ نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ مثالوں اور شکلوں سے بالاتر ہے۔ ان کی صفات مثل ان کی ذات کے قدیم ہے۔ اپنی صفات میں وہ جسم نہیں ہے۔ وہ اس سے بلند ہے کہ اس کو اپنی ایجاد کردہ وگڑھی ہوئی اشیاء سے تشبیہ دی جائے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ زمین و آسمان میں کوئی اس کے ہم رُتبہ نہیں اور ان کے حکم و ارادہ میں کوئی ان کے برابر نہیں۔ عقلوں پر حرام ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مثال بیان کرے اور اوہام پر حرام ہے کہ اس کو محدود کرنے کی سعی کرے۔ اسی طرح ظنون کیلئے حرام ہے کہ ان کے متعلق قطعی فیصلہ کرے۔ ضمائر کے لئے حرام ہے کہ اسکی کنہ میں داخل ہو۔ نفوس کے لئے حرام ہے کہ غور و فکر کرے اور افکار کیلئے حرام ہے کہ اس کا احاطہ کرے۔ اور عقول پر حرام ہے کہ اس کا تصور کرے، مگر اسی قدر کہ

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنی ذات کے متعلق بیان فرمایا ہے۔ یا اپنے رسولؐ
کی زبان سے بیان کر دیا ہے۔

فرماتے تھے کہ ہمارے طریقہ کے سالکین کا اولین فریضہ یہ ہے کہ جھوٹے
دعووں کو ترک کریں۔ اور سچے معانی وحقائق کا اخفار کریں۔ میں کہتا ہوں کہ
یہ اس لئے کہ معانی صادقہ انوار ہیں۔ پس جب یکے بعد دیگرے قلبِ عبد میں
نور آئیں گے تو وہ مستقر و متمکن ہوتے جائیں گے۔ اور اس کی استعداد قوی
ہوتی جائے گی۔ پس جب معنیٰ اوّل کو ظاہر کیا تو اس کا نور اوّلاً نکل گیا۔ پھر
جب دوسرا معنی ظاہر کیا تو اس کا نور بھی نکل گیا۔ ایسے ہی یکے بعد دیگرے
سب انوار رخصت ہوتے جائیں گے۔ جس کی وجہ سے اس کا قدم طریق میں
جم نہ سکے گا۔ واللہ اعلم۔ (طبقات صفحہ ۱۳۰ ج ۱)

وفات

آپ کی وفات ۵۵۵ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(طبقات صفحہ ۱۳۰ ج ۱)

حضرت الشیخ علی بن وہب سنجاری رحمۃ اللہ علیہ

تعارف

سنجار اور اس کے اطراف وجوانب کے علاقوں میں آپ کو مریدین کی تربیت کا خصوصی ملکہ حاصل تھا۔ اکابر کی ایک جماعت نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ مثلاً شیخ سوید سنجاری، شیخ ابوبکر جاری اور شیخ سعد

آپ کی وفات اس حال میں ہوئی کہ آپ کے چالیس مریدین تھے جو سب کے سب اصحابِ احوالِ رفیعہ تھے۔

فضل وکمال

آپ کہتے ہیں کہ میں نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا۔ اس کے بعد علم کی تحصیل میں مصروف ہوا۔ میں جنگل کے اندر ایک مسجد میں عبادت میں مصروف رہا کرتا تھا۔ اسی دوران جبکہ میں ایک شب سو رہا تھا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ اے علی! مجھے حکم دیا گیا ہے کہ یہ ٹوپی تمھیں پہناؤں، اور آپ نے اپنی آستین سے ٹوپی نکالکر مجھے پہنادی۔ چند دنوں کے بعد میرے پاس خضر علیہ السلام تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا، اے علی! لوگوں کے پاس جاؤ تاکہ وہ تم سے نفع حاصل کریں۔ لیکن میں اپنے عمل پر جما رہا۔ پھر میں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خواب میں زیارت کی۔ حضرت صدیقؓ نے بھی مجھ سے وہی فرمایا جو حضرت خضرؑ کہہ چکے تھے۔ میں بیدار ہوا۔ اور اپنے ذکر وشغل پر استقلال سے ڈٹا رہا۔ پھر تیسری

رات میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ نے بھی مجھ سے وہی فرمایا جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا تھا۔ میں بیدار ہوا اور وہاں سے جانے کا عزم مصمم کرلیا۔ اور جب اسی رات کے آخری حصہ میں سویا تو اللہ جل جلالہ کی زیارت پرعظمت سے مشرف ہوا۔ اللہ عزوجل نے مجھ سے ارشاد فرمایا اے میرے بندے! میں نے تجھے اپنی زمین میں اپنا برگزیدہ بنایا اور تیرے جمیع احوال میں اپنی روح کے ذریعہ تیری تائید و نصرت کی اور اپنی مخلوق کے لئے تجھے رحمت بنایا۔ اب ان کے پاس جا اور جو حکمتیں میں نے تجھے سکھائی ہیں انکے ذریعہ ان کے درمیان حکمرانی کر (فیصلے کر) اور جن نشانیوں کے ذریعہ میں نے تیری مدد و نصرت کی ہے ان کے درمیان ظاہر کر۔ میں بیدار ہوا اور لوگوں کے پاس گیا تو لوگ ہر جانب و ہر سمت سے میری طرف دوڑتے ہوئے آئے۔

ف : اللہ کی طرف سے جب عزت و وجاہت آسمان سے نازل ہوتی ہے تو اس کا یہی حال ہوتا ہے۔ اسی کو موفق من اللہ کہا جاتا ہے۔

وفات آپ نے سنجار ہی میں اپنے حبیب جل جلالہ کی پکار پر لبیک کہا اور وہیں آپ کی قبر زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔ (طبقات ج ۱ ص ۱۳۸)

تاریخ وفات کی تعیین کتابوں میں نہیں ہے۔ نوّر اللہ مرقدہٗ۔

حضرت الشیخ ابو محمد ماجد کردی علیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ المتوفی ۵۶۱ھ

تعارف آپ مشائخ عراق کے سرداروں، مقربین کے صدرنشینوں اور محققین اماموں میں سے ایک امام تھے۔ آپ کے احترام و تعظیم پر مشائخ کا اجماع ہے۔

ارشادات آپ فرماتے تھے کہ طالبین کے قلوب اللہ عزوجل کے نور سے منور ہوتے ہیں۔ جب قلب میں شوق اُبھرتا ہے تو زمین و آسمان کے درمیان کی تمام چیزیں منور ہوجاتی ہیں۔ اس وقت اللہ عزوجل فرشتوں کے سامنے ان حضرات پر فخر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تم لوگ گواہ رہو، بلاشبہ میں بھی ان کا مشتاق ہوں۔

ف: کیا خوب ارشاد ہے جو صاحبِ باطن ہی کہہ سکتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی تسبیح و تقدیس کی خبر دینے والے ملائکہ پر فخر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تم لوگ تو کہہ رہے تھے کہ یہ لوگ فساد و خونریزی کریں گے میں نے کہا تھا اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ (میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے) تو دیکھو تم ہی لوگ ان بندوں کے متعلق خبر دے رہے ہو کہ وہ زمین پر آپ کی حمد و ثنا کر رہے تھے۔ اسی طرح کا معاملہ یہاں پر بھی ہے کہ فرشتوں کو اللہ نے نور سے پیدا فرمایا ہے اور یہ بنی آدم مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں مگر اپنی ریاضت و عبادت سے اس مقام پر پہنچ گئے کہ ان کے قلوب منور ہوگئے، جس سے زمین و آسمان کے درمیان روشنی ہی روشنی ہوگئی۔ تو یہ کتنے کمال کی بات ہے کہ خاکی مخلوق کے اندر نوری مخلوق کی صفات پیدا ہوگئیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ملائکہ کے روبرو ایسے بندوں پر فخر فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کو اس نور سے منور فرمائے۔ اور ہم کو اپنی لقاء کا مشتاق بنائے اور اللہ تعالیٰ

ہماری لقاء کا مشتاق ہو جائے۔ آمین! (مرتب)

فرماتے تھے کہ آدمی کے لئے اتنا علم کافی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس کے جہل کیلئے یہ کافی ہے کہ وہ خود پسندی کے مرض میں مبتلا ہو۔ اور خود پسندی حماقت کا فضلہ ہے کہ جس سے عیب والا اپنے عیوب پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے، لیکن عیوب چھپتے نہیں ہیں۔

کرامت ایک شخص جو تنہا سامانِ سفر کے بغیر بلا کسی ہمسفر کے حج کو جا رہا تھا، شیخ سے الوداعی ملاقات کیلئے آیا تو شیخ نے اسے ایک مشکیزہ نکال کر دیا اور فرمایا کہ جب تم وضو کرنا چاہو گے تو اس میں سے پانی نکلے گا۔ اور اگر پیاس لگے گی تو اس میں دودھ موجود پاؤ گے اور اگر بھوک محسوس ہو گی تو اسمیں ستو ملے گا۔ اس کے بعد عراق کے حمرین پہاڑ سے مکہ مکرمہ تک پھر حجاز سے واپس عراق تک کے طویل سفر، مزید حجاز کے قیام کے دوران اس شخص کو جب وضو کرنا ہوتا تو اس میں سے کھارا پانی نکلتا، جب کچھ پینے کی ضرورت محسوس ہوتی تو اسمیں میٹھا پانی ہوتا، اور جب کھانے کو دل چاہتا تو اس میں دودھ شہد اور شکر سے زیادہ میٹھا ستو ملتا۔

ف: یہ شیخ کی کرامت تھی جو بالکل حق او صواب ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کا پرتو ہے۔ اس لئے کہ جب کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت متابعت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے صلہ میں اسے کرامات سے مشرف فرماتے ہیں۔ (مرتب)

وفات سرزمین عراق میں واقع جبال حمرین کو آپ نے وطن بنایا اور آخری دم تک وہیں رہے۔ ۵۶۱ھ میں آپ نے جان جاں آفریں کے سپرد کی۔ آپ کی قبر موجود ہے اور زائرین زیارت کیلئے وہاں جاتے ہیں۔ (طبقات ج ۱ ص ۱۴۵)

سرِ حلقہ سلسلہ قادریہ

حضرت شیخ المشائخ عبد القادر جیلانی رحؒ المتوفیٰ ۵۶۱ھ

نام و نسب نام عبد القادر، لقب محی الدین، کنیت ابو محمد، والد کا نام ابو صالح عبد اللہ، والدہ کا نام اُمّ الخیر فاطمہ۔ آپ اہل بیت میں کامل ولی اور سادات حسینیہ میں بڑی بزرگی کے مالک ہیں۔ نسبی اعتبار سے آپ حضرت حسن بن علیؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ قصبہ "جیل" کی طرف جسے جیلان یا گیلان بھی کہتے ہیں آپ کی نسبت ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت ۴۷۰ھ میں ہوئی۔

ابتدائی حالات ۴۸۸ھ میں جبکہ آپ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی آپ بغداد میں تشریف لائے اور اُس وقت کے شیوخ، ائمہ، بزرگانِ دین اور محدّثین کی خدمت کا قصد فرمایا۔ اوّل قرآن کریم کو روایۃً درایۃً اور تجوید و قرأت کے اسرار و رموز کے ساتھ حاصل کیا۔ اور زمانہ کے بڑے محدّثین اور اہل فضل و کمال و مستند علماء کرام سے سماعِ حدیث فرما کر علوم کی تکمیل فرمائی حتیٰ کہ تمام اصولی فروعی مذہبی اور اختلافی علوم میں علماء بغداد سے ہی نہیں بلکہ تمام ممالکِ اسلامیہ کے علماء سے سبقت لے گئے۔ اور آپ کو تمام علماء پر فوقیت حاصل ہو گئی اور سب نے آپ کو اپنا مرجع بنا لیا۔ (اخبار الاخیار ص۲۳)

ع۵ جیلان یا گیلان کو دیلم بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ایران کے شمالی مغربی حصہ کا ایک صوبہ ہے۔ اس کے شمال میں روسی سرزمین تالیس واقع ہے، جنوب میں برز کا پہاڑی سلسلہ ہے جو اس کو آذربائیجان اور عراق عجم سے علیحدہ کرتا ہے۔ جنوب میں مازندان کا مشرقی حصہ ہے اور شمال میں بحر قزوین کا مغربی حصہ، وہ ایران کے بہت خوبصورت علاقوں میں شمار ہوتا ہے۔ (دائرۃ المعارف) (تاریخ دعوت و عزیمت)

اساتذہ

آپ کے اساتذہ میں ابوالوفا، ابن عقیل، محمد بن الحسن الباقلانی اور ابوزکریا تبریزی جیسے نامور علماء وائمۂ فن کا نام نظر آتا ہے۔ طریقت کی تعلیم شیخ ابوالخیر حماد بن مسلم الدباس سے حاصل کی۔ اور قاضی ابوسعید مخزمی سے تکمیل کی اور اجازت حاصل کی۔ (تاریخ دعوت وعزیمت ص۱۹۸)

آپ کے صدق گوئی کی برکت

آپ اپنی والدہ کے پاس آئے اور اُن سے عرض کیا کہ مجھے اجازت دیجیے کہ میں حصولِ علم کے لئے بغداد جاؤں اور تحصیلِ علم کروں، وہاں بزرگوں کی خدمت میں جاؤں۔ والدہ محترمہ نے مجھ سے دریافت کیا کہ میں ایسا کیوں کر رہا ہوں؟ میں نے اپنا مقصد بتا دیا۔ وہ سُن کر رونے لگیں، پھر اُٹھ کر گئیں اور اسّی دینار نکال کر لائیں اور مجھ سے کہا یہ تمھارے والد کی میراث ہیں، چالیس دینار تو تمھارے بڑے بھائی کے ہیں اور وہ انھوں نے نکال لئے، باقی چالیس دینار میرے جامہ بغل کے نیچے سی دیئے اور مجھ کو سفر کی اجازت دے دی اور مجھ سے عہد لیا کہ ہر حال میں سچ بولوں گا۔ وہ مجھے رُخصت کرنے کے لئے دروازے تک تشریف لائیں اور فرمایا کہ اے فرزند! جاؤ، اللہ کے لئے میں تم سے تعلق منقطع کرتی ہوں۔ اب قیامت تک میری تمھاری ملاقات نہیں ہو سکے گی۔

میں نے ایک چھوٹے سے قافلہ کے ساتھ گیلان سے بغداد کی طرف سفر شروع کیا ہم لوگ جب ہمدان سے آگے بڑھے تو ساٹھ سواروں کا ایک گروہ کمیں گاہ سے نکل آیا اور اُنھوں نے ہمارے قافلے کو گھیر لیا۔ وہ لوگ لوٹ مار کرتے رہے، لیکن مجھ سے کسی نے تعرض نہ کیا۔ آخر میں ایک ڈاکو نے مجھ سے کہا کہ اے فقیر! تیرے پاس کیا ہے؟ میں نے کہا، میرے پاس چالیس دینار ہیں۔ اُس نے پوچھا، کہاں ہیں؟

میں نے کہا کہ میرے کپڑے میں میری بغل کے نیچے سِلے ہوئے ہیں۔ وہ یہ سمجھا کہ میں یونہی تفریحاً کہہ رہا ہوں، وہ مجھے چھوڑ کر دوسرے شخص کے پاس چلا گیا۔ پھر دوسرا ڈاکو آیا، اُس نے بھی یہی سوال کیا اور میں نے پھر وہی جواب دیا، وہ بھی میری بات کو ہنسی سمجھا جب وہ دونوں اپنے سردار کے پاس گئے تو مجھ سے جو سُنا تھا اُس سے کہا۔ ڈاکوؤں کے سردار نے مجھ کو بلایا اور مجھے اُس ٹیلہ پر لے گئے جہاں لُوٹ کا مال تقسیم ہو رہا تھا، اُس نے مجھے دیکھ کر مجھ سے پوچھا کہ تمھارے پاس کچھ مال ہے؟ میں نے کہا، ہاں! میرے پاس چالیس دینار ہیں۔ پوچھا، وہ کہاں ہیں؟ میں نے کہا، وہ میری بغل کے نیچے کپڑے میں سِلے ہوئے ہیں۔ تب اُس کے حکم سے میرا لباس پھاڑا گیا، تو جیسا میں نے کہا تھا ویسا ہی پایا (چالیس دینار وہاں سے نکلے۔)

سردار نے مجھ سے کہا، ایسی کیا وجہ تھی کہ تم نے اس مال کا اقرار کیا؟ میں نے کہا، میری والدہ نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ سچ بولنا، اِس لئے میں نے اُس عہد میں خیانت نہیں کی (اور سچ بات تم کو بتادی)۔ یہ سُن کر وہ سردار رونے لگا کہ (افسوس!) میں اِتنی مدت سے اپنے پروردگار سے خیانت کرتا رہا ہوں۔ پھر اُس سردار نے میرے ہاتھ پر توبہ کی۔ یہ دیکھ کر اُس کے ساتھیوں نے کہا کہ تم اِس لوٹ مار میں بھی سردار تھے، اب اِس توبہ میں بھی ہمارے سردار ہو، چنانچہ سب نے میرے ہاتھ پر توبہ کی اور قافلہ والوں کا جو سامان لوٹا تھا سب ان کو واپس کر دیا۔ یہ لوگ توبہ کرنے والوں میں سب سے پہلے لوگ تھے۔

اصلاح و ارشاد اور رجوع عام

ظاہری و باطنی تکمیل کے بعد اصلاح و ارشاد کی طرف متوجہ ہوئے، مسندِ درس اور مسندِ ارشاد کو بیک وقت زینت دی۔ اپنے استاذ و شیخ، شیخ مخرمی کے

مدرسہ میں تدریس اور وعظ کا سلسلہ شروع کیا، بہت جلد مدرسہ کی توسیع کی ضرورت پیش آگئی۔
مخلصین نے عمارت میں اضافہ کر کے اسکو آپ کی مجالس کے قابل بنا دیا۔ لوگوں کا اسقدر ہجوم ہوا
کہ مدرسہ میں تل رکھنے کی جگہ نہ رہی۔ سارا بغداد آپ کے مواعظ پر ٹوٹ پڑا۔ اللہ تبارک و تعالٰے
نے ایسی وجاہت و قبولیت عطا فرمائی جو بڑے بڑے بادشاہوں کو نصیب نہیں۔
شیخ موفق الدین ابن قدامہ صاحب "مغنی" کہتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کو آپ
سے بڑھ کر دین کی وجہ سے تعظیم ہوتے نہیں دیکھی۔ بادشاہ اور وزراء آپ کی مجالس
میں نیازمندانہ حاضر ہوتے اور ادب سے بیٹھ جاتے۔ علماء و فقہاء کا کچھ شمار نہ تھا۔
ایک ایک مجلس میں چار چار سو دواتیں شمار کی گئی ہیں جو آپ کے ارشادات قلمبند
کرنے کے لئے لائی جاتیں۔

محامد و اخلاق

باایں رفعت و منزلت حد درجہ متواضع اور منکسر المزاج
تھے۔ ایک بچہ اور ایک لڑکی بھی بات کرنے لگتی تو کھڑے
ہو کر سنتے اور اس کا کام کرتے، غریبوں اور فقراء کے پاس بیٹھتے اور ان کے کپڑوں کو
صاف کرتے، جوں نکالتے۔ لیکن اس کے برخلاف کسی معزز آدمی اور ارکان سلطنت
کی تعظیم میں کھڑے نہ ہوتے۔ خلیفہ کی آمد ہوتی تو قصداً دولت خانہ میں تشریف
لے جاتے، یہاں تک کہ خلیفہ آکر بیٹھ جاتا، پھر برآمد ہوتے تاکہ تعظیماً کھڑا نہ ہونا پڑے۔
کبھی کسی سلطان کے دروازہ پر نہیں گئے۔

مردہ دلوں کی مسیحائی

سیدنا عبدالقادر جیلانی رح کی کرامت کی کثرت پر
مورخین کا اتفاق ہے۔ شیخ الاسلام عزالدین بن
عبدالسلام اور امام ابن تیمیہؒ کا قول ہے کہ شیخ کی کرامات حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں
ان میں سب سے بڑی کرامت مُردہ دلوں کی مسیحائی تھی۔ اللہ تعالٰے نے آپ کے

قلب کی توجہ اور زبان کی تاثیر سے لاکھوں انسانوں کو نئی ایمانی زندگی عطا فرمائی، آپ کا وجود اسلام کے لئے ایک بادِ بہاری تھا، جس نے دلوں کے قبرستان میں نئی جان ڈال دی، اور عالم اسلام میں ایمان و روحانیت کی ایک نئی لہر پیدا کر دی۔[۱] شیخ عمر کیسانی کہتے ہیں کہ کوئی مجلس ایسی نہ ہوتی تھی جس میں یہودی اور عیسائی اسلام نہ قبول کرتے ہوں۔ اور رہزن، خونی اور جرائم پیشہ توبہ سے مشرف نہ ہوتے ہوں، فاسد الاعتقاد اپنے غلط عقائد سے توبہ نہ کرتے ہوں۔[۲]

جبائی کا بیان ہے کہ مجھ سے حضرت شیخ نے ایک روز فرمایا کہ میری تمنا ہوتی ہے کہ زمانۂ سابق کی طرح صحراؤں اور جنگلوں میں رہوں، نہ مخلوق مجھے دیکھے نہ میں اُس کو دیکھوں، لیکن اللہ تعالےٰ کو اپنے بندوں کا نفع منظور ہے میرے ہاتھ پر پانچ ہزار سے زائد یہودی اور عیسائی مسلمان ہو چکے ہیں۔ عیاروں اور جرائم پیشہ لوگوں میں سے ایک لاکھ سے زائد توبہ کر چکے ہیں۔ اور یہ اللہ تعالےٰ کی بڑی نعمت ہے۔[۳]

مورخین کا بیان ہے کہ بغداد کی آبادی کا بڑا حصہ حضرت کے ہاتھ پر توبہ سے مشرف ہوا، اور بکثرت یہودی، عیسائی اور اہل ذمہ مسلمان ہوئے۔ (تاریخ دعوت وعزیمت صفحہ ۲۰۲)

تعلیمی مشاغل وخدمات

اعلیٰ مراتب ولایت پر فائز ہونے اور نفوس واخلاق کی اصلاح وتربیت میں ہمہ تن مشغول ہونے کے ساتھ آپ درس وتدریس، افتاء اور تصحیح اعتقاد اور مذہبِ اہل سنت کی نصرت وحمایت سے غافل نہ تھے۔ عقائد واصول میں امام احمد اور محدثین کے مسلک پر تھے۔ مذہب اہل سنت اور سلف کے مسلک کو

---

[۱] جلاء العینین صفحہ ۱۳۰ [۲] و [۳] قلائد الجواہر ومختلف کتب تذکرہ (تاریخ دعوت وعزیمت)

آپ سے بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ اور اس کے مقابلہ میں اعتقادی و عملی بدعات کا بازار سرد ہو گیا۔ ابن السمعانی کہتے ہیں کہ متبعین سنت کی شان آپ کی وجہ سے بڑھ گئی اور ان کا پلہ بھاری ہو گیا۔

مدرسہ میں ایک سبق تفسیر کا، ایک حدیث کا، ایک فقہ کا اور ایک اختلافاتِ ائمہ اور اُن کے دلائل کا پڑھاتے تھے۔ صبح شام تفسیر، حدیث، فقہ، مذاہب ائمہ، اصولِ فقہ اور نحو کے اسباق ہوتے۔ ظہر کے بعد تجوید کی تعلیم ہوتی۔ اس کے علاوہ افتاء کی مشغولیت تھی۔ بالعموم مذہبِ شافعی اور مذہب حنبلی کے مطابق فتویٰ دیتے۔ علماءِ عراق آپ کے فتاویٰ سے بڑے متعجب ہوتے اور بڑی تعریف کرتے ہیں۔[۱]

ایک مرتبہ استفتاء آیا کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ وہ کوئی ایسی عبادت کرے گا جس میں عبادت کے وقت کوئی دوسرا شریک نہیں ہوگا، اگر اُس نے قسم پوری نہیں کی تو اس کی بیوی کو تین طلاق۔ علماء یہ استفتاء سُن کر حیرت میں پڑ گئے، کہ ایسی کونسی عبادت ہو سکتی ہے جس میں وہ بالکل تنہا ہو اور روئے زمین پر کوئی شخص بھی اُس وقت وہ عبادت نہ کر رہا ہو۔ حضرت شیخؒ کے پاس استفتاء آیا تو بے تکلف فرمایا کہ مطاف اُس کے لئے خالی کر دیا جائے اور وہ سات چکر کر کے خانہ کعبہ کا طواف تنہا مکمل کرے۔ علماء نے یہ جواب سُن کر بے ساختہ دادِ تحسین دی اور کہا کہ یہی ایک صورت ہے کہ وہ بلا شرکت غیرے عبادت کرے اور اپنی قسم پوری کرے۔ اس لئے کہ طواف بیت اللہ پر موقوف ہے اور مطاف اس شخص کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ اب اس عبادت میں کہیں بھی شرکت کا امکان نہیں۔ (منقول از دعوت و عزیمت صفحہ ۲۰۳)

---

[۱] الطبقات الکبریٰ للشعرانی صفحہ ۱۲۶ و طبقات الحنابلہ ابن رجب

استقامت وتحقیق

حضرت شیخ استقامت کا پہاڑ تھے۔ اتباع کامل، علم راسخ اور تائید غیبی نے آپ کو اس مقام پر پہنچادیا تھا کہ حق وباطل، نور وظلمت، الہام صحیح اور کید شیطانی میں پورا امتیاز پیدا ہوگیا تھا۔ آپ پر یہ حقیقت پوری طرح منکشف ہوگئی تھی کہ شریعت محمدیؐ کے احکام اور حلال وحرام میں قیامت تک کیلئے تغیر وتبدل کا امکان نہیں، جو اس کے خلاف دعویٰ کرے وہ شیطان ہے۔

فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک بڑی عظیم الشان روشنی ظاہر ہوئی جس سے آسمان کے کنارے بھر گئے، اس سے ایک صورت ظاہر ہوئی، اس نے مجھ سے خطاب کرکے کہا کہ اے عبدالقادر! میں تمھارا رب ہوں، میں نے تمھارے لئے سب محرمات حلال کردیئے ہیں۔ میں نے کہا، دور ہو مردود! یہ کہتے ہی وہ روشنی ظلمت میں بدل گئی اور وہ صورت دھواں بن گئی۔ اور ایک آواز آئی کہ عبدالقادر! خدا نے تم کو تمھارے علم وتفقہ کی وجہ سے بچالیا، ورنہ اس طرح میں ستر صوفیوں کو گمراہ کرچکا ہوں۔ میں نے کہا کہ اللہ کی مہربانی ہے۔

کسی نے عرض کیا کہ حضرت! آپ کیسے سمجھے کہ یہ شیطان ہے؟ فرمایا، اس کے کہنے سے کہ میں نے حرام چیزوں کو تمھارے لئے حلال کردیا ہے۔ (دعوت وعزیمت ص۲۰۳)

ف : یعنی شریعت قیامت تک کیلئے مکمل ہوچکی ہے اسلئے اب تبدیلی ممکن نہیں ہے، تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کسی کیلئے خاص طور پر حرام چیزوں کو حلال کردیا جائے۔ اس سے میں نے سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں ہوسکتا بلکہ ضال ومضل شیطان ہی کا ہوسکتا ہے۔ (مرتب)

یہ بھی آپ کا ارشاد ہے کہ اگر حدود الٰہی (احکام شرعی) میں سے کوئی حد

ٹوٹتی ہو تو سمجھ لو کہ تم فتنہ میں پڑ گئے ہو، اور شیطان تم سے کھیل رہا ہے، فوراً شریعت کی طرف رجوع کرو۔ اس کو مضبوط تھام لو، نفس کی خواہشات کو جواب دو۔ اس لئے کہ ہر وہ حقیقت جس کی شریعت تائید نہیں کرتی، باطل ہے۔

دنیا کی صحیح حیثیت

حضرت شیخ کے یہاں رہبانیت کی تعلیم نہیں، وہ دنیا کے استعمال اور اس سے بقدر ضرورت انتفاع سے منع نہیں فرماتے۔ البتہ اس کی پرستش اور غلامی اور اس سے قلبی تعلق اور عشق سے منع فرماتے ہیں۔ ان کے مواعظ درحقیقت حدیث نبوی ؐ اِنَّ الدُّنیا خُلِقَتْ لکم وَاِنّکم خُلِقْتم للآخِرَۃ "(بیشک دنیا تمھارے لئے پیدا کی گئی ہے (یعنی تمھاری لونڈی ہے) اور تم آخرت کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔) کی تفسیر ہیں۔ ایک موقع پر فرماتے ہیں:۔

"دنیا میں سے اپنا مقسوم اس طرح مت کھا کہ وہ بیٹھی ہوئی ہو اور تو کھڑا ہو، بلکہ اس کو بادشاہ کے دروازہ پر اس طرح کھا کہ تو بیٹھا ہوا ہو اور وہ طباق اپنے سر پر رکھے ہوئے کھڑی ہو۔ دنیا خدمت کرتی ہے اُس کی جو حق تعالےٰ کے دروازہ پر کھڑا ہوتا ہے، اور جو دنیا کے دروازہ پر کھڑا ہوا ہوتا ہے اس کو ذلیل کرتی ہے۔ کھا حق تعالیٰ کے ساتھ عزت و تونگری کے قدم پر۔" (فیوض یزدانی، مجلس ۲۱ ص ۱۴۵)

ایک دوسرے موقع پر ارشاد ہوتا ہے:۔

"دنیا ہاتھ میں رکھنی جائز، جیب میں رکھنی جائز، کسی اچھی نیت سے اس کو جمع رکھنا جائز، باقی قلب میں رکھنا جائز نہیں (کہ دل سے بھی محبوب سمجھنے لگے) دروازہ پر اس کا کھڑا ہونا جائز،

باقی زرِ دروازہ سے آگے گھسنا نہ جائز ہے نہ تیرے لئے عزت ہے۔"

خلفاء اور حکّام وقت پر تنقید

حضرت شیخ رحؒ صرف مواعظ، پند ونصیحت اور ترغیب وتشویق ہی پر اکتفا نہیں فرماتے تھے، بلکہ جہاں ضرورت سمجھتے تھے بڑی صاف گوئی اور جرأت کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے۔ حکّام وسلاطین اور اور خلیفۂ وقت پر بھی تنقید اور اُن کے غلط افعال اور فیصلوں کی مذمّت سے بھی باز نہیں رہتے تھے۔ اور اس بارے میں کسی کی وجاہت اور اثر و نفوذ کی مطلق پروا نہیں کرتے تھے۔ حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:۔

كان يأمر بالمعروف وينهى عن المنكر للخلفاء والوزراء والسلاطين والقضاة والخاصة والعامة يصدعهم بذلك على رؤس الاشهاد ورؤس المنابر وفي المحافل وينكر على من يولى الظلمة ولا تأخذه في الله لومة لائم۔ (قلائد الجواہر صث)

آپ خلفاء، وزراء، سلاطین، قضاۃ اور خواص وعوام سب کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرماتے اور بڑی صفائی اور جرأت کے ساتھ ان کو بھرے مجمع میں اور برسرِ منبر علی الاعلان ٹوک دیتے (اسی طرح) جو کسی ظالم کو حاکم بناتا اس پر اعتراض کرتے اور خدا کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی آپ کو پروا نہ ہوتی۔

صاحبِ "قلائد الجواہر" لکھتے ہیں کہ جب خلیفہ مقتفی لامر اللہ نے قاضی ابو الوفاء یحییٰ بن سعید بن یحییٰ بن المظفر کو قاضی بنایا جو ابن المرجم الظالم کے لقب سے مشہور تھا تو حضرتؒ نے برسرِ منبر خلیفہ کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

ؔ فیوض یزدانی، مجلس ۵۱ ص۳۶۳۔ منقول از دعوت وعزیمت ص۲۱۵ ج۱

وَلّیت علی المسلمین اظلم الظالمین ماجوابک غدا عند ربّ العالمین ارحم الراحمین۔ | تم نے مسلمانوں پر ایک ایسے شخص کو حاکم بنایا ہے جو اظلم الظالمین ہے، کل کو قیامت کے دن تم اُس ربّ العالمین کو جو ارحم الراحمین ہے، کیا جواب دوگے ؟

مورخ موصوف کا بیان ہے کہ خلیفہ یہ سن کر لرزہ براندام ہوگیا اور اس پر گریہ طاری ہوگیا اور اُس نے اُسی وقت قاضی کو اُس عہدہ سے ہٹا دیا۔

علماء و مشائخ پر تردید و تنبیہ

حضرت شیخ اُن "درباری سرکاری" علماء اور مشائخ کی بھی پُرزور تردید اور پردہ دری فرماتے تھے جنھوں نے سلاطین اور ناخدا ترس حکام کی مصاحبت اختیار کی تھی اور ان کی ہاں میں ہاں ملانا اُن کا شعار تھا، جن کی وجہ سے ان سلاطین وحکام کو زیادہ جرأت اور بے خوفی پیدا ہوگئی تھی۔ ایک موقع پر اسی طبقہ کو خطاب کر کے فرماتے ہیں :۔

"اے علم و عمل میں خیانت کرنے والو! تم کو ان سے کیا نسبت، اے اللہ اور اس کے رسولؐ کے دشمنو! اے بندگانِ خدا کے ڈاکوؤ! تم کھلے ظلم اور کھلے نفاق میں (مبتلا) ہو، یہ نفاق کب تک رہے گا؟ اے عالمو، اور اے زاہدو! شاہان و سلاطین کے لئے کب تک منافق بنے رہوگے کہ اُن سے دنیا کا زرومال اور اس کی شہوات و لذات لیتے رہو؛ تم اور اکثر بادشاہ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے مال اور اُس کے بندوں کے متعلق ظالم اور خائن بنے ہوئے ہو۔ بارالٰہا! منافقوں کی شوکت توڑ دے اور ان کو ذلیل فرما، یا ان کو توبہ کی توفیق دے، اور ظالموں کا قلع قمع فرما۔ اور زمین کو

ان سے پاک کردے، یا ان کی اصلاح فرما۔" (فیوض یزدانی مجلس ۵۱ ص ۳۶۳)

ایک دوسرے موقع پر اسی طبقہ کے ایک فرد کو اپنا مخاطب بناتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

" تجھے شرم نہیں آتی کہ تیری حرص نے تجھ کو ظالموں کی خدمتگاری اور حرام خوری پر آمادہ کر دیا۔ تو کب تک حرام کھاتا اور دنیا کے ان ظالم بادشاہوں کا خدمت گار بنا رہے گا۔ جن کی خدمت میں لگا ہوا ہے انکی بادشاہت عنقریب مٹ جائے گی۔ اور تجھے حق تعالیٰ کی خدمت میں آنا پڑے گا، جس کی ذات کو کبھی زوال نہیں۔" (دعوت وعزیمت ص ۲۱۷)

دین کیلئے دلسوزی اور فکر مندی

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ دینی اور اخلاقی انحطاط کو (جس کا سب سے بڑا مرکز خود بغداد تھا) دیکھ دیکھ کر کڑھتے تھے۔ اور عالمِ اسلام میں جو ایک عام دینی زوال رونما تھا اُس کے آثار دیکھ کر اُن کے سینہ میں حمیت اسلامی اور غیرتِ دینی کا جوش اُٹھتا تھا وہ اپنے اِس قلبی احساس اور درد کو بعض اوقات چھپا نہیں سکتے، اور یہ دریا اُنکے خطبات اور مواعظ میں اُمنڈ آتا ہے۔

ایک موقع پر ارشاد فرماتے ہیں :۔

"جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کی دیواریں پے در پے گر رہی ہیں اور اس کی بنیاد بکھری جاتی ہے۔ اے باشندگان زمین آؤ اور جو گر گیا ہے اس کو مضبوط کر دیں اور جو ڈھے گیا ہے اس کو درست کر دیں۔ یہ چیز ایک سے پوری نہیں ہو سکتی سب ہی کو مل کر کام کرنا چاہئے۔ اے سورج! اے چاند! اور اے دن! تم سب آؤ۔"

ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں :۔

اسلام رو رہا ہے اور ان فاسقوں اور بدعتیوں، گمراہوں، مکر کے کپڑے پہننے والوں اور ایسی باتوں کا دعویٰ کرنے والوں (کے ظلم) سے جو ان میں موجود نہیں ہیں اپنے سر کو تھامے ہوئے فریاد کر رہا ہے۔ اپنے متقدمین اور نظر کے سامنے والوں کی طرف غور کرو کہ امر و نہی بھی کرتے تھے، کھاتے پیتے بھی تھے (اور دفعۃً انتقال پا کر ایسے ہو گئے) گویا ہوئے ہی نہ تھے۔ تیرا دل کس قدر سخت ہے؟ کُتا بھی شکار کرنے اور کھیتی اور مویشی کی نگہبانی اور مالک کی حفاظت کرنے میں اپنے مالک کی خیر خواہی کرتا ہے اور اسے دیکھ کر (خوشی کے مارے) کھلاریاں کرتا ہے، حالانکہ اس کو شام کے وقت صرف دو لقمے یا ذرا سی مقدار کھانا دیا کرتا ہے۔ اور تو ہر وقت اللہ کی قسم قسم کی نعمتیں شکم سیر ہو کر کھاتا رہتا ہے مگر ان نعمتوں کے دینے سے جو اس کو مقصود ہے نہ تو اس کو پورا کرتا اور نہ اس کا حق ادا کرتا ہے (بلکہ اس کے برعکس) اس کا حکم رد کرتا ہے اور اس کی حدود شریعت کی حفاظت نہیں کرتا۔ (دعوت وعزیمت ج ۱ ص ۲۱۸)

بیعت و تربیت

ان پُر تاثیر اور انقلاب آفریں مواعظ سے اگرچہ اہل بغداد کو عظیم الشان روحانی اور اخلاقی نفع پہنچا اور ہزار ہا انسانوں کی زندگی میں اس سے تبدیلی پیدا ہو گئی، لیکن زندگی کے گہرے تغیرات، ہمہ گیر اصلاح اور مستقل تربیت کے لئے صاحب دعوت سے مستقل اور گہرے تعلق اور مسلسل اصلاح و تربیت کی ضرورت تھی، مجالس دعوت و ارشاد مدارس کی طرح منضبط اور مستقل تربیت گاہیں نہیں ہوتیں جہاں طالبین کی تسلسل و انضباط کے ساتھ تعلیم و تربیت اور نگرانی کی جائے۔ ان مجالس کے شرکاء و سامعین آزاد ہوتے ہیں کہ ایک مرتبہ وعظ سُن کر چلے جائیں، پھر کبھی نہ آئیں۔ یا ہمیشہ آتے رہیں لیکن

اپنی حالت پر قائم رہیں اور اُن کی زندگی میں بدستور بڑے بڑے خلاء اور دینی واخلاقی شگاف باقی رہیں۔

بیعت کی ضرورت

ایسی صورت میں مسلمانوں میں نئی دینی زندگی، نیا نظم وضبط اور نئے سرے سے حرکت وعمل پیدا کرنے کیلئے اسکے علاوہ کیا شکل تھی کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی مخلص بندہ آنحضرت کے طریقہ پر ایمان وعمل اور اتباع شریعت کیلئے بیعت لے اور مسلمان اُسکے ہاتھ پر اپنی سابقہ غفلت و جاہلیت کی زندگی سے توبہ اور ایمان کی تجدید کریں، اور پھر وہ نائبِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اُنکی دینی نگرانی اور تربیت کرے، اپنی کیمیا اثر صحبت، اپنے شعلۂ محبت، اپنی استقامت اور اپنے نفس گرم سے پھر ایمانی حرارت، گرمیٔ محبت، خلوص وللّٰہیت، جذبۂ اتباع سنت اور شوقِ آخرت پیدا کردے۔ اُن کو اس نئے تعلق سے محسوس ہو کہ انھوں نے ایک زندگی سے توبہ کی ہے اور ایک نئی زندگی میں قدم رکھا ہے۔ اور کسی اللہ کے بندے کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا ہے۔ دوسری طرف وہ بھی یہ سمجھے کہ ان بیعت کرنیوالوں کی اصلاح وتربیت اور ان کی دینی خدمت اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کی ہے اور اس محبت واعتماد کا مجھ پر نیا حق قائم ہو گیا ہے،

پھر اپنے تجربہ واجتہاد اور کتاب وسنت کے اصول وتعلیمات کے مطابق اُن میں صحیح روحانیت وتقویٰ اور اُن کی زندگی میں ایمان واحتساب واخلاص اور اُن کے اعمال وعبادات میں کیفیات اور روح پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ یہی حقیقت ہے اس بیعت وتربیت کی، جس سے دین کے مخلص داعیوں نے اپنے اپنے وقت میں احیاء وتجدید دین اور اصلاح مسلمین کا کام لیا ہے۔ اور لاکھوں بندگانِ خدا کو "حقیقتِ ایمان اور درجۂ احسان" تک پہنچا دیا ہے۔ اس سلسلۂ زریں کے سرِ حلقہ

اور گل سر سبد حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جن کا نام اور کام اس "طب نبوی" کی تاریخ میں سب سے زیادہ روشن اور نمایاں ہے۔ الفاظ و اصطلاحات اور علمی بحثوں سے الگ ہو کر اگر واقعات و حقائق پر بنیاد رکھی جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس دورِ انتشار میں (جو ابھی تک قائم ہے) اصلاح و تربیت کا اس سے زیادہ سہل اور عمومی اور اس سے زیادہ مؤثر اور کارگر ذریعہ نہیں ہو سکتا تھا۔

ف: حضرت مولانا ندوی رحؒ نے کیسی حقیقت و انصاف کی بات ارشاد فرمائی۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

حضرت شیخ سے پہلے دین کے داعیوں اور مخلص خادموں نے اس راستہ سے کام کیا ہے اور ان کی تاریخ محفوظ ہے۔ لیکن حضرت شیخؒ نے اپنی محبوب و دلآویز شخصیت، خداداد روحانی کمالات، فطری علو استعداد اور ملکۂ اجتہاد سے اس طریقہ کو نئی زندگی بخشی۔ وہ نہ صرف اس سلسلہ کے نامور امام اور ایک مشہور سلسلہ (قادریہ) کے بانی ہیں بلکہ اس فن کی نئی تدوین و ترتیب کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ آپ سے پہلے وہ اتنا مدوّن و مرتّب اور مکمل و منضبط نہ تھا، نہ اس میں اتنی عمومیت اور وسعت ہوئی تھی جتنی آپ کی مقبولیت اور عظمت کی وجہ سے پیدا ہو گئی۔ آپ کی زندگی میں لاکھوں انسان اس طریقہ سے فائدہ اٹھا کر ایمان کی حلاوت سے آشنا اور اسلامی زندگی اور اخلاق سے آراستہ ہوئے، اور آپ کے بعد آپ کے مخلص خلفاء اور باعظمت اہل سلسلہ نے تمام ممالک اسلامیہ میں دعوت الی اللہ اور تجدید ایمان کا یہ سلسلہ جاری رکھا، جن سے فائدہ اٹھانے والوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بیان نہیں کر سکتا۔ یمن، حضر موت اور ہندوستان میں پھر حضرمی مشائخ و تجار کے ذریعہ جاوہ اور سماٹرا میں اور

دوسری طرف افریقہ کے براعظم میں لاکھوں آدمیوں کی تکمیلِ ایمان اور لاکھوں غیر مسلموں کے قبولِ اسلام کا ذریعہ بنا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ وجزاہ عن الاسلام خیر الجزاء۔

زمانہ پر اثر حضرت شیخ کا وجود اس مادیت زدہ زمانہ میں اسلام کا ایک زندہ معجزہ تھا، اور ایک بڑی تائیدِ الٰہی، آپ کی ذات، آپ کے کمالات، آپ کی تاثیر، اللہ تعالیٰ کے یہاں آپ کی مقبولیت کے آثار اور خلق اللہ میں قبولیت ووجاہت کے کھلے ہوئے مناظر، آپ کے تلامذہ اور تربیت یافتہ اصحاب کے اخلاق اور اُن کی سیرت وزندگی سب اسلام کی صداقت کی دلیل اور اس کی زندگی کا ثبوت تھا، اور اِس حقیقت کا اظہار تھا کہ اسلام میں سچی روحانیت تہذیبِ نفس اور تعلق مع اللہ پیدا کرنے کی سب سے بڑی صلاحیت ہے، اور اس کا خزانۂ عامرہ کبھی جواہرات ونادرات سے خالی نہیں۔ (دعوت وعزیمت ص۲۲۱ ج۱)

مجلس کا حال حکایت منقول ہے کہ آپ کی مجلس وعظ میں چار سو اشخاص قلم دوات لے کر بیٹھتے اور جو سنتے اس کو لکھتے رہتے۔

آپ نے فرمایا کہ شروع زمانہ میں میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ مجھے وعظ کہنے کا حکم فرما رہے ہیں اور میرے منہ میں اُنھوں نے اپنا لعابِ دہن ڈالا، بس میرے ابوابِ سخن کھل گئے۔ (اخبار الاخیار ص۱۲)

توحید، اخلاق اور ماسوی اللہ سے انقطاع کی تعلیم

اُس پر نظر رکھو جو تم پر نظر رکھتا ہے اُس کے سامنے رہو جو تمھارے سامنے رہتا ہے، اُس سے محبت کرو جو تم سے محبت کرتا ہے، اُس کی بات مانو جو تم کو بلاتا ہے، اپنا ہاتھ اُسے دو جو تمھیں گرنے سے سنبھالے گا

اور تم کو جہل کی تاریکیوں سے نکالے گا اور ہلاکتوں سے بچائے گا، نجاستیں دھو کر میل کچیل سے پاک کرے گا۔ کہاں چلے تم، اُس خدا کو چھوڑ کر جو ہر چیز کا پیدا کرنیوالا ہے اور بنانے والا ہے، اوّل ہے، آخر ہے، ظاہر ہے، باطن ہے۔ دلوں کی محبت روحوں کا اطمینان، گرانیوں سے سُبکدوشی، بخشش و احسان، ان سب کا رجوع اُس کی طرف ہے، اُسی کی طرف سے اس کا صدور ہے۔

ایک دوسری مجلس میں اسی توحید کے مضمون کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:-

"ساری مخلوق عاجز ہے۔ نہ کوئی تجھ کو نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، بس حق تعالیٰ اس کو ان کے ہاتھوں کرا دیتا ہے۔ اُسی کا فعل تیرے اندر اور مخلوق کے اندر تصرف فرماتا ہے۔ جو کچھ تیرے لئے مفید ہے یا مضر ہے اس کے متعلق اللہ کے علم میں قلم چل چکا ہے، اُس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ جو موحّد اور نیکوکار ہیں وہ باقی مخلوق پر اللہ کی حجت ہیں۔ بعض انہیں سے ایسے ہیں جو ظاہر و باطن دونوں اعتبار سے برہنہ ہیں، گو دولتمند ہیں مگر حق تعالےٰ ان کے اندروں پر دنیا کا کوئی اثر نہیں پاتا، یہی قلوب ہیں جو صاف ہیں۔ جو شخص اس پر قادر ہو، اسکو مخلوقات کی بادشاہت مل گئی۔

بہادر وہی ہے جس نے اپنے قلب کو ماسوی اللہ سے پاک بنایا اور قلب کے دروازہ پر توحید کی تلوار اور شریعت کی شمشیر لے کر کھڑا ہو گیا کہ مخلوقات میں سے کسی کو بھی اُس میں داخل نہیں ہونے دیتا، اپنے قلب کو مقلّب القلوب سے وابستہ کرتا ہے، شریعت اُس کے ظاہر کو تہذیب سکھاتی ہے اور توحید و معرفت باطن کو مہذّب بناتی ہیں۔"

معبودانِ باطل کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

”آج تو اعتماد کر رہا ہے اپنے نفس پر، مخلوق پر، اپنے دیناروں پر، اپنے درہموں پر، اپنی خرید و فروخت پر، اپنے شہر کے حاکم پر، ہر چیز جس پر تو اعتماد کرے وہ تیرا معبود ہے، ہر وہ شخص جس سے تو خوف کرے یا توقع رکھے وہ تیرا معبود ہے۔ اور ہر وہ شخص جس پر نفع اور نقصان کے متعلق تیری نظر پڑے اور تو یوں سمجھے کہ حق تعالیٰ ہی اُس کے ہاتھوں اس کا جاری کرنے والا ہے وہ تیرا معبود ہے۔ (دعوت و عزیمت ص۲۱۱ ج ۱)

اب ہم ”طبقات کبریٰ“ سے آپ کے ارشادات نقل کرتے ہیں:۔

ارشادات

آپ کی والدہ محترمہ جن کا طریق میں ایک ممتاز مقام ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب میرے لڑکے عبدالقادر پیدا ہوئے تو رمضان شریف کے دنوں میں میرا دودھ نہ پیتے تھے۔

آپ فرماتے تھے: جو مسلمان بھی میرے مدرسہ سے گزرے گا اللہ تعالےٰ قیامت کے دن اُس سے عذاب کو ہلکا فرما دیں گے۔

ف: سبحان اللہ، کتنی بشارت ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی بات الہام الٰہی سے ہی بندہ کہہ سکتا ہے۔ اللہ تعالےٰ ہمارے مدارس کو بھی یہ سعادت نصیب فرمائے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔ ؏

بر کریماں کارہا دشوار نیست (مرتب)

آپ سے دنیا کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا کہ دل سے نکال کر ہاتھ میں لاؤ تو تمھارے لئے ضرر رساں نہیں ہے۔ (معلوم ہوا کہ ہر شے کا ایک محل و موضع ہے

اسی میں اس کو رکھنا صلاح و اصلاح ہے، اور غیر محل میں اس کو رکھنا فساد و افساد ہے
شیخ نے متنبہ فرمایا کہ مال کی جگہ ہاتھ و جیب ہے، بکس و صندوق ہے نہ کہ قلب،
دل تو خاص تجلئ باری تعالیٰ اور انہی کی محبت و معرفت کا مقام ہے۔ اس کو اسی کیلئے
خالی رکھنا چاہئے ورنہ قلب موضوع ہوجائیگا۔ مولانا روم رحؒ فرماتے ہیں ؎

آب اندر زیر کشتی پشتی است   آب در کشتی ہلاک کشتی است

(یعنی کشتی کے نیچے پانی حفاظت و قوت کا ذریعہ ہے۔ اور اگر کشتی کے اندر پانی
آجائے تو ہلاکت کا سبب ہے۔) (مرتبؔ)

فرماتے تھے کہ: مخلوق تمھارے نفس کے درمیان حجاب ہے اور تمھارا نفس
تمھارے رب کے درمیان حجاب ہے۔ جب تک مخلوق پر نظر رہے گی اپنے نفس کی
معرفت تمھیں حاصل نہ ہوگی۔ اور جب تک تمھیں اپنے نفس کی معرفت حاصل
نہ ہوگی اپنے رب کی معرفت نصیب نہ ہوگی۔

ف: حضرت علی رضؓ کا ارشاد ہے: مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ
یعنی جس نے اپنی معرفت حاصل کی، اُس نے اپنے رب کی معرفت حاصل
کرلی۔ (مرتبؔ)

ابو الفتح ہروی فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ عبد القادرؒ کی چالیس سال
خدمت کی تو آپ نے اس پوری مدت میں عشاء کے وضو سے صبح کی نماز
ادا فرمائی۔ اور جب بھی آپ کو حدث لاحق ہوتا، وضو فرماتے اور دو رکعت
نماز ادا فرماتے۔ آپ عشاء کی نماز کے بعد خلوت میں چلے جاتے تو کسی کی
مجال نہ ہوتی کہ وہاں جائے۔ یہاں تک کہ طلوع فجر کے وقت باہر تشریف
لاتے۔ ایک مرتبہ خلیفۂ وقت آپ سے ملنا چاہتا تھا مگر فجر تک اسکو بھی ملنا میسر نہ ہوا۔

شیخ فرماتے تھے کہ صحرائے عراق اور اس کے کھنڈرات میں پچیس سال تنہا گھومتا پھرتا رہا۔ نہ میں کسی کو پہچانتا تھا اور نہ لوگ مجھے پہچانتے تھے۔ میرے پاس غیب کے حضرات و جنات آتے تھے جنکو میں طریق الی اللہ کی تعلیم دیتا تھا۔

ف: سبحان اللہ، کتنا عالی مقام تھا کہ حضرات غیب کو دینی تعلیم دیتے تھے۔ (مرتب)

اپنے اصحاب سے فرماتے تھے کہ اتباع کرو۔ بدعت سے اجتناب کرو۔ اطاعت کرو۔ مخالفت نہ کرو۔ صبر کرو۔ جزع فزع نہ کرو۔ ثابت قدم رہو۔ متزلزل نہ رہو۔ امیدوار رہو، ناامید مت ہو۔ ذکر پر جمے رہو، اس سے علیحدگی اختیار نہ کرو۔ گناہوں سے پاک صاف رہو، اس میں ملوث نہ ہو۔ اور اپنے مولیٰ کے در سے جدا و الگ نہ ہو۔

ف: سبحان اللہ، کیا ہی خوب نصائح ہیں۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ اپنے نفس سے نکلو اور اس سے جدائی اختیار کرو۔ اپنے ملک سے الگ ہوجاؤ اور اپنی جملہ ملکیت کو اپنے مولا کے سپرد کردو۔ اپنے قلب کے در کے دربان بن جاؤ۔ پس جس چیز کے داخل کرنے کا حکم دیں اس کو داخل کرو اور جس کو نکالنے کا امر فرمائیں اس کو نکال دو۔ اور اپنے قلب میں ہوائے نفسانی کو گھسنے نہ دو، ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے۔

ف: اسی حال کی ترجمانی حضرت شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ یوں فرمارہے ہیں ؎

آسکے غیر مرے خانۂ دل میں کیسے　　　کہ خیالِ رخِ دلدار رہے درباں اپنا

اسی کو حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں ؎

نہ کوئی راہ پا جائے نہ کوئی غیر آجائے حریم دل کا احمدؔ اپنے ہر دم پاسباں رہنا (مرتب)

فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی شکایت سے اپنے کو بچاؤ جب کہ تم صاحبِ عافیت ہو، اس لئے کہ اولادِ آدم پر اکثر بلائیں اسی شکایت کی بنا پر نازل ہوتی ہیں۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ عنہا۔

فرماتے تھے کہ امراض وشدائد کو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لئے مطہر بنایا ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے قرب وہمنشینی کے لائق ہوجاؤ۔ چنانچہ حدیث پاک ہے اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً الْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ (یعنی سب سے زیادہ صاحبِ بلاء انبیاء ہوتے ہیں، پھر ان کے قریبی۔)

فرماتے تھے کہ دوامِ بلاء ولایتِ کبریٰ والوں کی خاص علامت ہے اور یہ اس لئے تاکہ ان کو ہمیشہ جناب باری میں حضوری کا شرف حاصل رہے اور غیر اللہ کی طرف قطعاً میلان باقی نہ رہے۔ چنانچہ بندے پر بلاء ومصیبت دائم ہوجاتی ہے تو اس کا قلب قوی ہوجاتا ہے اور اسکی ہوائے نفسانی کمزور پڑجاتی ہے۔

ف: سبحان اللہ تعالیٰ اولیاء اللہ پر بلاؤں اور مصیبتوں کے آنے میں بھی کتنی مصلحتیں ومنفعتیں ہیں۔ اسی بنا پر تو اہل اللہ بلاء ومصیبت کو خوشی خوشی گوارا کرتے ہیں۔ بلکہ گاہے اس کو نعمت سمجھ کر محظوظ ولطف اندوز بھی ہوتے ہیں۔ کیونکہ ؏ ہرچہ از دوست می رسد نیکوست

اسی کو حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں ؎

دوست کی جانب سے جو آئے بلاء وہ بلا ہرگز نہیں، وہ ہے کرم (مرتب)

فرماتے تھے کہ سزا کے طور پر ابتلاء کی علامت یہ ہے کہ مبتلا جزع فزع اور مخلوق سے شکوہ کرتا ہے۔ اور گناہوں کے کفارہ کے لیے جو آزمائش ہوتی ہے اس کی علامت یہ ہے کہ صاحبِ ابتلاء جزع فزع نہیں کرتا اور امتثال اوامر اور طاعات کی بجا آوری میں بار محسوس نہیں کرتا۔ اور ارتفاع درجات کے لئے آزمائش میں رضا، موافقت، نفس کی طمانینت اور قضا و قدر سے سکون واطمینان سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ (طبقات ص۱۲۶ ج۱)

آپ فرماتے تھے کہ میں نے تمام اعمال کا جائزہ لیا تو مجھ کو کھانا کھلانا سب سے افضل معلوم ہوا۔ اس لئے میں تمنا کرتا ہوں کہ ساری دنیا میرے قبضہ میں آجائے اور میں اسے بھوکوں کو کھلادوں۔

حضرت شیخ سعدی نے گلستاں میں لکھا ہے کہ ایک سال حضرت شیخ حج کے لئے گئے ہوئے تھے۔ تو لوگوں نے دیکھا کہ حرم کعبہ میں کنکریوں پر پیشانی رکھے ہوئے آپ کہہ رہے تھے کہ اے اللہ! مجھے بخش دے۔ اور اگر میں سزا کا مستحق ہوں تو قیامت کے دن مجھے اندھا اٹھا تاکہ نیکوں کے روبرو مجھے شرمسار نہ ہونا پڑے۔ اس کے بعد شیخ سعدی نے یہ قطعہ لکھا ہے ؎

روئے برخاکِ عجز می گویم — ہر سحر گہ کہ باد می آید
اے کہ ہرگز فرامشت نہ کنم — ہیچت از بندہ یاد می آید

(اعیان الحجاج ج۲ ص۴)

(ترجمہ: جب صبح کے وقت بادِ نسیم چلتی ہے تو میں عجز و انکسار سے زمین پر پیشانی ٹیک کر کہتا ہوں کہ اے اللہ! میں تجھے کبھی نہیں بھولتا کیا تجھے بھی اپنے بندے کی کچھ یاد آتی ہے۔)

ف: غور فرمائیے کہ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رح نے (جو خود اصحابِ دعوت و عزیمت میں سے ہیں) اپنی شہرۂ آفاق کتاب "تاریخ دعوت و عزیمت" میں جو سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رح یا اُن جیسے اکابر مصلحین اُمت کا تذکرہ اِس قدر تفصیل سے فرمایا ہے اور اُن کے پُر تاثیر و پُر درد مواعظ درج فرمائے ہیں، وہ صرف پڑھنے کیلئے نہیں، بلکہ اِس لئے کہ اپنے اکابر کے دعوت و عزیمت کے علم کے ساتھ اپنے اندر اُن کے جیسا رشد و صلاح کا وصف اور نسبت مع اللہ کا کمال حاصل کر کے اُمت مسلمہ کی اصلاح و تربیت کا عزم و ارادہ کریں۔

واللہ الموفق۔ (مرتب)

وفات

آپ کی وفات ۵۶۱ھ میں ہوئی۔ اور بغداد میں مدفون ہوئے۔

نوّر اللہ مرقدہٗ (طبقات ص ۱۲۶)

حضرت الشیخ ابوالنجیب عبدالقادر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۵۶۳ھ

نام ونسب نام عبدالقادر، دوسرا نام ضیاء الدین ہے۔ والد کا نام عبداللہ دادا کا نام محمد۔ کنیت ابو نجیب ہے۔ آپ اپنے دور کے امام، مفتی، زاہد و عابد اور صوفی، واعظ اور شیخ المشائخ تھے۔ آپ علوم ظاہر و باطن دونوں ہی میں کامل تھے۔ آپ کا نسب بارہویں پشت میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

ولادت: آپ کی پیدائش تقریباً ۴۹۰ھ میں ہوئی۔

فضل وکمال آپ ائمہ شافعیہ میں سے ہیں اور صوفیوں کے سردار ہیں۔ اور آپ کے مجاہدات فی السلوک بہت زیادہ ہیں۔ آپ کے مجاہدات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے پہاڑوں کے چکر کاٹے۔ آخر میں آپ نے شیخ حماد دباس رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اختیار کر لی۔ پھر اللہ کی مخلوق کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ اور لوگ آپ کی طرف متوجہ ہونے لگے اور آپ کو بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہوگئی۔ اور آپ نے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی اور اس میں تدریس واقتاء کا کام انجام دینا شروع کیا۔

ابن نجار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کو اتنی زیادہ مقبولیت حاصل ہوگئی تھی کہ اس وقت کے بادشاہوں نے بھی آپ کی بزرگی کا اعتراف کر لیا تھا۔

ابن نجار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں آپ کے پاس حاضر ہوا، تو میں نے دیکھا کہ وہاں کچھ لوگ چاول کوٹ رہے ہیں، تو میں نے آپ سے کہا کہ مجھے بھی کوئی کام

دیجئے، تو آپ نے فرمایا کہ میں تمھارا ہاتھ دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں نے اپنا ہاتھ دکھلایا تو آپ نے فرمایا کہ یہ ہاتھ صرف قلم کے لئے ہے۔ اور مجھ کو ایک لفافہ دیا اُس میں سونا تھا۔ تو میں نے آپ سے کہا کہ میں صرف اپنی اُجرت ہی لوں گا۔ اس پر آپ نے اپنے ایک خادم سے فرمایا کہ ان کو موسّل دیدو۔ پھر میں بھی اُن لوگوں کے ساتھ کام کرنے لگا اور آپ مجھ کو دیکھ رہے تھے۔ میں نے ایک گھنٹہ کام کیا، اس کے بعد آپ نے مجھ کو بلایا اور سونا دیا، اور فرمایا، یہ تمھاری اُجرت ہے۔ تو میں نے اُس کو لے لیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں حصول علم کا شوق پیدا فرما دیا اور میں تحصیلِ علم میں مشغول ہو گیا۔ (سیر اعلام النبلاء ص۴۷۵)

بیعت وخلافت آپ کو حضرت سیدنا عبد القادر جیلانی رحؒ سے کمال درجہ عقیدت تھی۔ لیکن آپ کے مرشد روحانی احمد غزالی رحؒ (المتوفی ۵۲۰ھ) تھے۔ اور آپ کو اجازت حضرت شیخ قاضی وجیہ الدین قدس سرہٗ (المتوفی ۵۶۶ھ) سے تھی۔ (عوارف المعارف ص۱۰۲)

آپ کا فیض آپ کے فیض صحبت سے بڑے بڑے اکابر پیدا ہوئے۔ مثلاً شیخ شہاب الدین سہروردی رحؒ اور شیخ عبد اللہ بن مسعود الرومی رحؒ وغیرہما۔ آپ کی شہرت سارے عالم میں تھی اور ہر طرف سے آپ کی خدمت میں لوگ آتے تھے۔

ارشادات

فرماتے تھے کہ تصوف کا اول علم اور اس کا اوسط عمل ہے اور آخر موہبت ہے۔ پس علم مراد کو ظاہر کرتا ہے اور عمل طلب کیلئے معین ہے۔ اور موہبت منتہائے

مقصود تک پہنچا دیتی ہے۔

ف : سبحان اللہ، کیا ہی خوب حقیقت کو واشگاف فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے مواہب سے سرفراز فرمائے۔ آمین! (مرتب)

فرماتے تھے کہ اہل تصوف کے تین طبقے ہیں۔ مرید[۱] طالب، متوسط[۲] طائر منتہی[۳] واصل۔ پس مرید صاحبِ وقت ہے، متوسط صاحبِ حال ہے۔ اور منتہی صاحبِ یقین ہے۔ آپ نے بغداد میں سکونت فرمائی۔

(طبقات ص۱۴۰ ج۱)

آپ فرماتے تھے کہ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فقر غناء سے افضل ہے، بشرطیکہ وہ رضائے الٰہی کے ساتھ ہو۔ اگر کوئی حجت کرنے والا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے حجت و دلیل پیش کرے کہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے افضل و بہتر ہے۔ تو کہا جائے گا کہ اوپر والا ہاتھ اس لئے افضل ہے کہ اس سے مال نکلتا ہے جس کی وجہ سے وہ فقر کے قریب ہو جاتا ہے اور نیچے کا ہاتھ اس لئے نقصان اٹھاتا ہے کہ اس میں دولت حاصل ہوتی ہے (جس کی وجہ سے وہ غناء کی طرف مائل ہے۔)

البتہ سخاوت و بخشش کو فضیلت دینے میں اس پر دلیل ہے۔ پس جو شخص غناء کو فقر پر اس لئے ترجیح دیتا ہے کہ اس سے خرچ کرنا اور دینا ثابت ہے تو یہ ایسا ہوگا کہ کوئی شخص گناہ کو بندگی پر اس لئے فضیلت دے کہ اس میں توبہ کی فضیلت پائی جاتی ہے۔

ف : ماشاء اللہ، مثال سے خوب واضح فرما دیا۔ (مرتب)

کرامت | آپ کے ایک مرید نے بیان کیا کہ میں ایک روز شیخ کے ساتھ

بازار میں جارہا تھا۔ ہم ایک قصاب کی دوکان پر پہنچے، وہاں پر ایک بکری کا سر لٹک رہا تھا، شیخ وہاں پر کچھ دیر ٹھہرے رہے، پھر فرمانے لگے کہ یہ بکری کہہ رہی ہے کہ میں مردہ ہوں مجھے حلال نہیں کیا گیا ہے۔ قصاب یہ بات سنتے ہی بیہوش ہوگیا اور گر پڑا۔ جب اس کو ہوش آیا تو اُس نے شیخ کے ہاتھ پر توبہ کی اور شیخ کی بات کی تصدیق کی۔ (نفحات الانس ص۶۵۳)

طریق مصالحت شیخ شہاب الدین سہروردی رح نے فرمایا کہ ہمارے شیخ کا طریقۂ مصالحت یہ تھا کہ جب کسی درویش کی اپنے بھائیوں کے ساتھ رنجش ہو جاتی تھی تو آپ اس درویش سے فرماتے، اٹھو اور استغفار پڑھو، اس پر وہ درویش کہتا کہ میرا باطن صاف نہیں ہے، استغفار کس طرح پڑھوں، تو آپ فرماتے کہ تمھاری کوشش اور صلح کی خاطر قیام سے تمکو صفائی باطن بھی میسر ہو جائیگی۔ (عوارف المعارف ص۲۵۶)

اہم معمول شیخ شہاب الدین سہروردی رح نے فرمایا کہ ہمارے شیخ محترم کا دستور تھا کہ وہ منیٰ کی مسجد خیف میں چکر لگاتے رہتے اور لوگوں کے چہروں کو بغور دیکھا کرتے تھے۔ جب اُن سے اس کا سبب پوچھا گیا تو اُنھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کے بعض ایسے بھی بندے ہیں کہ اگر وہ کسی شخص کی طرف نظر بھر کر دیکھ لیں تو وہ سعادت سے مالامال ہو جائے۔ پس میں ایسی ہی نظر کی تلاش میں پھرتا رہتا ہوں۔ (عوارف المعارف ص۲۶۱)

اصلاح نفس شیخ شہاب الدین سہروردی رح نے فرمایا کہ ہمارے شیخ ابوالنجیب سہروردی رح فرماتے تھے کہ میں نے کوئی چیز نفس کی خواہش پر نہیں کھائی، بلکہ جب کوئی چیز میرے سامنے آتی ہے تو میں اسکو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم سمجھ کر اور اس کا خاص فعل سمجھ کر قبول کرتا ہوں۔ (عوارف المعارف)

وفات: "سیر اعلام النبلاء" کی تحقیق کے مطابق آپ کی وفات ۵۶۳ھ میں ہوئی اور صاحب "نفحات الانس" نے ۵۳۳ھ لکھا ہے۔ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ۔

حضرت الشیخ ابو عمرو عثمان بن مرزوق القرشی رحمۃ اللہ علیہ المتوفیٰ ۵۶۴ھ

نام و نسب نام عثمان، والد کا نام مرزوق اور کنیت ابو عمرو ہے۔

فضل و کمال آپ مصر کے بڑے مشہور بزرگوں، عارفوں اور سربرآوردہ لوگوں میں سے تھے۔ اور آپ کا شمار اُس وقت کے اُن علماء میں ہوتا تھا جو صاحبِ تحقیق تھے۔

اور آپ صاحبِ کراماتِ ظاہرہ، احوال فاخرہ اور افعال خارقہ و انفاس صادقہ تھے۔

ف: سبحان اللہ، کیسے اوصاف جمیلہ سے متصف تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ان اوصاف سے متصف فرمائے۔ آمین! (مرتب)

اور آپ اُن بزرگوں میں سے تھے جو صاحبِ تصانیف و فضل و افتاء ہیں اور آپ امام احمدؒ کے مذہب پر فتویٰ دیتے تھے اور پڑھاتے تھے اور ساتھ ہی مناظرہ بھی کرتے تھے اور کتابیں لکھواتے تھے۔

اور اُس وقت کے تمام علماء و بزرگانِ دین و مشائخ کا آپ کی بڑائی اور احترام پر اجماع تھا۔ اور مختلف فیہ مسائل میں وہ آپ کو حکم بناتے تھے اور آپ کے قول کی طرف رجوع کرتے تھے۔

ارشادات

آپ فرماتے ہیں کہ جب دلوں کے چمنستان پر سعادت کی ہوا چلتی ہے

اور عنایت کی بجلی کوندتی ہے اور غیب کے بادلوں سے حقائق کی پھواریں پڑتی ہیں، تو اُن میں قرب محبوب کے شگوفے نکلنے اور نیل مطلوب کے پھولوں سے رونق آتی ہے۔ اُس وقت مشاہدہ کی لذت میں ان کو قرب کی ہوا ملتی ہے اور سماع کے ذریعہ سے حضورِ الٰہی کی جلوہ گری کے خواستگار ہوتے ہیں۔ اور ہیبت کی آگ کو اُس وقت دیکھتے ہیں جب محبت کی روشنی اسے سلگاتی ہے، مگر مقام کے ساتھ انس سے غلبۂ سرگشتگی کے باعث آنکھیں نیچے کئے نورِ ازل کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ فناد کے قدموں سے وصل کی خلوت میں مسامرت کے بساطِ (فرش) مناجات کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور غلبۂ ازل کی قبا میں حدوث کے حاشیوں کو لپیٹ دیتے ہیں۔

ف : سبحان اللہ، کیا خوب علوم و معارف ہیں۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ تمام مخلوق ذرہ سے لے کر عرش تک اللہ تعالےٰ کی معرفت کی طرف لے جانے والے طریقے ہیں، اور اللہ تعالےٰ کی ازلیت پر حجج بالغہ ہیں۔ اور جملہ کائنات انکی وحدانیت کے ساتھ ناطق ہیں۔ اور عالم کُل کا کل ایک کتاب ہے جن کے حروف کی قرارت اصحاب بصائر اپنی بصیرت کے بقدر کرتے ہیں۔

فرماتے تھے کہ جس کو اپنے نفس کی معرفت حاصل ہو جائیگی تو لوگوں کی تعریف اس کو متغیر نہ کرے گی۔

ف : یعنی اُس کے لئے عجب و غرور کا موجب نہ ہو گی، بلکہ اُس کے ایمان میں اضافہ کر دے گی۔ چنانچہ حدیث پاک ہے:۔

اِذَا مُدِحَ الْمُؤْمِنُ فِیْ وَجْهِهٖ رَبَی الْاِیْمَانُ فِیْ قَلْبِهٖ (کنز العمال)

یعنی جب مومن کی تعریف اُسکے سامنے کی جاتی ہے تو اس کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ جملہ وصف وکمال کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتا ہے اپنا کوئی کمال نہیں سمجھتا اور یہ بھی سمجھتا ہے کہ میری تعریف درحقیقت میرے خالق ومالک ہی کی تعریف ہے (مرتب)

فرماتے تھے کہ جو رضا بالقضاء پر ثابت ہو گیا تو وہ بلاء سے متلذذ ہو گا۔

ف: اسی لئے کہا گیا ہے کہ ؏ ہر چہ از دوست می رسد نیکوست (یعنی جو تکلیف دوست کیطرف سے پہنچے وہ کرم ہے۔) اسی مضمون کو حضرت مولانا محمد احمد صاحب رح یوں فرماتے ہیں ؎

دوست کی جانب سے جو آئے بلا — وہ بلا ہرگز نہیں، وہ ہے کرم (مرتب)

فرماتے تھے کہ عارف کا زیور خشیت وہیبت ہے۔

فرماتے تھے کہ جس پر اُس کا حال غالب ہو وہ ہماری مجلس سماع میں نہ آیا کرے۔

وفات

آپ کی وفات ۵۶۴ھ میں مصر میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

(طبقات صفحہ ۱۵۱ ج ۱)

حضرت الشیخ علی بن ہیتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۵۶۴ھ

تعارف

آپ کا شمار مشائخ عراق کے اکابر اور صوفیہ و عارفین کے سرداروں میں ہوتا تھا۔ جو بزرگان دین قطبیت عظمیٰ کی طرف منسوب ہیں آپ ان میں سے ایک ہیں۔ آپ کے پاس وہ دونوں خرقے تھے جنھیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے شیخ ابوبکر بن ہوار کو حالتِ نوم میں پہنایا تھا اور جب شیخ بیدار ہوئے تو وہ دونوں خرقے زیب تن تھے۔ یہ دونوں خرقے ایک چادر اور ایک ٹوپی پر مشتمل تھے۔

ارشادات

آپ فرماتے تھے کہ: جب تک تمیز و شعور کی صلاحیت باقی رہے گی احکامِ شرع جاری رہیں گے۔

ف: خوب بات فرمائی۔ اس لئے کہ جب تک ہوش وحواس درست رہیں گے اس وقت تک آدمی کو شریعت کی پابندی لازمی ہے، اس سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں ہوسکتا۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ حال کے صحیح ہونے کی علامت یہ ہے کہ صاحبِ حال اپنے غلبۂ حال کے وقت محفوظ رہے۔ جس طرح کہ صحو (ہوش وحواس کی درستگی)

؎ ہیتی، ہا کے کسرہ کے ساتھ ہیت کی طرف منسوب ہے۔ یہ نہر فرات کے کنارے انبار کے اوپر ایک شہر ہے جہاں عبداللہ بن مبارکؒ کی قبر ہے۔

کے اوقات میں محفوظ تھا۔

ف: یعنی کسی حال میں بھی خلافِ شرع امر اس سے صادر نہ ہو بلکہ ہمیشہ سنت کا دامن تھامے رہے۔ مومن صادق کا یہی کمال ہے۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ، مخلوق اپنی عقل کے گھوڑے جہاں تک دوڑا سکے اور اپنے علوم کے ذریعہ جس کا احاطہ کر سکے، یا اپنے معارف کے ذریعہ جس پر بھی مطلع ہو سکے اللہ تعالیٰ ان تمام سے ماوراء اور بہت بلند ہے۔

ف: اسی کو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رح تحریر فرماتے ہیں: "جیسے حق تعالیٰ کی ذات کا پورا ادراک کسی بندے سے ممکن نہیں اسی طرح ان کی صفات کی حقیقت فہم سے خارج ہے۔ اجمالاً ان سب پر ایمان لے آوے اس سے زیادہ کا انسان مکلّف نہیں۔ اپنے کام میں لگنا چاہیئے ؎

عنقا شکار کس نشود، دام باز چیں کیں جا ہمیشہ باد بدست است دام را

(بیان القرآن صفحہ ۶۳)

ترجمہ: عنقا کسی کا شکار نہیں ہوتی، جال مت لگا۔ کیونکہ یہاں پر سوائے ہوا کے جال کو کچھ بھی ہاتھ نہیں آوے گا۔

اسی کو مشہور شاعر اکبر حسین الہ آبادیؒ نے یوں فرمایا ہے ؎

ذہن میں جو گھر گیا، وہ لا انتہا کیونکر ہوا
جو سمجھ میں آگیا، وہ پھر خدا کیونکر ہوا (مرتب)

آپ اکثر ان اشعار کو پڑھا کرتے تھے ؎

ان رحت اطلبہ لا ینقضی سفری او جئت احضرہ اوحشت فی الحضر
فلا اراہ ولا ینفک عن نظری وفی ضمیری ولا القاہ فی عمری

فلیتنی غبت عن جسمی برویته   وعن فؤادی وعن سمعی وعن بصری

ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے:۔

(۱) اگر میں اس کو ڈھونڈھنے نکلوں تو میرا سفر پورا نہ ہو۔ اور اگر حضر میں آؤں تو حضر میں بھی وحشت ہونے لگے۔ (۲) میں اس کو دیکھ بھی نہیں سکتا اور وہ میری نظروں سے جدا بھی نہیں ہوتا۔ وہ میرے دل میں ہے اور میں اس سے عمر بھر نہیں نہیں مل سکتا۔ (۳) تو اے کاش میں اسے دیکھنے کے لئے اپنے جسم سے اپنے دل سے، اپنے کان سے، اپنی آنکھوں سے فنا ہو جاؤں۔

اس کا دل کسی سے تسلی نہیں پاتا۔

غالباً اسی حال میں حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ ابتدائے سلوک میں بکثرت یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

باغ میں لگتا نہیں، صحرا سے گھبراتا ہے دل   اب کہاں لیجا کے بیٹھیں ایسے دیوانے کو ہم

(مرتب)

وفات

آپ نے نہر ملک کے مضافات میں رزیران (بروزن قفیزان) نامی بستی میں سکونت اختیار کی۔ اور وہیں آپ نے ۵۶۴ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اُس وقت آپ کی عمر مبارک ایک سو بیس سال تھی۔ وہیں آپ مدفون ہیں۔ آپ کی قبر ظاہر ہے اور زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔ (الطبقات ج ۱ ص ۱۴۵)

مجاہد امت حضرت سلطان نور الدین زنگی المتوفی ۵۶۹ھ

نام ونسب نام محمود نور الدین، کنیت ابوالقاسم، لقب الملک العادل، والد کا نام سلطان عماد الدین زنگی ہے۔

تعارف حلب و دمشق کا سلطان، اپنے والد سلطان عماد الدین زنگی کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا۔ اور حلب کو اپنا دار الحکومت بنایا، صلاح الدین ایوبی کو مصر کا گورنر مقرر کیا اور دوسری صلیبی جنگ (۱۱۴۷ء تا ۱۱۴۹ء) میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ۱۱۷۳ء میں اس نے ایشیائے کوچک پر حملہ کیا اور کئی شہر فتح کر لئے۔ ابھی وہ اس مہم میں مصروف تھا کہ بغداد کے عباسی خلیفہ کا ایلچی ایک سند لے کر پہنچا، جس میں سلطان نور الدین کو موصل، الجزیرہ، اربل، خلاط شام، مصر اور قونیہ کا امیر تسلیم کیا گیا تھا۔

نور الدین کے متعلق ابن اثیر کا ارشاد ہے۔

"میں نے سلطان سلف کے حالات کا مطالعہ کیا ہے۔ لیکن خلفائے راشدہ اور عمر بن عبد العزیز کے بعد سے میں نے کوئی ایسا حکمراں نہیں دیکھا جس نے اس سے زیادہ پاکیزہ زندگی گزاری ہو، یا راست روی اور نیکی میں اس سے زیادہ سرگرم عمل ہو۔ ایک متقی مسلمان ہونے کی حیثیت سے اسے ہمیشہ اس بات کا خیال رہتا تھا کہ وہ ہر لحاظ سے قرآن وسنت کے مطابق ایک مومن کی سی زندگی بسر کرے۔ اس نے ملک شام کے بڑے بڑے شہروں میں

مساجد، شفاخانے اور سرائیں جگہ جگہ تعمیر کرائیں۔ اس کا مقصدِ حیات یہ تھا کہ صلیبی حملوں کو روکا جائے۔ اور اس مقصد کے حصول کیلئے وہ تمام عمر کوشاں رہا۔ دوسری صلیبی جنگ میں اس نے غیر معمولی کردار سرانجام دیا۔ اُس نے ایک ایسی محکم بنیاد قائم کر دی جس پر بعد کے زمانہ میں صلاح الدین ایوبی شاندار عمارت کھڑی کرنے کے قابل ہو گیا۔ (شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا ص۱۵۳۳)

اب ہم مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رح کی شہرۂ آفاق کتاب "تاریخ دعوت وعزیمت" سے صلیبی حملوں سے متعلق کچھ اہم مضامین نقل کرتے ہیں (مرتب)

صلیبی حملے اور عالم اسلام کیلئے نیا خطرہ

ایک طرف مرکزِ اسلام میں پوری قوت سے تصنیفی وتعلیمی کام ہو رہا تھا، اور بعض عظیم شخصیتیں اصلاح وتربیت میں مشغول تھیں دوسری طرف پورے عالم اسلام پر خطرہ کے بادل منڈلا رہے تھے، اور مسلمانوں کی ہستی اور نفس اسلام کا وجود زد میں تھا۔ مسیحی یورپ صدیوں سے اسلام سے خار کھائے بیٹھا تھا، مسلمان اُس کی پوری مشرقی سلطنت پر قابض تھے اور اس کے تمام مقدس مقامات اور خود مولدِ مسیح اُن کے قبضہ اور تولیت میں تھا۔ یورپ کے اشتعال اور جذبۂ انتقام کے لئے یہ صورتِ حال بالکل کافی تھی، لیکن طاقتور اسلامی سلطنتوں کی موجودگی اور ہمسایہ مسیحی سلطنت پر اُن کی مسلسل پیش قدمیوں کے سبب سے اُس کو یہ حوصلہ نہیں ہوتا تھا وہ شام وفلسطین یا کسی اسلامی ملک کی طرف نظر اُٹھائیں۔ سلجوقی سلطنت کے زوال اور اسلامی سلطنت کی شمالی سرحدوں کی کمزوری کی وجہ سے یورپ میں قسمت آزمائی کا خیال

پیدا ہوا۔ اسی عرصہ میں اُس کو راہب پطرس کی صورت میں ایک ایسا خطیب اور مذہبی واعظ مل گیا جس نے ساری مسیحی دنیا میں اپنی آتش نوائیوں سے آگ لگادی، اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک مذہبی جنون کی ایک لہر پیدا کردی۔ اس کے علاوہ وسیع و زرخیز اسلامی مملکت پر حملہ کرنے کے اور بھی متعدد سیاسی و معاشی اسباب و محرکات جمع ہوگئے، جنھوں نے صلیبی حملوں میں دینی و دنیاوی کشش اور ترغیب پیدا کردی۔ (دعوت و عزیمت ص۲۵۲)

چھٹی صدی ہجری کا ابتدائی زمانہ عالم اسلام میں بڑے انتشار و بدنظمی کا تھا ملک شاہ سلجوقی کے جانشین باہم دست و گریبان تھے۔ خلفاء بنی عباس مدتوں پہلے ترکوں کو اپنی طاقت منتقل کرچکے تھے۔ عالم اسلام میں کوئی طاقتور سلطان اور کوئی ایسا قائد نہ تھا جو تنظیمی صلاحیتیں رکھتا ہو اور جو عالم اسلام کی بچی کھچی طاقت کو ایک جھنڈے کے نیچے جمع کرکے شمال و مغرب سے بڑھتے ہوئے خطرے کا مقابلہ کرسکے۔ سٹینلے لین پول نے صحیح لکھا ہے کہ:۔

"یہ زمانہ التباس و تذبذب کا تھا کہ اتنی وسیع اور عظیم الشوکت (سلجوقی) سلطنت کو موت کے کرب میں ہاتھ پاؤں مارتے دیکھ کر ہر شخص پر تحیر کا عالم طاری تھا۔ یہ بیچ کا زمانہ اُس وقت تک بدنظمی کا تھا، جبتک کہ نئی طاقتیں پورے طور پر یکجہت ہوکر ایک ہی سمت میں رجوع نہ ہوجائیں۔ مختصر یہ کہ یہی وہ ٹھیک وقت تھا، جب کہ یورپ والے فوج کشی کرکے اپنی کامیابی کو ممکن کرلیں۔ (دعوت و عزیمت ج۱ ص۲۵۴)

اتابک عمادالدین زنگی

لیکن عین اِس کشمکش اور بڑھتی ہوئی مایوسی کے عالم میں اسلام کے اُفق پر ایک نیا ستارہ

طلوع ہوا، عالم اسلام کو حسب معمول عین ضرورت کے موقع پر ایک نیا قائد اور ایک تازہ دم مجاہد مل گیا اور جس گوشہ سے امید نہ تھی وہاں سے ایک نئی طاقت اُبھری، جس کا کسی کو خیال بھی نہ تھا۔

لین پول لکھتا ہے۔

"مسلمانوں کے لئے ضروری ہوا کہ وہ جہاد کا اعلان کریں، اور ایک ایسا سردار پیدا کریں جس کی دلیری اور ہمت اور جنگی قابلیت کا سکہ سب ماننے لگیں، ترکمانی سردار اور انکے ماتحت والیان ملک ایک ایسی جوانمرد اور جنگجو دینداروں کی جماعت پیدا کریں جن کے سامنے صلیبیوں کو اپنے مظالم اور زیادتیوں کا جواب دینا پڑے اور اب یہ سردار عماد الدین زنگی کی ذات میں نمودار ہوا۔"

عماد الدین سلجوقیوں کا پروردۂ نعمت تھا، وہ سلطان محمود سلجوقی کے شہزادوں کا آتالیق (اتابک) اور سلطان کی طرف سے موصل کا حاکم تھا۔ زنگی نے عراق و شام میں اپنی طاقت مستحکم و منظم کر کے الرہا (ایڈیسا) پر حملہ کیا، جو عیسائیوں کی ریاست میں سب سے زیادہ مضبوط و مستحکم مقام تھا اور اُس کو بڑی فوجی اہمیت حاصل تھی۔ ۶ر جمادی الاخریٰ ۵۳۹ھ مطابق ۲۳ر دسمبر ۱۱۴۴ء کو اُس نے الرہا پر قبضہ کر لیا۔ عرب مؤرخین کے الفاظ میں یہ فتح الفتوح تھی۔ یہ شہر لاطینی سلطنت کا بڑا سہارا تھا۔ اِس طرح فرات کی وادی صلیبیوں کے خطرہ سے محفوظ ہو گئی۔ اِس فتح کے کچھ عرصہ بعد ۵۴۱ھ مطابق ۱۱۴۶ء میں وہ ایک غلام کے ہاتھ سے شہید ہو گیا شہادت سے پہلے اُس نے صلیبیوں کے خلاف جہاد کی شاندار ابتدا کر دی تھی جس کو اُس کے نامور فرزند الملک العادل نور الدین زنگی نے بہت آگے تک پہنچا دیا۔

الملک العادل نورالدین زنگیؒ

نورالدین محمود اب سلطانِ شام تھا، اور تمام مسلمانوں کی طرف سے صلیبیوں کے اخراج اور بیت المقدس کے بازیافت کے لئے اپنے کو مامور من اللہ سمجھتا تھا، اور اس خدمتِ عظیم کو اپنی سب سے بڑی عبادت اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ جانتا تھا۔ اُس نے اپنے حملوں سے تمام مسیحی ریاستوں پر دھاک بٹھادی تھی ۵۵۹ھ مطابق ۱۱۶۴ء میں وہ قلعہ حارم پر قابض ہوا جو ایک مضبوط شمالی سرحدی قلعہ تھا، بادشاہ انطاکیہ نواب طرابلس مع دیگر مشہور و معروف نائٹوں کے گرفتار ہوگئے۔ اِس معرکہ میں دس ہزار عیسائی قتل ہوئے اور بے شمار قید، اِس قبضہ کے بعد ہی قلعہ بانیاس فتح کیا۔ اِدھر اُس نے مصر فتح کرکے عیسائیوں کو دو طرف سے محصور کرلیا۔ لین پول لکھتا ہے :۔

"نورالدین سلطان شام کے سپہ سالار (صلاح الدین) کا رو دنیل پر قابض ہو جانا یہ معنی رکھتا تھا کہ یروشلم کی مسیحی سلطنت ایک چری ہوئی لکڑی کے بیچ میں آگئی تھی، دونوں طرف سے وہ دب رہی تھی، اور دونوں طرف جو چیز اُسے بھینچ رہی تھی وہ ایک ہی طاقت کے دو لشکر تھے۔ دمیاط اور اسکندریہ کی بندرگاہوں پر قابض ہو جانے سے مسلمانوں کا قبضہ ایک جہازی بیڑے پر بھی ہوگیا اور اُنھوں نے مصر کے صلیبیوں کا تعلق یورپ سے منقطع کردیا۔ (سلطان صلاح الدین ص۸۹)

نورالدین نے تقریباً فلسطین کے پورے علاقہ کو صلیبیوں سے صاف کردیا لیکن اُس کی سب سے بڑی آرزو اور سب سے مقدس خدمت بیت المقدس کی بازیابی تھی لیکن یہ سعادت اُس کے سپہ سالار سلطان صلاح الدین ایوبی کی قسمت میں تھی جو خود نورالدین کے حسنات میں شمار کئے جانے کے قابل ہے۔ (دعوت و عزیمت ص۲۵۶ ج۱)

نورالدین کے محامد و اوصاف

مسلمان مورخ سلطان نورالدین کے عدل، دیانت و تقویٰ، حسن انتظام، شرافتِ نفس، محامد اخلاق اور جذبۂ جہاد کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور وہ اپنے نام کی طرح اُن سب کا "ممدوح" و "محمود" ہے۔

ابن جوزی جو سلطان کے معاصر ہیں اپنی مشہور تاریخ المنتظم میں لکھتے ہیں:۔

"نورالدین نے سرحدوں پر جہاد کیا اور کفار کے قبضہ سے کچھ اوپر پچاس شہر آزاد کئے۔ اُن کی زندگی اکثر سلاطین و حکام سے بہتر تھی، راستے محفوظ تھے۔ اُن کی تعریف کی باتیں بہت ہیں۔ وہ خلافت بغداد کی ماتحتی و اطاعت کا اپنے کو پابند سمجھتے تھے، انتقال سے پہلے ناجائز محاصل اور ٹیکس معاف کر دیئے، طبیعت میں سادگی اور تواضع تھی اور علما ر و اہل دین سے محبت کرتے تھے۔"

شوق جہاد اور ایمان و یقین

نورالدین کی تمامتر توجہ اور دلچسپی جہاد اور عیسائیوں کے مقابلہ سے تھی۔ اِس بارے میں اس کا عزم، اعتماد و توکل اور ایمان و یقین بہت بڑھا ہوا تھا۔

سلطان زنگی کا اہم کارنامہ

اب ہم سلطان زنگیؒ کا وہ اہم کارنامہ نقل کرتے ہیں جو یہودیوں کی ناپاک سازش کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہدایت کیا گیا تھا۔ انھوں نے اُس منصوبہ کو تباہ کیا، اور اُن بدکرداروں کو کیفر کردار تک پہنچایا

روضۂ اقدس میں نقب زنی کی جسارت

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ

وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ۔ (الصف ۸) ۵۵۷ھ مطابق ۱۱۶۲ء کو ایک رات نماز تہجد سے فارغ ہو کر سلطان زنگی سو گیا، خواب میں آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت باسعادت سے مشرف ہوا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نیلگوں آنکھوں والے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ان دونوں سے میری حفاظت کرو۔ سلطان کی گھبراہٹ سے آنکھ کھلی۔ فوراً اُٹھ کر وضو کیا اور نوافل میں مشغول ہو گیا، کچھ دیر بعد لیٹا ہی تھا کہ معاً آنکھ لگ گئی، دوبارہ وہی خواب دیکھا، جس سے پریشان ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا، اور وضو کر کے نفل پڑھنے لگا۔ مگر نیند غالب آگئی اور سو گیا، اس نے تیسری مرتبہ بھی وہی خواب دیکھا۔ بادشاہ یہ کہتے ہوئے کھڑا ہو گیا کہ اب نیند کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ اپنے نیک سیرت وزیر جمال الدین کو بلا کر خواب سے آگاہ کیا۔ وزیر باتدبیر نے مشورہ دیا کہ بلا تاخیر مدینہ منورہ روانہ ہو جانا چاہئے، اور اس خواب کا ذکر کسی سے نہ کیجئے۔

بادشاہ فی الفور تیار ہو گیا، وزیر موصوف اور بیس خاص خدام کو ساتھ لیا، تیز رو اُونٹوں پر بہت سا سامان اور مال و متاع لاد کر اُسی رات مدینہ منورہ کیلئے روانہ ہو گیا، شب و روز سفر کرنے کے بعد سولھویں روز شام کے وقت مصر سے مدینہ طیبہ پہنچا۔ بادشاہ موصوف مدینہ باسکینہ میں داخل ہونے کے بعد نہایت عجز و نیاز اور ادب و احترام کے ساتھ مسجد نبوی شریف میں داخل ہو کر ریاض الجنۃ میں تحیۃ المسجد کے نفل ادا کئے۔ پھر متفکر و متردد ہو کر سوچنے لگا کہ کیا تدبیر اختیار کی جائے بالآخر طے پایا کہ شہر کے تمام لوگوں کی دعوت کی جائے اور اُن میں انعامات تقسیم کئے جائیں، اس طرح مطلوبہ اشخاص کی پہچان کر کے اُنھیں گرفتار کر لیا جائے چنانچہ وزیر موصوف نے اعلان کرایا کہ بادشاہ سلامت تشریف لائے ہیں

وہ اہل مدینہ کو انعامات واکرامات سے نوازیں گے۔ لہذا ہر آدمی آئے اور سلطان کی سخاوت سے لطف اندوز ہو۔ لوگوں نے آنا شروع کیا اور شاہی تحائف سے بہرہ ور ہونے لگے۔ بادشاہ عطار کے وقت گہری نگاہ سے ہر آدمی کو دیکھتا اور خواب میں دیکھی ہوئی شکلوں کو تلاش کرتا۔ شہر کے ہر صغیر وکبیر، امیر اور فقیر نے شاہی تحائف حاصل کئے، مگر جنکی جستجو تھی وہ شکلیں نظر نہ آئیں، بادشاہ نے پھر اعلان کرایا کہ کوئی اور آدمی رہ گیا ہو تو اسے بھی بلایا جائے۔ لوگوں نے کہا سب آدمی آچکے ہیں، کوئی باقی نہیں رہا۔

بہت زیادہ غور وخوض اور سوچ بچار کے بعد معلوم ہوا کہ دو مغربی آدمی جو بڑے متقی، پرہیز گار، تارک الدنیا اور گوشہ نشین ہیں وہ نہیں آئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اُنھیں بھی بلایا جائے۔ لوگ کہنے لگے، بادشاہ سلامت! وہ تو بڑے مستغنی ہیں اُنھیں کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں، وہ تو خود بے دریغ صدقات وخیرات کرکے ہر آدمی کو نوازتے رہتے ہیں اور دن رات عبادت میں مصروف ومشغول رہتے ہیں، اسی وجہ سے وہ یہاں نہیں آئے۔

لیکن شاہی فرمان کے باعث اُنھیں بادشاہ کے روبرو پیش کرنا ہی پڑا۔ بادشاہ نے اُنھیں ایک نظر دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہی دو آدمی خواب میں دکھلائے گئے تھے بادشاہ نے اُن سے دریافت کیا کہ تم کون ہو اور کہاں کے رہنے والے ہو؟ تو اُنھوں نے بتایا کہ ہم مغربی لوگ ہیں، حج کو آئے تھے، حج سے فراغت کے بعد مدینہ طیبہ زیارت نبوی کو حاضر ہوئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں رہنے کی تمنا اور شوق نے یہیں کا کردیا۔ بادشاہ نے اُنکی قیام گاہ دریافت کی۔ بتایا گیا کہ وہ روضۂ انور کے قریب ہی ایک رباط میں مقیم ہیں۔ انھیں وہیں ٹھہرنے کا حکم دے کر بادشاہ انکی قیام گاہ پر گیا۔ تلاش بسیار اور تجسس کے باوجود مال ومتاع اور چند کتابوں کے سوا کوئی

مشتبہ چیز نظر نہ آئی، جس سے خواب کی تعبیر پایۂ تکمیل کو پہنچتی۔

بادشاہ کی پریشانی اور فکر ہر گھڑی بڑھتا جارہا تھا۔ ادھر اہالیان مدینہ اِن مشتبہ افراد کی سفارش کے لئے جمع ہورہے تھے کہ یہ بے گناہ ہیں، اِنھیں عبادت وریاضت سے فرصت کہاں۔ دن بھر روزہ رکھنا، ہر نماز ریاض الجنۃ میں ادا کرنا، روزانہ جنت البقیع کی زیارت اور ہر شنبہ کو مسجد قبا پابندی سے جانا، اِن کے معمولات میں شامل ہے، انکی فیاضی کی کوئی انتہا نہیں، سال رواں میں قحط کے باعث اہل مدینہ کے ساتھ بیحد ہمدردی اور غمگساری کا برتاؤ کیا، بڑی فراخدلی سے روپیہ پیسہ خیرات کیا۔

ایسی باتوں نے بادشاہ کے تفکرات میں اور بھی ہیجان پیدا کردیا۔ بادشاہ پریشانی کے عالم میں کہتا ہے۔ بارخدایا! سمجھ میں نہیں آرہا، کیا معاملہ ہے۔ دفعتًہ بادشاہ کو خیال آیا کہ اُن کے مصلیٰ والی جگہ دیکھی جائے۔ ایک بوریے پر بچھا ہوا مصلیٰ اُلٹا، تو ایک پتھر نظر آیا، جب پتھر ہٹایا گیا تو سرنگ نمودار ہوئی جو بہت گہری اور بہت دور قبر اطہر تک پہنچی ہوئی تھی۔ ع سمجھے تھے جسے رہبر وہی رہزن نکلا

بادشاہ نے اُنھیں ڈرا دھمکا کر اِس مذموم حرکت کا سبب دریافت کیا، چارو ناچار اُنھیں حقیقت کا انکشاف کرنا ہی پڑا، اور اُس راز کو بھی افشار کرنا پڑا جس کے پس پردہ عیسائیت ایک منحوس خواب دیکھ رہی تھی۔ اُنھوں نے بتایا کہ وہ دونوں عیسائی ہیں اور عیسائی بادشاہوں نے بے پناہ مال و دولت اور زر کثیر دے کر اِس لئے بھیجا کہ کسی طرح حجرۂ مقدسہ میں داخل ہوکر سید کائنات رحمت موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد عنبریں کے ساتھ گستاخانہ حرکت کریں اور نکال کرلے جائیں۔ ہم رات بھر کھدائی کرتے اور مشکوں میں مٹی بھر کر رات ہی میں بقیع کے مضافات میں ڈال دیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جس رات یہ نقب زن قبر اطہر

کے قریب پہنچنے والے تھے اُس رات سخت بارش ہوئی اور گرج وچمک سے زبردست زلزلہ آیا اور تیز وتند جھکڑ چل رہے تھے۔

سلطان نورالدین اُن کی ایمان سوز باتیں سن کر آتش غضب سے بھڑک اٹھا اور اُنھیں عبرتناک سزا کا حکم دیا۔ لیکن بادشاہ کی طبیعت میں غیظ وغضب کی شدت کے باوجود ایک عجیب رقت انگیز کیفیت بھی طاری تھی کہ اللہ جل جلالہٗ اور مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس خدمت جلیلہ پر مجھے مامور فرمایا۔

بالآخر اُنھیں قتل کر کے کیفر کردار تک پہنچایا۔ اُسی شام لوگوں نے ان کی منحوس لاشوں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ كَذَالِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْكَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

ان دونوں کو ٹھکانے لگانے کے بعد سلطان موصوف نے حجرۂ منیفہ کے چاروں طرف شکست وریخت سے محفوظ ایسی مضبوط دیوار بنوائی جس کی بنیادیں پانی تک گہری کھود کر سیسہ پلائی ہوئی دیوار سطح زمین تک بنا دی، اُس پر مسجد کی چھت تک دیوار بنوائی جس میں دروازہ نہیں رکھا، تاکہ قبور مقدسہ زمانہ کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہیں۔

علامہ سمہودی (المتوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں کہ مذکورہ اشخاص اندلس کے باشندے تھے اور دار آل عمر بن خطاب کے قریب سے نقب لگائی تھی، جبکہ دار آل عمر روضہ مقدسہ کے جنوب مشرق میں واقع تھا۔ (تاریخ المدینۃ المنورہ ص۵۶۳ بحوالہ وفاء الوفاء ص۶۴۸/۱ مؤلفہ محمد عبدالمعبود)

وفات

۱۱ شوال ۵۶۹ھ مطابق ۱۵ مئی ۱۱۷۴ء میں مرض خناق میں مبتلا ہو کر دمشق میں وفات ہوئی اور قلعہ میں مدفون ہوئے۔ نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهٗ۔

(شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا ص۱۵۳۳)

حضرت حافظ ابن العساکرؒ المتوفی سنہ ۵۷۱ھ

نام ونسب نام علی، والد کا نام حسن، دادا کا نام ہبۃ اللہ، کنیت ابوالقاسم ہے۔

ولادت محرم الحرام کے شروع میں سنہ ۴۹۹ھ میں ولادت ہوئی۔ (سیر اعلام النبلاء ص۵۵۴ ج۲۰)

فضل وکمال آپ اپنے عہد کے علامہ اور حدیث کے حافظوں میں سب سے بڑے اور شام کے محدث اور ثقہ تھے۔

آپ مسلکاً شافعی تھے۔ آپ کے علوم کے مقابلہ میں اُسوقت کے علماء آپ کے محتاج تھے۔ آپ کی تصانیف میں سے "تاریخ شام" اسّی جلدوں میں ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کے علم کا اندازہ ہوتا ہے۔ (طبقات الشافعیہ ص۱۳۷ ج۴)

تعلیم وتربیت آپ کے شیوخ کی تعداد تیرہ سو (۱۳۰۰) ہے۔ یہ تعداد دوسرے علماء کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

آپ نے تحصیل علم کے لئے عراق، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور اس کے علاوہ بہت سے بلادِ عجم کا سفر کیا، جن میں اصبہان، نیشاپور، مرو اور تبریز وغیرہ شامل ہیں۔

آپ نے فقہ اپنی ابتدائی عمر میں دمشق میں فقیہ ابوالحسن السلمی سے حاصل کیا، اور آپ نے بغداد میں داخل ہونے کے بعد فقہ کو لازم کرلیا

اور مدرسہ نظامیہ میں آپ نے سماعت کی۔

اہتمام عبادت

آپ نے ساری عمر نماز باجماعت کی پابندی کی اور برابر قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تھے، اور اسی طرح نوافل واذکار بہت زیادہ کرتے تھے اور شب و روز ذکر اللہ میں مشغول رہتے تھے۔ (طبقات شافعیہ صـ ۱۳۷ ج ۴)

ف: سبحان اللہ، اتنے بڑے علمی مقام کے باوجود اتنی عبادت آپ کے لئے توفیقِ الٰہی اور آپ کی خاص کرامت تھی۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَاہُ۔ (مرتب)

آپ ہفتہ میں ایک قرآن کریم ختم فرماتے تھے اور ماہ رمضان المبارک میں ہر روز ایک قرآن ختم فرماتے، اور آپ منارہ شرقیہ میں اعتکاف کرتے اور اپنے اُن اوقات کا محاسبہ کرتے جو بغیر عبادت کے گزرتے تھے۔

اور آپ مناصب، امامت اور خطابت سے اعراض کرنیوالے تھے اور امراء کیطرف رُخ کرنیوالے نہ تھے۔ آپنے اپنے کو پوری طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیلئے وقف کردیا تھا اور اسمیں آپنے کبھی کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت کی پرواہ نہ کی۔

آپ فرماتے ہیں کہ جب میں نے احادیث نبویہ کو بیان کرنے کا ارادہ کیا تو میرا ارادہ کبھی حبِ جاہ اور حبِ منصب کیلئے نہ تھا۔ (سیر اعلام النبلاء) ابو محمد کہتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ سے چار حفاظ کے بارے میں پوچھا کہ انمیں سب سے افضل کون ہے؟ تو انھوں نے اس ترتیب سے شمار کرایا ۱۔ ابن العساکر، ۲۔ ابن ناصر، ۳۔ ابو العلاء ۴۔ ابو طاہر۔ (طبقات شافعیہ صـ ۱۳۷ ج ۴)

وفات

آپکی وفات ماہ رجب ۵۷۱ھ گیارہویں شب میں ہوئی، آپ کی نماز جنازہ قطب نیشاپوری نے پڑھائی، اور آپکی نماز جنازہ میں سلطان صلاح الدین بھی حاضر ہوا۔ اور آپ اپنے والد کے بغل میں قبرستان باب الصغیر میں مدفون ہوئے۔ (سیر اعلام النبلاء صـ ۵۵۴ ج ۲۰)

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ المتوفیٰ ۵۷۵ھ

نام ونسب نام عبدالخالق، والد کا نام عبدالجمیل، آپ کی والدہ سلطان روم کی نسل سے تھیں۔

ولادت بخارا سے قریب قصبہ غجدوان میں آپ کی ولادت ہوئی۔

فضل وکمال آپ صوفیہ کے روشن طریقہ میں حجت اور تمام مسالک صوفیہ میں مقبولیت رکھتے تھے۔ اور آپ صدق وصفا کی راہ میں سنت نبویؐ پر عمل کرتے رہے اور بدعات کی سخت مخالفت کرتے رہے۔

حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات آپ کو ذکر قلبی کا سبق حضرت خضر علیہ السلام سے حاصل ہوا تھا اور اُس سبق پر ہمیشہ ہمیش عمل پیرا رہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے آپ کو اپنی فرزندی میں قبول کر لیا تھا اور آپ کو حکم دیا کہ پانی بھرے حوض میں غوطہ لگاؤ اور دل سے کہو لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ، مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ آپ نے تعمیل حکم کیا، جس کی وجہ سے آپ پر بہت سے انکشافات ہوئے۔ اور شروع سے آخر تک آپ لوگوں کے درمیان مقبول رہے۔ (نفحات الانس ص۶۱۳)

بیعت وخلافت حضرت عبدالخالق غجدوانیؒ کو انتساب حضرت خواجہ ابو یوسف ہمدانیؒ سے ہے۔ اُن کی صحبت میں رہ کر فوائد کثیرہ اخذ کئے اور اُنہی سے خلافت پائی۔ خواجہ ابو یوسف ہمدانیؒ کے بخارا سے روانہ ہونے کے بعد خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ سخت ریاضت میں مشغول ہو گئے اور اپنے حالات کو

چھپائے رکھا۔ مملکت شام میں بہت سے لوگ آپ کے حلقۂ ارادت وبعیت میں داخل ہو گئے تھے اور آپ کا آستانہ خانقاہ بن گیا تھا۔

پاس انفاس کی حقیقت

سید مرتضٰے زبیدی نے لکھا ہے کہ خواجہ عبدالخالق غجدوانی ؒ نے اثنائے ذکر اور مراقبہ میں پاس انفاس کا اضافہ کیا ہے۔ اور آپ نے اس کو اپنے طریقت کے باب میں اصل اور اساس قرار دیا ہے اور فرمایا کہ سالک کو اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ وہ اپنے دونوں نفسوں (سانسوں) کی پوری پوری حفاظت کرے، یہاں تک کہ اُس کی کوئی سانس غفلت سے نہ اندر جائے اور نہ غفلت سے باہر آئے۔ اور آپ نے فرمایا کہ میں نے اس طریقہ کو حضرت خضر علیہ السلام سے حاصل کیا ہے۔ ابتدائے سلوک میں حضرت خضر علیہ السلام اُن کے پاس تشریف لائے اور پاس انفاس کی ان کو تعلیم دی۔ آدمی اس عمل سے بہت کم مدت میں اپنے مقصود کو پہنچ جاتا ہے۔ چنانچہ یہ طریقہ بعد میں آنے والوں کے لئے زیادتِ حسنہ بن گئی۔ پاس انفاس کا سب سے بڑا مقصد وقت کی رعایت ہے۔ بلاشبہ وقت ہی زندگانی کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔ اگر وقت ضائع ہو جائے تو اُس کا تدارک ممکن نہیں۔

نیز آپ نے فرمایا: اصحابِ طریقت نے فرمایا ہے کہ اغیار کے خطرات اور وساوس مختلف الوان واشکال کے دیکھنے اور مختلف النوع کتابوں کے مطالعہ اور ہر قسم کی مجلسوں میں شرکت کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے آدمی کو کچھ مدت تک اغیار سے دور ہو کر کسی شیخ کامل کی صحبت میں رہنا چاہئے۔ تاکہ اُس کی برکت سے اُس کی جمعیت میں ملکۂ حضور پیدا ہو، پھر اسکو رضا وتسلیم حاصل ہو۔ بیشک رضا وتسلیم ہی عبودیت وبندگی کا آخری مقام

اور جذب وسلوک کا منتہائے کمال اور معراج ہے۔ اِسی کو صوفیۂ کرام نے بطور خلاصہ کے بیان فرمایا ہے:۔

کلمات نقشبندیہ جن پر اس طریقہ کی بنا ہے

یہ کُل کلمات گیارہ ہیں۔ جن میں اوّل آٹھ خواجہ عبدالخالق سے اور تین اخیر کے خواجہ بہاء الدین نقشبند سے منقول ہیں۔ وھوھٰذا:۔

(۱) **ہوش در دم**: یعنی ہوشیار رہنا سالک کا ہر نفس میں کہ بیدار ہے یا غافل۔

(۲) **نظر بر قدم**: یعنی سالک کو چاہیئے کہ راہ چلنے میں نظر کو اپنے قدم گاہ سے تجاوز نہ کرے۔ اور وقت نشست نظر کو روبرو رکھے۔ راست و چپ (داہنے بائیں) نہ دیکھے۔ کہ موجب فساد عظیم و مانع حصولِ مقصود ہے۔

(۳) **سفر در وطن**: یعنی سالک کا صفات بشریہ خبیثہ سے صفات ملکیہ کی جانب انتقال کرنا۔

(۴) **خلوت در انجمن**: اس سے مراد یہ ہے کہ سالک تمام اوقات خلوت وجلوت میں نیز کھانے پینے، چلنے پھرنے، بات چیت کرنے میں اپنا قلب اللہ تعالیٰ سے مشغول رکھے۔

(۵) **یاد کرد**: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے کہ ہر وقت اس میں مشغول رہے۔

(۶) **بازگشت**: اس سے مراد یہ ہے کہ چند بار ذکر کرکے بکمال تضرع یہ دعا کرے کہ ؎

الٰہی! مقصود من توئی و رضائے تو ۔۔۔ محبت و معرفت خود بدہ

ترجمہ: الٰہی! مقصود میرا تو ہے اور رضا تیری۔ اپنی محبت و معرفت مجھ کو عطا فرما۔

(۷) **نگہداشت**: اس سے مراد خطرات اور حدیث نفس کا قلب سے

دور کرنا ہے۔

(۸) **یادداشت :** اس سے مراد یہ ہے کہ توجہ سالک حق سبحانہٗ کی ذات بیچون وبیچگوں کی طرف بغیر الفاظ وخیال کے ہو۔

(۹) **وقوف زمانی وہوش دردم :** ایک ہی چیز ہے۔

(۱۰) **وقوف عددی :** اس سے مراد ذکر میں سانس چھوڑتے وقت عدد طاق کا لحاظ رکھنا ہے۔

(۱۱) **وقوف قلبی :** اس سے مراد توجہ سالک بجانبِ قلب ہے کہ زیرِ پستانِ چپ واقع ہے۔

ف : سبحان اللہ، یہ کلمات طیبات جن پر طریقۂ نقشبندیہ کی بناء ہے کیا ہی خوب ہیں۔ پس ان پر عمل کرنا کیوں نہ خیرات وبرکات کا موجب اور وصالِ حق کا مثمر ہوگا۔

نصائح

منقول ہے کہ ایک روز حضرت خواجہؒ نے اپنے فرزند خواجہ اولیائے کبیر قدس سرہٗ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر وصیت فرمائی :-

"اے فرزند! تجھ کو وصیت کرتا ہوں کہ تقویٰ کو اپنا شعار بنانا۔ وظائف اور عبادت کی ملازمت رکھنا۔ اپنے احوال کا مراقبہ کرتے رہنا۔ اللہ تعالےٰ سے ڈرتے رہنا۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا حق ادا کرنا۔ والدین کے حق کا بھی خیال رکھنا۔ کہ ان خصلتوں سے اللہ تعالےٰ کے وصال سے مشرف ہوگے۔ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرنا تاکہ وہ تیرا محافظ رہے۔ قرآن مجید خواہ یاد سے یا دیکھ کر پڑھنے کو لازم رکھنا۔

قرآن مجید کو تفکر و تدبر اور حزن و گریہ کے ساتھ پڑھنا۔ طلبِ علم سے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹنا۔ علم فقہ اور حدیث پڑھنا۔ جاہل صوفیوں سے پرہیز کرنا۔ عوام الناس سے دور رہنا، کہ یہ راہِ دین کے دُزد ہیں اور مسلمانوں کے راہزن۔ ملازمتِ سنت و جماعت کرنا۔ ائمۂ سلف کے مذہب پر رہنا، کہ جو کچھ محدَث ہے گمراہی ہے۔ جوانوں اور عورتوں اور امردوں اور اہل بدعت سے صحبت مت رکھنا، کہ تیرا دین برباد کریں گے۔ دو گرہ روٹی پر راضی رہنا، اگر کسی سے صحبت رکھے تو فقیروں سے رکھنا۔ خلوت اختیار رکھنا۔ حلال کھانا کہ حلال مفتاح خیر ہے۔ حرام سے بچنا، کہ حق تعالےٰ سے دور ہو جائیگا۔ اسی پر رہنا، کہ کل قیامت کو دوزخ میں نہ جلے۔ حلال پہننا، کہ عبادت میں حلاوت پائے۔ نماز رات دن میں بہت گزارنا۔ جماعت ترک نہ کرنا۔ امام و مؤذن نہ ہونا، دستاویزوں پر اپنا نام نہ لکھنا۔ قاضیوں کی کچہری میں حاضر نہ ہونا۔ لوگوں کی وصیت کے درمیان نہ گزرنا۔ آدمیوں سے اِس طرح بھاگنا جس طرح شیر سے بھاگتے ہیں کوشش کرنا کہ گمنام رہے، تاکہ دین خراب نہ ہو۔ سفر کرنا، کہ نفس کو ذلت ہو۔ خانقاہ میں نہ بیٹھنا اور نہ خانقاہ بنانا۔ کسی کے برائی کرنے سے غمگین نہ ہونا۔ کسی کی مدح سے مغرور نہ ہونا۔ لوگوں سے حسن سلوک کے ساتھ معاملہ کرنا۔ ہر حال میں نیک ہو یا بد با ادب رہنا۔ تمام خلائق پر مرحمت کرنا۔ قہقہہ مار کر نہ ہنسنا کہ قہقہہ غفلت سے ہوتا ہے اور دل کو مردہ کرتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کچھ مجھے معلوم ہے اگر تم کو معلوم ہو جائے تو تم تھوڑا ہنسو اور بہت روؤ۔

اللہ تعالےٰ کے عذاب سے بے خوف نہ ہونا۔ اللہ تعالےٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ درمیان خوف و رجاء کے زندگانی کرنا، کہ سالکوں کا یہی مقام ہوتا ہے

کبھی خوف اور کبھی رجاء۔ (حالات مشائخ نقشبند ص۱۱۵)

اس کے علاوہ بھی بہت سے ارشادات مذکور ہیں، بغرض اختصار ہم ان کو حذف کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام ہدایات پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ وما توفیقی اِلّا باللہ۔ (مرتب)

فراستِ شیخ

ایامِ عاشورا میں ایک بڑی جماعت آپ کی خدمت میں بیٹھی ہوئی تھی اور آپ معرفت کی باتیں فرما رہے تھے کہ اچانک ایک جوان زاہدوں کی شکل میں بدن پر گدڑی اور کندھے پر سجادہ رکھے ہوئے ظاہر ہوا۔ اور ایک گوشہ میں آکر بیٹھ گیا۔ حضرت خواجہؒ نے اس کی طرف نظر فرمایا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ جوان اٹھا اور کہا کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ زُنّار کو توڑ ڈالو اور دولت ایمان سے مشرف ہو جاؤ۔ یہ سن کر اس جوان نے کہا کہ معاذ اللہ مجھ سے زُنّار سے کیا تعلق؟ خواجہ نے اپنے خادم کو اشارہ فرمایا تو خادم نے اس کے خرقہ کو اتار دیا جس کی وجہ سے اس کا زُنّار ظاہر ہو گیا۔ تو اس جوان نے فوراً ہی اس زُنّار کو توڑ دیا اور مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد خواجہ نے ارشاد فرمایا کہ اے یارو آؤ! تاکہ ہم لوگ بھی اس نومسلم نوجوان کی طرح اپنے زُنّار کو توڑ ڈالیں اور ایمان لے آئیں، جس طرح اس نے زُنّار ظاہری کو توڑا ہے

عہ اتقوا الخ یعنی مومن کی فراست سے ڈرو، اس لئے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

ہم لوگ اپنے زُنّار باطن کو (جس سے مراد عُجب وغیرہ ہے) توڑ ڈالیں تاکہ جیسے اس کی بخشش ہوگئی ہماری بھی ہو جائے۔ آپ کے اس ارشاد سے حاضرین پر عجیب و غریب حال طاری ہوگیا اور خواجہ کے قدموں پر گر گئے۔

(نفحات الانس ص۶۱۴)

ف: اس موقع پر حضرت الشیخ عبد الخالق غجدوانی رحؒ کی جس طرح ایمانی نور و فراست کا ظہور ہوا، ویسے ہی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں اصلاحی ملکہ و مہارت کا بھی انکشاف ہوا۔ اس لئے کہ شیخ نے یہ سمجھا کہ اس واقعہ سے حاضرین گرویدہ و متأثر ہیں، لہٰذا ان پر نصیحت کا خاص اثر ہوگا۔ پس انھوں نے اُن کو اصلاح باطن کی طرف متوجہ فرمایا اور عُجب، پندار وغیرہ امراض نفس سے نکلنے کی مؤثر انداز میں نصیحت فرمائی، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پند و موعظت کے لئے مناسب موقع کا انتخاب فرماتے تھے، جس کی وجہ سے آپ کی نصیحتوں کا سامعین پر بکمال درجہ اثر ہوتا تھا۔ (مرتب)

ارشادات

خواجہ نے ارشاد فرمایا کہ فنائے نفس اس شخص کو حاصل ہوگا جو اپنے روئے دل کو راہِ حق کی طرف متوجہ کرے اور کتاب اللہ تعالےٰ کو داہنے ہاتھ میں اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو بائیں ہاتھ میں لے، پھر ان دونوں منارۂ نور کی روشنی میں راہ طے کرے، تو اس مقام تک اس کی رسائی ہو گی جو وہم و گمان سے بالاتر ہے۔

ف: دیکھئے جملہ مشائخ وصوفیۂ طریقت کے لئے شریعت کی اتباع کو لازم قرار دے رہے ہیں، اور خود ان کا عمل اور حال بھی اس پر شاہد ہے

اس لئے کہ بغیر عمل اور اتباع سنت کے کوئی شخص ولایت و محبوبیت تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے ارشاد: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ سے اسی راز کو ہویدا فرمایا ہے۔ لہذا ان حضرات پہ اعتراض و انکار سے احتراز کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ ع

بے ادب محروم گشت از فضل رب (مرتب)

آپ سے سوال کیا گیا کہ سالک پر شیطان کو قابو ہوتا ہے یا نہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ شیطان کو اُس سالک پر قابو حاصل ہوتا ہے جو فنا رنفس کی حد تک نہ پہنچا ہو۔ اور جو اس حد تک پہنچ گیا ہو، اُس پر شیطان قابو نہیں پاتا۔ اس وجہ سے کہ ایسے سالک کو غصہ نہیں آتا، بلکہ اس کو غیرت ہوتی ہے۔ اور جہاں غیرت ہوتی ہے، شیطان وہاں سے بھاگتا ہے۔ اور یہ صفت ایسے شخص کیلئے مسلّم ہے جو اللہ تعالےٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے، اُس کے داہنے ہاتھ میں کتاب الٰہی ہوتی ہے اور بائیں ہاتھ میں سنتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، اور وہ اِن دونوں روشنیوں میں سفر طے کرتا ہے۔

ف: سبحان اللہ، کیا ہی خوب حقیقت و معرفت کی باتیں ارشاد فرمائیں، فجزاہ اللہ تعالےٰ۔ (مرتب)

ایک مسافر نے آپ سے دعا کی درخواست کی کہ ہمارے لئے ایمان کی دعا فرما دیجئے، تاکہ شیطان کے دامِ فریب سے چھٹکارا مل جائے، تو خواجہ نے فرمایا کہ وعدہ یہ ہے کہ فرض کے ادا کرنے کے بعد ہر شخص کو چاہیئے کہ وہ دعا مانگے۔ اس وجہ سے کہ جب فرض کی ادائیگی کے بعد دعا مانگی جاتی ہے تو وہ مقبول ہوتی ہے۔ لہذا تم فرائض کے بعد ہم کو دعائے خیر سے یاد کرو، اور ہم تم کو یاد کیا کریں گے۔ شاید اِس

دوران دعا کا اثر تمھارے حق میں اور ہمارے حق میں ظاہر ہو جائے۔ (نفحات الانس ص۴۱۷)

ف: سبحان اللہ، حضرت شیخ خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مسافر کے سوال کا جواب کیسے دلپذیر انداز میں دیا اور دعا کی قبولیت کی کیسی عمدہ اور آسان تدبیر بیان فرمائی جو ہم سب کیلئے قابل عمل ہے۔ آپ کے ارشاد سے واضح ہوا کہ فرض نمازوں کے بعد دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اس لئے امام یا کسی بھی ایسے شخص سے ایسی بات سرزد نہ ہونی چاہیئے جو نمازیوں کے دعا، یا مسبوق کی ادائے نماز میں خلل انداز ہو۔ مثلاً امام کا بالجہر دعا کرنا جس کو عموماً مقتدی سمجھتے بھی نہیں۔ اسی طرح ایسا طویل اعلان جو دعا، یا نماز مسبوق میں حارج ہو۔ مگر افسوس کہ اس زمانہ میں عموماً خواص کو بھی اسکی طرف توجہ نہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو حدود شرع کے اندر رہنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (مرتب)

وفات

آپ کی وفات ۱۲ ربیع الاول ۵۷۵ھ میں قصبہ غجدوان میں ہوئی رحمہ اللہ تعالیٰ و نور اللہ مرقدہ۔ (تذکرہ مشائخ نقشبند ص۷۵)

حضرت سیدنا احمد کبیر رفاعیؒ المتوفی ۵۷۸ھ

نام ونسب نام احمد کبیر، کنیت ابو العباس، لقب محی الدین، والد کا نام سلطان علی اور کنیت ابو الحسین ہے۔

آپ نسباً حسینی ہیں، مسلکاً شافعی ہیں۔ اور رفاعی اس وجہ سے کہلاتے ہیں کہ آپ عرب کے ایک مشہور قبیلہ بنو رفاعہ کیطرف منسوب ہیں۔

ولادت آپ کی ولادت ۱۵ رجب المرجب ۵۱۲ھ میں ام عبیدہ کے قصبہ حسن میں ہوئی جو واسط و بصرہ کے درمیان واقع ہے۔ آپ کے والد ماجد نے خطۂ عرب سے نکل کر ام عبیدہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

بشارت نبوی حضرت سید احمد کبیر صاحب رفاعیؒ کی پیدائش سے قبل ہی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے ماموں شیخ وقت حضرت باز اشہب منصور بطائحی نوّر اللہ مرقدہٗ کو آپ کی پیدائش کی بشارت سنا دی تھی۔ پیدائش سے چالیس دن پہلے ایک رات شیخ منصورؒ نے سرکار دو عالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تھا کہ آپؐ فرماتے ہیں کہ اے منصور! چالیس دن کے بعد تیری بہن کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا اس کا نام احمد رکھنا۔ اولیاء کرام میں وہ ایسا ہی سردار ہوگا جس طرح کہ میں انبیاء کا سردار ہوں۔ اور جب وہ ہوشیار ہو جائے تو تعلیم کے واسطے شیخ علی قاری واسطی کے پاس بھیج دینا، اور اس کی تربیت سے غفلت نہ برتنا۔ اس خواب کے پورے چالیس دن بعد آپ مقام حسن میں پیدا ہوئے اور سات

سال تک وہیں اپنے شفیق والدین کے سایۂ عاطفت میں گزارے۔ آپ کی عمر مبارک کا ساتواں سال تھا کہ آپ کے والد ماجد حضرت سید علی رح کسی ضرورت سے بغداد کی طرف سفر میں گئے اور وہاں اُن کا انتقال ہوگیا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ

تعلیم و تربیت شفیق باپ کے وصال کے بعد بظاہر آپ کی تعلیم و تربیت کا کوئی سہارا نہ تھا، اِس وجہ سے آپ کے ماموں حضرت باز الاشہب شیخ منصور بطائحی قدس سرہٗ نے آپ کو مع آپ کی والدہ محترمہ کے اپنے پاس بلالیا، اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے موافق تعلیم و تربیت کی طرف پوری توجہ کی۔ قرآن پاک تو آپ نے مقام حسن میں ہی شیخ عبد السمیع الحربونی کے پاس حفظ کرلیا تھا۔ کچھ دن کے بعد حضرت شیخ منصور نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے موافق واسطہ میں زبدۃ العلماء شیخ علی ابوالفضل قاری واسطی کی خدمت میں تحصیل علم کے واسطے آپ کو بھیج دیا۔ شیخ علی واسطی نے بھی آپ کی تعلیم و تربیت میں خاص توجہ سے سعی کی۔

حضرت سید احمد کبیر صاحب رح رفاعی قدس اللہ سرہٗ میں بچپن سے ہی صلاحیت وسعادت مندی اور زہد و اتقار کے آثار پائے جاتے تھے۔ بقول سعدی رح ؎

بالائے سرش زہوشمندی می تافت ستارۂ سربلندی

چنانچہ آپ کی محترمہ ہمشیرہ سیدہ صالحہ جو نہایت عابدہ زاہدہ اور پرہیزگار خاتون تھیں، وہ فرماتی ہیں کہ: سید احمد جس وقت شیرخوار تھے تو رمضان کے مہینہ میں کبھی دن میں دودھ نہ پیتے تھے۔ چنانچہ اوّل اوّل تو یہ خیال کیا کہ شاید اس مرضعہ (دودھ پلانے والی) کا دودھ کسی وجہ سے نہ پیا ہو، دوسری عورت

کو دیا، آپنے اس کا دودھ بھی نہ پیا۔ اسی طرح چند عورتوں نے دودھ پلانے کی کوشش کی، مگر آپ نے کسی کا بھی دودھ نہ پیا۔ ہاں مغرب کے بعد آپ دودھ پیتے تھے۔ جب ذرا ہوشیار ہوئے تو کھیل کود کی طرف بھی بالکل توجہ نہ تھی، اسی سبب سے بہت تھوڑی مدت میں قرآن مجید حفظ کرلیا تھا، اور جب آپ تحصیل علم کے لئے واسطہ گئے تو وہاں بھی ایسی محنت اور توجہ سے پڑھا کہ بیس سال کی عمر میں آپ نے تمام علوم عقلیہ اور نقلیہ یعنی حدیث، تفسیر، فقہ، معانی، منطق، فلسفہ وغیرہ غرض تمام فنون مروجہ کی تکمیل کرلی اور آپ کے استاذ محترم نے آپ کو حدیث شریف اور دیگر علوم کی سند اور اجازت عطا کی، آپ شیخ علی واسطی کے علاوہ حضرت شیخ ابو بکر واسطی اور شیخ عبد الملک الحربونی کے درس میں بھی شریک ہوتے تھے، جو اُس زمانہ کے علماء میں نہایت باکمال مشہور تھے اور اپنے علم و فضل کی وجہ سے مرجع خلائق تھے۔ غرض جب حضرت سید صاحبؒ نے علوم دینیہ کی تکمیل کرلی اور آپ کے اساتذہ نے سند اور اجازت عطا فرمادی، تو آپ نے بھی وہاں ہی سلسلۂ تدریس شروع کردیا، اور ساتھ ہی اپنے ماموں صاحب شیخ باز الاشہب منصور بطائحی قدس سرہ سے علوم باطنیہ کی تحصیل بھی شروع کردی۔ لطف خداوندی اور مناسبت طبعی کی وجہ سے آپ نے اس فن شریف یعنی علوم باطنیہ میں بھی بہت جلد کمال حاصل کرلیا۔

اِدھر تو علوم ظاہری میں آپ کی خداداد قابلیت اور ذکاوت کی وجہ سے آپ کا شہرہ ہوا اور بڑے بڑے علماء و فضلاء آپ کے درس میں استفادہ کے لئے حاضر ہونے لگے۔ اور اُدھر جب آپ نے نصاب طریقت اور سلوک

ومعرفت کے مدارج عالیہ کو طے کرلیا اور آپ کے زہد و اتقاء اور پارسائی کا خاص و عام میں شہرہ ہوگیا۔ اور آپ کے ماموں صاحبؒ نے خرقۂ سجادگی پہنا کر خانقاہ ام عبیدہ میں آپ کو بلالیا تاکہ آپ وہاں رہ کر لوگوں کو ہدایت و رہنمائی کریں اور اپنے علوم ظاہری و باطنی سے لوگوں کو فائدہ پہنچائیں، پھر تو آپ سے استفادہ کے لئے خلق اللہ ٹوٹ پڑی اور خانقاہِ ام عبیدہ میں سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں علماء و فقراء تحصیل علم و تزکیۂ باطن کے لئے رہنے لگے۔ خانقاہ مبارک میں جتنے آدمی رہتے تھے سب کے کھانے پینے کا انتظام آپ ہی کی طرف سے ہوتا تھا تاکہ سالکین اور طلبہ فارغ قلب اور اطمینان سے حصولِ مقصد میں لگے رہیں، اور فکرِ معاش میں مبتلا ہو کر ذکرِ خداوندی سے غافل نہ ہوں۔

خانقاہ کا حال بعض مستند اور ثقہ اہل علم بیان کرتے ہیں کہ بعض بعض ایام میں ہم نے دیکھا کہ دس ہزار آدمیوں کا مجمع خانقاہ میں تھا اور سب کی مہمانی آپ کے لنگر خانہ سے ہوتی تھی۔ علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں آپ کی خدمت اقدس میں ۱۵ شعبان کو حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ اُس دن خانقاہ ام عبیدہ میں تقریباً ایک لاکھ آدمی جمع تھے اور سب کے قیام و طعام کا انتظام سید صاحبؒ کی جانب سے تھا۔ آپ کے اخلاق و عادات تمام و کمال اخلاق محمدیؐ کا نمونہ تھے۔ عجز و انکسار، تواضع و مسکنت آپ میں حد سے زیادہ تھی چنانچہ آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سلوک و معرفت کے سب طریقوں کو دیکھا اور غور کیا، لیکن تواضع و انکسار سے بہتر کوئی طریقہ نظر نہ آیا، اسواسطے میں نے اُسی کو اپنے واسطے پسند کیا۔ اتباعِ سنت کے آپ خود بھی بہت پابند تھے اور خدام کو بھی تاکید فرماتے تھے۔ دنیا کمانے والے مکار صوفی منش

لوگوں نے جو باتیں خلافِ شرع ایجاد کر رکھی تھیں آپ ہمیشہ ان کو مٹانے کی کوشش فرماتے اور ایسے لوگوں سے نفرت کرتے تھے۔ لباس اور طعام میں سادگی کو پسند فرماتے تھے، دنیاوی تکلفات اور سامان تعیش سے نفرت تھی طبیعت میں شرم و حیا بہت غالب تھی، حتیٰ کہ عادت مبارکہ یہ ہوگئی تھی کہ پہنے ہوئے کپڑے جب میلے ہو جاتے تو آپ دریا میں اُتر کر بدن پر ہی کپڑوں کو مل کر صاف کر لیتے اور پھر دھوپ میں کھڑے ہو کر کپڑوں کو سُکھاتے، اور جب تک کپڑے سوکھ نہ جاتے، آپ دھوپ ہی میں کھڑے رہتے۔

خلافت

ابتداءً تو آپ پر عالمانہ کیفیت کا غلبہ تھا اور تعلیم و تعلم ہی آپ کا مشغلہ تھا، مگر اس کے ساتھ آپ اپنے ماموں صاحب شیخ منصور بطائحی سے تصوف اور معرفت کی تحصیل بھی کرتے تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں عرفان وسلوک کے مدارج عالیہ کو طے کر کے عارفِ کامل بن گئے اور حضرت شیخ منصور بطائحیؒ نے ۵۳۹ھ میں اپنے انتقال سے ایک سال پہلے خلافت عطا کر کے خرقہ پہنا دیا اور خانقاہِ ام عبیدہ میں آپ کو اپنا جانشین بنا دیا اور مشائخ و سالکین واسطہ اردق اور بصرہ وغیرہ کو آپ نے ہدایت کی کہ آئندہ وہ حضرت سید احمد رفاعی سے رجوع کریں، اور اُنہی کو اپنا شیخ سمجھ کر استفادہ کریں۔ اس سے ایک سال بعد ۵۴۰ھ میں جب شیخ منصور کا وصال ہوا ہے تو آپ کی عمر اُس وقت اٹھائیس سال تھی۔ اُس کے بعد تو آپ کے فضل و کمال اور اتقاء و ریاضت کا اِس قدر شہرہ ہوا کہ دور دور سے لوگ رشد و ہدایت کی تلاش میں آپ کی خدمت میں آتے اور آپ کے حلقہ عقیدت میں شامل ہو کر کامیاب اور بامراد جاتے۔

آپ کے خلفاء کی کثرت

علامہ شیخ ابن مہذب اپنی کتاب "عجائب واسطہ" میں لکھتے ہیں کہ آپ کی آخر عمر میں آپ کے خلفاء کی تعداد اسّی ہزار ایک سو تھی۔ عراق کا کوئی شہر ایسا نہ تھا جہاں آپ کے دو چار خلیفہ نہ ہوں۔ اور عقیدت مند مریدوں کا تو کوئی شمار نہ تھا۔

تذکرہ "البنیان المشید"

اگرچہ آپ علوم شریعت و طریقت میں کامل و ماہر تھے اور شان علمیت کا غلبہ بھی تھا، لیکن تصنیف و تالیف کی طرف خاص توجہ نہ تھی، البتہ اکثر خاص مجالس میں اور کبھی مساجد میں وعظ فرماتے تھے، یا روزمرہ کی گفتگو میں خلفاء کو نصائح فرماتے تھے تو آپ کی اجازت یا ایماء سے آپ کے خدام اس کو قلمبند کر لیتے۔ اس طرح چند کتابیں آپ کی تصنیف سے مشہور اور موسوم ہیں، جنکے نام یہ ہیں۔ "مجالس الاحمدیہ، کتاب الحکم، آثار النافعہ، الحکم الساطعۃ، البرہان المؤید۔ آخر الذکر کتاب کا ترجمہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح کے بھانجے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے "البنیان المشید" کے نام سے کیا ہے جس کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ عالمانہ نصائح اور صوفیانہ حقائق اور معارف کا ایک بیش قیمت خزانہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ علم شریعت و طریقت کے جامع تھے، آپ سے بہت سی عجیب باتیں بطور کرامت صادر ہوئیں جن سے آپ کے علوِ مرتبت اور تقرب الی اللہ کا حال معلوم ہوتا ہے۔

(البنیان المشید ص۲۶)

اہل علم اور اہل بصیرت کی شہادت

آپ کے ہمعصر ولی کامل صاحب سلسلہ شیخ حضرت سیدنا

عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ نے حضرت رفاعی رحؒ کی شان میں اپنے مریدوں سے ارشاد فرمایا تھا کہ :۔

اِنّ للہ عبدًا متمکنا فی مقام عبدیتہ یمحو اسم مریدہ من دیوان الاشقیاء ویکتبہ فی دیوان السعداء۔	اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ ہے جو مقام عبدیت پر متمکن ہے، اپنے مریدین کا نام بدبختوں کی فہرست سے مٹا کر سعادتمندوں نصیبہ وروں کی فہرست میں لکھ دیتا ہے

آپ کے معاصر صاحب نسبت شیوخ آپ سے بہت محبت کرتے تھے اور اپنی مجلسوں میں آپ کا تذکرہ کرتے تھے۔ آپ کے معصر بزرگ شیخ عبد السمیع ہاشمی واسطی کہتے ہیں :۔

کان السیّد احمد اٰیۃ من اٰیات اللہ و معجزۃ من معجزات رسول اللہ۔	سید احمد اللہ پاک کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ تھے۔

اصلاحی کارنامے

فرماتے تھے، اپنی کیمیا اثر صحبت، اپنے شعلۂ محبت، اپنی استقامت، اپنے نفس گرم سے مخلص مریدین میں ایمانی حرارت، گرمیٔ محبت، خلوص، للّٰہیت، جذبۂ اتباع شریعت اور شوقِ آخرت پیدا فرماتے رہے۔ اپنی عزیمت، اپنے علم راسخ، تائید غیبی کے ذریعہ باطل ماحول کا پوری قوت کے ساتھ استیصال فرماتے رہے۔ بیعت و توبہ کا دروازہ آپ نے کھول دیا تھا، لوگ فوج در فوج اطراف عالم سے عہد و میثاق کی تجدید کے لئے آتے اور شرک و کفر نہ کرنے، فسق و فجور، ظلم و جور نہ کرنے، حلال کو حرام حرام کو حلال نہ ٹھہرانے، دین و شریعت میں نت نئی چیزیں پیدا نہ کرنے،

دنیا پر ٹوٹ نہ پڑنے، آخرت کو فراموش نہ کرنے کا وعدہ وعہد لیتے تھے۔ اس طرح تقریباً نصف صدی حضرت رفاعی رحؒ نے اپنی دعوت، اپنے جہاد کو جاری رکھا اور اپنے ماحول سے جس میں ظلم واستبداد، شدید وساوس وشیطانی خطرات، کثیر شطحیات وکفریات اور لغویات کا بازار زوروں پر تھا، برسرِ پیکار رہے۔ یہ آپ کے اخلاص کا اور آپ کے زہد، اور مخلوق کے ساتھ خیر خواہی، دعوت وارشاد کیلئے اپنے کو وقف کر دینے کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ آپ کی کوشش کامیاب اور محنت بارآور ہوئی۔ جہالت ومعاصی سے تائب ہونے والوں کی تعداد یوماً فیوماً بڑھنے لگی۔ اور ہزاروں کی زندگیوں میں انقلاب آیا

اَخلاق حَسَنَة

بچوں سے سلام میں پہل

آپ کی عادت شریفہ ملنے والوں سے سلام میں پہل کی تھی۔ حضرت رفاعی رحؒ اخلاق کے بہت اچھے تھے۔ آپ کا سینہ مبارک ہر ایک کے لئے کشادہ اور نفس نہایت کریم تھا۔ اپنی جلالتِ شان، علو منزلت اور علامۂ وقت ہونے کے باوجود چھوٹوں کے ساتھ بھی کھڑے ہوتے تھے اور اپنے سے عمر میں بڑے کی بڑی توقیر کرتے تھے۔ اور بلا امتیاز ہر ایک ملنے والے سے سلام میں پہل فرماتے۔ علامہ شعرانی رحؒ لکھتے ہیں:۔

كان يبتدء بالسلام من لقيه۔	ملنے والے سے سلام میں پہل فرماتے تھے

سکوت وقلّت کلام

حضرت سیدنا رفاعی رح کی عادت ہمیشہ صرف ضرورت پر بولنے اور گفتگو فرمانے کی تھی، اکثر خاموش رہتے۔ کلام فرماتے تو اللہ کا ذکر ہوتا، خاموش ہوتے تو گہری سوچ میں ہوتے۔ اور جس چیز پر نظر پڑتی عبرت لیتے۔ علامہ شعرانی رح لکھتے ہیں :۔

کان لا یتکلم الا یسیرا — بہت ہی کم گفتگو فرماتے۔

اپنے اس سکوت کے بارے میں خود فرماتے ہیں کہ :۔

اُمِرْتُ بالسّکوت — مجھے خاموش رہنے کا حکم ہوا ہے۔

جب کبھی آپ کو محسوس ہوتا کہ غیر ضروری یا ضرورت سے زیادہ کلمہ زبان سے نکل گیا ہے تو نہایت افسوس فرماتے۔ اس سلسلہ کا علامہ شعرانی رح ایک واقعہ لکھتے ہیں :۔

مرّ یوما علی صبیان یتخاصمون فخلص بینھم وقال لواحد منھم مَن انت فقال له وایش فضولك فصار یردھا و یقول ادّبتنی یا ولدی جزاك الله خیرًا

آپ کا گزر چند لڑکوں پر ہوا، جو آپس میں لڑ رہے تھے۔ آپ نے معاملہ فیصل فرمایا۔ پھر انہی میں سے ایک لڑکے کو مخاطب کرکے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ اس نے دو ٹوک کہا، کیا فضول باتیں کرتے ہو۔ آپ اس لڑکے کے جواب کو بار بار دہراتے تھے اور فرماتے تھے کہ اے میرے بچے! تو نے مجھے ادب سکھایا اللہ تعالیٰ تجھے جزائے خیر عطا فرمائے۔

(تذکرہ حضرت رفاعی رح ص ۹۱)

(مؤلفہ شاہ سید مصطفیٰ رفاعی ندوی)

ارشادات

فرماتے تھے کہ فقرا سب میں اشرف وافضل ہیں۔ اسلئے کہ مرسلین کی پوشاک، صالحین کی چادر، متقیوں کا تاج، عارفوں کی غنیمت، مریدوں کی آرزو اور رب العالمین کی خوشنودی اور اولیاء اللہ کی کرامت ہیں۔

فرماتے تھے کہ بچپن میں عارف باللہ عبدالملک خرنوتی کی خدمت میں آتا جاتا تھا، تو انھوں نے فرمایا، اے احمد! جو نصیحت تم کو کرتا ہوں اسکو یاد کرلو میں نے کہا فرمائیے۔ تو ارشاد فرمایا کہ اِدھر اُدھر دیکھنے والا واصل نہیں ہوتا اور جس نے اپنی ذات میں نقصان کو نہ پہچانا تو سمجھ لو اس کے تمام اوقات نقصان کے شکار ہیں۔ پس میں وہاں سے نکل کر ایک سال تک اس نصیحت کی تکرار کرتا رہا۔ پھر ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کچھ نصیحت فرمائیے، تو فرمایا، کہ دانشمندوں کے لئے جہالت بہت ہی بری چیز ہے۔ اسی طرح اطبار کیلئے بیماری اور دوستوں کے لئے جفا وزیادتی نہایت مذموم چیز ہے۔ پھر انکی خدمت سے الگ ہو کر سال بھر تک ان کی نصیحت کی تکرار کرتا رہا۔ غرض میں انکی نصائح سے منتفع ہوا۔

فرماتے تھے کہ بھائیوں پر شفقت منجملہ اسباب قرب کے ہے۔ فرماتے تھے کہ جب تم میرے پاس آؤ اور میرے پاس کھانے کی چیز نہ پاؤ تو مجھ سے دعا کی درخواست کیا کرو۔ اس لئے کہ میں اس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ پر ہوتا ہوں۔

ان کے خادم شیخ یعقوبؒ فرماتے ہیں کہ میرے آقا حضرت احمدؒ نے ایک

مرتبہ کھجور کے درخت کی طرف دیکھا اور مجھ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دیکھو اس نے سر اُٹھایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا بوجھ جتنا بھی ہو اس پر لاد دیا۔ اور کدو کی بیل کو دیکھو کہ اس نے فروتنی اختیار کی تو اس کا بار غیر پر ڈال دیا خواہ کتنا ہی بوجھ ہو اس کو اس کا قطعاً احساس نہیں ہوتا۔

فرماتے تھے کہ صدقہ عبادات بدنیہ اور نوافل سے افضل ہے۔ آپ جب کسی درویش کو اونی جبہ پہنے دیکھتے تو فرماتے تھے کہ میاں دیکھو کس کا لباس پہنے ہو، اور کس کی طرف منسوب ہو۔ یقیناً تم نے انبیاءؑ کا لباس پہنا ہے اور اتقیاء کا لباس زیب تن کیا ہے، اور یہ عارفین کی ہیئت اور صورت شکل ہے لہٰذا اس ہیئت میں رہ کر مقربین کے طریقہ پر چلو، ورنہ اسے اُتار دو۔

فرمایا کرتے تھے کہ فقیر کے لئے سفر اس کے دین کو پارہ پارہ کر دیتا ہے اور اس کے دل کو پراگندہ کر دیتا ہے۔

ف: سفر ابتدائے سلوک میں انتہائی مضر ہے۔ چنانچہ امام غزالیؒ نے "احیاء العلوم" میں مبتدیوں کو سفر سے منع فرمایا ہے۔ (مرتب)

جو شخص ان سے شادی کے بارے میں مشورہ لیتا تو اس سے فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کیلئے شادی کی اس کیلئے وہ کافی وافی ہے۔

فرماتے تھے کہ جو میرے افعال سے فائدہ نہ اٹھائے گا تو وہ میرے اقوال سے بھی منتفع نہ ہوگا۔ فرمایا کرتے تھے کہ آخرت کا معاملہ تمھارے گمان وخیال سے بہت زیادہ اہم وسنگین ہے اور تمھارے وہم سے بھی دشوار تر ہے۔

فرماتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کوئی اچھی بات سیکھے تو اس پر

لازم ہے کہ وہ دوسروں کو بھی سکھلائے تاکہ اس کو اس کی وجہ سے اچھا ثمرہ ونتیجہ حاصل ہو۔ فرماتے تھے کہ ہمارے طریقہ کی بنیاد تین چیزوں پر ہے۔ اوّل یہ کہ ہم سوال نہ کریں۔ دوم یہ کہ رد نہ کریں (یعنی اگر کوئی سوال کرے تو اسکو رد نہ کریں۔ اور سوم یہ کہ جمع نہ کریں۔

فرماتے تھے کہ فقیر کی شرط یہ ہے کہ لوگوں کے عیوب پر نظر نہ کرے۔ فرماتے تھے کہ جو تمھارے سامنے پیری کو ظاہر کرے تو اس کے سامنے شاگرد بن جاؤ اور بوسہ کیلئے ہاتھ بڑھائے تو اس کے پیر کو چوم لو۔ اور اگر تم سے آگے بڑھنا چاہے تو اس کو آگے بڑھنے دو اور تم دُم کے آخری بال ہو جاؤ۔ اس لئے کہ مار سب سے پہلے سر پر پڑتی ہے (پس اگر تم دُم بن کر رہو گے تو مار سے محفوظ رہو گے۔)

ف : سبحان اللہ، کس قدر تواضع وفروتنی کی تعلیم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق دے۔ (مرتب)

اپنے فرزند صالح سے فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم میرے علم کے مطابق عمل نہ کرو گے تو میں نہ تمھارا باپ ہوں اور نہ تم میری اولاد۔ ان کی دعا تھی کہ اے اللہ! صاحب لوائے محمود یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکت سے ہم کو ان لوگوں میں سے بنا جنھوں نے انتہائی تواضع کی وجہ سے تیرے دروازے پر اپنے نرم ونازک رخسارے بچھا دیئے اور شرم وخجالت کی وجہ سے اپنے سر جھکا دیئے اور اپنی پیشانیاں انکے روبرو سجدہ میں ڈالدیں۔

جب آپ کے جسم مبارک پر مچھر بیٹھ جاتا تو اس کو نہ خود اُڑاتے اور نہ دوسروں کو اُڑانے دیتے۔ اور فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنا خون اسکی خوراک کیلئے مقدر فرما دیا ہے اس کو پی لینے دو۔ اور کبھی آپ کی آستین پر بلی بیٹھ جاتی

اور نماز کا وقت آجاتا تو اسے اُٹھاتے نہ تھے، بلکہ آستین ہی کاٹ دیتے اور نماز سے فارغ ہو کر آتے تو اس آستین کو لے کر سی لیتے۔

ایک مرتبہ فقیروں کا ایک گروہ ان سے ملا، اس نے ان کو گالیاں دیں اور ان سے کہا او کانے دجّال! اے وہ شخص جو محرمات کو حلال کرتا ہے، اے وہ شخص جو قرآن کو بدلتا ہے۔ اور اے ملحد! اور اے کُتّے! یہ سن کر سیدی احمد نے ننگے سر ہو کر زمین کو بوسہ دیا اور کہا کہ اے میرے سردارو! اپنے غلام کو معاف کر دو۔ اور ان کے ہاتھ و پاؤں کو بوسہ دینے لگے اور کہنے لگے کہ مجھ سے راضی ہو جاؤ۔ تمھارے حلم میں میری گنجائش ہے۔ پس جب ان کو عاجز کر دیا تو انھوں نے کہا کہ ہم نے کبھی تجھ جیسا فقیر نہیں دیکھا تھا کہ ہماری یہ سب باتیں تم برداشت کر رہے ہو اور غصہ نہیں ہوتے۔ تو انھوں نے فرمایا کہ یہ بھی آپ ہی حضرات کی برکت و فیض ہے۔ اس کے بعد اپنے دوستوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا یہ بہت ہی اچھا ہوا کہ ہم نے ان کو ایسے کلام سے راحت دی جو ان کے باطن میں پوشیدہ تھا۔ یعنی انھوں نے ہم ہی پر اپنے دل کی بھڑاس نکال لی اور سچ تو یہ ہے کہ ہم ہی بہ نسبت اوروں کے زیادہ مستحق تھے۔ کیونکہ ممکن تھا کہ کسی اور سے یہ ایسا کلام کرتے اور وہ برداشت نہ کر پاتا (تو بات اور بڑھتی اور فساد برپا ہوتا۔)

آپ فرماتے تھے کہ سینہ کی صفائی اسی وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ اس میں کینہ کپٹ قطعاً باقی نہ رہ جائے، نہ دشمن سے اور نہ دوست سے اور نہ خدا کی کسی بھی مخلوق سے۔ اور جب ایسی حالت ہو جائے گی تو وحشی جانور اپنے جنگلوں میں اور پرندے اپنے گھونسلوں میں

تم سے مانوس ہو جائیں گے۔ (طبقات ص ۱۴۲)

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے والوں کا پہلا قدم زہد ہے یعنی دنیا سے بے رغبت ہونا، اور آخرت کا مشتاق ہونا۔ اور اسکی بنیاد تقویٰ ہے جو کہ علم و حکمت کی چوٹی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ اپنے عقائد کو متشابہات کے ظاہری معنی پر چلنے سے بچاؤ، خواہ وہ کتاب اللہ میں ہوں یا حدیث میں، کیونکہ متشابہات کے ظاہر پر چلنا کفر کی جڑ ہے۔

آپ نے فرمایا کہ امام شافعی ؒ نے توحید سے متعلق باتوں کو اس ارشاد میں جمع کر دیا ہے کہ جو شخص اپنے خالق کو پہچاننے کے درپے ہوا، اگر اسکی معرفت کسی ایسی موجود پر ختم ہو گئی جس تک اُس کا ذہن پہنچ سکتا ہے تو یہ شخص مشبّہ ہے، اور اگر خالص عدم تک پہنچ کر مطمئن ہو گیا، تو یہ شخص معطل ہے۔ اور اگر ایسے موجود پر دل کو قرار ہوا جس کے پہچاننے سے عاجز ہونے کا دل نے اقرار کر لیا تو یہ موحّد ہے۔

ف : سبحان اللہ، عقائد کی کیسی توضیح فرما دی جو نقش قلوب کئے جانے کے لائق ہے۔ (مرتب)

آپ نے فرمایا: پوری بندگی یہ ہے کہ مقام عبدیت کو پہچانے۔ دین یہ ہے کہ احکام پر عمل کرے اور جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے ان سے بچے اور دونوں میں عاجزی وانکسار اختیار کرے۔

آپ نے فرمایا کہ صحابہؓ کے درمیان جو اختلافات و نزاعات پیدا ہوئے اُن کے تذکرہ سے زبان روک لینا واجب ہے۔ اور بجائے اس کے اُن کے

محاسن و کمالات بیان کرنا چاہیئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت رکھو اُن کے تذکرے سے برکت حاصل کرو۔

آپ نے فرمایا کہ دعویٰ چھوڑ کر جماعت اولیار کی تائید کرو۔ بزرگوں کی حمایت کا یہ طریقہ نہ اختیار کرو کہ ایک کو دوسرے سے افضل بتاؤ، کیونکہ اس میں در پردہ یہ دعویٰ ہے کہ تم اُن اولیار سے بڑھے ہوئے ہو۔ اگر تم اپنے کو اُن سے کمتر سمجھتے، تو درجات اور مراتب کا فیصلہ نہ کرتے، کیونکہ دو شخصوں کے درمیان فیصلہ وہی کر سکتا ہے جو دونوں سے بڑا ہو۔

ف : سبحان اللہ، کیا خوب نصیحت ہے، جس میں عموماً ابتلار ہے۔ (مرتب)

آپ نے فرمایا کہ صوفیہ باطنی آداب کے ساتھ ظاہری آداب کی بھی بہت رعایت کرتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ ظاہری آداب سے باطنی آداب کا پتہ لگتا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ مرتے دم تک اسلام پر جمے رہو اور کسی بات کے حاصل ہونے یا نہ ہونے کی پرواہ مت کرو، اس لئے کہ اسلام سب سے بڑی نعمت اور دولت ہے، وہی اللہ تعالےٰ سے ملنے کا ذریعہ ہے۔

آپ نے فرمایا کہ حضرات صوفیہ اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کو جو اُنھیں دی گئی ہیں بیان تو کرتے ہیں، مگر حدود شرعیہ کی رعایت اور نگہداشت کرتے ہوئے۔ کیونکہ ہر قول و فعل کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے حقوق لگے ہوئے ہیں۔

ف : سبحان اللہ، کیا خوب نصیحت فرمائی۔ (مرتب)

آپ نے فرمایا: عقلمند نہ کسی حاکم کے پاس شکایت لے جاتا ہے، نہ بادشاہ کے پاس، عاقل کے سارے کام اللہ تعالیٰ کیلئے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی مشکل پیش آتی ہے تو اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتا ہے، اور اسی سے مدد مانگتا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ ادب کو مضبوطی سے پکڑے رہو، اور اللہ تعالیٰ کا ادب یہ ہے کہ اُس سے کسی وقت غافل نہ رہو، کیونکہ ادب ہی مقصود حاصل کرنے کا دروازہ ہے۔ حضرت سعید بن مسیبؒ سے منقول ہے کہ جس شخص کو اس کی خبر نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اُس کے نفس پر کیا حقوق ہیں؟ وہ ادب سے کوسوں دور ہے۔

اپنے سے بڑوں کی صحبت کا ادب یہ ہے کہ اُنکی خدمت کرو۔ اور برابر والوں کا ادب یہ ہے کہ اُن کے ساتھ ایثار و ہمدردی کرو۔ اور چھوٹوں کا ادب یہ ہے کہ اُن پر شفقت کرو اور انکی تربیت کرو۔ عارف باللہ کی صحبت میں موافقت سے رہو، اُس کے خلاف بات نہ کرو۔ اور مخلوق کے ساتھ خیر خواہی سے رہو۔ اور نفس کے ساتھ مخالفت سے رہو اور شیطان کے ساتھ دشمنی اور عداوت سے رہو۔

ف: ماشاءاللہ، ادب کی خوب تشریح فرمائی، اس لئے اس کا لحاظ ہم سب کو ضروری ہے۔ (مرتب)

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرنا سلب نعمت کا سبب ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرنا ضروری ہے۔ شکر یہ ہے کہ دل منعم کے ساتھ ادب کے راستہ پر جما رہے۔ شکر یہ ہے کہ بندہ اپنے پروردگار سے

پوری طرح ڈرتا رہے۔ شکر یہ ہے کہ جس کام سے منعم ناراض ہوتا ہے وہ نہ کرے۔ شکر یہ ہے کہ منعم پر نظر کرے نعمت پر نظر نہ کرے۔

آپ نے فرمایا کہ سچی غلامی یہ ہے کہ بندہ اپنے کو آقا کے حوالے کر دے۔ جب اپنے نفس کے لئے کسی سے انتقام لیتا ہے تو مشقت میں پڑ جاتا ہے اور جب اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیتا ہے تو وہ خود اس کی مدد کرتا ہے کسی دوسرے کے مدد کی اسکو ضرورت نہیں رہتی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ ولایت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ توحید واخلاص حاصل کرو۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ موحدین ومخلصین کا دامن پکڑو جنکو سینہ بہ سینہ یہ دولت حاصل ہوئی ہے۔ (ارشادات رفاعی ص۱۱۰، مؤلف سید مصطفیٰ رفاعی ندوی)

آپ نے فرمایا کہ ظاہر وباطن میں جدائی اور تفریق کے قائل نہ بنو، کیونکہ یہ گمراہی اور بدعت ہے۔ علماء وفقہاء کے حقوق سے بے پروائی نہ برتو، کیونکہ یہ جہالت وحماقت ہے۔

اور اے علماء! تم بھی ایسا نہ کرو کہ علم کی حلاوت تو لے لو اور عمل کی تلخی اور مشقت کو چھوڑ بیٹھو، کیونکہ یہ حلاوت بغیر اُس تلخی کے نافع نہیں ہے اور اُس تلخی کا ثمرہ ہمیشہ کی حلاوت ہے، یعنی جنت کی راحت جو کبھی ختم ہونے والی نہیں۔

آپ نے فرمایا کہ اے صوفیہ! میں تم لوگوں کو وصیت کرتا ہوں کہ دین کے فرائض وواجبات کا علم حاصل کر لینے کے بعد اہل اللہ کی صحبت اختیار کرو، کیونکہ ان کی صحبت بڑا مجرب تریاق ہے، جس سے دل کی تمام بیماریاں جاتی رہتی ہیں۔ صدق وصفا، ذوق ووفا، اور دنیا وآخرت سب سے

الگ ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف یکسو ہو جانا اُنہی کا کام ہے۔

آپ نے فرمایا، لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ، کیونکہ حسنِ خُلق تمام اعمالِ نافعہ سے افضل ہے۔ مثل مشہور ہے " اِذَا لَمْ تَسَعِ النَّاسَ بِمَالِكَ فَسَعِ النَّاسَ بِخُلُقِكَ " (یعنی اگر تم اپنے مال سے لوگوں کو آرام نہ دے سکو تو اپنے اخلاق ہی سے آرام پہنچاؤ)۔

آپ نے فرمایا کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ بچہ جب دنیا میں آتا ہے تو حرص کے مارے مٹھی بند کئے رہتا ہے، اور جب یہاں سے جاتا ہے تو ہاتھ پھیلائے ہوئے نکلتا ہے۔ گویا زبانِ حال سے اقرار کرتا ہے کہ جس عارضی سامان پر اُس نے حرص کی تھی اُس سے خالی ہاتھ جارہا ہے۔ نصیحت کے لئے موت کافی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ مجھ سے کرمِ خداوندی کے قاصد نے وعدہ کیا ہے کہ میرے مریدوں سے محبت کرنے والوں، اور مجھ سے اور میری اولاد سے، میرے خلفاء سے تعلق رکھنے والوں کی دستگیری کرے گا، خواہ وہ مشرق میں ہوں یا مغرب میں، اس وقت ہوں یا قیامت تک ہونے والے ہوں۔ تدابیر و وسائل کے ختم ہونے تک روحانی معاہدہ اسی طرح ہو چکا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں فرماتے۔

ف: یقیناً سیدنا رفاعیؒ سے حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کو خاص عقیدت و محبت تھی، اُن کے ارشادات و ہدایات "البنیان المشید" سے برابر مجالس میں سناتے تھے۔ چنانچہ ہم متبعین و منتسبین بھی اُن کے محبّین و در عقیدت مندوں میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسکو

قبول فرمائے اور اپنی عنایت و فضل کے شرف سے مشرف فرمائے۔ آمین! (مرتب)

آپ نے فرمایا کہ بدعت سے بچتے رہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اِس دین میں جو نئی باتیں ایجاد کرے وہ مردود ہے۔ اللہ تعالیٰ سے تقویٰ کے ساتھ اور مخلوق سے سچائی اور حسن خلق کے ساتھ اور اپنے نفس سے مخالفت کے ساتھ معاملہ کرو۔ شریعت کی حدود سے آگے نہ بڑھو۔ (البنیان المشید ص۱۶۱)

آپ نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث کو جس نے رد کیا وہ ایسا ہی ہے جیسے کسی نے کلام اللہ کو رد کیا۔ (ص۱۶۱)

آپ نے فرمایا کہ اے سالک! اپنے نفس پر نظر کرنے سے بچ، غرور سے بچ، تکبر سے الگ رہ۔ کیونکہ یہ سب برباد کرنے والے ہیں۔ میدانِ قرب میں وہ شخص داخل نہیں ہو سکتا جو لوگوں کو چھوٹا اور اپنے کو بڑا سمجھے۔ (ص۲۴۱)

آپ نے فرمایا کہ جس کو اللہ تعالیٰ مل گیا اس کو سب کچھ مل گیا اور جس سے اللہ تعالیٰ چھوٹ گیا، اُس سے سب کچھ چھوٹ گیا۔ تم کو اللہ کی قسم! یہ معرفت اب بھی جاری ہے۔ افسوس افسوس۔

ف : افسوس کہ یہ اپنے زمانہ کا حال تحریر فرما رہے ہیں۔ اور اِس زمانہ کا حالِ زار تو عیاں ہی ہے۔ (مرتب)

آپ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کے قرب کی کوشش کرو۔ جو اللہ تعالیٰ کے ولی سے دوستی رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے دوستی رکھتا ہے۔ ایسے ہی جو اللہ تعالیٰ کے اولیاء سے دشمنی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے دشمنی کرتا ہے۔ (ص۲۴۱)

آپ نے فرمایا کہ جس نے اپنے کو ارادت میں ثابت قدم رکھا وہ مراد و محبوب بن گیا۔ اور جس نے اپنے کو طلب میں مضبوط رکھا وہ مطلوب بن گیا۔

اور جو دروازہ پر پڑا رہا وہ ایک دن دہلیز تک پہنچ جائے گا اور اندر پہنچکر بارگاہِ وصال میں صدر نشین ہو جائیگا۔ (ص۳۱)

آپ نے فرمایا کہ تمھارے اندر بعض فقہار بھی ہیں اور بعض علمار بھی ہیں، تم وعظ کی مجلس بھی کرتے ہو، درس بھی دیتے ہو، احکام شرعیہ بھی بیان کرتے ہو، لوگوں کو احکام بھی بتلاتے ہو، خبردار! چھلنی کی طرح نہ ہو جانا کہ وہ عمدہ آٹا تو نکال دیتی ہے اور بھوسی اپنے پاس رہنے دیتی ہے۔ اسی طرح تم حکمت کی باتیں تو منہ سے نکالتے رہو اور دلوں میں کھوٹ رہ جائے۔

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس بندے سے محبت کرتے ہیں اس کے دل میں تمام مخلوقات کی محبت و شفقت پیدا کر دیتے ہیں، اس کے ہاتھ کو سخاوت کا عادی بنا دیتے، اور اس کے نفس میں بلند ہمتی پیدا کر دیتے ہیں اور اپنے عیوب پر نظر کرنے کی توفیق دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنے کو سب سے کم دیکھنے لگتا ہے اور خود کو کسی قابل نہیں سمجھتا۔

عاجزی کی فضیلت آپ نے فرمایا کہ دوستو! میں نے اپنی جان کھپادی اور کوئی راستہ ایسا نہیں چھوڑا جس کو طے نہ کیا ہو، اور صدقِ نیت اور مجاہدہ کی برکت سے اس کا صحیح راستہ ہونا معلوم نہ کر لیا ہو، مگر سنتِ محمدیہ پر عمل کرنے اور ذلت و انکسار والوں کے اخلاق پر چلنے، اور سراپا حیرت و احتیاج بننے سے زیادہ کسی راستہ کو بہت قریب اور زیادہ روشن اور زیادہ محبوب نہیں پایا۔ حضرت صدیق اکبرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے تک پہنچنے کا ذریعہ عاجزی کے سوا کچھ نہیں بتایا۔

آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! علمار کے حقوق کو ضائع مت کرنا تم کو انکے ساتھ

حسن ظن رکھنا چاہیے۔

آپ نے فرمایا: لوگوں کی ناموس سے بھی اپنی نگاہ کو ہٹا لو، برے کام سے الگ رہو، کیونکہ جیسا کروگے ویسا بھروگے۔ اگر تمھارے لئے ایک آنکھ ہے تو دوسروں کی بہت سی آنکھیں ہیں۔ جیسے تم خود ہوگے ویسا ہی افسر تمھارے اوپر ہوگا۔ اپنی زبان مخلوق کو بُرا کہنے سے روک لو، کیوں کہ (اگر تمھاری ایک زبان ہے تو) مخلوق کی بہت سی زبانیں ہیں۔ (البنیان المشید صہ ۹۵)

آپ نے فرمایا کہ عزیز من! تم اپنے باپ پر فخر کرتے ہو (کہ وہ بڑا عالم یا درویش تھا) سو آدم علیہ السلام سب سے پہلے برگزیدہ نبی کی اکثر اولاد اسی طرح انبیاء و مرسلین کی اولاد کافر ہوگئی (اُن کے لئے انبیاء کی اولاد میں ہونا باعث فخر نہ ہوا) اسی طرح یہ کیا ضروری ہے کہ تمھارا باپ لائق ہو تو تم بھی لائق ہو۔ (البنیان المشید صہ ۱۱۳)

ف: آپ کے ارشادات بہت زیادہ مذکور ہیں، اس لئے کہاں تک نقل کروں۔ بہتر تو یہ ہے کہ اصل کتاب کا خلوص سے مطالعہ کریں ان شاء اللہ اس سے نفع ہوگا۔ وباللہ التوفیق۔ (مرتب)

وفات آپ نے ۶۶ سال کی عمر تک اس دار فانی میں رہ کر ۵۷۸ھ میں عالم بقا کی طرف سفر کیا۔

رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

(البنیان المشید صہ ۲)

حضرت الشیخ ابو محمّد القاسم ابن عبداللہ البصری رحؒ المتوفی ۵۸۰ھ

نام، نسب، تعارف

نام قاسم، کنیت ابو محمد، والد کا نام عبداللہ آپ امام مالکؒ کے مذہب پر فتوٰی دیتے تھے۔ اور آپ علم الشریعۃ اور علم الحقیقۃ پر کلام کرتے تھے۔

آپ مشائخ عراق کے منتخب لوگوں میں سے ہیں۔ عارفین اور مقربین کے بڑے حضرات میں سے ہیں اور صاحبِ عجائب و غرائب ہیں۔

آپ جب اپنی خلوت گاہ سے نکلتے تو جس خشک درخت سے آپ کا گزر ہوتا وہ سبز و شاداب ہو جاتا۔ اسی طرح جس مریض کے پاس سے گزرتے وہ شفایاب ہو جاتا۔ بصرہ میں سکونت اختیار فرمائی

ارشادات

فرماتے تھے کہ اصحاب وجد کی ارواح لطیف عطر ہیں۔ اور ان کے ارشادات مردہ قلوب کو زندہ کر دیتے ہیں اور عقل کو بڑھا دیتے ہیں۔ فرماتے تھے کہ مواجید اوراد کے ثمرات اور منازلات کے نتائج ہیں۔

فرماتے تھے: جب انسان پر وصف جمال منکشف کر دیا جاتا ہے تو قلب مست ہو جاتا ہے اور روح جھوم اٹھتی ہے اور باطنی راز عیاں ہو جاتا ہے۔

وفات

آپ کی وفات بصرہ میں ۵۸۰ھ سے کچھ قبل ہوئی۔ رحمہ اللہ

(طبقات کبریٰ ص۱۵۰ ج۱)

حضرت الشیخ حیاۃ بن قیس الحرّانی رحمہ اللہ المتوفی ۵۸۱ھ

نام ونسب نام حیات، والد کا نام قیس ہے۔

فضل وکمال آپ اپنے عصر کے شیخ المشائخ تھے۔ زاہد وعابد اور حرّان کے شیخ تھے۔ آپ صاحب حال وکرامات اور صاحب مقاماتِ عالیہ تھے۔ اخلاص، پاک دامنی آپ کے اندر پوری طرح سما چکی تھی۔ بادشاہِ وقت اور اصحاب مراتب آپ کی زیارت کے لئے آتے تھے اور آپ کی ملاقات سے برکات حاصل کرتے تھے۔ اور آپ اپنے وطن میں ہر خاص وعام کے نزدیک مقبول تھے۔

سلاطین کی آمد ایک بار سلطان نورالدین نے آپ کی زیارت کی اور اس نے انگریزوں سے جہاد پر اپنا پختہ ارادہ ظاہر کیا، اور آپ سے دعا کی درخواست کی۔ تو آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی۔ اور ایک بار سلطان صلاح الدین نے آپ کی زیارت کی اور آپ سے دعا کی درخواست کی، تو آپ نے اس کو موصل کے ارادہ کو ترک کرنے کے لئے کہا تو اس نے آپ کی بات نہ مانی اور موصل کی طرف روانہ ہوگیا۔ لیکن اس کو وہاں کامیابی ہاتھ نہ آئی۔

آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ ہشاش بشاش، نرم مزاج، رحمدل اور سخی اور شریف تھے، راتوں میں عبادت کرنے والے تھے۔ آپ کے بعد حرّان میں آپ جیسی کوئی شخصیت پیدا نہ ہوئی۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۱۸۱/۲۱)

اعلیٰ مقام

آپ ان چار اشخاص میں سے ایک ہیں جن کے بارے میں شیخ ابوالحسن قریشی نے کہا ہے کہ میں نے چار اولیا کو دیکھا ہے جو اپنی قبور میں اسی طرح صاحب تصرف ہیں جیسے زندوں کو تصرف کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ وہ چار حضرات یہ ہیں:۔

۱۔ حضرت معروف کرخی رح   ۲۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رح

۳۔ شیخ عقیل منبجی رح   ۴۔ شیخ حیات بن قیس حرانی رح

ایک بزرگ سے ایک واقعہ منقول ہے کہ میں یمن سے کشتی میں سوار ہوا۔ جب ہم بحر ہند میں پہنچے تو بادِ مخالف چلنے لگی اور کشتی ٹوٹ گئی۔ تو میں نے ایک تختے کا سہارا لیا۔ اور موج نے مجھے ایک جزیرے میں پھینک دیا۔ میں حیران و پریشان تھا کہ مجھ کو وہاں ایک مسجد نظر آئی، میں اس میں پہنچا تو وہاں پر چار افراد موجود تھے، میں نے ان کو سلام کیا اور ان لوگوں نے جواب دیا۔ پھر ساتھ ہی میرا حال دریافت کیا، تو میں نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ وہ حضرات اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے تھے۔ اس وجہ سے ان کے حسن توجہ سے اور انکے کمالاتِ باطنی سے بڑے عظیم مشاہدے ہوئے۔ جب رات ہوئی تو وہاں پر شیخ حرّان تشریف لائے اور اُن حضرات نے اُن کا پُرجوش استقبال کیا اور اُن کی اقتداء میں نمازِ عشاء ادا کی، اور میں بھی شریک نماز تھا۔ طلوعِ فجر تک لوگ نماز میں کھڑے رہے، اُس کے بعد آپ نے دعا کی اور کافی دیر تک روتے رہے۔ تو میں نے دیکھا کہ وہاں انوارِ الٰہی کا نزول ہونے لگا۔ ساری مسجد روشن ہو گئی، جیسے چودہویں چاند کی رات، اس کے بعد شیخ نے مسجد کے باہر قدم نکالا تو اُن چاروں حضرات نے مجھ سے کہا کہ تم بھی اُن کے ساتھ ہو لو، تو

یں ان کے ساتھ ہولیا، میں نے دیکھا کہ زمین، جنگل، دریا اور پہاڑ آپ کے قدموں کے پیچھے لپٹے جارہے ہیں اور آپ آگے قدم رکھتے تو فرماتے "یَا رَبَّ الْحَیٰوۃِ کُنْ لِلْحَیٰوۃِ" (یعنی اے حیاۃ کے رب! تو حیاۃ کا ہو جا!) ہم تھوڑی ہی دیر میں حران پہنچے لوگ ابھی صبح کی نماز سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے۔

ف : اسی لئے بعض حضرات نے مجھے یہ دعا لکھ کر ارسال فرمائی، "اَللّٰھُمَّ کُنْ لَنَا وَاجْعَلْنَا لَکَ" (یعنی اے اللہ! آپ ہمارے ہو جائیے اور ہمیں اپنا بنا لیجئے!) (مرتب)

ارشادات

فرماتے تھے کہ جو شخص پسند کرتا ہے کہ اپنے قلب میں خوف الٰہی پائے اور احوال صدیقین کا مشاہدہ کرے تو اسکو چاہیے کہ حلال کھانا کھائے اور سنت اور فرض کی پابندی کرے۔ اس لئے کہ جو شخص بھی وصول اور مشاہدۂ ملکوت سے محروم رہا ہے تو اسکی دو ہی وجہ رہی ہے، ایک تو حرام کھانا، دوسرے مخلوق کو ایذا دینا۔

ف : اللہ تعالیٰ ہم کو اکل حرام اور ایذائے مخلوق سے اجتناب کی توفیق مرحمت فرمائے آمین (مرتب)

فرماتے تھے کہ قلب میں رقّت پیدا کرنے کیلئے ذاکرین کی صحبت اختیار کرو اور نور قلب حاصل کرنے کیلئے مسلسل سعی کرتے رہو۔ فرماتے تھے کہ مرید صادق کی علامت میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نہ تھکے اور اسکے حق کی ادائیگی سے ملول نہ ہو اور سنت و فرض کو لازم پکڑے۔ پس سنت ترک دنیا ہے اور فرض اللہ جل وعلا کی صحبت ہے۔

وفات

آپ کی وفات ۵۸۱ھ مطابق ۱۱۸۵ء میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

(طبقات ص ۱۵۳ ج ۱)

حضرت الامام ابوبکر الکاسانی رحمہ اللہ المتوفی ۵۸۷ھ

نام، نسب، ولادت نام ابوبکر، والد کا نام مسعود، دادا کا نام کاسانی علاؤالدین ملک العلمار۔ آپ کی جائے پیدائش ترکستان کے بڑے شہر نہر سیمون اور شامش کے پار ہے۔

آپ شاہِ روم کے قاصد بن کر نورالدین شہید کے پاس آئے، تو اس نے مقام حلاویہ میں رضی السرخسی محمد بن محمد (جو المحیط کے مصنف ہیں) کے معزول کرنے کے بعد تدریسی خدمت آپ کے سپرد کی۔

جب آپ نے حلاویہ میں تدریسی خدمت انجام دینی شروع کی تو بہت جلد فقہار کے درمیان آپ نے مقبولیت حاصل کر لی، اور حال یہ تھا کہ آپ کی غیر موجودگی میں بھی ہر دن علمار و فقہار آپ کی مجلس کی جگہ قالین بچھاتے اور اس کے ارد گرد بیٹھتے تھے۔

سفر علامہ قاسم بن قطلو بغا نے لکھا ہے کہ میں نے قاضی عسکر کو کہتے ہوئے سنا کہ جب شیخ دمشق آئے تو آپ کے پاس فقہار حاضر ہوئے اور اُن لوگوں نے آپ سے بہت سے مسائل کے بارے میں گفتگو کی اور آپ نے شافی جوابات دیئے۔

تحصیل علم آپ نے علاؤالدین محمد السمرقندی سے تحصیل علم کی، جو مصنف کتاب "تحفہ" ہیں۔ انھوں نے اپنی لڑکی فاطمہ کا نکاح آپ سے کر دیا تھا اور اسکی مہر کتاب "بدائع الصنائع" تھی۔

آپ کے شاگردوں کے بارے میں کوئی معلومات حاصل نہ ہو سکی تعجب کی

بات یہ ہے کہ آپ کے اس قدر جید عالم اور صاحب قلم ہونے کے باوجود آپ کے تلامذہ کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں حاصل ہو سکی۔

وفات

آپ کی تاریخ پیدائش تو نہ معلوم ہو سکی۔ آپ کی وفات کے بارے میں ابن عدیم کہتے ہیں کہ میں نے ضیاء الدین بن محمد خمیس حنفی کو کہتے ہوئے سنا کہ میں کاسانی کے پاس ان کی موت کے وقت حاضر ہوا۔ اور میں نے سورۂ ابراہیم کی تلاوت شروع کی۔ جب میں "يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ" (سورہ ابراہیم ۲۷) پر پہنچا، تو آپ کی روح فِي الْاٰخِرَةِ کی تلاوت کے بعد پرواز کر گئی۔

اور آپ کی تدفین آپ کی اہلیہ کی قبر کے بغل میں ظاہر حلب میں مقام ابراہیم خلیل میں ہوئی۔ آپ کی وفات ۵۸۷ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ اور آپ کی مزار حلب میں "شوہر اور بیوی کی قبر" سے مشہور ہے۔

نوّر اللہ مراقدھما

(الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ ص۵۳)

مجاہدِ ملت حضرت سلطان صلاح الدین ایوبی المتوفی ۵۸۹ھ

نام ونسب نام صلاح الدین، والد کا نام ایوب نجم الدین ہے۔ والدِ صاحب کی طرف نسبت کی وجہ سے ایوبی کہلاتے ہیں۔

آپ کے والدین اور اہل خاندان مشرقی آذربائیجان کے رہنے والے تھے ان کا تعلق قبیلہ "ہذانیہ" سے تھا جو کردوں کا بہت بڑا قبیلہ ہے۔ آپ کے دادا بغداد منتقل ہو کر تکریت میں قیام پذیر ہوئے۔ یہ قوم اب بھی عراق، شام، ترکی اور ایران میں پائی جاتی ہے۔

ولادت، تعارف آپ کی ولادت ۵۳۲ھ مطابق ۱۱۳۸ء کو تکریت کے مقام پر ہوئی۔ صلاح الدین ایوبی کی ذات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل معجزہ اور اسلام کی صداقت وابدیت کی روشن دلیل ہے۔

ایک متوسط درجہ کے کرد شریف زادہ اور خاندانی سپاہی کی حیثیت سے ان کا نشو ونما ہوا، مصر کی فتح اور صلیبیوں کے مقابلہ میں میدان میں آنے سے پہلے کوئی اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ یہ کرد نوجوان بیت المقدس کا فاتح اور عالم اسلام کا محافظ ثابت ہوگا۔ اُس کی قسمت میں وہ سعادت لکھی ہے جو بڑے بڑے عالی نسب شرفاء اور صلحاء کے لئے قابلِ رشک ہے، اور تاریخ میں وہ اتنا بڑا کارنامہ انجام دے گا جس سے روحِ مبارک تک کو شادمانی حاصل ہوگی۔

لین پول لکھتا ہے کہ " بجائے اِس کے کہ صلاح الدین سے کوئی علامت ایسی ظاہر ہوتی جس سے معلوم ہوتا کہ وہ آئندہ کوئی بڑا آدمی ہونے

والا ہے، وہ ایک روشن مثال اس خاموش اور پُر امن نیکی کی بنا رہا جو شریف طبیعتوں کو تمام اخلاقی کمزوریوں سے دور رکھتی ہے"۔

لیکن جب اللہ تعالیٰ کو اُن سے کام لینا منظور ہوا تو اس کا غیبی سامان کیا گیا، اُن کو اُن کے ولی نعمت نور الدین نے سخت اصرار و حکم سے مصر بھیجا۔ قاضی بہاؤالدین ابن شداد سلطان کے معتمد خاص لکھتے ہیں کہ :۔ سلطان نے مجھ سے خود بیان کیا کہ میں بڑی ناگواری اور مجبوری سے مصر آیا۔ میرا مصر آنا بالکل میری مرضی سے نہیں ہوا میرا معاملہ بالکل وہی ہے جس کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے وَعَسٰی اَنْ تَکْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ (دعوت و عزیمت ص۲۶۲ ج۱)

زندگی میں تبدیلی

مصر پہنچ کر جب صلاح الدین کے لئے میدان بالکل صاف ہو گیا اور مصر کی زمام مملکت اُن کے ہاتھ میں آ گئی، تو اُن کی زندگی یکسر بدل گئی۔ یہ خیال دل میں جم گیا کہ اللہ تعالیٰ کو اُن سے کوئی بڑا کام لینا ہے اور اس کام کے ساتھ عیش و راحت کا کوئی جوڑ نہیں۔

قاضی بہاؤالدین ابن شداد لکھتے ہیں کہ، "حکومت (مصر) کی باگ ڈور ہاتھ میں آجانے کے بعد دنیا اُن کی نظر میں ہیچ ہو گئی، شکر گزاری کا جذبہ اُن کے دل میں موجزن ہوا، شراب سے توبہ کی، عیش و تفریحات سے منہ موڑ لیا، اور ایک سنجیدہ اور جفاکش زندگی اختیار کی، اور اُس میں دن بدن ترقی ہی ہوتی گئی۔ (دعوت و عزیمت ص۲۶۳ ج۱)

جہاد کا عشق

سلطان کو جہاد سے عشق تھا، جہاد اُس کی سب سے بڑی عبادت، سب سے بڑی لذت عیش اور اُسکی روح کی غذا تھی۔

قاضی ابن شداد کہتے ہیں کہ :۔

"جہاد کی محبت اور جہاد کا عشق اُن کے رگ و ریشہ میں سما گیا تھا اور اُن کے قلب و دماغ پر چھا گیا تھا۔ یہی اُن کا موضوع گفتگو تھا اسی کا ساز و سامان تیار کرتے رہتے تھے، اور اس کے اسباب و وسائل پر غور کرتے، اسی مطلب کے آدمیوں کی ان کو تلاش رہتی، اسی کا ذکر کرنے والے اور اسی کی ترغیب دینے والے کی طرف وہ توجہ کرتے، اسی جہاد فی سبیل اللہ کی خاطر اُنھوں نے اپنی اولاد اور اہل خاندان اور وطن و مسکن اور تمام ملک کو خیر باد کہا، اور سب کی مفارقت گوارا کی اور ایک خیمہ کی زندگی پر قناعت کی، جس کو ہوائیں ہلا سکتی تھیں۔ کسی شخص کو اگر اُن کا قرب حاصل کرنا ہوتا تو وہ ان کو جہاد کی ترغیب دیتا (اور اس طرح اُن کی نظر میں وقعت حاصل کر لیتا) قسم کھائی جا سکتی ہے کہ جہاد کا سلسلہ شروع کرنے کے بعد اُنھوں نے ایک پیسہ بھی جہاد اور مجاہدین کی امداد و اعانت کے علاوہ کسی مصرف میں خرچ نہیں کیا۔ (النوادر السلطانیہ ص۱۶)

سلطان کی اس عاشقانہ کیفیت اور دردمندی کی تصویر ابن شداد نے ان الفاظ میں کھینچی ہے:۔

"میدان جنگ میں سلطان کی کیفیت ایک ایسی غمزدہ ماں کی سی ہوتی تھی جس نے اپنے اکلوتے بچہ کا داغ اُٹھایا ہے، وہ ایک صف سے دوسری صف تک گھوڑے پر دوڑتے پھرتے اور لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیتے۔ خود ساری فوج میں گشت کرتے اور پکارتے پھرتے "یَا لَلْاِسْلَام" (اسلام کی مدد کرو!) آنکھوں سے آنسو جاری

ہوتے۔" (النوادر السلطانیہ ص۱۵۵)

عکا کے معرکہ میں اُن کی کیفیت یہ تھی:-

"سارا دن سلطان نے ایک دانہ منہ میں نہیں رکھا، صرف طبیب کے مشورہ اور اصرار سے ایک مشروب کا استعمال کیا۔ شاہی طبیب نے مجھے بتلایا کہ ایک مرتبہ جمعہ سے اتوار تک سلطان نے صرف چند لقمے کھائے، اُن کی طبیعت میدان جنگ کے علاوہ کسی اور طرف متوجہ ہی نہیں تھی۔" (دعوت وعزیمت ص۲۶۴)

حطین کی فیصلہ کن جنگ

آخر مختلف جنگی کارروائیوں اور مقابلوں کے بعد وہ معرکہ پیش آیا جو تاریخ میں فیصلہ کُن حیثیت رکھتا ہے اور جس نے فلسطین کی مسیحی سلطنت کا خاتمہ اور صلیبیوں کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ یہ حطین کی جنگ تھی جو سنیچر کے دن ۲۴ ربیع الآخر ۵۸۳ھ ۱۱۸۷ء کو پیش آئی، اور جس میں مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہوئی۔

لین پول اس میدان جنگ کی تصویر کھینچتے ہوئے لکھتا ہے:-

"مسیحی لشکر کے چیدہ اور منتخب جوانمرد قید کر لئے گئے۔ گائی بادشاہ یروشلم اور اُس کا بھائی چاٹیلون (حنین) کا ریجی نالڈ تینن کا ہمفری طبقات داویہ اور سبیطار کے دونوں مقدم اور بڑے بڑے عیسائی شرفاء گرفتار کر لئے گئے۔۔۔۔۔ باقی فلسطین کے تمام عیسائی بہادر اور شہسوار مسلمانوں کے پہرے میں تھے۔ مسیحی لشکر کے معمولی سپاہی پیدل اور سوار جو زندہ بچے تھے، سب مسلمانوں کے اسیر ہو گئے تھے ایک ایک مسلمان سپاہی تیس تیس عیسائیوں کو جنھیں خود اُس نے

گرفتار کیا تھا خیمے کی رسی میں باندھ کر لیجاتا ہوا دیکھا گیا، ٹوٹی ہوئی صلیبوں اور کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں میں مردوں کے ڈھیر اِس طرح لگے تھے جیسے پتھر پر پتھر پڑے ہوں، اور کٹے ہوئے سر زمین پر اس طرح بکھرے پڑے تھے جیسے خربوزوں کے کھیت میں خربوزے پڑے نظر آئیں..... مدتوں تک جنگ کا یہ میدان جس میں یہ خونی لڑائی ہوئی تھی، اور جہاں بیان کیا جاتا تھا کہ تیس ہزار آدمی مارے گئے تھے، مشہور رہا۔ ایک سال کے بعد سپید سپید ہڈیوں کے تودے اور ڈھیر دور سے لوگوں کو نظر آتے تھے۔ اور جانوروں کے کھانے کے بعد جو ٹکڑے لاشوں کے بچے تھے وہ بھی میدان میں جا بجا پڑے دکھائی دیتے تھے۔

(دعوت و عزیمت ص ۲۶۵)

سلطانؒ کی دینی حمیت

اِس فتح کے ساتھ یہ واقعہ بھی تاریخ میں یادگار رہے گا، جس سے سلطان کی دینی حمیت اور اُسکی قوتِ ایمانی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مناسب ہے کہ یہ واقعہ بھی ہم انگریز مورخ کی زبان سے سنیں

" سلطان صلاح الدین نے اپنا خیمہ لڑائی کے میدان میں نصب کرایا، جب خیمہ نصب ہوگیا تو حکم دیا کہ قیدی سامنے حاضر کئے جائیں۔ بادشاہ گائی اور ریجی نالڈ چاٹیلون (حنین) دونوں اندر لائے گئے، سلطان نے بادشاہ یروشلم کو اپنے پہلو میں بٹھایا، اور اُسے پیاسا دیکھ کر برف میں سرد کئے ہوئے پانی کا کٹورا دیا، گائی نے پانی پیا اور پانی کا کٹورا والی کرک ریجی نالڈ کو دیا۔ سلطان یہ دیکھ کر ناخوش ہوا اور ترجمان

سے کہا کہ بادشاہ سے کہو کہ میں نے اُس شخص کو پانی نہیں دیا ہے، بادشاہ گائی نے دیا ہے، روٹی اور نمک جسے دیتے ہیں، وہ محفوظ سمجھا جاتا ہے مگر یہ آدمی اِس قسم کی حفاظت میں بھی میرے انتقام سے نہیں بچ سکتا صلاح الدین اتنا کہہ کر کھڑا ہوا اور ریجی نالڈ کے سامنے آیا، ریجی نالڈ جب سے خیمہ میں داخل ہوا تھا، برابر کھڑا رہا تھا، سلطان نے اُس سے کہا سُن! میں نے تجھے قتل کرنے کی قسم دو مرتبہ کھائی تھی۔ ایک مرتبہ تو اُس وقت جبکہ تو نے مکہ اور مدینہ کے مقدس شہروں پر حملہ کرنا چاہا تھا، دوسری مرتبہ اُس وقت جبکہ تو نے دھوکے اور دغابازی سے حاجیوں کے قافلہ پر حملہ کیا تھا۔ٰؐ دیکھ! میں اب تیری بے ادبی اور توہین کا انتقام لیتا ہوں اتنا کہہ کر صلاح الدین نے تلوار نکالی اور جیسا کہ عہد کیا تھا ریجی نالڈ کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا، جو کچھ رمق باقی تھی اسے پہرے داروں نے آکر ختم کیا۔

بادشاہ گائی اِس قتل کو دیکھ کر لرز گیا اور سمجھا کہ اب اُسکی باری آئیگی صلاح الدین نے اس کا اطمینان کیا اور کہا کہ بادشاہوں کا دستور نہیں کہ وہ بادشاہ کو قتل کریں۔ اِس شخص نے بار بار عہد شکنیاں کی تھیں اب جو وقت گزر گیا، گزر گیا۔ (سلطان صلاح الدین ص۱۸۱ از دعوت وعزیمت)

ٰؐ قاضی ابن شداد کی روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ جب اُن بیکس حجاج نے اُس سے انسانیت و شرافت کی درخواست کی، تو اُس نے گستاخانہ کہا کہ "اپنے محمد سے کہو کہ تمھیں رہائی دیں" یہ فقرہ صلاح الدین کو پہنچا اور اُس نے منت مانی کہ اگر یہ بےادب میرے ہاتھ آئے گا، تو میں اس کو اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔ (دعوت وعزیمت ص۲۶۶)

ابن شداد نے لکھا ہے کہ سلطان نے ریجی نالڈ کو طلب کیا اور کہا کہ "ھا انا انتصر لمحمد علیہ الصلوٰۃ والسلام" (لو، میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقام لیتا ہوں) ابن شداد نے یہ بھی لکھا ہے کہ سلطان نے اُس کو اسلام کی دعوت دی مگر اُس نے قبول نہیں کی۔ (النوادر السلطانیہ ص۶۴)

فتح بیت المقدس

حطین کی فتح کے بعد وہ مبارک موقع جلد آگیا جس کی سلطان کو بیحد آرزو تھی، یعنی بیت المقدس کی فتح قاضی ابن شداد نے لکھا ہے کہ:۔

"سلطان کو بیت المقدس کی ایسی فکر تھی اور اُس کے دل پر ایسا بار تھا کہ پہاڑ اس کے متحمل نہیں تھے۔"

اسی سال ۵۸۳ھ ۱۱۸۷ء ۲۷ رجب کو سلطان بیت المقدس میں داخل ہوئے اور پورے نوّے برس کے بعد یہ پہلا قبلہ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی شب میں انبیاء علیہم السلام کی امامت کی تھی، اسلام کی تولیت میں آیا۔ یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ سلطان کے داخلہ کی تاریخ بھی وہی تھی جس تاریخ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی تھی۔ قاضی ابن شداد لکھتے ہیں:۔

"یہ عظیم الشان فتح تھی۔ اِس مبارک موقع پر اہل علم کی بہت بڑی جماعت اور اہل حرفہ اور اہل طرق کی کثیر تعداد جمع تھی۔ اِس لئے کہ لوگوں کو جب ساحلی مقامات کی فتح اور سلطان کے ارادہ کی اطلاع ملی تو مصر و شام سے علماء نے بیت المقدس کا رُخ کیا، اور کوئی روشناس اور معروف آدمی پیچھے نہیں رہا۔ ہر طرف دعاء تہلیل و تکبیر کا شور بلند تھا۔ بیت المقدس میں (نوّے برس کے بعد) جمعہ کی نماز ہوئی۔

قبۂ صخرہ پر جو صلیب نصب تھی وہ اُتار دی گئی۔ ایک عجیب منظر تھا اور اسلام کی فتح مندی اور اللہ تعالیٰ کی مدد کھلی آنکھوں نظر آ رہی تھی۔

نور الدین زنگی مرحوم نے بیت المقدس کے لئے بڑے اہتمام اور بڑے صَرف سے منبر بنوایا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ بیت المقدس واپس دلائے گا تو یہ منبر نصب کیا جائے گا۔ صلاح الدین نے حلب سے وہ منبر طلب کیا اور اس کو مسجد اقصیٰ میں نصب کیا۔ (دعوت و عزیمت ص ۲۶۷)

اسلامی اخلاق کا مظاہرہ

صلاح الدین نے اس موقع پر جس عالی ظرفی، دریا دلی اور اسلامی اخلاق کا مظاہرہ کیا، وہ عیسائی مورخ کی زبان سے سننے کے قابل ہے:-

"صلاح الدین نے کبھی پہلے اپنے تئیں ایسا عالی ظرف اور باہمت نائٹ (مرد میدان) ثابت نہیں کیا تھا جیسا کہ اِس موقع پر کیا۔ جب یروشلم مسلمانوں کے حوالہ کیا جارہا تھا، اُس کی سپاہ اور معزز افسران فوجدار نے جو اُس کے تحت تھے، شہر کے گلی کوچوں میں انتظام قائم رکھا، یہ سپاہی اور افسر ہر قسم کی ظلم و زیادتی کو روکتے تھے، اور اِس کا نتیجہ تھا کہ کوئی وقوعہ جس میں کسی عیسائی کو گزند پہنچا ہو، پیش نہ آیا۔ شہر کے باہر جانے کے تمام راستوں پر سلطان کا پہرہ تھا اور ایک نہایت معتبر امیر باب داؤد پر متعین تھا کہ ہر شہر والے کو جو زرِ فدیہ ادا کر چکا ہے، باہر جانے دے۔

پھر سلطان کے بھائی العادل اور بطریق اور بالیان کے ہزار ہزار غلام آزاد کرنے

عہ تاریخ ابی الفداء اسمٰعیل ج ۳ ص ،،

کے تذکرہ کرنے کے بعد لکھتا ہے :-

" اب صلاح الدین نے اپنے امیروں سے کہا کہ میرے بھائی نے اپنی طرف سے اور بالیان اور بطریق نے اپنی طرف سے خیرات کی۔ اب میں اپنی طرف سے بھی خیرات کرتا ہوں، اور یہ کہہ کر اُس نے اپنی سپاہ کو حکم دیا کہ شہر کے تمام گلی کوچوں میں منادی کر دیں کہ تمام بوڑھے آدمی جن کے پاس زرِ فدیہ ادا کرنے کو نہیں ہے آزاد کئے جاتے ہیں کہ جہاں چاہیں وہ جائیں، اور یہ سب باب البعزر سے نکلنے شروع ہوئے اور سورج نکلنے سے سورج ڈوبنے تک اُن کی صفیں شہر سے نکلتی رہیں۔ یہ خیر و خیرات تھی جو صلاح الدین نے بیشمار مفلسوں اور غریبوں کے ساتھ کی۔

غرض اِس طرح سلطان صلاح الدین نے اِس مغلوب و مفتوح شہر پر اپنا احسان و کرم کیا۔ جب سلطان کے اِن احسانات پر غور کرتے ہیں تو وہ وحشیانہ حرکتیں یاد آتی ہیں جو شروع کے صلیبیوں نے ۱۰۹۹ء میں یروشلم کی فتح پر کی تھیں، جب گوڈ جرے اور ٹنکیرڈ یروشلم کے کوچہ و بازار میں سے گزرے تھے، تو وہاں مردے پڑے اور جاں بلب زخمی لوٹتے تھے، جبکہ بے گناہ اور لاچار مسلمانوں کو اُن صلیبیوں نے سخت اذیتیں دے کر مارا تھا اور زندہ آدمیوں کو جلایا تھا، جہاں قدس کی چھتوں اور بُرجوں پر جو مسلمان پناہ لینے کو چڑھے تھے، وہیں اُن صلیبیوں نے اُنھیں اپنے تیروں سے چھید کر گرایا تھا۔ اور جہاں اُن کے اِس قتلِ عام نے مسیحی دُنیا کی عزت کو بٹّہ لگایا تھا۔ جبکہ اُس مقدس شہر کو ظلم و بدنامی کے رنگ میں اُنھوں نے رنگا تھا، جہاں رحم و محبت کا وعظ جنابِ مسیح نے سنایا تھا،

اور فرمایا تھا کہ خیر وبرکت والے ہیں وہ لوگ جو رحم کرتے ہیں، اُن پر خدا کی برکتیں نازل رہتی ہیں۔

جس وقت یہ عیسائی اُس پاک ومقدس شہر کو مسلمانوں کا خون کر کے اُس کو مذبح بنا رہے تھے، اُس وقت وہ اُن کلام کو بھول گئے تھے اور اُن بے رحم عیسائیوں کی خوش قسمتی تھی کہ سلطان صلاح الدین کے ہاتھوں اُن پر رحم وکرم ہو رہا تھا۔

صفاتِ خداوندی میں سب سے بڑھ کر صفت رحم ہے، رحم عدل کا تاج اور اس کا جلال ہے، جہاں عدل اپنے اختیار اور استحقاق سے کسی کو جان سے مار سکتا ہے، رحم جان بچا سکتا ہے۔

اگر سلطان صلاح الدین کے کاموں میں صرف یہی کام دنیا کو معلوم ہوتا کہ اُس نے کس طرح یروشلم کو بازیاب کیا، تو صرف یہی کارنامہ اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کافی تھا کہ وہ نہ صرف اپنے زمانہ کا بلکہ تمام زمانوں کا سب سے بڑا عالی حوصلہ انسان اور جلالت اور شہامت میں یکتا اور بے مثل شخص تھا۔ (سلطان صلاح الدین ص ۲۰۲-۲۰۵)

صلیبی سیلاب

بیت المقدس کی فتح اور حطین کی ذلت آمیز شکست سے یورپ میں غیظ وغضب کی آگ پھر بھڑک اٹھی اور سارا یورپ شام کے چھوٹے سے ملک پر اُبل پڑا، جس میں یورپ کے تقریباً تمام مشہور جنگ آزما اور مشہور بادشاہ اور سپہ سالار تھے، قیصر، فریڈرک، رچرڈ شیر دل، شاہان انگلستان، فرانس، صقلیہ، آسٹریا، برگنڈی، فلانڈرز کے ڈیوک اور نائٹ اپنی آہن پوش فوجوں کے ساتھ اُمنڈ آئے۔ اُن سب کے مقابلہ میں تنہا سلطان صلاح الدین تھا۔

اور اُس کے اعزّہ اور چند حلیف جو پورے عالمِ اسلام کی طرف سے مدافعت کر رہے تھے۔

صلح اور سلطان کے کام کی تکمیل

آخر پانچ برس کی مسلسل خونریز و خون آشام جنگوں کے بعد ۵۸۸ھ؁ ۱۱۹۲ء؁ میں رملہ پر دونوں حریفوں میں جو تھک کر چور ہو گئے تھے، صلح ہوئی۔ بیت المقدس اور مسلمانوں کے مفتوحہ شہر اور قلعے بدستور اُن کے قبضہ میں رہے، ساحل پر عکّہ کی مختصر سی ریاست عیسائیوں کے قبضہ میں تھی اور سارا ملک سلطان صلاح الدین کے زیرِ نگیں تھا۔

صلاح الدین نے جو خدمت اپنے ذمہ لی تھی، اور صحیح تر الفاظ میں جو کام اللہ تعالیٰ نے اُس کے سپرد کیا تھا، اُس کے ہاتھوں مکمل ہوا۔ عیسائی مورخ نے بھی اسکی کامیابی اور جنگ صلیبی کے نامبارک سلسلہ کے اختتام کا ذکر کیا ہے۔ (دعوت و عزیمت صفحہ ۲۷۱)

سلطان کے محاسن اخلاق

عبادات و فضائل اعمال کے علاوہ حاکمانہ فضائل عدل، عفو و حلم، جود و سخاوت، مروت و شرافت صبر و استقامت، شجاعت و فتوت اور شہامت و علو ہمت کے اوصاف عالیہ سے آراستہ تھے۔

قاضی ابن شداد لکھتے ہیں کہ "ہفتہ میں دو بار، دوشنبہ و پنجشنبہ کو اِذنِ عام ہوتا تھا، فقہاء، قضاۃ و علماء اور اہل مقدمہ حاضر ہوتے۔ بڑے چھوٹے، امیر غریب بوڑھے اور عام بوڑھیوں تک کو آنے کی اجازت تھی۔ سفر و حضر میں کبھی اس معمول میں فرق نہ آتا۔ رات دن میں ایک بار خود معاملات کو دیکھتے اور رقعات و فرامین پر خود دستخط کرتے۔ کبھی کسی صاحبِ غرض اور حاجت مند کو ناکام واپس نہ کرتے۔ اِس کے ساتھ ساتھ ذکر و تلاوت میں مشغول رہتے۔

اگر کوئی فریاد یا شکایت کرتا تو خود کھڑے ہو کر اُس کا مقدمہ سنتے، اُس کی

دادرسی کرتے اور اُس کے معاملہ سے پوری دلچسپی لیتے۔ ایک مرتبہ ایک معمولی شخص نے اُن کے بھتیجے تقی الدین کے خلاف (جو سلطان کو بہت عزیز تھے) دعویٰ کیا، سلطان نے فوراً اُن کو طلب کیا اور مقدمہ کی سماعت کی۔ خود اُن کے خلاف ایک شخص نے دعویٰ کیا، سلطان نے معاملہ کی پوری تحقیق کی، اگرچہ مدعی کا حق ثابت نہیں ہوا، لیکن سلطان نے اسکو ناکام واپس نہیں کیا، اور خلعت و مال سے سرفراز کیا۔

بڑے بردبار اور متحمل مزاج تھے۔ مورخ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ: "اپنے رفقاء و خدّام کی غلطیوں اور لغزشوں سے چشم پوشی کرتے، بعض مرتبہ کوئی ایسی بات سنتے جس سے اُن کو تکلیف یا ناگواری ہوتی، لیکن وہ اُس کو محسوس بھی نہیں ہونے دیتے، اور نہ اپنے طرز عمل سے کوئی فرق آنے دیتے۔ ایک مرتبہ پانی مانگا، پانی نہیں آیا، پھر مانگا، پھر نہیں ملا۔ یہاں تک کہ ایک ہی مجلس میں پانچ مرتبہ نوبت آئی۔ آخر میں کہا کہ دوستو! میں تو پیاس سے مرا جارہا ہوں۔ اتنے میں پانی آیا، سلطان نے پی لیا اور اِس تاخیر پر کچھ نہ کہا۔

ایک مرتبہ سخت بیماری سے اُٹھے اور غسل صحت کے لئے حمام میں گئے، پانی بہت گرم تھا، ٹھنڈا پانی مانگا، خادم نے پانی حاضر کیا، پانی کچھ چھلک کر اُن پر گرا ضعف کی وجہ سے اُن کو تکلیف ہوئی۔ پھر ٹھنڈا پانی مانگا، اِس مرتبہ ٹھنڈے پانی کا پورا طشت گر گیا، اور سارا پانی اُن پر آگیا، اور وہ مرتے مرتے بچے لیکن صرف اِتنا کہا کہ مجھے مارنے کا ارادہ ہو تو کہہ دو۔ خادم نے معذرت کی، اور وہ خاموش ہوگئے، اور کوئی باز پُرس نہیں کی۔ قاضی ابن شداد نے سرداران فوج کی غلطیوں اور اہل دربار کی بے عنوانیوں سے درگزر اور سلطان کے عفو و حلم کے متعدد مؤثر واقعات لکھے ہیں۔ تفصیل "دعوت و عزیمت ص ۲۶۲ پر دیکھی جا سکتی ہے۔

مَردانہ اوصاف

صبر و استقامت اِس درجہ کی تھی کہ قاضی ابن شداد کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ کمر سے گھٹنوں تک اِس قدر دانے اور پھوڑے تھے کہ بیٹھنے سے معذور تھے، یہاں تک کہ دسترخوان بچھا اور کھانا تناول نہ کرسکے، اِس لئے کہ بیٹھنے کی قدرت ہی نہ تھی۔ اِس کے باوجود دشمن کے مقابل صف آرا تھے، میں نے دیکھا ہے کہ صبح سے مغرب تک گھوڑے پر سوار ایک طرف سے دوسری طرف برابر چکر لگاتے، اور افواج اور انتظامات کا معائنہ فرماتے اور پھوڑوں کی تکلیف کو تحمل سے برداشت کرتے، میں تعجب کا اظہار کرتا تو فرماتے کہ گھوڑے پر سوار ہونے کے بعد مجھے درد کا احساس نہیں رہتا۔

ایک معرکہ میں حالتِ بیماری میں برابر دشمن کا تعاقب کیا، ایک رات میں اور طبیب سلطان کے پاس تھے، ہم تیمارداری بھی کرتے تھے اور اُن کی طبیعت بھی بہلاتے تھے، سلطان کبھی سوتے، کبھی جاگتے، یہاں تک کہ صبح ہوگئی، سلطان سوار ہو کر تیار ہوگئے۔ اپنے لڑکوں کو اللہ کے راستے میں سب سے آگے کیا، اور سب کو اللہ کے نذر کردیا۔ ایک ایک کرکے سلطان نے سب کو روانہ کردیا، صرف میں اور طبیب رہ گئے، شام تک سلطان اُسی طرح اپنی جگہ پر کھڑے رہے اور جنگ کی نگرانی کی، یہاں تک کہ رات کو لشکر کو مسلح اور ہوشیار رات گزارنے کی اجازت ملی، اور ہم اور سلطان اپنے خیمہ میں واپس آئے۔ (دعوت وعزیمت ص۲۸)

علم وفضیلت

سلطان عالم فاضل شخص تھے، عرب کے انساب و قبائل یہاں تک کہ اُن کے مشہور گھوڑوں کے سلسلۂ نسب پر اُن کو عبور تھا، عربوں کے واقعات و حالات اُنکو مستحضر تھے، دنیا کے عجائبات و نوادر کا اُن کو علم تھا، ہر طرح کی معلومات رکھتے تھے، اُن کے ہمنشینوں کو اُن سے

بہت سی نئی باتیں معلوم ہوتی تھیں۔ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ ان کو حماسہ حفظ تھا۔ لین پول ان کی ابتدائی زندگی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے :۔

" اس کا اصلی رجحانِ طبیعت دینیات کی طرف تھا، علماءِ وقت سے احادیث سنتے، اُن کے براہین اور راویوں کے سلسلہ کی تحقیق، مسائل فقہ پر بحث، آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر میں اسے بڑا انہماک رہتا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر اِس بات کا ذوق تھا کہ مذہب اہلسنت والجماعت کی تائید اور ثبوت قوی دلائل سے دیا جائے۔"

اِن اوصاف کے علاوہ بہت سے اخلاق وعادات اور خصوصیات کا تذکرہ کیا گیا ہے جو "تاریخ دعوت وعزیمت" میں ص۲۷۴ پر ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔

وفات

بالآخر اپنا مقدس فریضہ ادا کر کے اور عالمِ اسلام کو صلیبیوں کی غلامی کے خطرہ سے محفوظ کرنے کے بعد ، ۲۷ صفر ۵۸۹ھ مطابق ۱۱۹۳ء کو اسلام کا یہ وفادار فرزند دنیا سے رُخصت ہوا۔ اُس وقت اُن کی عمر ستاون سال کی تھی۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۝

(تاریخ دعوت وعزیمت ص۲۸۶)

حضرت الشیخ محمد بن جمرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

نام و نسب نام محمد، والد کا نام جمرہ ہے۔

تعارف آپ بڑے شان والے تھے، ظاہر میں تنگ حال اور باطن کے اعتبار سے مالا مال تھے۔ آپ پر صفت جلال کا غلبہ تھا، آپ شریعت، احکامِ شریعت اور شعائرِ اسلام کی حد درجہ پابندی کرنے والے تھے۔ آپ عبداللہ بن جمرہ کے علاوہ ہیں۔

ارشادات

آپ فرماتے تھے کہ میرا گزر ایک کھیت کے پاس سے ہوا، تو میں نے ایک بچہ کو دیکھا کہ وہ گیہوں کی بالیاں اپنی زنبیل میں رکھ رہا ہے۔ میں نے اُس سے کہا کہ بیٹے! مناسب نہیں ہے کہ تم لوگوں کی کھیتی کو ہاتھ لگاؤ۔ (بھولا) تو اُس نے جواب دیا کہ تم کو کہاں سے معلوم ہوا کہ یہ لوگوں کی کھیتی ہے؟ واللہ یہ میرے باپ دادا کی کھیتی ہے۔ میں اُس کی بات سے بہت شرمندہ ہوا اور اُس سے کہا کہ اے میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ تم کو جزائے خیر دے کہ جب میں نے خلافِ ادب بات کی تو تم نے مجھے ادب سکھایا۔

ف: اِس سے معلوم ہوا کہ بلا تحقیق کسی پر نکیر نہ کرنا چاہیئے۔ اور جب صحیح بات معلوم ہو تو اُس کا اعتراف کرنا چاہیئے بلکہ ممنون ہونا چاہیئے۔ (مرتب)

سلطانِ وقت جب اُن کی زیارت کے لئے آیا اور عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو آپ کے لئے ایک رباط (یعنی خانقاہ) تعمیر کرا دوں (تاکہ آنے جانے والے اُس میں قیام کریں) تو اُنھوں نے سلطان

کا ہاتھ پکڑا اور اس کو ابن طولوں کی جامع مسجد میں لے گئے۔ اور فرمایا کہ یہ ساری مسجد میرے لئے ہے، اس کے جس مقام میں بھی چاہوں قیام کر سکتا ہوں۔ یہ سن کر بادشاہ خاموش ہوگیا۔

فرماتے تھے کہ جب بیوی حاملہ ہو جائے تو فقیر کو اس سے مباشرت صحیح نہیں ہے مگر ہاں کوئی غرض صحیح ہو تو اور بات ہے۔ جیسے خود اپنی عفت یا بیوی کی عفت مطلوب ہو۔ کیونکہ فقیر کے لئے محض شہوت نفس کی بناء پر مباشرت نقص کی بات ہے۔

فرماتے تھے کہ اکثر تین شخص کامیاب نہیں ہوتے۔ ایک تو شیخ کا لڑکا دوسرے اس کی بیوی۔ تیسرے اس کا خادم۔ بہرحال اس کا لڑکا تو اس لئے کہ وہ آنکھ ہی اس فضا میں کھولتا ہے کہ مریدین اس کا ہاتھ چومتے ہیں اور اس کو اپنے کندھوں پر بٹھاتے ہیں اور اس کو تبرک سمجھتے ہیں اور وہ جو بھی مانگتا ہے اس کو پورا کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ تکبر کرنے لگتا ہے۔ اور بچپن ہی سے حبّ ریاست کے دودھ سے پرورش پاتا ہے۔ جس کی وجہ سے دل کو سیاہ کرنے والی صفات اس کے قلب میں تہ بتہ راسخ ہو جاتی ہیں۔ جس کی وجہ سے کسی واعظ کا وعظ اس پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ اور اکابر کے مقابلہ میں جرأت و بے باکی کا سلوک کرتا ہے اور سب کی مشیخت کا انکار کرتا ہے۔ پس ایسی ناز و نعمت کی حالت میں اپنے والد محترم کے فیض سے بھی محروم رہتا ہے۔ اس لئے کہ کسی بھی شیخ سے استفاضہ کے لئے طلب و ارادت کی ضرورت ہوتی ہے نہ کہ خود بینی (عُجب) و خود سرائی (پندار) کی۔

ہاں اگر لڑکا صاحب صلاحیت ہے تو بہ نسبت دوسروں کے

زیادہ فیض حاصل کرتا ہے۔

بہرحال بیوی تو اس لئے محروم رہتی ہے کہ وہ شیخ کو اپنے شوہر ہونے کی آنکھ سے دیکھتی ہے نہ کہ بنظرِ ولایت، پس وہ اعتقاد رکھتی ہے کہ یہ بوقت شہوت ہمارے محتاج ہوتے ہیں۔ (اس لئے انکسار و تواضع جو استفاضہ کے لئے شرط ہے وہ مفقود ہونے کی وجہ سے بیوی محروم رہ جاتی ہے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ اس کو نورِ بصیرت عطا فرمائیں اور شیخ کو بنظرِ ولایت دیکھے تو ہر شخص سے زائد اس کو فیض پہنچتا ہے۔ کیونکہ وہ رات دن اس کی صحبت میں رہتی ہے۔ (اس لئے اسکو استفاضہ کا زیادہ موقع میسر ہوتا ہے)

اب رہا شیخ کا خادم تو اس کی محرومی کی وجہ یہ ہے کہ وہ شیخ کو بار بار دیکھتا ہے اور بشری احوال مثلاً کھانے پینے اور سونے پر برابر مطلع ہوتا رہتا ہے (اسلئے اس کی عظمت و حرمت میں یک گونہ کمی ہوجاتی ہے۔ پس ظاہر ہے کہ جب شیخ کی حرمت ہی باقی نہ رہے گی تو بھلا کیسے فیضیاب ہوسکتا ہے۔)

اس لئے مشائخ نے کہا ہے کہ شیخ کیلئے مناسب نہیں ہے کہ مریدین کے ساتھ کھائے پیئے، اٹھے بیٹھے مگر بضرورت، اس لئے کہ اس سے اندیشہ ہے کہ شیخ کی حرمت ان کے دلوں سے نکل جائے، جسکی وجہ سے شیخ کی برکات سے محروم ہوجائیں۔

ہاں اگر خادم شیخ کو بنظرِ تعظیم دیکھے تو سب سے زیادہ مستفیض ہوگا اور پورے طور پر کامیاب ہوجائے گا (طبقات کبریٰ صفحہ ۱۶۱)

وفات تاریخ وفات نہ مل سکی۔ رحمہُ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

حضرت الشیخ ابو مدین المغربی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۵۹۰ھ

نام ونسب نام شعیب، ابو مدین کنیت سے مشہور ہیں۔ والد کا نام حسن ہے۔

فضل وکمال آپ مشائخ مغرب کے حضرات اکابر میں سے ہیں۔ انکی شہرت ان کی تعریف سے مغنی ہے۔ آپ کی تعظیم واجلال پر مشائخ نے اجماع کیا ہے اور آپ کے سامنے ادب اختیار کیا ہے۔ آپ نہایت ظریف، جمیل، متواضع، زاہد، پرہیزگار، محقق اور مکارم اخلاق کے جامع تھے۔ (طبقات ص۱۵۴)

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اپنی تصانیف میں آپ کا بہت کثرت سے ذکر کرتے ہیں۔

حضرت امام یافعیؒ فرماتے ہیں کہ یمن کے اکثر شیوخ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ سے نسبت رکھتے ہیں۔ اور بعض حضرت ابو مدینؒ کے ارادت مندوں میں سے ہیں۔ (طبقات ص۱۵۴)

آپ کی تواضع وانکساری "فتوحات مکیہ" میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ، بہت سے لوگ حصول برکت کے لئے شیخ ابو مدینؒ سے ہاتھ ملاتے تھے اور اُن کے ہاتھ کو بوسہ دیتے تھے۔ لوگوں نے اُن سے دریافت کیا کہ لوگوں کی اس دست بوسی سے آپ اپنے نفس میں کچھ اثر پاتے ہیں؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ تم حجر اسود کے اندر کوئی ایسا اثر پاتے ہو، جو اُس کو حجریت (پتھر پن) کے دائرے سے

نکال دے، باوجودیکہ اسکو انبیاء علیہم السلام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور بہت سے اولیاء کرام نے بوسہ دیا ہے۔ تو بس میں بھی حجر اسود ہوں، اور میرا بھی وہی حکم ہے جو اُس کا ہے۔ کہ وہ اس شرف کے باوجود ایک پتھر ہی ہے۔

(نفحات الانس ص۲۲۲)

ف: مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے بوسہ دینے سے میرے اندر ذرا بھی عجب و خود پسندی نہیں آتی۔ اس لئے کہ میرے اندر جو کمی و خامی ہے وہ اپنی جگہ ہے۔ جیسا کہ حجر اسود پتھر کا پتھر ہی ہے، خواہ انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کتنا ہی اُس کو بوسہ دیں۔ (مرتب)

ارشادات

فرماتے تھے کہ جو اُنس و شوق سے خالی ہے وہ فاقد المحبت ہے (محبت کم کرنے والا ہے)۔ نیز فرماتے تھے کہ جس نے مخلوق کے درمیان آکر ایسی چیز کی طرف دعوت دیا جس کی حقیقت سے خود بہرہ ور نہیں ہے تو وہ مفتون ہے۔ اور وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسے حال کا دعویٰ کرتا ہے جس کا اثر اس کے ظاہر سے ثابت نہیں ہے تو اس سے دور رہو۔

ف: مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اس لئے ایسے شخص کی صحبت سود مند نہ ثابت ہوگی۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ جو عین عبودیت سے بہرہ ور ہو گیا تو وہ اپنے افعال کو ریا کی آنکھ سے اور احوال کو دعویٰ کی نظر سے اور اقوال کو افترا کی آنکھ سے دیکھے گا۔

فرماتے تھے کہ فقر کیلئے ایک نور ہے مگر جبتک تم چھپائے رکھو۔ اور جہاں تم نے اس کو ظاہر کیا تو وہ نور زائل ہو جائیگا۔ فرماتے تھے کہ جس کو دینے سے زیادہ لینا پسند ہو تو وہ فقر کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔ حدیث پاک ہے۔ الیدُ العُلیا

خیرٌ من الیدِ السُّفلیٰ یعنی دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

فرماتے تھے کہ اخلاص یہ ہے کہ حق کے مشاہدہ میں خلق غائب ہو جائے۔

فرماتے تھے کہ جو فقیر ہر سانس میں اپنی زیادتی و کمی کو نہ پہچانے وہ فقیر نہیں ہے۔ فرماتے تھے کہ فقر فخر ہے۔ علم غنیمت ہے۔ خاموشی نجات ہے۔ مخلوق سے ناامیدی راحت ہے۔ زہد عافیت ہے۔ اور پلک جھپکنے بھر اللہ تعالےٰ سے نسیان خیانت ہے۔ نیز فرماتے تھے کہ حضور مع الحق جنت ہے اور اس سے غیبوبت جہنم ہے۔ اور اس سے قرب لذت ہے اور اس سے دوری حسرت ہے۔ اور اس سے اُنس حیات ہے اور اس سے وحشت موت ہے۔

فرماتے تھے کہ جو اپنے رب تک پہنچے ہوئے لوگوں سے علیحدہ رہا تو وہ جدا ہی کر دیا جائے گا۔ اور جس نے اپنے رب کے ساتھ مشغول لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا تو اس پر فوراً وبال آجائے گا۔ (طبقات ج ۱ ص۱۵۴)

ف : سبحان اللہ، کیسے اہم اور پُر حقیقت ارشادات ہیں۔ اللہ تعالےٰ اِن ارشادات کے مطابق ہمارے احوال کو بھی بنا دے۔ ہاں البتہ اسکی تصدیق و طلب ضروری ہے۔ وِ باللہ التوفیق۔ (مرتب)

وفات

آپ کی وفات ۵۹۰ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالےٰ رحمۃً واسعۃً۔

(نفحات الانس ص۴۷۸)

حضرت علامہ عبدالرحمٰن ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۵۹۷ھ

نام ونسب نام عبدالرحمٰن، لقب جمال الدین، کنیت ابو الفرج اور ابن الجوزی سے مشہور ہیں۔ اپنے زمانہ کے یکتائے روزگار، مفسر، محدث، مورخ، ناقد، مصنف اور خطیب ہیں۔ اور ان میں سے ہر موضوع پر ان کی ضخیم تصنیفات اور علمی کارنامے ہیں۔

ولادت: ۵۰۸ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی حالات اور تحصیل علم بچپن ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا جب پڑھنے کے قابل ہوئے تو ماں نے مشہور محدث ابن ناصر کی مسجد میں چھوڑ دیا، اُن سے حدیث سُنی، قرآن مجید حفظ کیا اور تجوید میں مہارت پیدا کی، شیوخ حدیث سے حدیث کی سماعت اور کتابت کی اور بڑی محنت اور انہماک اور جفاکشی سے علم کی تحصیل کی۔ اپنے صاحبزادے سے اپنے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"مجھے خوب یاد ہے کہ میں چھ سال کی عمر میں مکتب میں داخل ہوا بڑی عمر کے طلبہ میرے ہم سبق تھے، مجھے یاد نہیں کہ میں کبھی راستہ میں بچوں کے ساتھ کھیلا ہوں، یا زور سے ہنسا ہوں۔ سات برس کی عمر میں جامع مسجد کے سامنے کے میدان میں چلا جایا کرتا تھا، وہاں کسی مداری یا شعبدہ باز کے حلقہ میں کھڑے ہو کر تماشہ دیکھنے کے بجائے محدث کے درس حدیث میں شریک ہوتا۔ وہ حدیث وسیرت کی جو بات کہتا وہ مجھے زبانی یاد ہو جاتی، پھر گھر جا کر اس کو لکھ لیتا، دوسرے

لڑکے دجلہ کے کنارے کھیلا کرتے تھے اور میں کسی کتاب کے اوراق لے کر کسی طرف چلا جاتا اور الگ تھلگ بیٹھ کر مطالعہ میں مشغول ہو جاتا۔"

میں اساتذہ و شیوخ کے حلقوں میں حاضری دینے میں اس قدر جلدی کرتا تھا کہ دوڑنے کی وجہ سے میری سانس پھولنے لگتی تھی۔ صبح اور شام اسی طرح گزرتی کہ کھانے کا کوئی انتظام نہیں ہوتا تھا مگر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مخلوق کی احسان مندی سے بچایا۔"

(تاریخ دعوت و عزیمت ص ۲۲۶/۱)

کتابت حدیث میں انہماک

حدیث کی سماعت و کتابت میں اتنا اشتغال رہا، اور اپنے ہاتھ سے مرویات حدیث کی اتنی کتابت کی کہ بعض مورخین کا بیان ہے کہ انھوں نے انتقال کے وقت وصیت کی کہ ان کے غسل کا پانی اس کترن اور برادہ سے گرم کیا جائے جو حدیث کے لکھنے کے لئے قلم بنانے میں جمع ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ اتنا تھا کہ پانی گرم ہو گیا اور وہ بچ رہا۔ (ابن خلکان ص ۳۲۱/۲)

ذوق مطالعہ

مطالعہ کا ذوق اور اس کی حرص بچپن ہی سے بڑھی ہوئی تھی، بغداد عظیم الشان کتابی ذخیروں اور وسیع کتب خانوں سے مالا مال تھا۔ ابن جوزیؒ کا محبوب مشغلہ کتابوں کا مطالعہ تھا۔ ان کا مطالعہ کسی خاص فن یا موضوع سے مخصوص نہ تھا، وہ ہر موضوع کی کتابیں پڑھتے تھے اور ان کو آسودگی نہیں ہوتی تھی۔ "صید الخاطر" میں جو ان کے خیالات و تاثرات کا کشکول ہے، لکھتے ہیں:۔

" میں اپنا حال عرض کرتا ہوں، میری طبیعت کتابوں کے مطالعہ سے

کسی طرح سیر نہیں ہوتی۔ جب کوئی نئی کتاب نظر پڑ جاتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دفینہ ہاتھ آگیا۔ اگر میں کہوں کہ میں نے بیس ہزار کتابوں کا مطالعہ کیا ہے تو بہت زیادہ معلوم ہوگا، اور یہ طالب علمی کا ذکر ہے۔ مجھے ان کتابوں کے مطالعہ سے سلف کے حالات و اخلاق اُن کی عالی ہمتی، قوتِ حافظہ، ذوقِ عبادت اور علوم نادرہ کا ایسا اندازہ ہوا جو اِن کتابوں کے مطالعہ کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے زمانہ کے لوگوں کی سطح پست معلوم ہونے لگی اور اس وقت کے طلبۂ علم کی کم ہمتی منکشف ہو گئی"۔ (دعوت و عزیمت ص۲۲۷ ۱)

تصنیف و تالیف اور تبحّر علمی

علامہ ابن جوزی رحؒ تصنیف و تالیف کی طرف نوعمری ہی سے متوجہ ہوئے، روزانہ چار جزو لکھنے کا زندگی بھر معمول رہا۔ حافظ ابن تیمیہ رحؒ کہتے ہیں کہ میں نے اُن کی تالیفات شمار کیں تو ہزار تک پہنچیں۔ حدیث میں ایسا بلند پایہ رکھتے تھے کہ دعویٰ سے کہتے تھے کہ ہر حدیث کے متعلق کہہ سکتا ہوں کہ صحیح ہے یا حسن یا محال ہے۔ ادب و انشاء و خطابت میں بغداد میں ان کی نظیر نہ تھی۔

تقویٰ اور ذوقِ عبادت

ان علمی کمالات کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دیانت و تقویٰ اور ذوقِ عبادت کی دولت بھی عطا فرمائی تھی۔ اُن کے نواسہ ابو المظفر کہتے ہیں کہ وہ ہر ہفتہ ایک قرآن مجید ختم کرتے تھے۔ کبھی کسی سے مذاق نہیں کیا، بچپن میں کسی بچّہ کے ساتھ کھیلے نہیں، کبھی کوئی مشتبہ چیز نہیں کھائی۔ ساری عمر یہی حال رہا۔

ابن النجار کہتے ہیں کہ اُن کو اذواق صحیحہ حاصل تھے اور حلاوتِ مناجات

ولذتِ دعا کے ذوق آشنا تھے۔ ابن الفارسی کا بیان ہے کہ شب بیدار تھے۔ اور ذکر اللہ سے کبھی غافل نہیں ہوتے تھے۔ ان کی تصنیفات وحالات اور ارشادات سے خود معلوم ہوتا ہے کہ چشم بینا اور دل بیدار رکھتے تھے اور جمعیتِ خاطر اور تعلق مع اللہ کو سرمایۂ زندگی سمجھتے تھے اور اس میں کمی آنے سے بیچین و مضطرب ہو جاتے تھے۔ "صید الخاطر" میں اپنی ایک حالت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"ابتدائے عمر ہی سے میرے اندر طریقِ زہد اختیار کرنے کی رغبت اور اندرونی تقاضا تھا، روزے اور نوافل کا اہتمام والتزام تھا اور تنہائی مرغوب تھی۔ اُس وقت میرے دل کی بڑی اچھی حالت تھی میری چشمِ بصیرت روشن اور سریع الادراک تھی۔ عمر کا جو لمحہ بغیر طاعت کے گزر جاتا اس پر افسوس ہوتا۔ ایک گھڑی غنیمت معلوم ہوتی اور زیادہ سے زیادہ عمل اور اللہ کی رضا کا کام کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا، مجھے اللہ کے ساتھ ایک تعلق اور اُنس اور دعا میں لذت وحلاوت محسوس ہوتی۔ اس کے بعد ایسا معلوم ہوا کہ بعض حکام اور اہلکارانِ سلطنت میری حسنِ تقریر اور وعظ سے متأثر ہوئے اور اُنھوں نے مجھے اپنی طرف مائل کیا اور طبیعت بھی مائل ہوئی، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ حلاوت جو دعا و مناجات میں محسوس ہوتی تھی جاتی رہی۔ پھر دوسرے حاکم نے اپنی طرف مائل کیا، میں (مشتبہ چیزوں کے ڈر سے) اس کے اختلاط اور کھانے پینے سے بچتا تھا، اور میری حالت کچھ بُری نہ تھی۔ پھر رفتہ رفتہ تاویل کا دروازہ کُھل گیا اور میں نے

مباحات میں آزادی سے کام لیا، تو وہ ساری کیفیت جاتی رہی جتنا میں اُن حاکموں سے ملتا اور اُن کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا، قلب کی تاریکی بڑھتی جاتی، یہاں تک کہ ایسا محسوس ہوا کہ وہ روشنی بجھ گئی اور قلب تاریک ہوگیا۔

اس صورتِ حال سے میری طبیعت میں ایک بےچینی پیدا ہوئی اُس بےچینی کا اثر مجلس وعظ کے سامعین پر یہ پڑا کہ وہ بھی بےچین اور متأثر ہونے لگے۔ اس بےچینی کے اثر سے اُن کو بکثرت توبہ و اصلاح کی توفیق ہوتی اور میں خالی ہاتھ کا خالی ہاتھ رہتا۔ اپنی اس مفلسی اور بدقسمتی کو دیکھ کر میرا اضطراب اور بڑھا، لیکن کوئی علاج بن نہ آیا، آخر میں نے صالحین کی قبور کی زیارت کی اور اللہ سے اپنے دل کی اصلاح کی دعا کی۔ بالآخر اللہ کے لطف و کرم نے میری دستگیری کی اور مجھے کشاں کشاں خلوت کی طرف مائل کیا، جس سے مجھے وحشت تھی اور وہ دل جو میرے ہاتھ سے نکل گیا تھا، پھر قابو میں آیا اور جو حالت مجھے بہت اچھی معلوم ہوتی تھی، اُس کا عیب مجھ پر ظاہر ہوا، میں اس خوابِ غفلت سے بیدار ہوا، اور میں نے اپنے مہربان و شفیق آقا (اللہ تعالیٰ) کا دل کھول کر شکر ادا کیا۔" (تاریخ دعوت وعزیمت ص ۲۲۹)

بلند ہمتی اور جامعیت کا شوق

ان کی خاص صفت ان کی عالی ہمتی اور کسب کمالات اور جامعیت کا شوق ہے، جس کا اظہار اُنھوں نے اپنے حالات میں جابجا کیا ہے۔ اُنھوں نے جب کبھی مشہور حوصلہ مندوں اور بلند ہمتوں کا جائزہ لیا ہے، انکی حوصلہ مندی

اپنی بلند ہمتی کے سامنے پست اور محدود نظر آتی ہے۔ "صید الخاطر" میں ایک جگہ تفصیل سے لکھتے ہیں:-

"انسان کے لئے سب سے بڑی ابتلار اُس کی بلند ہمتی ہے، اس لئے کہ جس کی ہمت بلند ہے وہ بلند سے بلند مراتب کو انتخاب کرتا ہے، پھر کبھی زمانہ مساعد نہیں ہوتا، کبھی وسائل مفقود ہوتے ہیں، تو ایسا شخص ہمیشہ کوفت میں رہتا ہے۔ مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے بلند حوصلہ عطا فرمایا ہے اور اُس کی وجہ سے میں بھی تکلیف میں ہوں۔ لیکن میں یہ بھی نہیں کہتا کہ کاش مجھے یہ بلند حوصلہ نہ عطا ہوتا۔"

ف: یہ تھا ہمارے اکابر کا اخلاص کہ جیسے اپنی خوبیوں کا اظہار فرمایا، تاکہ مسترشدین اس کی طرف رغبت کریں، اسی طرح اپنی کمیوں اور کوتاہیوں کا افشار بھی کیا، تاکہ اپنی کسی خوبی پر نظر نہ رہے بلکہ اپنی کمی پیشِ نظر رہے اور ڈرتے رہیں کہ جو خوبیاں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عنایت فرمائی ہیں ان کے سلب ہوجانے سے مامون و مطمئن نہ ہوں۔ اور گریہ وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے استعاذہ اور پناہ مانگتے رہیں۔ (مرتب)

مواعظ میں سامعین کی کثرت انکی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ان کے انقلاب انگیز مواعظ اور مجالس درس ہیں۔

ان مجالس و وعظ نے سارے بغداد کو زیر وزبر کر رکھا تھا۔ خلفار و سلاطین، وزرار اور اکابر علمار ان میں بڑے اہتمام اور بڑے شوق سے شرکت کرتے۔ ہجوم کا یہ حال تھا کہ ایک ایک لاکھ آدمی ایک ایک وعظ میں شمار کئے گئے ہیں۔ دس پندرہ ہزار آدمیوں سے تو کسی طرح کبھی کم نہ ہوتے۔ تاثیر کا یہ عالم تھا کہ لوگ غش کھا کھا کر گرتے

وجد و شوق میں گریبان پھاڑتے، لوگوں کی چیخیں نکل جاتیں، آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتیں، توبہ کرنے والوں کا کچھ شمار نہ تھا۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ بیس ہزار یہودی اور عیسائی اُن کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور (تقریباً) ایک لاکھ آدمیوں نے توبہ کی۔

ابن جوزیؒ نے اپنے مجالس وعظ میں بدعات و منکرات کی کھل کر تردید کی، عقائدِ صحیحہ اور سُنّت کا اظہار کیا۔ اپنی بے مثل خطابت، زبردست علمیت اور عام رجوع کی وجہ سے اہل بدعت کو انکی تردید کا حوصلہ نہ ہوا، سنت کو اُن کے مواعظ و درس اور تصنیفات سے بہت فروغ ہوا۔ اور خلیفۂ وقت اور اُمراء بھی امام احمد کے (جو اُس زمانہ میں مسلک سلف اور طریقۂ سنت کی نشانی سمجھے جاتے تھے) معتقد اور ان کے مذہب کی طرف مائل ہو گئے۔

(تاریخ دعوت وعزیمت ص۲۳۲ ج۱)

عام واقعات سے بڑے بڑے نتائج

ابن جوزی اپنی کتاب میں چھوٹے چھوٹے واقعات اور روزمرہ کے مشاہدات سے بڑے بڑے نتائج نکالتے ہیں۔ اور یہی ایک عامی اور ایک صاحبِ نظر میں فرق ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"میں نے دو مزدوروں کو دیکھا کہ ایک بھاری شہتیر اُٹھا کر لے جا رہے ہیں، اور دونوں کچھ گا رہے ہیں۔ ایک مصرعہ پڑھتا ہے، دوسرا ترنم کے ساتھ اُس کا جواب دیتا ہے۔ ایک پڑھتا ہے تو دوسرا کان لگا کر سنتا ہے، پھر دوسرا اُس کو دہراتا ہے، یا اسی طرح کے مصرعہ سے جواب دیتا ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ اگر

وہ ایسا نہ کریں تو اُن کو محنت اور بوجھ کا احساس زیادہ ہو، لیکن اِس ترکیب سے اُن کا کام آسان ہو جاتا ہے۔ میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ اِس کا سبب یہ ہے کہ ذہن اِتنی دیر دوسرے کام میں لگ کر سستا لیتا ہے اور کچھ سرور حاصل کر لیتا ہے اور جواب کی فکر میں مشغول ہو کر اُس میں تازگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اِس طرح راستہ طے ہو جاتا ہے اور بوجھ کے احساس سے غفلت ہو جاتی ہے۔ اِس سے میرا ذہن اِس طرف منتقل ہوا کہ انسان نے شرعی ذمہ داریوں اور فرائض کا بوجھ اُٹھا رکھا ہے اور سب سے بڑا بوجھ اپنے نفس کی سیاست ہے، بڑا کام یہ ہے کہ اُس کو اُس کے مرغوبات سے روکا جائے اور جن چیزوں سے اُس کو رغبت نہیں اُن پر اُس کو قائم رکھا جائے۔ میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ صبر کے راستہ کو تسلی اور نفس کی جائز دلداری کی مدد سے قطع کیا جائے۔ جیسا کسی شاعر نے کہا ہے کہ "رات بھر چلنے سے سواریاں تھک جائیں اور فریاد کریں تو صبح کی روشنی کی امید دلاؤ اور دن چڑھے آرام کرنے کا وعدہ کر لو۔"

اسی طرح کی حکایت حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ اور اُن کے ایک ساتھی کہیں جا رہے تھے، ساتھی کو پیاس لگی، اُس نے کہا کہ اِس کنوئیں سے پانی پی لیں، بشر حافی نے کہا کہ اگلے کنوئیں سے پی لیں گے۔ جب وہ کنواں آیا، تو بشر حافیؒ نے آگے کے کنوئیں کی طرف اشارہ کیا کہ وہاں تک صبر کرو۔ اسی طرح

تسلی دیتے ہوئے بہت دور لے آئے، پھر اُس سے کہا کہ اسی طرح دنیا کا سفر طے ہوتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جس نے اِس نکتہ کو سمجھ لیا، وہ اپنے نفس کو بہلائے گا اور اُس کی دلجوئی کرے گا اور اُس سے وعدہ کرتا رہے گا، تاکہ وہ اپنے بوجھ کو سنبھال سکے اور اس پر صبر کرے۔ بعض بزرگانِ سلف فرماتے تھے کہ "اے نفس! میں تجھے تیری مرغوب چیز سے روکتا ہوں، تو محض شفقت اور خوف کی بنا پر"۔ حضرت بایزید بسطامیؒ کا قول ہے کہ "اپنے نفس کو اللہ کی طرف بڑھائے لیجاتا اور وہ روتا ہوتا تھا، پھر رفتہ رفتہ ہنستا کھیلتا اللہ کی طرف بڑھنے لگا"۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ نفس کی خاطر داری اور ملاطفت ضروری ہے اور راستہ اسی طرح طے ہوتا ہے"۔ (صید الخاطر ص ۱۴۶-۱۴۷)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں :-

"میں نے دیکھا کہ شکاری کتے جب محلہ کے کتوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو محلہ کے کتے تو اُن کو بھونکتے ہیں اور بہت شور مچاتے ہیں اور اُن کے پیچھے دوڑتے ہیں، وہ دیکھتے ہیں کہ اِن کتوں کی بڑی عزت ہے، ان پر جھول پڑی ہے تو اُن کو ان پر حسد آتا ہے۔ لیکن اس کے برخلاف شکاری کتے ان کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے اور ان کو خاطر میں نہیں لاتے اور ان کے بھونکنے کی کچھ پرواہ نہیں کرتے اس سے ایسا معلوم ہوا کہ شکاری کتے گویا ان کتوں کی قوم ہی میں سے نہیں ہیں۔ اِس لیئے کہ مقامی کتے موٹے بدن اور بھدے اعضاء کے ہیں، ان میں امانت کی صفت نہیں، لیکن شکاری کتے نازک اور

پُھرتیلے ہیں، اور جیسا ان کا بدن نازک اور پُھرتیلا ہے اُسی طرح ان کے عادات مہذّب ہیں۔ وہ جب شکار کرتے ہیں تو کیا مجال ہے کہ اُس کو منہ لگائیں، مالک کے ڈر سے یا اُس کے احسانات کے شکریہ میں وہ اس شکار کو جوں کا توں پہنچا دیتے ہیں۔ اس سے ایک بات تو میں سمجھا کہ بدن اور اخلاق میں خاص مناسبت ہوتی ہے۔ اگر وہ لطیف ہے تو یہ بھی لطیف ہیں۔ دوسرے یہ معلوم ہوا کہ آدمی کو اس پر حسد نہیں آتا جس کو وہ اپنے طبقہ یا اپنی سطح کا نہیں سمجھتا۔ اسی طرح جس کو اللہ تعالیٰ ایمان و عقل کی دولت سے سرفراز کرے، اُس کو اپنے اُس حاسد پر حسد نہیں ہوتا جو ایمان و عقل سے محروم ہو، اور وہ اُس کو قابلِ التفات نہیں سمجھتا، اس لئے کہ وہ دوسرے عالم میں ہے اور یہ دوسرے عالم میں۔ وہ دنیا کی بناء پر حسد کرتا ہے اور اس کا مطمحِ نظر آخرت ہے۔ اور دونوں میں بُعد المشرقین ہے۔ (صید الخاطر ص ۶۳۹-۶۴۰ ج ۳) (از دعوت و عزیمت ص ۲۴۲ ج ۱)

سلف صالحین کے حالات کے مطالعہ کی ضرورت

وہ باوجود محدّث و فقیہ ہونے کے اِس حقیقت سے بے خبر نہ تھے کہ قلب کی اصلاح اور ذوق و شوق پیدا کرنے کے لئے مؤثر واقعات اور سلف صالحین کے حالات کے مطالعہ کی ضرورت ہے۔ "تلبیس ابلیس" اور "صید الخاطر" دونوں میں فقہاء و محدّثین اور طلبہ و علماء کو وہ اس کا مشورہ دیتے ہیں اور اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں۔ "صید الخاطر" میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"میں نے دیکھا کہ فقہ اور سماعِ حدیث میں انہماک و مشغولیت

قلب میں صلاحیت پیدا کرنے کے لئے کافی نہیں۔ اس کی تدبیر یہ ہے کہ اس کے ساتھ مؤثر واقعات اور سلف صالحین کے حالات کا مطالعہ بھی شامل کیا جائے، حرام وحلال کا خالی علم قلب میں رقت پیدا کرنے کے لئے کچھ زیادہ سودمند نہیں۔ قلوب میں رقت پیدا ہوتی ہے مؤثر احادیث وحکایات سے اور سلفِ صالحین کے حالات سے، اس لئے کہ ان نقول وروایات کا جو مقصود ہے وہ ان کو حاصل تھا احکام پر اُن کا عمل شکلی اور ظاہری نہ تھا، بلکہ اُن کو اُن کا اصلی ذوق اور لبِّ لباب حاصل تھا۔ اور یہ جو میں تم سے کہہ رہا ہوں وہ عملی تجربہ اور خود آزمائش کرنے کے بعد ہے۔ میں نے دیکھا کہ عموماً محدثین اور طلبۂ فنِ حدیث کی تمام تر توجہ اونچی سندِ حدیث، اور کثرت مرویات کی طرف ہوتی ہے۔ اسی طرح عام فقہاء کی تمام تر توجہ جدلیات اور حریف کو زیر کرنے والے علم کی طرف ہوتی ہے۔ بھلا ان چیزوں کے ساتھ قلب میں کیا گداز اور رقت پیدا ہو سکتی ہے۔ سلف کی ایک جماعت کسی نیک اور بزرگ شخص سے محض اس کے طور طریقے کو دیکھنے کے لئے ملنے جاتی تھی علم کے استفادہ کے لئے نہیں، اس لئے کہ یہ طور وطریقہ اس کے علم کا اصل پھل تھا، اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھ لو اور فقہ وحدیث کی تحصیل میں سلف صالحین اور زہّادِ اُمت کی سیرت کا مطالعہ ضرور شامل کرو، تاکہ اس سے تمھارے دل میں رقّت پیدا ہو۔"

(تاریخ دعوت وعزیمت ص۲۴۶؍۱)

ف : سبحان اللہ، حضرت العلامہ ابن جوزیؒ اپنے مسترشدین کو سلفِ صالحین کی سیرت کے مطالعہ کی کیسی نصیحت فرمارہے ہیں، جبکہ عام طور پر صوفیہ کے مخالف سمجھے جاتے ہیں۔ اسی طرح ہر زمانہ کے علماء کو سیرتِ سلف کے مطالعہ کی طرف ترغیب دینی چاہئے تاکہ طلبہ علم و عمل کے ساتھ اُن کے حال سے بھی متصف ہوں۔ (مرتب)

مختلف طبقات پر تنقید

علماء پر تنقید اپنے زمانہ کے اُن علماء پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں جو فقہ کے مسائل و جزئیات میں دن رات منہمک تھے اور اس فن میں موشگافیاں کرتے رہتے تھے:-

" ان فقہاء کی ایک کمزوری یہ ہے کہ ان کا سارا انہماک اسی غور و فکر میں ہے انھوں نے اپنے فن میں ان چیزوں کو شامل نہیں کیا ہے جن سے قلوب میں رقّت پیدا ہوتی ہے، مثلاً قرآن مجید کی تلاوت، حدیث و سیرت کی سماعت اور صحابۂ کرام رضؓ کے حالات کا مطالعہ و بیان۔ سلف میں سے ایک بزرگ کا مقولہ ہے کہ ایک حدیث جس سے میرے دل میں رقّت پیدا ہو قاضی شریحؒ کے سَو فیصلوں سے مجھے زیادہ محبوب ہے۔

واعظین پر تنقید واعظین پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:- ان میں سے اکثر لوگ بڑی آراستہ اور بڑی پُرتکلف عبارت بولتے ہیں جو اکثر بے معنی ہوتی ہے۔ اس زمانہ میں مواعظ کا بڑا حصّہ موسیٰ، کوہ طور، یوسف زلیخا کے قصّوں سے متعلق ہوتا ہے، فرائض کا بہت کم تذکرہ آنے پاتا ہے۔ اسی طرح گناہوں سے

بچنے کا ذکر کبھی نہیں آتا۔ ان واعظوں نے شریعت کو پس پشت ڈال دیا ہے، اسی لئے ان کا بازار خوب گرم ہے۔ اس لئے کہ حق ہمیشہ طبیعتوں پر بھاری ہوتا ہے اور باطل ہلکا اور خوشگوار۔" (تاریخ دعوت وعزیمت ج ۱ ص ۲۳۶)

حکّام وسلاطین پر تنقید

حکّام وسلاطین پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ حضرات شریعت کے مقابلہ میں اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں۔ کبھی اس شخص کا ہاتھ کاٹتے ہیں جس کا ہاتھ کاٹنا جائز نہیں اور کبھی اس کو قتل کرتے ہیں جس کا قتل حلال نہیں ان کو یہ دھوکہ ہے کہ یہ سیاست ہے۔ ۔ ۔ یہ شیطان کا بہت بڑا فریب ہے اس لئے کہ شریعت سیاست الٰہی ہے۔ اور محال ہے کہ خدائی سیاست میں کوئی خلل یا کمی ہو، جس کی وجہ سے اس کو مخلوق کی سیاست کی ضرورت ہو۔ ان حکّام وامراء اور سلاطین کی ایک دوسری کمزوری ومغالطہ کا ذکر کرتے ہیں:۔

معاصی پر اصرار کے ساتھ ساتھ ان کو صلحاء کی ملاقات کا بھی بڑا شوق ہوتا ہے اور ان سے وہ اپنے حق میں دعائیں کراتے ہیں۔ شیطان ان کو سمجھاتا ہے کہ اس سے گناہوں کا پلڑا ہلکا ہو جائے گا۔ حالانکہ اس خیر سے اس شر کا دفعیہ نہیں ہو سکتا۔

ایک جگہ اس کا ذکر کرتے ہیں کہ" ان امراء ودنیاداروں کو علماء وفقہاء سے زیادہ خلاف شرع پیروں اور گانے بجانے والے صوفیوں سے عقیدت ومحبت ہوتی ہے اور ان پر وہ بڑی فراخ دلی سے خرچ کرتے ہیں۔ جبکہ اہل علم پر ایک پیسہ خرچ کرنا ان کو بار ہوتا ہے۔ اس لئے کہ علماء اطباء کی طرح ہیں اور دوا میں خرچ کرنا انسان کو بڑا بار معلوم ہوتا ہے۔

عوام پر تنقید عوام پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: شیطان نے بہت سے عوام کو دھوکہ دے رکھا ہے کہ وعظ و ذکر کی مجالس میں شریک ہونا اور متأثر ہو کر رونا ہی سب کچھ ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مقصود محفل خیر میں شرکت و رقت ہے۔ میں ذاتی طور پر بہت سے آدمیوں کو جانتا ہوں کہ وہ سالہا سال سے مجلس وعظ میں شریک ہوتے ہیں اور روتے ہیں، متأثر ہوتے ہیں لیکن نہ سود لینا چھوڑتے ہیں نہ تجارت میں دھوکہ دینے سے باز آتے ہیں۔ ارکان صلوٰۃ سے جیسے وہ بیخبر برسوں پہلے تھے ویسے ہی اب بھی ہیں۔ مسلمانوں کی غیبت، والدین کی نافرمانی میں جس طرح پہلے مبتلا تھے اسی طرح اب بھی مبتلا ہیں۔ شیطان نے ان کو یہ جُل دے رکھا ہے کہ مجلس وعظ کی حاضری اور گریہ و بکا ان کے گناہوں کا کفّارہ بن جائیگا، بعض کو یہ سمجھا رکھا ہے کہ علماء و صالحین کی صحبت ہی مغفرت کا ذریعہ ہے۔

دولتمندوں پر تنقید دولتمندوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ان میں سے بہت سے لوگ مساجد اور پلوں کی تعمیر میں بہت کچھ خرچ کرتے ہیں مگر ان کا مقصود ریا اور شہرت ہوتی ہے اور یہ کہ اُن کا نام چلے اور یادگار رہے۔ چنانچہ وہ اُس تعمیر پر اپنا نام کندہ کرواتے ہیں اگر رضاءِ الٰہی مقصود ہوتی تو اس کو کافی سمجھتے کہ اللہ تعالےٰ دیکھتا جانتا ہے۔ ایسے لوگوں سے اگر صرف ایک دیوار بنانے کو کہا جائے جس پر اُن کا نام کندہ نہو تو وہ منظور نہ کریں گے۔

ف: ہمارے زمانہ کے ہر طبقہ کا حال اس سے بھی بدتر ہے جو حضرت العلامہؒ نے اپنے زمانہ کے لوگوں کا تحریر فرمایا ہے۔ العیاذ باللہ تعالےٰ۔ (مرتب)

وفات ۵۹۷ھ میں شب جمعہ کو اس داعی الی اللہ نے وفات پائی۔ رحمہ اللہ۔ سچ ہے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

(دعوت و عزیمت صفحہ ۲۵۱ ج ۱)

شیخ ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم القریشی الہاشمی قدس سرہ المتوفی ۵۹۹ھ

نام و نسب نام محمد، کنیت ابو عبد اللہ، لقب ہاشمی، والد کا نام ابراہیم القریشی ہے۔

تعارف آپ عارفوں کے امام، سالکوں کی دلیل، اقوال فاخرہ اور کمالات باہرہ کے مالک تھے۔

ارشادات فرماتے تھے کہ موجودات میں دینی بھائی سے بڑھ کر کوئی عزیز نہیں، پس اگر ایسا کوئی بھائی مل جائے تو اسکو مضبوطی سے پکڑ لو۔

ف: دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے ایسے دینی بھائیوں سے شادکام کرے۔ آمین! (مرتب)

فرماتے تھے: جو شخص ادب کی حفاظت نہیں کرتا وہ ہلاک ہو جاتا ہے اور جو شخص فقراء کا ادب نہیں کرتا، انکی برکتوں سے محروم رہتا ہے۔

ف: سبحان اللہ، ادب کی کیسی منفعت اور برکت بیان فرمائی۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ جس کسی کو جو دولت ملتی ہے وہ ادب ہی سے ملتی ہے۔ اور یہ مقولہ مشہور ہے: "با ادب با نصیب، بے ادب بے نصیب" اور "الطرق کلّھا آداب" (مرتب)

فرماتے تھے کہ بہت بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی نقض عہد کرے اور غفلت کی بنا پر اسکی طرف توجہ بھی نہ کرے۔ اس لئے کہ یہ غضب الٰہی کا موجب ہے۔

وفات

آپ نے ۵۹۹ھ مطابق ۱۲۰۲ء میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ

(نفحات الانس ص ۵۸۹)

حضرت الشیخ ابو العباس احمد الملثم رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۶۷۲ھ

تعارف آپ مصر کے جلیل القدر محقق و بزرگ تھے اور اطراف عالم سے لوگ آپ کی زیارت کے لئے آتے تھے اور اس دور کے مصر کے علماء آپ کے سامنے با ادب بیٹھتے تھے اور آپ کے والد اس وقت مشرق میں حاکم تھے۔

فضل و کمال آپ اللہ تعالٰی کے مقبول بندے تھے۔ لہٰذا اللہ کی مرضی سے جو بات آپ کی زبان سے نکلتی تھی اللہ تعالٰی اسے پوری کر دیتے تھے، خواہ وہ باتیں مستقبل کی ہی کیوں نہ ہوں۔ اسی وجہ سے آپ خود بھی فرماتے تھے کہ میں اپنے اختیار سے باتیں نہیں کہتا ہوں۔

کرامت آپ کا ایک واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک قاضی آپ کے انکار پر آمادہ ہوا۔ اور اس نے آپ کی تکفیر کا محضر لکھا اور اس کو صندوق میں رکھ کر صندوق کو مقفل کیا تاکہ صبح آپ کو بلا کر شریعت کا حکم سنائے، لیکن صبح جب اس نے صندوق کو کھولا تو وہ محضر اس میں موجود نہ تھا، جبکہ اُس صندوق کی کنجی اُسی کے پاس تھی۔ اس پر وہ کافی حیران و پریشان تھا کہ اس دوران شیخ اس محضر کو لے کر قاضی کے پاس تشریف لائے اور اس سے کہنے لگے کہ جس نے تیرے صندوق سے اِس محضر کو نکال لیا، وہ تیرے دل سے ایمان کو بھی نکال سکتا ہے۔ آخر قاضی نے توبہ کی اور ڈر گیا اور اپنے اس ناپاک ارادہ سے باز آیا۔

آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی اور آپ کی معرفت حاصل کی شریعتِ محمدی کی وقعت اور آداب کی پابندی کی۔

ارشادات

آپ فرماتے تھے کہ سیدی احمد رفاعیؒ کی سند سے مجھ کو خبر پہنچی ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ جب حق سبحانہ وتعالیٰ کسی بندے کے قلب پر چھا جاتا ہے تو جو کچھ بندے کیطرف سے ہے وہ چلا جاتا ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے وہ رہ جاتا ہے۔ اُسوقت بندہ مٹی کے برتن کی طرح باقی رہ جاتا ہے جیسا کہ وہ ابتدائے پیدائش میں ہوتا ہے۔ اس کی اپنی ذات کی حیثیت سے کوئی حرکت نہیں ہوتی، اُس کی حرکت تو اُسی کی طرف سے ہوتی ہے جو اس کو جنبش دیتا ہے۔ اور اس میں نہ کوئی اختیار رہتا ہے اور نہ ارادہ اور نہ علم و عمل۔

وہ فرماتے تھے کہ اقطاب اقطاب نہ ہوئے اور اوتاد اوتاد نہ ہوئے۔ اولیاؔ اولیاء نہ ہوئے مگر وہ سب کے سب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم اور ان کی معرفت اور ان کی شریعت کی توقیر اور ان کے آداب سے مؤدب ہونے کی وجہ سے ان درجات عالیہ تک پہنچے۔ فرماتے تھے کہ جب قلب نور سے بھر جاتا ہے تو بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو حجابات ہوتے ہیں سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ (طبقات ص ۱۵۷)

وفات: آپ کی وفات کے بارے میں کوئی متعین تاریخ نہیں معلوم ہو سکی، لیکن ۶۰۰ھ کے قریب آپ نے دار فانی سے دار باقی کی طرف کوچ فرمایا۔ مصر کے قبرستان حسینیہ میں مدفون ہوئے، آپ کی قبر ایک مسجد میں ہے۔ نوّر اللہ مرقدہٗ۔

(طبقات کبریٰ ص ۱۵۱)

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ المتوفی ۶۰۶ھ

نام و نسب نام فخر الدین رازی، کنیت ابو عبداللہ محمد، والد کا نام ضیاء الدین عمر بن حسین القرشی ہے۔ آپ امام المتکلمین، قاطع بدعات، فخر الاسلام والمسلمین، حجۃ اللہ علی العالمین وغیرہ گرانقدر القاب سے یاد کئے جاتے تھے۔

فضل و کمال امام رازی رح شافعی مسلک کے تھے اور یگانۂ روزگار مفسرین و متکلمین اور علم اصول کے مسلمہ علماء میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ آپ کی تصنیفات کی تعداد بہت زیادہ ہے، آپ کا حسب نسب نہایت بلند پایہ اور عالی مرتبت ہے۔ آپ کی منزلت و مرتبہ کا حال یہ ہے کہ علم اصول کے بڑے بڑے علماء جب آپ کا کوئی قول نقل کرتے ہیں تو ان الفاظ میں حوالہ دیتے ہیں کہ: امام نے فرمایا۔ یا۔ امام کے نزدیک یوں ہے۔ علماء جب بھی کسی حوالہ میں نام ذکر کئے بغیر یوں کہتے ہیں کہ "امام نے فرمایا" تو ہمیشہ ہر عبارت اور ہر کتاب میں لفظ امام سے حضرت امام رازی ہی مراد ہوتے ہیں۔

ولادت اور تحصیل علم امام رازی رح کی ولادت ۲۵ رمضان المبارک ۵۴۳ھ یا ۵۴۴ھ یا ۵۴۵ھ میں شہر "رے" میں ہوئی۔ آپ نے اپنے والد ماجد امام ضیاء الدین عمر سے تعلیم حاصل کرنی شروع کی، جو "رے" کے خطیب تھے اور "خطیب الرے" کہلاتے تھے۔ چنانچہ امام رازی کو لوگ

احتراماً "ابن خطیب الری" کہنے لگے تھے اور ان کے والد کی طرف نسبت کرتے ہوئے انھیں اس لقب سے یاد کرتے تھے۔

امام رازی رحؒ اپنے والد ماجد کی وفات تک ان ہی سے تحصیل علم کرتے رہے۔ اس کے بعد امام صاحب کمال سمعانی رحؒ کی خدمت میں پہنچ گئے، اور ایک مدت تک ان کے پاس وقت گزارا، مگر پھر واپس شہر رے میں ہی لوٹ آئے اور اسرار وحِکَم کے علوم حاصل کرنے میں مشغول رہے۔ شیخ مجدالدین جیلی سے مکمل طور پر حکمت کی تعلیم حاصل کی۔ یہ مجدالدین الجیلی اپنے زمانہ کے بیحد ممتاز و مشہور لوگوں میں سے تھے اور محمد بن یحییٰ کے ساتھیوں میں سے تھے۔ پھر جب شیخ مجدالدین جیلی کو شہر مراغہ میں رہ کر تعلیم دینے اور درس و تدریس کی دعوت دی گئی تو امام رازی بھی ان کے ساتھ مراغہ چلے گئے، اُس وقت امام صاحبؒ بہت چھوٹی عمر کے تھے، وہاں انھوں نے علم کلام وحکمت کی تعلیم ایک لمبی مدت تک حاصل کی۔ ابتدار میں امام رازی فقہ کی تعلیم حاصل کرتے رہے، اس کے بعد ہی انھوں نے اسرار وحِکَم کے علوم پر توجہ دی، یہاں تک کہ اس موضوع و مضمون میں ایسی زبردست امتیازی شان حاصل کرلی کہ اُس دور میں اُن کے درجہ کا کوئی دوسرا عالم نہیں تھا، ان کی مجلسوں میں زبردست وقار اور دبدبہ تھا اور امام صاحب کی تعظیم بادشاہ تک کرنے لگے۔

آپ کے شیوخ

ابن خلکان کہتے ہیں، امام رازی رحؒ نے اپنی کتاب "تحصیل الحق" میں لکھا ہے کہ "علم اصول کی تعلیم اپنے والد شیخ ضیار الدین عمر سے حاصل کیا اور جہاں تک فقہ اور شریعت کا تعلق ہے تو اسکی تعلیم بھی اپنے والدؒ سے حاصل کی۔ اور علم کلام میں امام حرمین سے

خوشہ چینی کی ہے، پھر آپ خوارزم چلے گئے جہاں تمام علوم میں مہارت حاصل کی۔

علوم و معارف اور تصنیفات

امام رازیؒ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے علماء میں سے تھے، فقہ، علم منطق اور علم کلام میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا، ساتھ ہی علم طب میں بھی امام صاحبؒ اپنے وقت کے حاذق ترین طبیبوں میں سے تھے طبیب کی حیثیت سے بھی ان کی شہرت چاروں طرف دور دور تک تھی۔ یہ امام صاحب کے فضل و کمال ہی کا نتیجہ تھا کہ اُن کی شہرت سُن کر دور دور کے شہروں سے طالبانِ علم اُن کی خدمت میں حاضر ہونے لگے اور ان کے دریائے علم و معرفت سے فیض حاصل کرنے لگے۔

امام صاحبؒ کی نظر بہت گہری، گفتگو نہایت فصیح و اعلیٰ اور بات کو کہنے کا ڈھنگ اور اندازِ بیان نہایت بلیغ تھا۔ (تفسیر رازی اردو صـ۱۲)

آپ کے متعلق حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے جو ارشاد فرمایا ہے اس کو نقل کرنا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے:۔

چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ امام رازیؒ کی "تفسیر کبیر" کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ وہ نظمِ قرآن کے سلسلہ میں بھی بہترین تفسیر ہے۔ اس میں شک نہیں کہ امام رازیؒ پر معقولات کا غلبہ تھا۔ اور اسی وجہ سے کہنے والوں نے تفسیر کبیر کے بارے میں یہاں تک کہہ دیا "فیہ کل شیٔ الا التفسیر" لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر انصاف کے ساتھ ان کی تفسیر کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اُنھوں نے نظمِ قرآن کے سلسلہ میں غیر معمولی تدبر سے کام لیا ہے، اور اس کی تحقیق میں خوب محنت کی ہے۔ یہ اور بات

ہے کہ انکی بعض باتوں سے اختلاف ہو، لیکن بحیثیت مجموعی ان کی تفسیر بحیثیت تفسیر بھی خوب ہے۔ اس کے علاوہ بکثرت ایسی صحیح احادیث بھی تفسیر میں لے آئے ہیں جو متداول کتب حدیث میں نہیں ملتیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی نظر حدیث میں بھی وسیع ہے۔ (اکابر دیوبند کیا تھے ص۲۱ مؤلفہ مفتی محمد تقی عثمانی)

صفات اور حلیہ

امام رازی رحؒ ذاتی طور پر بھی ایک باوقار شخصیت کے مالک تھے۔ میانہ قد، بھاری بدن، گھنی ڈاڑھی و بلند آوازی کے ساتھ آپ ایک باوقار اور وجیہ انسان تھے۔ آپ نہایت دولت مند اور صاحب ثروت شخص ہونے کے ساتھ خوش پوش اور خوبصورت شخص تھے۔

مورخین لکھتے ہیں کہ جب آپ سواری پر روانہ ہوتے تو تقریباً تین سو طالب علم آپ کے ساتھ ہوتے، اور دوران سفر بھی آپ کے علمی فیضان کا سلسلہ جاری رہتا۔ مختلف فنون کے طالب علم اپنے اپنے موضوع و مضمون کے مطابق تفسیر، فقہ، علم کلام، طب، اصول اور حکمت وغیرہ کے متعلق سوالات کرتے رہتے اور امام صاحبؒ کے دریائے علم سے سیراب ہوتے رہتے۔

وعظ و تقریر

حضرت امام علیہ الرحمۃ ایک قادر الکلام واعظ اور مقرر تھے یہ آپ کے حسن بیان اور کلام کی تاثیر تھی کہ جب آپ وعظ فرماتے تو آپ کی جادو بیانی اور دلسوزی سے سامعین زار و قطار روتے رہتے۔

علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں: امام صاحب کو وعظ و تقریر میں ید بیضا ر حاصل تھا۔ آپ عربی اور دیگر زبانوں میں وعظ فرماتے تھے۔ وعظ کے دوران آپ پر ایسی وجد کی سی کیفیت طاری ہوجایا کرتی کہ آپ زار و قطار روتے

رہا کرتے تھے۔ شہر ہرات میں آپ کی مجلسوں کا زبردست شہرہ تھا، یہاں تک کہ آپ کی دینی و علمی مجلسوں میں دوسرے مسلکوں اور فرقوں کے علماء بھی حاضر ہوتے اور آپ سے سوالات کرتے، امام صاحبؒ ہر سوال کا نہایت فاضلانہ وعالمانہ جواب دیتے، اسی کا نتیجہ تھا کہ فرقہ کرامیہ کے بے شمار لوگوں نے اپنے عقائد سے توبہ کی اور اہلسنت والجماعت کا مسلک اختیار کیا۔ شہر ہرات میں حضرت امام صاحبؒ کو "شیخ الاسلام" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

بادشاہوں میں حضرت کا مقام و احترام

امام صاحب جب غزنہ کے بادشاہ سلطان شہاب الدین کے پاس گئے تو سلطان نے آپ کا غیر معمولی اعزاز و اکرام کیا اور بادشاہ کی طرف سے بے انتہا مال و دولت سے نوازا گیا۔ پھر امام صاحبؒ سلطان علاؤالدین خوارزم سے وابستہ ہو گئے، اس دربار میں بھی امام صاحبؒ کی بے انتہا قدر و منزلت کی گئی۔ خود خوارزم شاہ امام صاحبؒ کا اتنا احترام اور ادب کرتا تھا کہ جب بھی بادشاہ کا دل حضرت امام کی زیارت کو چاہتا تو وہ خود بنفس نفیس امام صاحب کے مکان پر حاضر ہوتا، اور اس بارے میں کبھی کسی طرح کے تکلفات اور رسمیات کو خاطر میں نہ لاتا۔ اُس زمانہ کے تمام ہی بڑے بڑے لوگ امام صاحب کا غیر معمولی احترام اور اعزاز کرتے تھے۔ یہاں تک کہ امام صاحبؒ کی وفات کے بعد تمام علماء اور امراء نے امام صاحب کی اولاد کا بھی ہمیشہ امام صاحب کی وجہ سے غیر معمولی احترام و اعزاز اور انکی سرپرستی کی۔

امام صاحب کے درس کی شان

جب امام صاحبؒ اپنے درس میں بیٹھتے تو آپ کے چاروں طرف

حلقہ بنا کر آپ کے تمام شاگردانِ رشید بیٹھتے۔ جیسے حضرت زین الدین الکشی علامہ قطب مصری، اور شیخ شہاب الدین نیشاپوری، پھر ان کے بعد دوسرے شاگرد بیٹھتے اور اس کے بعد دوسرے شاگرد اپنے اپنے علم اور فہم کے مرتبوں کے لحاظ سے بیٹھتے۔ اب اگر کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو پہلے عام شاگردوں میں سے کوئی اس کا جواب دیتا، اگر اس میں اسے کوئی مشکل پیش آتی تو پھر بڑے اور اہم شاگردوں میں سے کوئی شاگرد جواب دیتا ورنہ امام صاحب خود اس کا جواب دیتے جو غیر معمولی طور پر عالمانہ اور کافی و شافی جواب ہوتا تھا۔

سلطان کا امام رازی کیلئے اعزاز

علامہ شمس الدین محمد الوتار الموصلی بیان کرتے ہیں کہ:۔

میں اُس وقت شہر ہرات میں تھا جب امام رازیؒ شہر بامیان سے وہاں تشریف لائے۔ بامیان کا یہ شہر بلخ، ہرات اور غزنہ کی پہاڑیوں پر واقع تھا، جیسا کہ یاقوت نے لکھا ہے، امام رازیؒ کے ساتھ آپ کے خدام و معتقدین اور شاگردوں کا ایک زبردست مجمع تھا، جب آپ ہرات پہنچے تو خود بادشاہ نے آپ کا استقبال کیا اور غیر معمولی اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ کو شاہی مہمان بنایا۔ پھر بادشاہ نے شہر ہرات کی جامع مسجد میں امام رازیؒ کے لئے ایک منبر بنوایا اور وہیں امام صاحب کی مجلسوں کے لئے آپ کے واسطے ایک تکیہ رکھوایا، تاکہ اِس جگہ امام صاحب تشریف فرما ہوں۔ نیز بادشاہ نے امام صاحب کی طرف سے ایک دن متعین کیا تاکہ اُس روز عقیدت مند حاضر ہو کر آپ کی زیارت سے بہرہ ور ہوں، اور آپ کی علمی گفتگو اور فاضلانہ کلام

سن کر فیض حاصل کریں۔

امام صاحب کا تصوف و زہد

کہا جاتا ہے کہ امام رازی موت کو بہت زیادہ یاد رکھتے تھے وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے وہ تمام علوم حاصل کئے جو ایک انسان کی طاقت میں ہیں، اب مجھے صرف حق تعالیٰ کی ملاقات اور اس کے روبرو حاضری کی تمنا و آرزو ہے۔ **ف:** سبحان اللہ، لقائے محبوب کا کس قدر شوق تھا۔ (مرتب)

علم کلام سے شغف پر ندامت

علامہ ابن صلاح کہتے ہیں: علامہ قطب طوفانی نے مجھ سے دو مرتبہ بتایا کہ انھوں نے امام فخر الدین رازی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ کاش میں علم کلام میں اتنا مشغول نہ ہوتا۔ یہ کہہ کر وہ رونے لگتے۔

علامہ ابن صلاح کی ہی روایت ہے کہ امام صاحب کہا کرتے تھے:۔ میں نے علم کلام اور فلسفہ کی تمام بنیادوں پر دسترس حاصل کی، مگر انجام کار پتہ چلا کہ اس سے نہ پیاسے کی پیاس بجھتی ہے اور نہ بیمار کو شفا ملتی ہے، میں نے دیکھا کہ سب سے بہتر راستہ قرآن کریم ہی کا راستہ ہے۔ اب میں اللہ کی برتری کے اقرار میں یہ پڑھتا ہوں: وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ (یعنی اللہ ہی بے نیاز ہے اور تم سب محتاج ہو) اور یہ ارشاد باری تعالیٰ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (یعنی اس کی طرح کا سا کوئی نہیں ہے) اور یہ ارشاد حق قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (یعنی آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے۔)

اور ذات حق کے ثبوت میں یہ آیات پڑھتا ہوں: اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى یعنی وہ بڑا مہربان عرش پر قائم ہوا۔ اور یہ ارشاد حق

یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ (یعنی ڈر رکھتے ہیں اپنے رب کا اپنے اوپر سے) اور یہ ارشاد: اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ (اس کی طرف چڑھتا ہے کلام ستھرا)

اور اس حقیقت کے اعتراف میں کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے یہ پڑھتا ہوں: قُلْ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (یعنی کہہ دو کہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔) ــــ پھر امام صاحبؒ نے فرمایا۔ اور میں دل کی پوری سچائی کے ساتھ اور روح کی گہرائیوں کے ساتھ اقرار کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ ہر وہ چیز جو سب سے زیادہ مکمل، سب سے زیادہ افضل، سب سے زیادہ عظیم اور سب سے زیادہ بلند پایہ ہے وہ تیرے ہی شایان شان ہے۔ اور ہر وہ چیز جو عیب اور خامی ہے تو اس سے پاک ہے۔

امام رازیؒ بہت عمدہ شعر کہتے تھے۔ اس موقع پر ان کے کچھ اشعار نمونہ کے طور پر پیش کر دینا بھی غیر مناسب نہ ہوگا۔ ابن اُہدل نے امام صاحب کے یہ اشعار نقل کئے ہیں ؎

نِهَایَةُ اِقْدَامِ الْعُقُوْلِ عِقَالٌ
وَاَکْثَرُ سَعْیِ الْعَالَمِیْنَ ضَلَالٌ

ترجمہ: عقلوں کی آخری پرواز شکست ہے اور اہل علم کی ہر کوشش و جدّ و جہد کا آخری نتیجہ حیرانی و پریشانی ہے۔

وَاَرْوَاحُنَا فِیْ وَحْشَةٍ مِنْ جُسُوْمِنَا
وَحَاصِلُ دُنْیَانَا اَذًی وَوَبَالٌ

ترجمہ: ہماری روحیں ہمارے جسموں میں مبتلائے وحشت ہیں اور اس دنیا کا

انجام سوائے تکالیف اور پریشانیوں کے اور کچھ بھی نہیں۔

وَلَمْ نَسْتَفِدْ مِنْ بَحْثِنَا طُولَ عُمْرِنَا
سِوَىٰ اَنْ جَمَعْنَا فِيْهِ قِيْلَ وَقَالُ

ترجمہ: پوری عمر بحثوں میں اُلجھے رہے، مگر حاصل قیل و قال کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔

وَكَمْ قَدْ رَاَيْنَا مِنْ رِجَالٍ وَدَوْلَةٍ
فَبَادُوا جَمِيْعًا مُسْرِعِيْنَ وَزَالُوا

ترجمہ: بہت سے حکمراں دیکھے اور بہت سی حکمرانیاں منظر عام پر اُبھریں مگر انجام زوال و فنا کے سوا کیا ہوا۔

وَكَمْ مِنْ جِبَالٍ قَدْ عَلَتْ شُرُفَاتِهَا
رِجَالٌ فَزَالُوْا وَالْجِبَالُ جِبَالُ

ترجمہ: کتنے ہی اہل علم بلند پہاڑوں سے بھی اونچے پہنچے، لیکن یہ پہاڑ تو اپنی جگہ رہے، جبکہ وہ علم کے پہاڑ موت کی آغوش میں جا کر سو گئے۔

علامہ ابن خلکان کہتے ہیں، ابو عبداللہ حسین الواسطی کہتے ہیں کہ میں نے ہرات میں امام رازیؒ کو منبر پر یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا۔ اس سے پہلے امام صاحب شہر ہرات والوں کو تادیب اور فہمائش کر رہے تھے ؎

اَلْمَرْءُ مَادَامَ حَيًّا يُسْتَهَانُ بِهٖ
وَيَعْظُمُ الرُّزْءُ فِيْهِ حِيْنَ يُفْتَقَدُ

ترجمہ: آدمی جب تک زندہ رہتا ہے تو ہر قدم پر اس کی توہین کی جاتی ہے لیکن جب وہ مر جاتا ہے تو اُسکی موت پر واویلا مچایا جاتا ہے۔

امام صاحب کے کچھ اشعار یہ ہیں ؎

فَلَوْ قَنَعَتْ نَفْسِیْ بِمَیْسُوْرِ بُلْغَۃٍ
لَمَا سَبَقَتْ فِی الْمَکْرُمَاتِ رِجَالُھَا

ترجمہ: اگر میرا نفس اُس چیز پر قانع ہوتا جو اُسے مل گئی، تو کمالات میں اصحابِ کمال پر سبقت نہ لے جاتا۔

وَلَوْ کَانَتِ الدُّنْیَا مُنَاسِبَۃً لَھَا
لَمَا اسْتَحْقَرَتْ نُقْصَانَھَا وَکَمَالَھَا

ترجمہ: اگر دنیا مجھے راس آتی تو میں اس کے عروج وزوال کو خاطر میں نہ لاتا۔

وَلَا اُرْمِقُ الدُّنْیَا بِعَیْنِ کَرَامَۃٍ
وَلَا اَتَّوَقّٰی سُوْءَھَا وَاخْتِلَالَھَا

ترجمہ: اُمیں دنیا کو للچائی ہوئی نگاہوں سے نہیں دیکھتا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں اسکی برائیوں اور تباہ کاریوں سے نہیں بچ سکتا تھا۔

وَذٰلِکَ لِاَنِّیْ عَارِفٌ بِفَنَائِھَا
وَمُسْتَیْقِنٌ تِرْحَالَھَا وَانْحِلَالَھَا

ترجمہ: اور میں دنیا سے اس لئے بچ رہا کہ میں جانتا ہوں یہ دنیا فناپذیر ہے اور اس بات کا یقین کئے ہوئے ہوں کہ عنقریب یہ رنگینیاں چھوٹ جانے والی ہیں۔

اَرُوْمُ اُمُوْرًا یَصْغُرُ الدَّھْرُ عِنْدَھَا
وَتَسْتَعْظِمُ الْاَفْلَاکُ فِیْ وِصَالِھَا

ترجمہ: میں نے بعض اوقات اُن کاموں میں بھی ہاتھ ڈالا جنھیں زمانہ حقیر سمجھتا تھا، لیکن باہمت لوگ ان کاموں کو بہت اونچا اعزاز سمجھتے تھے۔

وفات

امام فخر الدین رازی رح نے ہرات کے مقام پر پیر کے دن یکم شوال (بروز عید) ۶۰۶ھ کو اس سرائے فانی سے کوچ کیا اور اپنے پروردگار کی آغوش رحمت میں منتقل ہوئے۔ امام سبکی رح کا قول یہی ہے۔

مگر علامہ قفطی کا قول یہ ہے کہ آپ کی وفات ذی الحجہ ۶۰۶ھ میں ہوئی۔ ایک قول یہ ہے کہ امام صاحب رح کی وفات زہر خورانی سے ہوئی۔ جن دوسرے فرقوں کے ساتھ آپ نے مناظرے کئے انھوں نے آپ کو زہر دے دیا تھا۔

علامہ قفطی کہتے ہیں: امام صاحب رح فرقہ کرامیہ پر بہت تنقید فرماتے تھے اور اُن کی غلطیاں بیان کیا کرتے تھے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اُنہی لوگوں نے کسی طرح آپ کو زہر کھلا دیا، جس سے آپ ہلاک ہو گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(تفسیر رازی اردو صـ۲۶)

حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ المتوفی ۶۱۸ھ

نام ونسب نام احمد، کنیت ابو الجنّاب، لقب کبریٰ ہے۔ لیکن نجم الدین کے عرف سے معروف ہیں۔ آپ کو "کبریٰ" کہنے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ایّام شباب میں جب علوم متداولہ کے حصول میں آپ مشغول تھے، بحث ومباحثہ میں سب پر غالب آجاتے تھے، اس وجہ سے آپ کو "الطامّۃ الکبریٰ" (یعنی بڑی بلا) کہا جاتا تھا۔ پھر "الطامّۃ" ساقط کر کے صرف "کبریٰ" کہا جانے لگا۔ آپ کے والد کا نام عمر ہے۔

شیخ نجم الدین کبریٰ ہمدان آئے اور وہاں کے محدّثین سے حدیث کی اجازت حاصل کی۔ لیکن جب اُنھوں نے سنا کہ اسکندریہ میں ایک محدّث عظیم موجود ہیں جو فن حدیث میں بلند مرتبہ رکھتے ہیں، تو آپ ہمدان سے اسکندریہ آئے اور اُن سے بھی اجازت حدیث حاصل کی۔

کرامت ایک دن اصحاب کہف کے متعلق آپ کے اصحاب گفتگو کر رہے تھے، شیخ کے ایک مرید کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کیا اُمتِ محمدیہ میں کوئی شخص ہے جس کی صحبت کتے میں اثر کرے (جس طرح اصحابِ کہف کی صحبت کا اثر کتے پر ہوا تھا) شیخ نے باطن کے نور سے یہ بات معلوم کرلی، وہ اُٹھے اور خانقاہ کے دروازے پر جا کر کھڑے ہوگئے۔ کچھ دیر کے بعد ایک کتّا وہاں آگیا اور شیخ کے سامنے دُم ہلانے لگا۔ شیخ کی نظر اُس کتے پر پڑی اور اُس پر توجہ فرمائی وہ اسی وقت متحیر و بے خود ہوگیا اور قبرستان جاکر

زمین پر سر رگڑتا رہا۔ وہ کتا جدھر جاتا پچاس ساٹھ کتے جمع ہو جاتے تھے اور بالکل خاموش بیٹھے رہتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ کتا مر گیا۔ شیخ نے حکم دیا کہ اس کو دفن کر دیں۔ (نفحات الانس صفحہ ۶۶)

فضل وکمال

آپ شیخ شہاب الدین سہروردی رح کے چچا اور شیخ طریقت ابو النجیب عبد القاہر سہروردی رح کے خلفاء کبار میں سے تھے۔ خوارزم وطن تھا۔ آپ تصوف و طریق میں مرتبۂ عالی رکھتے تھے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی رح بھی روحانی رشتہ سے اپنا بڑا بھائی سمجھ کر اور اپنے مرشد کا جانشین اور قائم مقام جان کر آپ کا بڑا ادب و احترام کرتے تھے۔ جب "عوارف المعارف" تصنیف فرمائی تو شیخ نجم الدین کبریٰ رح کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا اور قبول عام اور بقائے دوام کی دعاء فرمائی۔

حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رح پر توحید و فناء اور عشق و محبت الٰہی کی کیفیت کا غلبہ تھا، معارف و حقائق کے بیان میں بلند مقام رکھتے تھے۔ "مناقب الاصفیاء" میں ہے کہ توحید و معرفت اور طریقت و حقیقت کے اصول و قواعد کے بارے میں بڑی بلند باتیں اور لطیف نکتے ارشاد فرماتے، عربی و فارسی اور نظم و نثر میں ان کی تصنیفات بہت ہیں۔ آپ کے اشعار میں عشق و سرشاری کی عجیب کیفیت اور سوز و گداز اور محویت و استغراق کا عجب عالم نظر آتا ہے۔

آپ کے سلسلہ کی ہندوستان آمد

آپ کا طریقہ، طریقۂ کبرویہ کہلاتا ہے۔ یہ تین طریقوں سے

ہندوستان پہنچا۔

۱۔ ایک طریق امیر سید علی بن شہاب ہمدانی کشمیری المتوفی ۷۸۶ھ کا ہے۔ آپ ۷۸۰ھ میں کشمیر تشریف لائے۔ آپ کی تبلیغ و مساعی جمیلہ سے کشمیر کی بیشتر آبادی مسلمان ہوئی۔ یہ سلسلہ کشمیر میں ابھی تک زندہ و موجود رہا ہے۔ یہ سلسلہ تین واسطوں سے شیخ کبریٰ تک پہنچتا ہے۔

۲۔ طریقۂ کبرویہ کے ہندوستان پہنچنے کا دوسرا ذریعہ امیر کبیر شیخ الاسلام سید قطب الدین محمد مدنی المتوفی ۶۷۷ھ تھے، جو خواجہ نجم الدین کبریٰ رحؒ کے خلفاء میں سے تھے۔ آپ سلطان قطب الدین ایبک یا سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں ہندوستان آئے اور عرصہ تک دہلی میں شیخ الاسلام کے منصب پر فائز رہے، پھر کڑا، مانکپور (یوپی) فتح کر کے وہیں قیام پذیر ہو گئے عہ۔ آپ کے بیک واسطہ خلیفہ شیخ علاؤ الدین حیوری (المتوفی ۷۳۴ھ) تھے۔ ان کے سلسلہ میں بڑے بڑے مشائخ پیدا ہوئے۔ یہ سلسلہ، سلسلۂ جنیدیہ کے نام سے دکن کے بعض مقامات میں اب بھی موجود ہے۔

۳۔ حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰ رحؒ کے خلیفہ سیف الدین باخرزی تھے، ان کے خلیفہ خواجہ بدر الدین سمرقندی رحؒ مشائخ فردوسیہ میں سب سے پہلے ہندوستان آئے اور یہیں قیام فرمایا اور طریقۂ فردوسیہ کی بنیاد رکھی۔

عہ آپ کی نسل میں ہندوستان میں بڑے بڑے علماء، مشائخ و مجاہد پیدا ہوئے جن میں حضرت شاہ علم اللہ نقشبندی بریلوی رحؒ خلیفۂ حضرت آدم بنوری رحؒ، حضرت سید احمد شہید رحؒ، حضرت مولانا خواجہ احمد نصیر آبادی رحؒ مشہور ہیں۔ والد محترم مولانا سید عبدالحی رحؒ مصنف "نزہۃ الخواطر" کا اسی خاندان سے تعلق ہے۔ (از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحؒ)

اِس طریق کی خصوصیت فنا اور اضمحلال، ترکِ ارادہ و اختیار و اخفار خوارق وکرامات ہے ۔

صاحبِ "مناقب الاصفیاء" لکھتے ہیں کہ ان کا طریقہ شطاریہ عشقیہ تھا۔ ہمیشہ زبانِ حال سے فرماتے رہے کہ طلبِ علوم دینیہ کو لازم پکڑو، اور اُن پر عمل کرو۔ اور عمل کو خالص لوجہ اللہ رکھو، کیونکہ علم بے عمل غیر مفید اور عمل بے اخلاص بے ثمر ہے۔ اور کرامت کے طالب نہ رہو۔ بندگی پر استقامت اصل کرامت ہے تاکہ تم صاحبِ مکاشفات یقینی ہو جاؤ۔ ہندوستان میں طریقۂ فردوسیہ کے اصول وقواعد کی بنیاد خواجہ بدرالدین سمرقندیؒ اور ان کے پیرووں کے ہاتھوں سے پڑی۔ اس سے پہلے عوام وخواص (اِلّا مَن شاء اللہ) اظہار خوارق وکرامت کی بنیاد پر پیری مریدی کرتے تھے۔ معلوم ہے کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے زمانہ میں ہندوستان میں بہت سے محققین اہل طریقت تھے۔

(تاریخ دعوت وعزیمت ص۱۵۴)

آپ کی خوارزم تشریف آوری

شیخ نجم الدین کبریٰؒ فرماتے تھے کہ میں علوم باطنیہ کی تحصیل کے لئے مختلف حضرات اکابر کی خدمت میں پہنچا اور اپنے وسوسہ کی اصلاح کراتا رہا، بالآخر حضرت شیخ عمار یاسرؒ کی خدمت میں پہنچا، وہاں ایک عرصہ تک سلوک حاصل کرتا رہا۔ جب سلوک کی منزلیں طے کر چکا، تو شیخؒ نے فرمایا کہ تم خوارزم جاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ وہاں تو عجیب قسم کے لوگ ہیں، وہ اِس طریقہ کے منکر ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ تم جاؤ، ڈرو نہیں!

یہ حکم پاکر میں خوارزم چلا گیا اور اِس طریقہ کو پھیلاتا رہا۔ اور بہت سے لوگ

مرید ہوئے۔ جب کفارِ تاتار خوارزم پہنچے، تو شیخ نے اپنے اصحاب کو جمع کیا، اُنکی تعداد ساٹھ سے زیادہ تھی، سلطان محمد خوارزم شاہ فرار ہو چکا تھا اور تاتاری یہ سمجھتے تھے کہ وہ شہر میں موجود ہے، اِس لئے خوارزم میں داخل ہوئے۔

شیخ کی شہادت

شیخ نے اپنے بعض مریدین سے فرمایا کہ جلدی کرو اور اپنے ملک کی طرف روانہ ہو جاؤ، کیونکہ مشرق سے ایک ایسی آگ اُٹھی ہے کہ وہ مغرب تک سب کچھ جلا ڈالے گی۔ یہ اُمت ایک ایسے فتنہ میں پڑے گی کہ اس سے قبل کبھی نہیں پڑی تھی۔

بعض اصحاب نے عرض کیا کہ شیخ دعا فرمائیں، ممکن ہے کہ یہ بلا مسلمانوں سے ٹل جائے۔ شیخ نے فرمایا کہ یہ قضائے مبرم ہے۔ دعا اس کو نہیں ٹال سکتی۔ بعض اصحاب نے کہا کہ شیخ بھی ہمارے ساتھ خراسان نکل چلیں، سواری موجود ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ میں شہید ہوں گا، مجھے باہر جانے کا حکم نہیں ہے۔ پھر آپ کے بعض مریدین خراسان کی جانب چلے گئے۔

جب کفار تاتار شہر میں داخل ہوئے تو شیخ نے باقی مریدوں کو بلایا، اور فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر کھڑے ہو جاؤ، ہم لوگ اللہ تعالےٰ کی راہ میں قتال کریں گے۔ اس کے بعد آپ گھر میں آئے۔ اپنا خرقہ مضبوطی سے کمر میں باندھا نیزہ ہاتھ میں لیا اور باہر نکل گئے۔

جب کفار سے مقابلہ شروع ہوا تو دوران مقابلہ کفار کا ایک تیر آپ کے سینہ پر لگا اور پیوست ہو گیا۔ آپ نے اُسی دم اُسے کھینچ کر باہر نکال دیا، لیکن اُسی دم انتقال کر گئے۔

منقول ہے کہ شہادت کے وقت آپ نے کلغر کا ایک جھنڈا

پکڑ لیا تھا۔ آپ کی شہادت کے بعد بھی کافر آپ کے ہاتھ سے جھنڈا نہ چھڑا سکے۔ آخر کار اس کے پرچم کو کاٹ دیا گیا۔

سالِ شہادت

شیخ کی شہادت ۶۱۸ھ مطابق ۱۲۲۱ء میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

یوں آپ کے شیخ کے مریدین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ لیکن ان میں یہ حضرات یگانۂ روزگار ہیں: شیخ مجد الدین بغدادی رح، شیخ سعد الدین حموی رح، شیخ نجم الدین رازی رح (دایہ) رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ (نفحات الانس ص۶۶)

"تاریخ دعوت و عزیمت" میں آپ کی تاریخ وفات ۶۱۸ھ درج ہے ۱۰ ر جمادی الاولیٰ۔ (دعوت و عزیمت ص۱۵۳)

حضرت شیخ مجد الدین بغدادیؒ المتوفی ۶۱۶ھ

نام و نسب نام مجد الدین اشرف، والد کا نام موید، دادا کا نام ابو الفتح۔ کنیت ابو سعید ہے۔ آپ کے والدین دونوں ہی طبیب تھے۔

تعلیم و تربیت آپ کا وطن بغداد تھا، اور سلطان خوارزم کے مقربین میں سے تھے۔ آپ مشائخ کبار میں سے تھے، حضرت نجم الدین کبریٰؒ کے خلیفہ تھے اور خوارزم میں سکونت پذیر تھے۔

شیخ کا مرض کے مطابق علاج جب آپ اپنے شیخ حضرت نجم الدین کبریٰؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت شیخ نے آپ کو وضو کے لئے پانی بھرنے پر مقرر فرمایا۔ جب یہ بات آپ کی والدہ کو پہنچی تو انھوں نے کسی کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ مجد الدین ایک ضعیف و نازک جوان ہے، یہ کام اس کے لئے مشکل ہوگا، آپ اس کو کسی دوسری خدمت پر لگا دیجئے۔ شیخ نے یہ سن کر فرمایا کہ تمھاری یہ بات مجھ کو بہت عجیب سی معلوم ہوئی۔ تم نے علم طب پڑھا ہے۔ تم جانتی ہو کہ اگر تمھارے بیٹے کو صفراوی بخار آنے لگے اور اس کی دوا بجائے تمھارے بیٹے کے کسی ترکی شخص کو دوں تو کیا تمھارا بیٹا اس علاج سے تندرست ہو جائے گا۔

ف: مطلب یہ ہے کہ جو صاحبِ مرض ہے وہی دوا پیئے گا تو اس کو شفا ہوگی۔ دوسرے کے دوا پینے سے اسے شفا نصیب نہ ہوگی۔ اس لئے آپ کے بیٹے میں جو مرض ہے عُجب و خود پسندی کا اس کا علاج وہی ہے جو میں نے

تجویز کیا ہے، اسی سے اس کی اصلاح ہوگی۔ اِس سے معلوم ہوا کہ مشائخ کو مرید کے حال و مذاق کے مطابق علاج تجویز کرنا چاہیے۔ جس میں آجکل بہت کوتاہی ہورہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو طریق کے مطابق کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! (مرتّب)

بلند مرتبہ کی علامت

شیخ رکن الدین فرماتے ہیں کہ سلطان بایزید کے ایک مرید نے جو تجربہ کار مرد تھا سوال کیا کہ تم نے کس طرح اِس خاندان کی ارادت اختیار کرلی اور سلطان بایزید کی متابعت کے بغیر راہِ سلوک میں قدم رکھ دیا؟ تو میں نے جواب دیا کہ وجہ تو مجھے نہیں معلوم، اتنا جانتا ہوں کہ میں ایک دن وضو کررہا تھا، اِسی درمیان میں نے دیکھا قبلہ کی جانب کی دیوار شق ہوگئی اور ایک میدان نمودار ہوا، آسمان پر ستارے وغیرہ نمودار تھے۔ تو میں نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو بتلایا گیا کہ یہ سلطان بایزید کا نور ہے۔ اس کے بعد ایک دوسرا آسمان نظر آیا پوری طرح نورانی اور آفتاب کی طرح جگمگا رہا ہے، تو میں نے اُس کے بارے میں دریافت کیا۔ تو ایک شخص نے مجھے بتلایا کہ یہ شیخ مجدالدین بغدادی کا نور ہے۔ تو وہ درویش میرا یہ جواب سن کر تعجب کرنے لگے۔ تو میں نے ان سے کہا کہ آپ اس سے یہ نتیجہ نہ نکال لیں گا کہ میں شیخ بغدادی کو شیخ سلطان بایزید پر فوقیت دے رہا ہوں، بلند مرتبہ ہونے کی نشانی اس دنیا میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ جس کی متابعت زیادہ ہوگی، اس کا مرتبہ بلند ہوگا۔ (نفحات الانس ص۴۶۶)

ف: سبحان اللہ کیسی حکمت وبصیرت کی بات ارشاد فرمائی۔ جب

آدمی خلوص کے ساتھ راستہ طے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے دل میں ایسے ہی فہم وفراست کی باتیں القاء فرماتے ہیں۔ (مرتب)

فرماتے ہیں کہ:۔

میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو میں نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے کوئی دعا تعلیم فرمائیے، تو ارشاد فرمایا کہ کہو:۔

اَللّٰھُمَّ تُبْ عَلَیَّ حَتّٰی اَتُوْبَ وَاعْصِمْنِیْ حَتّٰی لَا اَعُوْدَ وَحَبِّبْ اِلَیَّ الطَّاعَاتِ وَكَرِّهْ اِلَیَّ الْخَطِیَّاتِ۔

اے اللہ! مجھ پر رحم فرمائیے تاکہ میں توبہ کروں اور میری حفاظت فرمائیے تاکہ (معصیت کی طرف) نہ لوٹوں۔ اور میرے اندر طاعات سے محبت اور گناہوں سے کراہت پیدا فرما دیجئے۔ (تعقصار جیود الاحرار ص۶)

ف: سبحان اللہ! کیسی عمدہ دعا ہے جو حرزِ جان بنانے کے لائق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق مرحمت فرماویں۔ (مرتب)

عبرتناک واقعہ

ایک دن شیخ مجدالدین بغدادیؒ درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے تھے۔ آپ پر شکر کا غلبہ ہوا تو فرمایا کہ ہم بط کا ایک انڈا تھے جو دریا کے کنارے پڑا تھا ہمارے شیخ نجم الدین ایک مرغ تھے جنھوں نے تربیت کے پروں میں ہم کو قبول فرمایا۔ یہاں تک کہ ہم انڈے سے باہر آئے، ہم بط کے بچے تھے اس لئے دریا میں چلے گئے اور شیخ اسی طرح کنارے پر رہ گئے۔

حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ نے اپنے نورِ کرامت وفراست سے اُن کے اس دعوےٰ کو جان لیا اور آپ کی زبان سے یہ بات نکلی " در دریا میرد"

(تم دریا ہی میں مرو) شیخ مجدالدین رحؒ نے جب یہ کلمات سنے تو ڈر گئے اور شیخ سعدالدین حموی (پیر بھائی) کے پاس آئے اور بہت زیادہ معذرت اور عجز کا اظہار کیا اور کہا کہ جس روز شیخ عالم مسرت وانبساط میں ہوں، مجھے خبر دینا، تاکہ میں اُن کے حضور میں پہنچ کر معذرت کروں۔ ایک دن شیخ سماع میں خوش وقت ہوئے۔ شیخ سعدالدین نے شیخ مجدالدین کو خبر کی۔ شیخ مجدالدین ننگے پاؤں حاضر ہوئے آگ سے بھرا ہوا طشت سر پر رکھے ہوئے تھے، پا انداز پر آکر کھڑے ہو گئے۔ شیخ نے اُن کی طرف دیکھا تو فرمایا کہ چونکہ درویشوں کی طرح معافی و معذرت کر رہا ہے، اِس لئے ایمان تو سلامت رہ جائے گا، لیکن یہ سر ضرور جائے گا۔ اور ہم بھی اس کے ساتھ سر دیں گے۔ اور ان سروں کے پیچھے پیچھے بہت سے سرداروں اور بادشاہ خوارزم کے سر ہوں گے۔ یہ سُن کر شیخ مجدالدین رحؒ شیخ نجم الدین کبریٰ کے قدموں پر گر پڑے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد ہی شیخ کی پیشینگوئی ظہور میں آ گئی۔

آپ کو دریا میں پھینک دیا جانا

شیخ مجدالدین شہر خوارزم میں وعظ کہا کرتے تھے، سلطان محمد خوارزم شاہ کی ماں بہت ہی حسین اور خوبصورت تھی، وہ شیخ مجدالدین رحؒ کے وعظ میں آئی اور پھر کبھی کبھی اُن کی زیارت کے لئے جانے لگی۔ شیخ کے مخالفوں کو زبان کھولنے کا موقع مل گیا۔ ایک رات جبکہ سلطان محمد خوارزم شاہ نشہ میں دھت تھا، کسی نے سلطان کے سامنے بیان کیا کہ آپ کی والدہ نے حنفی مذہب کے مطابق شیخ مجدالدین سے نکاح کر لیا ہے۔ سلطان غضب میں آگیا اور حکم دیا کہ شیخ مجدالدین کو دریائے دجلہ میں ڈبو دو۔ یہ

خبر شیخ نجم الدین کبریٰ کو پہنچی تو آپ کی حالت متغیر ہو گئی اور اِنّا للہ واِنّا الیہ راجعون فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ فرزند مجد الدین کو دجلہ میں پھینک دیا گیا اور وہ مر گیا یہ کہہ کر آپ نے سجدہ میں سر رکھ دیا اور دیر تک سجدہ میں رہے، پھر سجدہ سے سر اُٹھا کر فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ میرے فرزند کے خوں بہا میں سلطان محمد کا ملک لیلے۔ اللہ تعالیٰ نے میری یہ درخواست قبول فرمالی ہے۔

جب سلطان محمد کو یہ خبر پہنچی تو وہ پیادہ حضرت نجم الدین کبریٰ رح کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ساتھ میں ایک طشت سونے سے بھرا ہوا لایا جس پر تلوار اور کفن رکھا تھا۔ صفِ نعال پر آکر سلطان محمد کھڑا ہو گیا اور کہا کہ اگر خوں بہا درکار ہے تو یہ سونے سے بھرا ہوا طشت حاضر ہے، اور اگر آپ کو قصاص چاہیئے تو یہ تلوار موجود ہے (میرا سر قلم کر دیجئے) شیخ نے فرمایا كَانَ ذَالِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُوْرًا۔ (یہ بات لوح محفوظ میں لکھی جا چکی ہے) مجد الدین کا خوں بہا تیرا ملک ہے، تیرا سر قلم ہوگا، بہت سی مخلوق کے سر تمہارے سر کے ساتھ جائیں گے۔ سلطان محمد نا امید ہو کر واپس ہو گیا۔

شیخ کی پیشینگوئی پوری ہونا

کچھ عرصہ کے بعد چنگیز خاں نے خروج کیا اور جو کچھ حالات گزرنے تھے گزر گئے۔ خوارزم شاہ کا تمام ملک تباہ و برباد ہو گیا۔ لاکھوں سر قلم ہوئے۔ سلطان محمد کا سر بھی قلم ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ (نفحات الانس ص۶۶۳)

ف: حضرت شیخ مجد الدین بغدادی رح نے اپنے مرشد حضرت نجم الدین کبریٰ کے متعلق جو تنقیصی کلمات بحالت سکر (بیہوشی) کہے تھے

ان کا بھی شیخ پر اتنا اثر ہوا اور اتنی ناگواری ہوئی کہ شیخ نجم الدین نے ان کو سخت بد دعا دی۔ اِس سے سمجھ لینا چاہیے کہ شیخ کی توہین و تنقیص کتنی بری خصلت ہے۔ اور اگر ہوش وحواس میں کوئی بے ادبی کرے تو اس کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں۔

اس حقیر کا خیال ہے کہ شیخ کو مکشوف ہوا ہو گا کہ اگرچہ یہ کلمہ بیہوشی کے عالم میں صادر ہوا ہے مگر باطن میں اس کلمہ کا منشار یعنی اپنے اعمال صالحہ اور احوال رفیعہ پر نظر کا شائبہ موجود ہے، جس کی وجہ سے یہ کلمہ زبان سے سرزد ہوا۔ اِس لیے اس پر عتاب فرمایا۔ چونکہ مشائخ کی نظر خاص طور پر باطن پر ہوتی ہے اس لیے کسی فعل وقول کے منشار کو ملاحظہ فرما کر ہی گرفت فرماتے ہیں، جس کو اہل ظاہر سمجھ بھی نہیں پاتے۔ جس کی بنار پر ان حضرات مشائخؒ پر جو جواسیس القلوب کہے جاتے ہیں اعتراض کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ اُن کیلئے ضروری ہے کہ مشائخؒ کے معاملہ کو اللہ کے سپرد کریں اور زبان کو طعن وتشنیع سے باز رکھیں۔ اِسی میں خیر ہے۔ (مرتب)

شیخ نجم الدین کبریٰؒ کی بد دُعا

ظاہر ہے کہ محض سُنی سنائی بات پر بادشاہ کا اتنا بڑا اقدام کہ ایک اللہ کے ولی کو دریا میں ڈلوا دینا معمولی جرم نہ تھا، جس کی پاداش میں جو کچھ بھی ہو جاتا محل تعجب نہیں۔ ہاں مگر اتنا ہی نہ تھا۔ بلکہ بادشاہ اِتنا خود سر ہو چکا تھا کہ بہت سے تاتاری تاجروں کو قتل کرا دیا، اور جب چنگیز خاں نے صلح صفائی کے لیے سفیر کو بھیجا تو اس کو بھی قتل کرا دیا۔ اس پر تاتاری خاقان

چنگیز خاں نے برافروختہ ہوکر خوارزم شاہی سلطنت اور پھر پورے عالم اسلام پر حملہ کردیا۔ (ماخوذ از دعوت وعزیمت ص۳۰۳ ج ۱)

اس کے علاوہ بادشاہ حد سے زیادہ تعیش وتزین کا شکار ہوگیا۔ اور "الناس علیٰ دین ملوکھم" کے اصول کے مطابق اس کی رعایا نے اسی بادشاہ کا شعار اختیار کرلیا اور فسق وفجور میں بری طرح مبتلا ہوگئے تو اللہ کا عذاب چنگیز خاں کی صورت میں نمودار ہوا۔

یہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ سلطنت مغلیہ کے زوال کے وقت ہوا۔ جب فسق وفجور کی حد ہوگئی تو نادر شاہ کی صورت میں عذاب آیا۔ اُس وقت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحؒ نے لوگوں کے دروازوں پر جاجاکر زنجیر کھٹکھٹاکر، بُلابلاکر کہا کہ اے اللہ کے بندو! اب تو اللہ کی نافرمانی سے باز آجاؤ، مجھے دہلی کی گلیوں کوچوں میں خون بہتا ہوا نظر آرہا ہے۔ لیکن لوگوں نے نہیں مانا اور یہ کہہ کر ٹال دیا کہ اِن لوگوں کا کام ہی یہی ہے، ان کا دماغ صحیح نہیں۔ آخر ہوا جو ہونا تھا۔ نادر شاہ آیا اور عوام کو قتل کرنا شروع کیا، یہاں تک کہ جمنا کا پُل لاشوں سے بھر گیا۔ اور لاشوں کی کثرت سے پانی کی روانی بند ہوگئی۔ مغلیہ نظام سلطنت تبدیل ہوگیا۔ پرانی سلطنت ختم ہوگئی قدرتِ ذوالجلال نے عزت والوں کو ذلیل اور ذلیلوں کو عزت والا بنادیا۔ شہزادوں کو گداگری کرتے اور بھیک مانگتے دیکھا گیا۔ اس حال کو دیکھ کر کسی نے کہا ؏

شامتِ اعمال ما صورتِ نادر گرفت

اسی طرح کہا جاسکتا ہے کہ "شومئ اعمال ما درصورت چنگیز گرفت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا عجیب معاملہ ہوا کہ وہی چنگیز خاں کی اولاد نے چند (غیر معروف) واعظوں کے وعظ سے متأثر ہو کر اسلام قبول کرلیا۔ اس کو توفیقِ الٰہی کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ ذالک تقدیرُ العزیزِ العلیم۔

اب بھی کچھ اسی قسم کے حالات ممالک اسلامیہ میں چل رہے ہیں کہ حد سے زیادہ آزادی کا شیوع ہے جو دینداروں کو نہایت شاق و ناپسند ہے، جس کو مغربی طاقتیں اپنے مصالح کی بنا ر پر ہوا دے کر اپنے لئے ذخیرہ اندوزی ہی نہیں بلکہ اسلام و اہل اسلام کو نیست و نابود کرنے کے منصوبے بنا رہی ہیں۔ لہٰذا ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ صدق دل سے دربارِ الٰہی میں اللہ کی مدد کو پکاریں۔ اور دشمنانِ اسلام کے کید و مکر سے اللہ کی پناہ طلب کریں۔ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ (ترجمہ! اے ہمارے رب! ہم کو کافروں کا تختۂ مشق نہ بنائیے اور اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہوں کو معاف کر دیجئے بیشک آپ زبردست حکمت والے ہیں۔)

اسی طرح اس دعاء کو بھی لازم حال کرلیں۔ اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ۔ آمین! (مرتب)

وفات آپ کی وفات ۶۱۲ھ میں دریا میں ڈوبنے سے ہوئی (تقصار جیود الاحرار) اور "نفحات الانس" میں ۶۰۸ھ یا ۶۱۶ھ میں دریا میں ڈوبنے کا واقعہ درج ہے۔ (ص ۶۶۶) رَحِمَهُ اللّٰهُ رَحْمَةً وَّاسِعَةً۔

حضرت شیخ فریدالدین عطار نیشاپوریؒ المتوفی ۶۲۷ھ

نام ونسب نام محمد، لقب فریدالدین، کنیت ابوحامد اور ابوطالب، والد کا نام ابوبکر ابراہیم ہے۔ چونکہ آبائی پیشہ عطاری تھا اس لئے عطار، اور فرید تخلص کے طور پر لکھتے تھے۔

ولادت آپ کی ولادت ۵۱۳ھ میں نیشاپور کے گدکن نامی قصبہ میں ہوئی۔

حالات آپ کے والد چونکہ مشہور عطار تھے اس لئے شیخ نے ابتدائی عمر میں اُسی عطاری کی دوکان پر کام کیا، اُسی دوران طب بھی پڑھی اور بحیثیت ایک طبیب خدمتِ خلق کرنے لگے۔ اپنے اِس شغل کے درمیان شیخ تصوف اور دیگر تصانیف کی طرف متوجہ رہے۔ پھر آگے چل کر آپ کا شمار ایسے حضرات میں ہونے لگا جن کا شہرہ مشرق سے نکل کر مغرب تک پہنچ گیا، جن کے پند ونصائح سے مشرق اور مغرب کے لوگوں نے یکساں طور پر فائدہ حاصل کیا شیخ کو دنیا نے ایک ادیب اور شاعر ہی نہیں مانا، بلکہ وہ علم تصوف اور علمِ اخلاق کے نادر استاذ بھی مانے گئے۔ (پیش لفظ پند نامہ)

شیخ کی توبہ کا موجب ایک روز حسب معمول شیخ فریدؒ عطاری کے کام میں مصروف تھے کہ ایک درویش ان کی دوکان پر پہنچے اور چند بار "شیئاً للہ" فرمایا لیکن یہ درویش کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ درویش نے کہا اے خواجہ! تم کس طرح مروگے؟ تب یہ متوجہ ہوئے

اور کہا کہ جس طرح تم مروگے۔ درویش نے کہا کہ تم میری طرح مروگے؟ انھوں نے کہا، ہاں! یہ سُن کر درویش نے اپنی کشکول کو سر کے نیچے رکھا اور لیٹ گیا اور اللہ کہہ کر جان دیدی۔ یہ دیکھ کر عطاؔر کی حالت میں انقلاب برپا ہوگیا۔ فوراً دوکان بند کردی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ دوکان اُسی وقت لُٹا دی اور طریقت کی راہ میں قدم رکھ دیا۔ (نفحات الانس ص۶۱۵)

فضل وکمال

آپ حضرت مجد الدین بغدادیؒ کے مرید تھے۔ مولانا رومؒ جب حج کیلئے تشریف لیجا رہے تھے تو ان کی خدمت میں گئے۔ انھوں نے اپنا رسالہ "اسرار نامہ" مولانا روم کو دیا جس کو ہمیشہ ساتھ رکھتے تھے۔ مولانا روم نے فرمایا کہ ۱۵۰ سال کے بعد نورِ منصور نے روح عطار پر تجلی فرمایا اور ان کا مربّی ہوگیا۔ جس قدر اسرار توحید اور اذواق و مواجید کے دقائق ان کی مثنوی و غزلیات میں مندرج ہیں اس قدر اس جماعت کے کسی فرد کے کلام میں نہیں ہیں۔ ان کا رسالہ "پند نامہ" شہرۂ آفاق ہے۔ ۶۲۷ھ میں تاتار کے کفار کے ہاتھوں ایک سو چودہ سال کی عمر میں شہید ہوئے۔ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالیٰ عَلَیْہِ۔ (تقصار جیود الاحرار ص۴۲)

نصائح

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شیخ فریدالدین عطاؔر کی کچھ نصائح "پندنامہ" سے نقل کردوں ؎

خاطر کس را مرنجاں اے پسر ۔۔۔ ورنہ خوردی زخم بر جان وجگر

اے لڑکے! کسی کے دل کو نہ ستا، ورنہ تجھے بھی اپنے جان وجگر پر زخم سہنا ہوگا

نامِ مردم جز بہ نیکوئی مبر ・ گر ہمی خواہی کہ گردی معتبر

لوگوں کا نام اچھائی کے ساتھ لیا کر۔ اگر تجھ کو اپنا اعتبار مطلوب ہو

ہمنشینی جز بدرویشاں مکن ・ تا توانی غیبتِ ایشاں مکن

حُبِّ درویشاں کلیدِ جنت است ・ دشمنِ ایشاں سزائے لعنت است

لہ درویشوں یعنی اللہ والوں کی ہمنشینی اختیار کر۔ اور ان کی غیبت نہ کیا کر۔

لہ اللہ والوں کی محبت کلیدِ جنت ہے۔ ان کا دشمن لعنت کا مستحق ہے۔

اے پسر از آخرت غافل مباش ・ با متاعِ ایں جہاں خوشدل مباش

در بلیاتِ جہاں صبّار باش ・ گاہِ نعمت، شاکرِ جبّار باش

ترجمہ: لہ اے لڑکے آخرت سے غافل نہ ہو۔ اور اس دنیا کے مال و متاع سے مسرور نہ ہو۔

لہ دنیا کی بلاؤں پر خوب صبر کرنے والے رہو۔ اور حصول نعمت کے وقت اللہ جبّار کے شکر گزار رہو۔

شد عزیز آدم چوں استغفار کرد ・ خوار شد شیطاں چوں استکبار کرد

دانہ پست اُفتد زبردستش کنند ・ خوشہ چوں بر سر شد پستش کنند

ترجمہ: لہ آدم علیہ السلام اس لیئے عزیز ہو گئے کہ انھوں نے استغفار کیا اور شیطان نے تکبر کیا تو پست ہو گیا۔ لہ جیسے کہ دانہ پستی اختیار کرتا ہے تو اس کو بلند کر دیتے ہیں اور خوشہ (بالی) جب سرکشی اختیار کرتا ہے تو اس کو پست کر دیتے ہیں۔

اب بے اختیار جی چاہتا ہے کہ حضرت عطّار کی مناجات جو علماء و مشائخ کے نزدیک بیحد پسندیدہ ہے اس کو مع ترجمہ کے نقل کرنے کی سعادت حاصل کروں۔ شاید یہی عمل میرے لئے بخشش و مغفرت کا ذریعہ ثابت ہو۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

وَهُوَ هٰذَا

مناجات بدرگاہ مجیب الدّعوات

بادشاہا جرم ما را در گزار — ما گنہ گاریم و تو آمرز گار

اے اللہ! ہمارے جرم وخطا کو معاف فرمادے، ہم گنہگار ہیں اور آپ بخشنے والے ہیں

تو نکو کاری و ما بد کردہ ایم — جرم بے اندازہ بے حد کردہ ایم

اے اللہ! آپ تو نیکو کار ہیں اور ہم بے حد برائی اور بیحساب جرم کے مرتکب ہیں۔

سالہا در بندِ عصیاں گشتہ ایم — آخر از کردہ پشیماں گشتہ ایم

سالہاسال ہم معصیت کی قید میں رہ چکے ہیں۔ آخر کار اپنے کئے سے پشیمان ہوئے ہیں

دائما در فسق و عصیاں ماندہ ایم — ہمقرین نفس و شیطاں ماندہ ایم

ہم ہمیشہ سے فسق وعصیان میں مبتلا رہے ہیں اور نفس وشیطان کے ساتھی رہے ہیں

روز و شب اندر معاصی بودہ ایم — غافل از امر و نواہی بودہ ایم

اے اللہ! ہم دن رات معاصی کے شکار رہے ہیں اور آپکے اوامر و نواہی سے ہم غافل رہے ہیں

بے گنہ نگزشت بر ما ساعتے — با حضور دل نہ کردم طاعتے

بغیر گناہ کے کوئی لمحہ ہم پر نہیں گزرا۔ اور حضورِ دل سے کوئی طاعت ہم بجانہ لائے

بر درآمد بندۂ بگریختہ — آبروئے خود بعصیاں ریختہ

آپکے در پر یہ بھاگا ہوا غلام لوٹ کر آیا ہے۔ جو اپنی آبرو گناہوں کی وجہ سے برباد کرچکا ہے

مغفرت دارد امید از لطف تو — زانکہ خود فرمودۂ لا تقنطوا

آپکے لطف وکرم سے مغفرت کی امید رکھتا ہے۔ کیونکہ آپنے ہی فرمایا ہے کہ (اللہ کی رحمت سے) ناامید نہ ہو

بحرِ الطاف تو بے پایاں بود — ناامید از رحمتت شیطاں بود

آپکے لطف وکرم کا سمندر بے پایاں ہے۔ اس لئے آپ کی رحمت سے شیطان ہی ناامید ہو سکتا ہے

نفس و شیطان زد کریما راہِ من — رحمتت باشد شفاعت خواہِ من

اے کریم! نفس و شیطان نے میرا راستہ کاٹ دیا ہے۔ آپ کی رحمت ہی میری شفاعت خواہ ہو سکتی ہے

چشم دارم از گنہ پاکم کنی ۔۔۔ بیش ازیں کاندر لحد خاکم کنی

میں امید رکھتا ہوں کہ آپ مجھے گناہوں سے پاک فرما دیں گے، اس سے پہلے کہ قبر میں مجھے خاک کریں

اندراں دم کز بدن جانم بری ۔۔۔ از جہاں با نور ایمانم بری

اے اللہ اس وقت جبکہ بدن سے میری جان نکالیں، مجھے دنیا سے نور ایمان کے ساتھ لے جائیں۔

ف: سبحان اللہ، کیسی جامع و مؤثر دعا ہے جو اپنے معمولات میں داخل کرنے بلکہ حرز جان بنانے کے لائق ہے۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو اسکی توفیق عطا فرمائے اور قبولیت سے نوازے۔ آمین!

صاحب دعا شیخ عطارؒ کی عظمت و بزرگی کے لئے یہ دلیل کافی ہے کہ مولانا رومؒ جیسا عظیم المرتبت بزرگ اور عارف باللہ اپنے آپ کو ان کا مقلد اور پیرو قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ان کا یہ شعر ملاحظہ ہو ؎

عطار روح بود و سنائی دو چشم او ۔۔۔ ما از پئے سنائی و عطار می رویم

یعنی حضرت عطار روح اور حضرت سنائی ان کی دو آنکھیں ہیں۔ ہم اسی لئے انکی پیروی کر رہے ہیں۔

(مرتب)

وفات: ۶۲۷ھ میں تاتار کے کفار کے ہاتھوں ایک سو چودہ سال کی عمر میں شہید ہوئے۔ رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً۔ (تقصار جیود الاحرار ص۴۷)

آپ کا مقبرہ نیشاپور کے اطراف میں عوام و خواص کا مرجع بنا ہوا ہے۔

نور اللہ مرقدہٗ۔

سرحلقہ چشتیہ علیہ

حضرت خواجہ مُعین الدین چشتیؒ المتوفی ۶۲۷ھ

نام ونسب نام معین الدین، والد کا نام سید غیاث الدین حسنؒ۔ آپ نسباً حسینی ہیں، آپ کا سلسلۂ نسب سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

ولادت آپ کی ولادت ۵۳۷ھ میں سجستان یا سیستان کے قصبہ سجز میں ہوئی۔ اسی لئے آپ سجزیؔ کہلاتے ہیں۔

ابتدائی تعلیم حضرت خواجہ کی نشو ونما خراسان میں ہوئی۔ پندرہ سال کی عمر میں والد بزرگوار کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ ترکہ میں ایک باغ ملا، اُس کی نگہبانی کرتے تھے۔ ایک دن ابراہیم قندوری نامی ایک مجذوب باغ میں آئے تو حضرت خواجہ نے اُن کی خدمت میں انگور کے خوشے پیش کئے، لیکن انھوں نے انگور نہیں کھایا، اور کھلی کے ایک ٹکڑے کو دانتوں سے چبا کر خواجہ صاحبؒ کے منہ میں دیا۔ کھلی کا کھانا تھا کہ حضرت کا دل انوارِ الٰہی سے روشن ہوگیا۔ علائق دنیا کو چھوڑ کر اللہ کی طلب میں اُٹھ کھڑے ہوئے، بخارا اور سمرقند پہنچے جہاں کلام مجید حفظ کیا اور علوم ظاہری کی تعلیم میں مشغول رہے۔

ے اصلی وطنی نسبت سجزی ہے جو کاتبوں کی غلطی اور بولنے والوں کی غلط فہمی سے سنجری ہوگیا۔ موجودہ زمانہ میں اس کا اکثر حصہ ایران میں شامل ہے اور باقی افغانستان میں۔

(حاشیہ دعوت وعزیمت صفحہ ۲۴)

بیعت سمرقند سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے۔ قصبہ ہارُون[1] میں حضرت شیخ عثمان ہارونی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے شرفِ بیعت حاصل کیا۔ بیعت کے وقت مرشد نے مرید سے وضو کرایا، دو رکعت نماز پڑھوائی۔ پھر قبلہ رُخ ہو کر سورۂ بقرہ پڑھنے کو کہا، اُس کے بعد اکیس[۲۱] بار درود شریف پڑھنے کو کہا اور ساٹھ بار سُبحان اللہ۔ پھر آسمان کی طرف اپنا چہرہ مبارک اُٹھایا اور مرید کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:-

" ترا بخدا رسانیدم و مقبولِ حضرتِ او گردانیدم"۔

(یعنی تم کو اللہ تک پہنچا دیا اور اُن کی بارگاہ میں مقبول بنا دیا۔)

تکمیل ولایت راہ سلوک کے تاب و تعب برداشت کرنے کے بعد حضرت خواجہ صاحبؒ میں اولیاء اللہ کی تمام باتیں پیدا ہوتی گئیں، جن کے مظاہرے اُس سیاحت کے دوران بھی ہوتے رہے۔ مثلاً جب وہ سبزوار تشریف لائے تو وہاں ایک باغ میں ایک حوض کے پاس فروکش ہوئے، وہاں کا حاکم یادگار محمد باغ میں سیر کے لئے پہنچا، تو ایک اجنبی کو دیکھ کر چیں بجبیں ہوا، لیکن حضرت خواجہؒ نے اُس کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا تو وہ مغلوب الحال ہو گیا اور اُس پر بیہوشی کی کیفیت طاری ہو گئی خواجہ صاحبؒ نے حوض کا پانی لے کر اُس کے منہ پر چند چھینٹے دئیے، اُس کو ہوش آیا تو حضرت خواجہؒ کا گرویدہ ہو گیا، مذہباً شیعہ تھا، لیکن اپنے اعیان و ارکان کے ساتھ اُن کا مرید ہو گیا، اور اپنی ساری دولت اُن کی خدمت میں پیش کر دی مگر اُنھوں نے اُس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ جو مال ظلم و تعدی سے

---

[1] یہ قصبہ نیشاپور کے حدود میں واقع ہے۔

وصول کیا گیا ہے، وہ اُس کے اصل مالکوں کے حوالہ کر دیا جائے۔ یادگار محمد نے ایسا ہی کیا، غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کر دیا۔ اور جب ظاہری و باطنی تعلیم کی تکمیل کر لی تو حضرت خواجہؒ نے اُس کو اپنا خرقۂ خلافت بھی عطا فرمایا۔

ف: سبحان اللہ، حضرت خواجہؒ کی توجہ نے زمین سے اٹھا کر آسمان تک پہنچا دیا۔ سچ ہے ؎

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند (مرتب)

بلخ کے قیام میں اسی طرح کا ایک واقعہ پیش آیا۔ وہاں حکیم ضیاء الدین درویشوں کے منکر تھے، لیکن ایک روز حضرتؒ خواجہ جنگل میں ایک کلنگ کا شکار کر کے اُس کا کباب بنا رہے تھے کہ حکیم ضیاء الدین بھی اتفاق سے وہاں پہنچ گئے۔ حضرت خواجہؒ نے اُن کو کباب کا ایک ٹکڑا کھانے کو دیا، جس کے بعد اُن پر ایک غیر معمولی کیفیت طاری ہو گئی اور حضرت خواجہؒ کے مرید ہو گئے۔ گھر آئے تو طب کی تمام کتابوں کو دریا میں ڈال کر راہِ طریقت پر گامزن ہو گئے۔ (بزم صوفیہ صفحہ)

دہلی کی تشریف آوری

حضرت خواجہ دہلی بھی تشریف لائے اور سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے کہ حضرت خواجہؒ نے یہاں شیخ رشید کی قبر کے پاس قیام کیا جہاں پر ایک مسجد بھی تھی

اجمیر

"سیر العارفین" ہی کے مؤلف کا بیان ہے کہ حضرت خواجہؒ دہلی میں لوگوں کے ہجوم سے گھبر گئے، تو اجمیر تشریف لائے۔

اُس زمانہ میں اجمیر اور دہلی کا حکمراں چوہان خاندان کا مشہور راجہ رائے پتھورا تھا اُس کے مقربین نے خواجہ صاحبؒ کے قیام میں بڑی مزاحمت کی، اور جب انھوں نے حضرت خواجہؒ کی عظمت و کرامت کے مقابلہ میں اپنے کو بے بس اور لاچار پایا تو

ہندو جوگیوں کو خواجہؒ کو مغلوب کرنے کے لئے مامور کیا۔ اُن میں تذکرہ نگار نمایاں طور پر جوگی جے پال کا ذکر کرتے ہیں، جس سے حضرت خواجہؒ کے بڑے بڑے معرکے ہوئے ہیں، لیکن حضرت خواجہؒ اپنی روحانی قوت سے اُس پر غالب رہے۔ اور اُس نے متأثر ہو کر حضرت خواجہؒ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، جنھوں نے اُس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا اور خلافت بھی مرحمت فرمائی۔ (بزم صوفیہ ص۶۱)

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحؒ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "تاریخ دعوت و عزیمت" میں کچھ خاص باتیں درج فرمائی ہیں جنکو یہ حقیر عمومی نفع کے لئے درج کر رہا ہے:۔

ہندوستان اور آپکے اصلاحی کارنامے

"سیر الاولیاء" کے مصنف نے بڑی صداقت و بلاغت سے (فارسی میں) لکھا ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) ملک ہندوستان اپنے آخری مشرقی کنارہ تک کفر و شرک کی بستی تھی۔ اہل تمرد "اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی" کی صدا لگا رہے تھے۔ اور خدا کی خدائی میں دوسری ہستیوں کو شریک کرتے تھے۔ اور اینٹ، پتھر، درخت، جانور، گائے و گوبر کو سجدہ کرتے تھے۔ کفر کی ظلمت سے اُن کے دل تاریک اور مقفل تھے۔ سب دین و شریعت کے حکم سے غافل، خدا و پیغمبر سے بے خبر تھے، نہ کسی نے کبھی قبلہ کی سمت پہچانی، نہ کسی نے اللہ اکبر کی صدا سُنی۔ آفتابِ اہلِ یقین حضرت خواجہ معین الدینؒ کے قدمِ مبارک کا اُس ملک میں پہنچنا تھا کہ اُس ملک کی ظلمت نورِ اسلام سے مبدّل ہو گئی، اُن کی کوشش و تاثیر سے جہاں شعائرِ شرک تھے وہاں مسجد و محراب و منبر نظر آنے لگے، جو فضا شرک کی صداؤں سے معمور تھی وہ نعرۂ اللہ اکبر سے گونجنے لگی۔ اُس ملک میں جس کو دولتِ اسلام ملی

اور قیامت تک جو بھی اِس دولت سے مشرف ہوگا نہ صرف وہ بلکہ اُسکی اولاد در اولاد، نسل در نسل سب اُن کے نامۂ اعمال میں ہوں گے۔ اور اسمیں قیامت تک جو بھی اضافہ ہوتا رہے گا اور دائرۂ اسلام وسیع ہوتا رہے گا، قیامت تک اُس کا ثواب شیخ الاسلام معین الدین حسن سجزی رح کی روح کو پہنچتا رہے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔ (دعوت و عزیمت صـ ۲۹/۳)

خواجہ بزرگ نے دہلی میں اپنے جانشین، خلیفۂ اعظم خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح کو بٹھایا اور خود اجمیر ہی میں مقیم رہے، جہاں تبلیغ وارشاد اور تعلیم و تربیت اور مشغولی بحق میں اپنی بقیہ زندگی پوری کردی۔

ابوالفضل "آئینِ اکبری" میں لکھتا ہے: (ترجمہ) اجمیر میں عزلت گزین ہوئے اور اسلام کا چراغ بڑی آب و تاب سے روشن کیا، اُن کے انفاسِ قدسیہ سے جوق در جوق انسانوں نے ایمان کی دولت پائی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح ہندوستان میں چشتی سلسلہ کے مؤسس و بانی ہیں۔ اسی مناسبت سے چشتی سلسلہ کا تعارف جو مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رح نے تحریر کیا ہے اس کو نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں:۔

اسلامی ہند کے معمار

اسلامی دنیا کے لئے ہندوستان کی دریافت اور دریافت "نئی دنیا" کی دریافت سے کم انقلاب انگیز اور عہد آفریں واقعہ نہ تھا۔ اگرچہ پہلی صدی ہجری ہی میں یہاں اسلام کے حوصلہ مند دستے آنے شروع ہوگئے تھے۔ اور سنہ ۹۳ ھ میں محمد بن قاسم ثقفی نے سندھ سے ملتان تک کے علاقہ کو اپنی شمشیر و اخلاق سے تسخیر کرلیا تھا اور اس برصغیر (ہند)

میں جابجا اعیانِ اسلام کے مرکز و خانقاہیں چھوٹے چھوٹے جزیروں کی طرح قائم ہو چکی تھیں۔ جیسے ع

بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی

لیکن حقیقتاً ہندوستان کی فتح کا سہرا اسکندرِ اسلام سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ) کے سر، اور مستحکم و مستقل اسلامی سلطنت کے قیام کی سعادت سلطان شہاب الدین محمد غوری (م ۶۰۲ھ) کے حصے میں تھی۔ اور آخری طور پر اُس کی روحانی تسخیر اور ایمانی فتح حضرت خواجۂ بزرگ شیخ الاسلام معین الدین چشتیؒ (م ۶۲۷ھ) کے لئے مقدر ہو چکی تھی

ہندوستان کی فتح سے پہلے اسلام کے چاروں مشہور روحانی سلسلے قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ وجود میں آچکے تھے اور عرصہ سے پھل پھول رہے تھے، اپنے اپنے وقت پر اُن میں سے ہر ایک کا فیض ہندوستان کو پہنچا اور ہندوستان کی اسلامی تعمیر و تشکیل میں سب کا حصہ ہے۔ شکر اللہ مساعیھم۔

لیکن ہندوستان کی روحانی فتح اور اِس سرزمین پر اسلام کا پودا نصب کرنے کیلئے (جس کے سایہ اور پھل سے ایک عالم مستفید ہونے والا تھا) حکمتِ الٰہی نے چشتی سلسلہ کو انتخاب فرمایا۔ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ۔

ان اسرارِ الٰہی سے قطع نظر جن کو ہماری کوتاہ نظر نہیں پا سکتی، چشتیوں پر اس ملک کا حق ہمسائگی بھی تھا۔ ان کا سلسلہ اس ملک کے ہمسایہ ملک ایران میں فروغ پا رہا تھا، اپنے دردمند مزاج اور نسبتِ عشقیہ کی بنا پر بھی جو سلسلۂ چشتیہ کا سرمایہ ہے اِس سلسلہ کو ہندوستان کا دل جیت لینا اور اس کو اپنی محبت کا اسیر اور عشقِ الٰہی کا نخچیر بنا لینا آسان تھا کہ زمانہ قدیم سے

محبت و درد اس سرزمین کے خمیر میں ہے۔ (دعوت وعزیمت ص۲۲/۳)

ہندوستان سے چشتیوں کا پہلا تعلق

غرض ان معلوم و نامعلوم حکمتوں کی بنا پر قدرتِ الٰہی نے ہندوستان میں اسلام کے تعارف اور اشاعت کیلئے اِس سلسلہ کو انتخاب فرمایا اور چشتیوں کو ہندوستان کی طرف رُخ کرنے کا اشارہُ غیبی ہوا۔ سب سے پہلے جس چشتی شیخ نے ہندوستان کی طرف عنانِ عزیمت موڑی وہ خواجہ ابو محمد چشتیؒ تھے جن کی دعائیں اور بابرکت ذات سلطان محمود غزنوی کی فتوحات کی لپشت پناہ تھیں، مولانا جامیؒ "نفحات الانس" میں لکھتے ہیں:۔

وقتیکہ سلطان محمود بہ غزوۂ سومنات رفتہ بود خواجہ را درواقعہ نمودند کہ بمددگاری وے باید رفت، در سن ہفتاد سالگی با درویشے چند متوجہ شد چوں آنجا رسید بنفس مبارک خود با مشرکاں و عبدۂ اصنام جہاد کرد۔

جس وقت سلطان محمود سومنات کے معرکہ پر گیا ہوا تھا، خواجہ ابو محمد کو اشارہُ غیبی ہوا کہ اُس کی مدد کے لئے جائیں۔ وہ ستّر برس کی عمر میں چند درویشوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر بنفس نفیس جہاد میں شرکت فرمائی۔

(دعوت وعزیمت ص۲۳/۳)

حضرت خواجہ صاحبؒ کے اخلاق و اعمال

محبتِ رسولؐ تمام عمر عشق الٰہی میں وارفتہ و بے خود رہنے کے ساتھ محبتِ رسولؐ کے نشہ میں بھی سرشار رہے۔ اپنے ملفوظات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بہت ہی والہانہ انداز میں فرماتے تھے۔ اور اکثر حدیث نبوی ؐ بیان

فرماکر رونے لگتے تھے۔ ایک جگہ ملفوظات میں فرمایا کہ افسوس ہے اُس شخص پر جو قیامت کے دن آپؐ سے شرمندہ ہوگا، اُس کی جگہ کہاں ہوگی جو آپ سے شرمندہ ہوگا، وہ کہاں جائیگا، یہ فرما چکے تو ہائے ہائے کرکے رو پڑے۔ (دلیل العارفین مجلس دوم)

مجاہدہ رات کو کم سوتے، اور بالعموم عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے تھے، کلام پاک ایک بار دن میں اور ایک بار رات میں ختم کرتے مجاہدہ کے ابتدائی دور میں جب کسی شہر میں وارد ہوتے تو قبرستان میں قیام فرماتے مگر جب لوگوں کو اُن کی خبر ہوجاتی تو وہاں توقف نہ کرتے اور چپ چاپ کسی طرف روانہ ہوجاتے۔ (گلزار ابرار (عکسی نسخہ) سیر الاقطاب ص ۱۰۱، ۱۲۳) (از بزم صوفیہ ص۶۵)

حلم وعفو طبیعت میں حلم وعفو کی درویشانہ صفات منتہائے کمال تک پہنچی ہوئی تھیں۔ ایک بار ایک بدباطن شخص حضرت خواجہؒ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آیا، حضرت خواجہؒ کو اس کا علم نورِ باطن سے ہوگیا، وہ شخص جب نزدیک آیا تو بہت ہی اخلاق سے پیش آئے اور اپنے پاس بٹھا کر فرمایا کہ جس ارادے سے آئے ہو، اُس کو پورا کرو۔ یہ سنتے ہی وہ شخص کانپنے لگا، سربسجود ہوکر عاجزی سے بولا کہ مجھ کو لالچ دے کر آپ کو ہلاک کرنے کیلئے بھیجا گیا تھا، یہ کہہ کر بغل سے چھری نکالی اور سامنے ڈال دی۔ پھر قدموں پر گر کر کہنے لگا کہ آپ مجھ کو اسکی سزا دیجئے، بلکہ میرا کام ہی تمام کردیجئے۔ خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ہم درویشوں کا شیوہ ہے کہ ہم سے کوئی بدی بھی کرتا ہے تو ہم اُس کے ساتھ نیکی سے پیش آتے ہیں۔ تم نے تو میرے ساتھ کوئی برائی نہیں کی۔ یہ کہہ کر اُس کے لئے دعائیں کیں۔ وہ شخص بہت متاثر ہوا اور اُسی وقت سے خدمت میں رہنے لگا۔ حضرت خواجہؒ کی دعاؤں کی بدولت اُس کو پچیس[۲۵] بار حج کعبہ کی سعادت حاصل ہوئی اور اُسی مقدس سرزمین میں

پیوندِ خاک بھی ہوا۔ (سیر الاقطاب ص ۱۲۳ و ۱۲۴)

مریدوں سے محبت

حضرت خواجہ صاحبؒ کو اپنے خلفاء اور مریدین سے غیر معمولی محبت تھی۔ خانۂ کعبہ میں دعا کی تھی کہ قیامت تک خانوادۂ چشتیہ کا سلسلہ قائم رہے۔ چنانچہ یہ سلسلہ اب تک قائم ہے اور انشاءاللہ قائم رہے گا۔

فیاضی

فقر و درویشی کے باوجود اُن کی خانقاہ میں شاہانہ فیاضیوں کا دریا بہتا تھا۔ مطبخ میں روزانہ اتنا کھانا پکتا تھا کہ تمام غرباء و مساکین سیر ہو جاتے تھے۔ (سیر الاقطاب)

حقوق ہمسایہ

پڑوسیوں میں کسی کا انتقال ہو جاتا تو جنازہ کے ہمراہ ضرور تشریف لے جاتے۔ نمازِ جنازہ اور تدفین کے بعد جب تمام لوگ واپس ہو جاتے تو تنہا اُس کی قبر پر بیٹھے رہتے اور دعائیں جو اُس وقت کے لئے موزوں ہیں پڑھتے۔ ایک بار ایک ہمسایہ کا انتقال ہوا، آپ حسبِ معمول جنازہ کے ساتھ گئے، حضرت قطب الدینؒ بھی معیت میں تھے جب تمام لوگ لَوٹ گئے تو حضرت خواجہؒ ہمسایہ کی قبر پر ٹھہر گئے۔ حضرت خواجہ قطب الدینؒ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ کے چہرۂ مبارک کا رنگ یکایک متغیر ہو گیا، پھر اُسی وقت اصلی رنگ پر آ گیا۔ اور آپ الحمدُ للہ فرماتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ حضرت قطب الدینؒ نے چہرے کے رنگ کے تغیر کی وجہ پوچھی تو فرمایا: قبر میں عذاب کے فرشتے آئے تھے، لیکن پھر رحمتِ الٰہی نازل ہوئی۔ خود بھی عذابِ قبر سے بیحد خائف رہتے تھے۔ اور جب کبھی قبر کا

ے راحت القلوب، مجلس دہم۔

ذکر آتا تو گریہ طاری ہو جاتا، اور کبھی چیخیں مار کر روتے۔

لباس وغذا خواجہ صاحبؒ کے فقیرانہ لباس میں دوہرا بخیہ ہوتا تھا۔ اگر وہ پھٹ جاتا تو جس رنگ کا بھی کپڑا مل جاتا اُسی کا پیوند لگا لیا کرتے تھے کھانا بہت کم تناول فرمایا کرتے۔ ریاضت کے ابتدائی زمانہ میں لگاتار سات سات دن تک روزے رکھتے اور صرف پانچ مثقال کی ٹکیہ سے روزہ افطار کرتے۔ "سیر الاقطاب" کے مؤلف کا بیان ہے کہ برابر صائم الدہر رہتے، سفر میں تیر و کمان، نمکدان اور چقماق ساتھ رکھتے اور شکار کے کباب سے روزہ افطار فرماتے تھے۔

حضرت خواجہ صاحبؒ کے ارشادات وتعلیمات

نماز نماز کے متعلق فرماتے ہیں کہ نماز رکنِ دین ہے اور رُکن وستون مترادف ہیں۔ اگر ستون قائم رہے گا تو گھر کھڑا رہے گا۔ اور جب ستون ہی گر جائے گا گھر گر پڑے گا۔ جس نے نماز میں خلل ڈالا، اُس نے اپنے دین اور اسلام کو خراب کیا۔ (بزم صوفیہ)

ایک بزرگ کا واقعہ نماز کی اہمیت کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ میرا گزر شام کے قریب ایک شہر میں ہوا۔ اُس شہر کے باہر ایک غار تھا، بزرگ اُس میں سکونت پذیر تھے، خوف اور ہیبت الٰہی سے اُن کے بدن پر گوشت و پوست نہ تھا، صرف ہڈیاں ہی رہ گئی تھیں، ایک سجادہ پر متمکن تھے۔ میں ادب سے قریب جاکر بیٹھ گیا، دریافت فرمایا کہ کہاں سے آئے ہو؟ میں نے جواب دیا، بغداد سے آیا ہوں۔ فرمایا۔ خوب آئے! لیکن

ے تفصیل کے لئے دیکھو دلیل العارفین، مجلس چہارم

مناسب ہے کہ درویشوں کی خدمت کرتے رہو تاکہ تم کو ذوقِ درویشی حاصل ہو، مجھے کئی برس اس غار میں رہتے ہوئے گزر گئے، تمام دنیا سے علیحدگی اختیار کر کے اس غار میں چھپا بیٹھا ہوں، ایک بات سے ایسا ڈرتا ہوں کہ رات دن روتے گزرتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ حضرت وہ کونسی بات ہے؟ فرمایا: نماز ہے جس وقت ادا کرتا ہوں خوف معلوم ہوتا ہے کہ کہیں کوئی شرط فروگزاشت نہ ہوگئی ہو، اور میری ساری محنت اکارت ہو کر یہی نماز موجبِ عتابِ خداوندی ہو۔

(دلیل العارفین، مجلس دوم) (از بزم صوفیہ)

نماز کو مؤمن کی معراج کہا گیا ہے، اِس لئے جب کوئی نماز پڑھے تو اس طرح پڑھے کہ گویا انوارِ تجلی کا مشاہدہ کر رہا ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی ہی نماز کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (مرتب)

روزہ و حج

حضرت خواجہ صاحبؒ کے نزدیک روزہ اور حج کی بڑی اہمیت تھی، وہ خود صائم الدہر رہے۔ اور خانہ کعبہ کی زیارت بکثرت فرمائی۔

احترامِ کلامِ پاک

کلامِ پاک کی تلاوت کی بڑی فضیلت بتائی ہے اور اس کو ایک بڑی عبادت قرار دیا ہے۔ اور اس کتاب کی تعظیم پر بھی بڑا زور دیا ہے۔ اِس سلسلہ میں بیان فرمایا کہ سلطان محمود غزنوی انار اللہ برہانہٗ کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا، پوچھا، خدا تعالیٰ نے تمھارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ جواب دیا: ایک رات میں کسی قصبہ میں مہمان تھا، جس مکان میں ٹھہرا تھا وہاں طاق پر قرآن پاک کا ایک ورق رکھا ہوا تھا، میں نے خیال کیا، یہاں ورقِ مصحف رکھا ہوا ہے، سونا نہ چاہئے۔ پھر دل میں خیال آیا کہ

ورقِ مصحف کو کہیں اور رکھوادوں اور خود یہاں آرام کروں، پھر سوچا کہ یہ بڑی بے ادبی ہوگی کہ اپنے آرام کی خاطر ورق مقدس کی جگہ تبدیل کروں، اس ورق کو دوسری جگہ نہ بھیجا۔ اور تمام رات جاگتا رہا۔ میں نے کلام پاک کے ساتھ جو اُدب کیا اُسی کے بدلے میں اللہ تعالےٰ نے مجھ کو بخش دیا۔ (بزم صوفیہ)

ف: اللہ تعالےٰ ہم سب کو قرآن پاک کے ادب کی توفیق مرحمت فرمائے کہ بیڑا پار ہو جائے۔ مگر افسوس کہ اب اِس امر میں بے حد کوتاہی ہو رہی ہے۔

اعاذنا اللہ تعالےٰ منہ (مرتب)

اہل سلوک کی عبادتیں

خواجہ صاحبؒ نے اہل سلوک کی منجملہ عبادتوں میں پانچ اور عبادتیں بتائی ہیں۔ (۱) والدین کی خدمت (۲) کلام اللہ کی تلاوت (۳) علماء و مشائخ کی تعظیم اور دوستی (۴) خانہ کعبہ کی زیارت (۵) پیر کی خدمت۔ (دلیل العارفین، مطبع مجتبائی صـ۲۱،۲۴)

ف: اہل سلوک ہی نہیں بلکہ یہ تمام اہل اسلام کی عبادتیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام و سلوک دو نہیں بلکہ درحقیقت ایک ہی ہیں، بس نام کا فرق ہے۔ (مرتب)

راہ سلوک کے گناہ

خواجہ صاحب کا ارشاد ہے کہ راہ سلوک میں چار گناہ کبیرہ ہیں۔ (۱) گورستان میں قہقہہ لگانا۔ (۲) گورستان میں کھانا پینا، کیونکہ یہ عبرت کا مقام ہے (۳) مردم آزاری کرنا۔

ے دلائل العارفین مجلس پنجم صـ۲۲ یہ ایک خواب کی بات ہے جس کو موجودہ دور کے مورخ اپنی تحقیق و تدقیق میں اہمیت دینا پسند کریں گے؟ لیکن اولیاء اللہ محمود غزنوی کو کن نظروں سے دیکھتے تھے وہ اِس واقعہ سے ظاہر ہوگا۔ روایت فوائد الفواد صـ۱۶۷ میں بھی ملیگی۔ (بزم صوفیہ صـ۲۷)

(۴) اللہ کا نام لے کر لرزہ براندام نہ ہونا۔ سالک کو اِن گناہوں سے بچنا لازم ہے۔

عارف ایک عارف کی معنوی خوبیوں کا اندازہ خواجہ صاحبؒ کے مندرجہ ذیل ارشادات عالیہ سے ہوگا۔

عارف علم کے تمام رموز سے واقف رہتا ہے، اسرارِ الٰہی کے حقائق اور انوارِ الٰہی کے دقائق کو آشکارا کرتا ہے۔ (دلیل العارفین صـ۵) (بزم صوفیہ صـ۴)

عارف عشقِ الٰہی میں کھو جاتا ہے۔ اور اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اُسی کی قدرتِ کاملہ میں محو اور متحیر رہتا ہے۔

عارف پر جب حال کی کیفیت طاری ہوتی ہے، تو وہ اُس میں ایسا مستغرق ہوجاتا ہے کہ اگر ہزاروں فرشتے بھی اُس سے مخاطب ہوں تو وہ اُن کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ عارف ہمیشہ مسکراتا رہتا ہے۔ عالم ملکوت میں خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں مقربین پر اُس کی نظر پڑتی ہے اور وہ اُن کے حرکات و سکنات کو دیکھ کر مسکراتا ہے۔

عارف وہ ہے جو اپنے دل سے ساری باتیں نکال کر یگانہ ہو جائے۔ عارف کا کمال یہ ہے کہ دوست کی اس راہ میں اپنے کو جلا کر خاک سیاہ کر دے۔ (دلیل العارفین مطبع مجتبائی)

عارف کی فضیلت اس میں ہے کہ وہ خاموش رہے اور غم واندوہ میں ہو۔

عارف دُنیا کا دشمن اور خدا کا دوست ہوتا ہے۔ اُسکو دنیا کے شور اور ہنگامے کی کوئی خبر نہیں رہتی ہے۔ (ایضاً صـ۲۴)

دنیا میں تین چیزیں عزیز ترین ہیں۔ (۱) عالم کا وہ سخن جو اپنے علم سے بیان کرے (۲) وہ شخص جس کو طمع نہ ہو۔ اور (۳) وہ عارف جو ہمیشہ دوست کی ثنا وصفت بیان کرتا ہے۔ (دلیل العارفین صـ۲۷)

عارف جب وحدانیت اور ربوبیت کے جلال کو دیکھتا ہے تو نابینا ہوجاتا ہے، تاکہ غیر پر اُس کی نظر نہ پڑے۔ (ایضاً ص۴۹)

عارف کا ایثار بے نیازی ہے۔ (ایضاً ص۵۰)

عارف کی خصلت اخلاص ہے۔ (ایضاً)

عارف اللہ کی محبت میں کامل ہوتا ہے، پس جب وہ اپنے دوست سے گفتگو کرتا ہے تو وہ ہوتا ہے اور اس کا دوست۔ (ایضاً ص۵۱)

عارف کا توکل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے التفات نہ رکھے۔ حقیقی توکل تو یہ ہے کہ عارف کو خلق سے تکلیف و رنج پہنچے تو وہ نہ اُن کی شکایت کرے اور نہ حکایت۔ (ایضاً)

عارف وہ ہے جو صبح کو اُٹھے تو رات کو یاد نہ کرے۔ (ایضاً ص۵۳)

عارف کی محبت یہ ہے کہ ذکرِ حق کے سوا کسی چیز سے لگاؤ نہ رکھے۔ (ایضاً ص۵۴)

عارف کی صفت آفتاب جیسی ہے۔ تمام دنیا اُس سے منور ہے۔ دنیا کی کوئی چیز اُس کی روشنی سے محروم نہیں ہے۔

عارف کیلئے تین ارکان ضروری ہیں۔ ہیبت، تعظیم، حیا۔ اپنے گناہوں سے شرمندہ ہونا ہیبت ہے، طاعت گزاری تعظیم ہے۔ اور اللہ کے سوا کسی چیز پر نظر نہ ڈالنا حیا ہے۔ (سیر الاقطاب ص۱۳۹) (بزم صوفیہ ص۸)

ف: یہ معرفت کے درجات و مقامات ہیں۔ اس لئے کہ جب سالک راہِ سلوک طے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ایسے علوم و معارف سے نوازتے ہیں۔ اس لئے غیر عارف کو اس کا انکار نہ کرنا چاہئے، بلکہ ان اصحابِ معرفت کے ان علوم و معارف کی تصدیق کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ اگر وہ معارف حاصل نہیں، تو کم از کم تصدیق

توکرنا لازم ہے۔ اِس سے نفع نصیب ہوگا۔ جیسا کہ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ اکثر یہ سناتے تھے کہ امام غزالیؒ نے علوم آخرت کے اقسام میں فرمایا کہ:

"القسم الاول علم المكاشفة وهو علم الباطن وذالك غاية للعلوم، فقد قال بعض العارفين من لم يكن له نصيب من هذا العلم اخاف عليه سوء الخاتمة وادنى نصيب منه التصديق به وتسليمه لاهله۔

(احیاء العلوم، کتاب العلم ص۲۶)

(ترجمہ) قسم اول، علم مکاشفہ ہے اور وہ علم باطن ہے اور یہ جملہ علوم کی غایت ہے اور بعض عارفین نے فرمایا کہ جس کو اس علم باطن سے کوئی حصّہ حاصل نہیں ہے اسکے سوءِ خاتمہ سے ڈرتا ہوں۔ اور اس کا ادنیٰ حصّہ یہ ہے کہ اس علم کی تصدیق کرے اور اِس علم والوں کو تسلیم کرے۔ (التنبیہ الطربی ص۴۲) (مرتّب)

آپ کے کلام و ملفوظات کو "دلیل العارفین" میں حضرت بختیار کاکی اوشیؒ نے جمع کر دیا ہے۔ اُس میں تحریر ہے کہ:۔

آپ نے فرمایا: میں نے خواجہ عثمان ہارونیؒ سے خود سنا، فرماتے تھے کہ اللہ تعالٰے کے ایسے اولیاء بھی ہیں کہ اگر اس دنیا میں ایک لمحہ بھی اُس سے حجاب میں ہو جائیں تو نیست و نابود ہو جائیں۔

فرمایا: میں نے خواجہ عثمان ہارونیؒ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ جس شخص میں تین باتیں ہوں تو سمجھ لو کہ اللہ تعالٰے اسے دوست رکھتا ہے۔ اوّل، سمندر و جیسی سخاوت، دوم: آفتاب جیسی شفقت، سوم: زمین جیسی تواضع و مسکنت۔

فرمایا: بہتی ندیوں کا شور سنو، کس طرح شور کرتی چلتی ہیں، مگر جب سمندر میں پہنچتی ہیں تو بالکل خاموش ہو جاتی ہیں۔

فرمایا: نیک لوگوں کی صحبت نیکی سے بہتر اور بُروں کی صحبت بدی سے بدتر ہے۔ فرماتے تھے کہ عارفوں کا بڑا بلند مقام ہے۔ جب وہ اُس مقام پر پہنچ جاتے ہیں تو تمام دُنیا و مافیہا کو اپنی دو انگلیوں کے درمیان دیکھتے ہیں۔

فرمایا کہ تمھارا کوئی گناہ اِس قدر ضرر رساں ثابت نہ ہوگا جتنا کہ کسی مسلمان کی بے عزتی کرنا۔ فرمایا کہ بدبختی یہ ہے کہ گناہ کرتا رہے پھر بھی مقبولِ بارگاہ ہونے کا امیدوار رہے۔

فرمایا کہ جس نے بھی کوئی نعمت پائی اُس نے سخاوت کی بنا پر پائی۔

فرمایا کہ درویش وہ ہے جس کے پاس جو بھی کوئی حاجت لے کر آئے تو اس کو خالی ہاتھ واپس نہ جانے دے۔

فرمایا: اِس دنیا میں درویشوں کی درویشوں کے ساتھ مجالست عزیز ترین چیز ہے۔ اور درویشوں کا ان سے جدا ہونا بدترین شے ہے۔ کیونکہ یہ جدائی کسی علّت سے خالی نہ ہوگی۔

ف: ممکن ہے کہ وہ علت کینہ و حقد یا حسد ہو، یا عصبیت گروپ بندی ہو ظاہر ہے کہ یہ کس قدر مذموم ہے۔ العیاذ باللہ تعالےٰ۔ (مرتب)

فرمایا: درحقیقت متوکل وہ ہے جو مخلوق کی کلفت و اذیت سے دوچار ہو، مگر وہ کسی سے شکایت نہ کرے، بلکہ کسی سے ذکر بھی نہ کرے۔ اور سب سے بڑا عارف وہ ہے جو اللہ کی طلب میں سب سے زیادہ حیران ہو۔

فرمایا کہ عارف کی علامت یہ ہے کہ موت کو محبوب رکھے، عیش و راحت

کو خیر باد کردے، اور یادِ الٰہی سے مانوس ہو جائے۔ فرمایا کہ سب سے بہتر وقت یہ ہے کہ دل وسوسوں سے پاک وصاف ہو۔ فرمایا کہ اہل معرفت ایسے آفتاب ہیں جو تمام عالم پر درخشاں ہیں اور تمام عالم اُن کے نور سے منور ہے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ اہل معرفت دنیا والوں کے لئے قابلِ قدر و منزلت ہیں، بلکہ ان کا ممنونِ احسان ہونا چاہیئے اور ان کی تحقیر نہ کرنا چاہیئے۔ اللّٰھم احفظنا۔ (مرتب)

فرمایا کہ لوگ منزلِ قرب تک اُس وقت پہنچ سکتے ہیں جبکہ نماز میں مکمل اطاعت کریں۔ کیونکہ مومن کی معراج یہی نماز ہے۔ (اخبار الاخیار)

ف: سنت کی رعایت کے ساتھ نماز کی ادائیگی یہی اقامتِ صلوٰۃ اور تکمیلِ نماز ہے، جس کی تاکید حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اِس طرح فرمائی کہ صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ (بخاری شریف) (یعنی نماز اِس طرح پڑھو جیسا کہ مجھ کو پڑھتے ہوئے تم لوگوں نے دیکھا ہے) لہٰذا موجبِ قربِ خداوندی وہی نماز ہوگی جو خشوع وخضوع اور اتباعِ سنت کے ساتھ ہوگی۔ یہی نماز معراج المومنین کہلانے کی مستحق ہے۔ (مرتب)

وفات تقریباً نصف صدی ارشاد و تلقین، اسلام کی اشاعت اور داعیانِ اسلام و اہل قلوب کی تعلیم و تربیت اور یادِ حق میں سرگرمی کے ساتھ مشغول رہ کر ۹۰ سال کی عمر میں ۶۲۷ھ میں اُس وقت رحلت فرمائی جب ہندوستان میں اُن کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا جڑ پکڑ چکا تھا اور دار الحکومت دہلی میں اُن کا جانشین و تربیت یافتہ شیخ وقت (خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ) ارشاد و ہدایت کے کام میں سرگرم و منہمک تھا، اور اُن کا عقیدت مند و حلقہ بگوش سلطان شمس الدین التمش اسلامی حکومت کی توسیع و استحکام اور عدل گستری خلق پروری میں مشغول تھا رحمہ اللہ۔ اور "اخبار الاخیار" میں تاریخ وفات ۶ رجب ۶۳۳ھ درج ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اوشی قدس سرہٗ المتوفی ۶۳۳ھ

نام ونسب نام بختیار، لقب قطب الدین عرف عام میں خواجہ کاکی کہلاتے تھے۔ والد کا نام سید موسیٰ ہے۔ آپ نسباً حسینی ہیں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ کا نسب ملتا ہے۔

ولادت آپ کی ولادت ۵۰۲ھ میں قصبہ اوش[1] میں ہوئی۔ آپ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے جلیل القدر خلفاء، اکابر اولیاء اور عظیم القدر صوفیاء میں سے تھے۔ اور بڑے مقبول بزرگ تھے۔ ترک دنیا اور فقر وفاقہ میں ممتاز تھے اور یاد الٰہی میں بڑے مستغرق اور محو تھے۔

ابتدائی تعلیم وتربیت ڈیڑھ سال کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، والدہ ماجدہ نے پوری ذمہ داری سے تعلیم وتربیت کا فرض انجام دیا۔ "خیر المجالس" میں ہے کہ:۔

"حضرت خواجہؒ بچہ تھے اور اُن کے والد کا سایہ اُن کے سر پر سے اُٹھ گیا، تو اپنی والدہ سے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ قرآن پڑھوں، مجھ کو کسی معلم کے پاس بھیج دیں۔ والدہ نے تختی اور مٹھائی منگوائی اور ایک کنیز کے ساتھ پڑوس میں ایک حافظ کے پاس روانہ کیا، راستہ میں ایک بوڑھا آدمی ملا، حضرت خواجہ قطب الدین نے اُسکو سلام کیا، اُس نے پوچھا، بابا کہاں جاتے ہو؟ جواب دیا، قرآن پڑھنے جاتا ہوں، میری والدہ نے مجھ کو مسجد میں بھیجا ہے۔ بوڑھے نے کہا،

---

[1] اوش، ماوراء النہر میں فرغانہ کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔

اُس مسجد میں نہ جاؤ، میرے ساتھ آؤ، میں جہاں چلوں وہاں چلو، اور وہیں قرآن پڑھو۔ خواجہ صاحبؒ نے کہا، بہت خوب! اور اُس بوڑھے آدمی کے پیچھے پیچھے چلے، ایک مسجد میں دونوں آئے۔ اباحفص بیٹھے ہوئے تھے اور اُن سے کچھ لڑکے پڑھ رہے تھے۔ اباحفص نے اُس بوڑھے آدمی کو دیکھا تو اُٹھ کھڑے ہوئے اور تعظیم بجالائے اور اُس کے پاؤں پر گر پڑے اس کے بعد بوڑھے آدمی نے کہا کہ اس بچے کو تمھارے پاس لائے ہیں اس کے ساتھ محنت کرو اور قرآن مجید پڑھاؤ۔ اباحفص نے منظور کرلیا اور اپنے پاس بٹھایا۔ جب وہ بوڑھا آدمی چلا گیا تو اباحفص نے خواجہ قطب الدین سے پوچھا کہ جانتے ہو، یہ بوڑھا آدمی کون تھا؟ ....

وہ خواجہ خضر تھے۔ (بزم صوفیہ ص۸۶)

"سیر العارفین" میں ہے کہ خواجہ صاحبؒ نے مولانا ابوحفصؒ کی صحبت کی برکت سے بڑے بڑے ظاہری و باطنی کمالات حاصل کیے اور سلوک کی تعلیم بھی پائی یہانتک کہ ریاضات و مجاہدات سے ایک ساعت بھی غافل نہ رہتے تھے۔

بیعت

اوش سے نکل کر خواجہ صاحبؒ بغداد پہنچے۔ "سیر الاولیاء" (ص۴۶) میں ہے کہ یہاں ابواللیث سمرقندی کی مسجد میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے بیعت ہوئے۔ اس مجلس میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، شیخ احمد کرمانیؒ، شیخ برہان الدین چشتیؒ، شیخ محمد صفاہانی بھی تھے۔

"سیر العارفین" (ص۱۸) میں بیعت کے وقت خواجہ صاحبؒ کی عمر بیس سال لکھی ہوئی ہے۔ تاریخ فرشتہ جلد دوم (ص۳۷۸) میں بیس سال اور "آئین اکبری" (جلد سوم ص ۱۶۹) میں ۱۸ سال مرقوم ہے۔ (بزم صوفیہ ص ۸۶)

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے آپ کو خلافت اور خرقہ وغیرہ عنایت کر کے فرمایا کہ "اب جاؤ، سپرد خدا۔ اللہ تمھیں منزل پر پہنچائے"۔

پھر فرمایا کہ: چار چیزیں نفس کا جوہر ہیں۔ اوّل درویشی میں تونگری کرنا، دوم بھوک میں سیر نظر رہنا۔ سوم، غم میں مسرور معلوم ہونا، چہارم، دشمن سے دوستی کا معاملہ کرنا۔ پھر فرمایا کہ، جہاں بھی جانا کسی کا دل نہ دُکھانا، اور جہاں بھی رہنا مردوں کی طرح رہنا۔ (اخبار الاخیار ص۱۶)

ف: سبحان اللہ، کیسی عمدہ نصائح ہیں جو جملہ مسلمانوں کو عموماً اور اس سلسلہ سے منسلک لوگوں کے لئے خصوصاً قابل عمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (مرتب)

دہلی میں ورودِ مسعود

ہندوستان تشریف لائے اور اپنے شیخ کے حکم وہدایت سے دہلی کو اپنا مستقر بنایا جو نوخیز و وسعت پذیر اسلامی سلطنت کا دار الحکومت تھا۔ اور جو ایک طرف عالی ہمت مسلمان بادشاہوں کی قدر دانی و جوہر شناسی کی وجہ سے، دوسری طرف تاتاری حملوں کی بنا پر علماء، وشرفاء، واہل کمال کا ملجا و ماویٰ بن گیا تھا اور عالم اسلام کا جوہر وہاں منتقل ہو رہا تھا۔

سلطان شمس الدین التمش نے شایان شان پذیرائی کی۔ آپ نے دربار سے کوئی تعلق رکھنا پسند نہ کیا اور سلطان کی کسی پیشکش (دہیہ وجاگیر) کو قبول نہ فرمایا۔ اور پہلے کیلوکھری میں، پھر ملک عزالدین کی مسجد کے قریب فقیرانہ و درویشانہ زندگی اختیار کی۔ (فرشتہ ص۳۸۲ ج ۲) (از دعوت وعزیمت ص۱۴۶)

سلطان برابر عقیدت کے ساتھ خدمت میں حاضر ہوتا رہا، اور اس کی عقیدت

برابر ترقی کرتی رہی، اہلِ شہر کا ایسا رجوع عام ہوا کہ شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغری کو کبیدگی اور شکایت پیدا ہو گئی۔ حضرت خواجہ معین الدینؒ اپنے خلیفہ کی ملاقات کے لئے دہلی تشریف لائے، تو شیخ نجم الدینؒ نے جو اُن کے قدیم دوست تھے شکایت کی۔ حضرت خواجہؒ نے اپنے مرید رشید سے فرمایا:-

بابا بختیار ہم یکبار چنیں مشہور شدی کہ خلق از دست تو شکایت کرن گرفت، ازیں جا برخیز و در اجمیر بیا و بنشیں من پیش تو بایستم۔	بابا بختیار! تم اتنی جلدی ایسے مشہور ہو گئے کہ بندگانِ خدا کو تم سے شکایت پیدا ہونے لگی، یہاں سے چلو اور اجمیر آؤ، وہاں قیام اختیار کرو۔ میں تمھارے سامنے (خادمانہ) کھڑا رہوں گا۔
(سیر الاولیاء ص۵۴)	

شیخ نے وہ ارشاد فرمایا جو ایک ایسے عالی مرتبت شیخ کو فرمانا چاہئے، جو کمالِ اخلاص و ربانیت کو پہنچ چکا تھا۔ مردانِ راہ و واصلین بارگاہ ادنیٰ مخلوق کی شکایت و آزردگی کو گناہ سمجھتے ہیں، چہ جائیکہ شیخ الاسلام کی کبیدگی کو، پھر آپ مرکزِ اسلام میں انتشار و پراگندگی کو پسند نہیں کرتے تھے، جس کا اِس رنجش سے خطرہ تھا۔ آپ نے لطیف طریقہ پر تنبیہ بھی فرمادی کہ اگر یہاں کے اہلِ فضل تمھاری قدر و منزلت اور مقام سے واقف نہیں، تو میں تو واقف ہوں، اور یہ کہ یہاں خادم و مخدوم و شیخ و مرید کا کوئی امتیاز نہیں، وہاں تم مخدومانہ رہو گے، میں خادمانہ۔۔۔۔ خواجہ قطب الدینؒ نے وہی جواب دیا جو ایک مرید رشید کو دینا چاہئے تھا۔ عرض کیا:-

مخدوم مرا چہ محل آں باشد کہ پیش مخدوم تو انم ایستاد	مخدوما! میں تو آپ کے سامنے کھڑے ہونے کا بھی اہل نہیں ہوں

فکیف بنشستیم"۔ (سیر الاولیار ص۵۱) بیٹھنے کی کیا مجال ؟ (از دعوت وعزیمت ص۲۴)

شیخ نے اجمیر چلنے کا حکم دیا، اور مرید صادق بے چون وچرا و بلا تأمل تیار ہو گیا لیکن جب شہر کے باہر قدم نکالا تو شیخ کو معلوم ہو گیا کہ یہ مقبولیت وہر دلعزیزی من جانب اللہ ہے، اس میں نفسانیت وانانیت کو دخل نہیں، اور یہ کہ اُن کے مرید رشید نے ساری دہلی کو اپنا عاشق وپروانہ بنا لیا ہے۔

پس جب خواجہ قطب الدین رحؒ اپنے شیخ کے ساتھ اجمیر روانہ ہوئے تو اس اطلاع سے شہر دہلی میں ایک شور برپا ہو گیا۔ اہل شہر مع سلطان شمس الدین شہر سے نکل کر آپ کے پیچھے ہولئے، جہاں خواجہ قطب الدین رحؒ کا پاؤں پڑتا تھا لوگ خاکِ پا کو تبرک بنا کر اُٹھا لیتے تھے۔ لوگ بڑے بے قرار اور آہ وزاری میں مصروف تھے۔

تو چونکہ ایک دل کو خوش کرنے کیلئے اور ایک جزئی مصلحت کی خاطر لاکھوں بندگانِ خدا کے دلوں کو رنجور وزخمی کرنا جائز نہ تھا، اس لئے مرشد نے مرید رشید کو اجمیر لے جانے کا ارادہ فسخ کیا اور فرمایا:۔

"بابا بختیار! تم یہیں رہو، اس لئے کہ اللہ کی اتنی مخلوق تمھارے باہر جانے سے تباہ حال ہے، میں اس کو جائز نہیں سمجھتا کہ اتنے دل دُکھائے اور جلائے جائیں۔ جاؤ، ہم نے اس شہر کو تمھاری پناہ میں چھوڑا"۔

سلطان شمس الدین نے جس کا دار الحکومت اس نعمت سے محروم ہوا جا رہا تھا شیخ کا شکریہ ادا کیا اور خواجہ قطب الدین شہر دہلی واپس آئے اور خواجہ معین الدینؒ اجمیر واپس ہوئے۔ (از دعوت وعزیمت ص۲۴)

اصلاحی کارنامے خواجہ قطب الدین نے دہلی واپس آکر اور اپنے

بوریائے فقر پر بیٹھ کر سرگرمی سے ارشاد و تربیت کا کام انجام دینا شروع کیا، انھوں نے "سرکار دربار" سے ضابطہ کا کوئی تعلق نہیں رکھا۔ اور نہ صرف اس کو اپنی زندگی کا اصول بنایا، بلکہ اپنے سلسلہ کا اصول بنا دیا کہ فقر و استغنار کے ساتھ اور "دربار" سے دور رہ کر اپنا کام کرنا ہے۔ لیکن اس بے تعلقی و بے نیازی کے باوجود عوام و خواص اور شاہ و گدا سب اُن کے عقیدت مند و حلقہ بگوش تھے۔

"جملگی عالم از صدور و ائمہ دعا گوئی روئے نہادند۔ (اخبار الاخیار ص۱۵) ساری دنیا اعیان و اکابر دعا گوئی اور نیاز مندی میں مصروف تھے۔

سلطان شمس الدینؒ ہفتہ میں دو بار حاضری دیتا اور اخلاص و عقیدت کا اظہار کرتا۔ دہلی میں جو نہ صرف ہندوستان کا دارالحکومت بلکہ عالم اسلام کی نئی طاقت اور دعوت و تجدید اسلام کا نیا مرکز تھا، اور جہاں عالم اسلام کے ممتاز ترین علماء و اساتذہ، سادات و شرفا اور مشائخ و اہل سلسلہ اور دنیائے اسلام کے بہترین دل و دماغ جمع تھے، اشاعتِ طریق و تربیتِ قلوب اور نئی اُبھرتی ہوئی اسلامی سلطنت کی رہنمائی کا کام اپنے دامن فقر و استغنار کو ذرہ برابر آلودہ اور تر کیے بغیر انجام دینا بڑا نازک اور مشکل تھا۔ اور اس کے لئے پہاڑ کی سی استقامت اور ہوا کی سی سُبک روی اور سُبک گامی کی ضرورت تھی، جس سے کسی شیشے کو ٹھیس نہ لگے۔

خواجہ صاحبؒ نے بڑی کامیابی اور خوش اُسلوبی کے ساتھ اس نازک اور دُشوار کام کو انجام دیا۔ اُن کو اس خدمت کے لئے طویل زمانہ نہیں ملا۔ اپنے شیخ کے بعد تو مشکل سے ۴، ۵ سال وہ زندہ رہے۔ لیکن ان کی ذات سے ہندوستان

ع تاریخ فرشتہ ص۱۹۱ س فوائد السالکین ص۲۹

میں نہ صرف سلسلۂ چشتیہ کی بنیاد پڑ گئی بلکہ جن مقاصدِ عالیہ کے لئے حضرت خواجہ معین الدین ؒ نے ہندوستان کو اپنے قیام اور کام کے لئے انتخاب کیا تھا وہ صدیوں کے لئے محفوظ ہو گئے۔

ابھی اُن کی عمر پچاس سال یا اس سے کچھ اوپر ہوئی تھی کہ عشق و محبتِ الٰہی کی وہ آگ جس کو انھوں نے صبر و ضبط کے فانوس میں مقید اور ہدایت و تربیتِ خلق کی مصلحت سے مغلوب کر رکھا تھا بھڑکی اور جذبِ الٰہی کا غلبہ ہوا۔ (دعوت و عزیمت ص ۳۵/۲)

اخلاق و اعمال منقول ہے کہ خواجہ قطب الدین ؒ اپنے ابتدائی دور میں نیند کے غلبہ کے وقت تھوڑا سو لیتے تھے۔ لیکن آخری زمانہ میں یہ بھی بیداری سے تبدیل ہو گیا۔

منقول ہے کہ آپ ہر رات تین ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنے کے بعد سویا کرتے تھے، اُنہی ایام میں آپ کا نکاح ہوا۔ اور تین روز تک درود شریف نہ پڑھ سکے۔ ایک شخص نے جس کا نام رئیس تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، آپ فرماتے تھے کہ بختیار کاکی کو ہمارے سلام کے بعد کہنا کہ تم ہر رات جو تحفہ ہمیں بھیجا کرتے تھے، تین راتوں سے وہ ہمیں نہیں پہنچا۔

(اخبار الاخیار ص ۶۱)

فقر بادشاہِ وقت کی ارادت و نیازمندی کے باوجود قطب صاحبؒ کے گھر میں برابر فاقہ رہتا۔ جب کئی فاقوں کی نوبت آجاتی تو اُن کی حرم محترم پڑوس کے بقال کی بیوی سے کچھ قرض لے کر خورد و نوش کا انتظام کرتیں، جب کہیں سے کچھ میسر ہوتا تھا تو قرض ادا کر دیا جاتا تھا۔ (بزم صوفیہ ص ۹۵)

کاکی کہلانے کی وجہ تسمیہ

ایک روز بقال کی بیوی نے بی بی صاحبہ سے طنزاً کہا کہ میں تم کو قرض نہ دوں تو تمھارے بچے بھوکوں مرجائیں۔ قطب صاحبؒ کو معلوم ہوا تو قرض لینے سے منع کر دیا۔ اور فرمایا کہ حجرے کے طاق میں سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر جس قدر کاکعہ کی ضرورت ہو نکال لیا کرو، اور بچوں کو کھلا دیا کرو۔ چنانچہ ضرورت کے وقت وہ ایسا ہی کیا کرتی تھیں۔ اسی لئے قطب الدین بختیار کاکی کے نام سے مشہور ہوئے۔

مرشد نے ان کو پانچ سو درہم تک قرض لینے کی ہدایت کی تھی، مگر آخر میں اس سے بھی پرہیز کرنے لگے تھے سہ اپنے پاس اتنی رقم نہ رکھتے جس سے زکوٰۃ واجب ہوتی۔ (سیر العارفین ص ۱۲۳) (بزم صوفیہ ص۹۹)

جود و سخا

لیکن اس ناداری پر بھی جود و سخا کا یہ حال تھا کہ لنگر خانہ میں جو چیز ہوتی فوراً تقسیم کر دیتے۔ جس روز کوئی چیز نہ ہوتی تو خانقاہ کے ملازم سے فرماتے کہ اگر پانی ہو تو اُسی کا دور چلا دو کہ کوئی روز

ع کاک افغانی زبان میں روٹی کو کہا جاتا ہے۔ سہ سیر الاولیاء ص۴۵ وسیر العارفین ص۲۱،۲۵ سیر الاقطاب کے مصنف کا بیان ہے کہ قطب صاحبؒ نے حزم و احتیاط کی خاطر قرض لینا بند کر دیا تھا اور مصلے کے نیچے روز ایک قرص مل جاتی جس کو کھا کر گھر کے تمام لوگ گزراوقات کرتے۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ بقال سے جب قرض لینا بند کر دیا گیا تو وہ سمجھا کہ قطب صاحب ناخوش ہیں، اسلئے اپنی بیوی کو قطب صاحبؒ کی اہلیہ کے پاس بھیجا۔ اُنھوں نے قطب صاحبؒ کے کشف کا ذکر کر دیا۔ اُس کے بعد مصنف مذکور کا بیان ہے کہ کاک مصلے کے نیچے پھر نہ ملی۔ اسی طرح کی کچھ اور روایتیں بھی ہیں۔ افضل الفوائد کی روایت کچھ اور ہے۔ (قلمی نسخہ دار المصنفین ص۱۷۱)

تفصیل کے لئے دیکھو "روضۃ الاقطاب" (بزم صوفیہ ص۹۵)

بخشش اور عطا رسے خالی نہ جائے۔ (راحت القلوب ص۵ مطبع قاسمی میرٹھ)

استغناء

استغنار کا یہ عالم تھا کہ ایک بادشاہی حاجب اختیار الدین ایبک قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا، اور کئی گاؤں بطور نذر پیش کئے۔ قطب صاحبؒ نے اُس کو بلایا اور اپنی جانماز کا گوشہ اُلٹ کر نیچے دیکھنے کے لئے کہا، اختیار الدین نے چشم بینا سے خزائن الٰہی کا دریائے ذخار بہتے ہوئے دیکھا، پھر اختیار الدین سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ جس کے یہاں خزائن الٰہی کا دریا بہتا ہو وہ چند گاؤں لے کر کیا کرے گا۔ جاؤ! آئندہ درویشوں کے ساتھ ایسی گستاخی نہ کرنا۔ (سیر الاولیاء ص ۱۵۳ فوائد السالکین ص۱۵) (بزم صوفیہ ص۹۹)

یہ روایت اس طرح بھی بیان کی جاتی ہے کہ جب سلطان شمس الدین التمش نے کسی کے ذریعہ سونے چاندی کے بہت سے ٹنکے بھیجے تو حضرت خواجہ نے ان کو دیکھا اور کہا کہ تم سلطان کو لیجاکر واپس کرنا اور کہنا کہ میں ان کو اپنا دوست سمجھتا تھا، لیکن وہ دشمن نکلے۔ یہ مال و دولت خدا کے دوستوں کے بجائے اس کے دشمنوں کو دو۔ (روضۃ الاقطاب ص ۲۶)

ایک بار سلطان التمش کا وزیر بھی کچھ گاؤں کا فرمان لے کر خدمت میں حاضر ہوا اور قبول کرنے کی درخواست کی۔ لیکن خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ہمارے خواجگان نے کسی سے گاؤں قبول کیا ہوتا تو ہم بھی قبول کر لیتے۔ اگر ہم یہ گاؤں لے لیں تو قیامت کے روز اپنے خواجگان کو کیا منہ دکھائیں گے۔

(فوائد السالکین، مجلس پنجم)

ریاضت و مجاہدہ

حضرت خواجہ قطب الدین نے عبادت و ریاضت اور مجاہدہ میں بڑی مشقتیں اُٹھائیں۔ سیر الاولیاء ص۴۹ میں ہے

کہ ابتدائی دور میں تو کچھ سو بھی لیتے تھے، لیکن آخر عمر میں مطلق نہ سوتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر کسی وقت سو جاتا ہوں تو تکلیف ہوتی ہے۔ بیس برس تک وہ رات کو اطمینان سے نہ سوئے۔ یادِ حق میں استغراق کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی ملنے کو آتا تو دیر کے بعد ہوشیار ہوتے۔ برابر مراقبہ میں رہتے۔ نماز کے وقت آنکھ کھولتے اور غسل فرما کر تجدید وضو کرتے اور نماز ادا فرماتے۔ آخرِ عمر میں کلام پاک حفظ کیا تھا ہر روز دو بار کلام پاک ختم کرتے۔ (سیر الاولیاء ص۲۹ و سیر العارفین ص۳۴) (از بزم صوفیہ ص۱۰)

"اسرار الاولیاء" ص۱۳ میں ہے کہ جب وہ کلام پاک پڑھتے تو ہر آیت پر اپنے سینہ پر ہاتھ مارتے اور بیہوش ہو جاتے۔ ایک روز ہزار بار بیہوش ہوئے لیکن جب مشاہدہ کی آیت پڑھی تو مسکرا دیئے۔ اور پھر عالمِ تحیر میں کھو گئے اور اس عالم میں ایک دن اور ایک رات رہے۔ (اسرار الاولیاء، ملفوظات حضرت بابا گنج شکرؒ ص۱۳)

"جوامع الکلم" میں ہے کہ دل شکستہ لب بستہ حجرہ کا دروازہ بند کئے گریہ وزاری میں مشغول رہتے۔ زیارت کے لئے معتقدین کا ہجوم ہوتا تو آہ سرد بھرتے ہوئے حجرہ سے باہر تشریف لاتے اور خادم سے فرماتے کہ ایک ایک پیالہ پانی سب کو دو، جب تک وہ پانی پیتے وعظ کہتے، پھر سب کو رخصت کر کے حجرہ میں چلے جاتے اور یادِ الٰہی میں مشغول ہو جاتے۔

"راحت القلوب" میں ہے کہ ایک بار حضرت قاضی حمید الدین اور مولانا بدر الدین غزنوی کے ساتھ جامع مسجد دہلی میں معتکف ہوئے، تو دن اور رات میں دو بار کلام پاک ختم کرتے۔ ایک رات تہیہ فرمایا کہ پوری رات میں صرف دو رکعت نماز ادا کریں۔ چنانچہ نمازِ عشاء کے بعد حضرت قاضی حمید الدین امام ہوئے اور خود حضرت خواجہ قطب الدین اور مولانا بدر الدین غزنوی مقتدی بنکر

پیچھے کھڑے ہوئے۔ حضرت قاضی حمید الدین نے پہلی رکعت میں ایک قرآن اور چار پارے پڑھے، دوسری رکعت میں دوسرا قرآن ختم کیا۔ آخر میں دعا کی کہ الٰہی! ہم سے تیری عبادت نہیں ہو سکتی، لیکن تو اپنی رحمت سے ہم کو بخش دے۔

ف: سبحان اللہ، کیسی عبادت و شکستگی تھی کہ کثرتِ عبادت پر قطعاً نظر نہ رکھی۔ جو واقعی قابلِ اقتدار ہے۔ (مرتّب)

حبِّ رسولؐ

اپنے مرشد کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں بھی سرشار رہتے۔ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ہر رات تین ہزار بار درود شریف پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ گوہر بار میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے۔ اپنی مجلسوں میں حدیثِ نبوی بار بار بیان فرماتے۔ اپنی ایک مجلس میں فرمایا کہ شروع میں مجھ سے قرآن شریف حفظ نہ ہوتا تھا۔ ایک رات خواب میں حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا، قدموں پر گر پڑا، رونے لگا پھر عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ کلام پاک کو حفظ کر لوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے رونے پر رحم آیا۔ اور شفقت سے فرمایا کہ سر اٹھاؤ، میں نے حسب الحکم سر اٹھایا۔ ارشاد ہوا کہ سورۂ یوسف برابر پڑھا کرو، قرآن مجید یاد ہو جائے گا میں بیدار ہوا تو حسب الحکم سورۂ یوسف کی مواظبت کی، یہاں تک کہ میں نے پورا قرآن پاک حفظ کر لیا۔ (فوائد السالکین ص۴۲)

ف: معلوم ہوا کہ سورۂ یوسف کی تلاوت سے حفظِ قرآن میں سہولت ہوتی ہے۔ اس لئے خود عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرنی چاہئے۔ (مرتّب)

ارشادات

سالک اور محبّتِ الٰہی

فرماتے تھے: سالک ہر وقت محبتِ الٰہی میں غرق رہے اور سکر میں اس کا یہ حال ہو کہ اس کے سینہ میں زمین و آسمان بھی داخل ہو جائیں تو اس کو خبر نہ ہو۔ اگر سالک راہِ سلوک کی تکلیف میں فریاد کرتا ہے تو محبت کا دعویدار نہیں ہو سکتا، بلکہ کاذب اور دروغ گو ہے۔ سچی دوستی یہ ہے کہ جو کچھ دوست کی جانب سے پہنچے اس کو نعمتِ غیر مترقبہ سمجھے، کہ اس بہانہ سے دوست نے اسکو یاد تو کیا۔ چنانچہ رابعہ بصریؒ پر جس روز بلا نازل ہوتی تھی وہ نہایت خوش ہوتی تھیں، اور جس روز بلا نازل نہ ہوتی، وہ بہت ملولِ خاطر رہتیں کہ دوست نے اُن کو یاد نہیں کیا۔ حضرت خواجہ معین الدینؒ بھی فرماتے تھے کہ محبت کا دعویٰ اُسی کو کرنا چاہیئے جو دوست کی بلا پر صبر کر سکے۔ کیونکہ دوست کی بلا دوست کے واسطے ہے۔ جس روز یہ بلا نازل نہ ہو، سمجھنا چاہیئے کہ یہ نعمت اُس سے لے لی گئی۔ کیونکہ راہِ سلوک میں نعمت دوست کی بلا ہی کو کہتے ہیں۔ (بزم صوفیہ ص۱۰۱)

ف: اسی مفہوم میں حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کا یہ شعر ہے ؎

دوست کی جانب سے جو آئے بلا　　　وہ بلا ہرگز نہیں، وہ ہے کرم

حضرت قطب صاحبؒ نے اسرارِ الٰہی کے پوشیدہ رکھنے پر بڑا زور دیا ہے (مرتب) فرماتے ہیں کہ راہِ سلوک میں حوصلہ وسیع ہونا چاہیئے کہ اسرار جاگزیں ہو سکیں، فاش نہ ہونے پائیں۔ کیونکہ جو شخص کامل ہوتا ہے وہ کبھی دوست کے اسرار کو فاش نہیں کرتا۔ چنانچہ قطب صاحبؒ کا بیان ہے کہ وہ ایک مدت تک اپنے مرشد کی

صحبت میں رہے، لیکن کسی حال میں بھی اُنھوں نے اسرارِ الٰہی ظاہر ہونے نہ دیئے، حضرت قطب صاحبؒ کے نزدیک منصور عارفِ کامل نہ تھا، کیونکہ اُس نے سرِ دوست کو ظاہر کردیا۔ حضرت جنید بغدادیؒ پر عالمِ سکر میں کٹھن گھڑیاں گزرتیں لیکن وہ صرف یہ کہتے کہ ہزار افسوس اُس عاشق پر کہ وہ دوستی کا دم بھرے اور جب عالمِ غیب کے اسرار اُس کو معلوم ہوں تو فوراً دوسرے کے سامنے کہدے۔

شریعت کی پابندی

حضرت قطب صاحبؒ نے شریعت کی پابندی سالک کے لئے لازمی قرار دی ہے۔ سالک سکر یا کسی حال میں ہو اُس کا کوئی فعل شریعت کے خلاف نہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ وہ خود جب کبھی عالمِ سکر میں بیہوش ہوتے تو نماز کے وقت ہوش میں آجاتے اور نماز ادا کرکے بیہوش ہوجاتے۔ ایک موقع پر فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام معصوم اور اولیاء کرام محفوظ اس لئے ہوتے ہیں کہ اُن سے عالمِ سکر میں بھی کوئی عمل خلافِ شریعت سرزد نہیں ہوتا۔ (دیکھو فوائد السالکین، مجلس دوم) (بزم صوفیہ ص۱۰۱)

وفات

سال وفات ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ (سیر الاولیاء ص۵۶) وصال سے پہلے وصیت کی تھی کہ اُن کے جنازہ کی نماز ایسا شخص پڑھائے، جس نے کبھی حرامکاری نہ کی ہو، عصر کی سنتیں قضا نہ کی ہوں، اور ہمیشہ نماز باجماعت میں تکبیرِ اولیٰ سے شریک رہا ہو۔ یہ شرطیں صرف سلطان التمش کی ذات میں پوری ہوتی تھیں اس لئے اُسی نے نمازِ جنازہ پڑھانے کی سعادت حاصل کی۔ (بزم صوفیہ ص۱۰۳)

ف: سبحان اللہ، ایک سلطانِ ملک کے اندر یہ صفاتِ عالیہ ہم سب کیلئے موجبِ عبرت و نصیحت ہے اور اُس سلطان کیلئے لائقِ تہنیت ہے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء (مرتب)

سُلطان شمس الدین التمش المتوفی ۶۳۴ھ

نام و نسب نام شمس الدین، لقب التمش، والد کا نام ایلم خاں، ترکوں کے البری قبیلہ کے سردار تھے۔

ابتدائی حالات التمش اپنی صورت و سیرت کے لحاظ سے اپنے بھائیوں میں ممتاز تھا، اسوجہ سے اُسکو ایلم خاں اپنے بیٹوں میں سب سے زیادہ چاہتا تھا جسکی وجہ سے التمش کے بھائی اس سے خوش نہ تھے، حیلہ کر کے التمش کو ایک سوداگر کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ بادشاہ وقت قطب الدین ایبک نے التمش کو خرید کر اپنے درباریوں میں داخل کرلیا اور منہ بولا بیٹا بنا کر داماد بنالیا، اور گوالیار کے قلعہ کا حاکم بنادیا۔

تخت نشینی قطب الدین ایبک کے انتقال کے بعد ایک سال تک اسکا لڑکا جانشین رہا، لیکن اسکی نااہلی کی بنیاد پر اتفاق رائے سے ۶۰۷ھ میں سلطان التمش کو تخت نشین کیا گیا۔ التمش نے اپنے لطف وکرم سے سب کو گرویدہ بنالیا۔ (تاریخ فرشتہ ص ۲۵۲/۱)

علم اور اہل علم کی قدر التمش کے عہد حکومت میں علماء اور انشاء پردازوں کی ایک بڑی جماعت بادشاہ کی سرپرستی میں اپنی تصنیف و تالیف سے عام لوگوں کو فائدہ پہنچاتی تھی، التمش نے جہاں علماء کی قدر کی وہیں بیرون ہندوستان سے اچھی اچھی کتابیں منگواتا تھا اور اس ملک کے علمی خزائن کو مالا مال کرتا تھا۔ (تاریخ ہند ص ۵۹)

عبادت سلطان التمش کی عبادت کی حالت کیلئے یہ واقعہ کافی ہے کہ خواجہ بختیار کاکیؒ نے وصیت کی تھی کہ اُنکی نماز جنازہ ایسا شخص پڑھائے جس نے کبھی حرامکاری نہ کی ہو، عصر کی سنتیں کبھی قضا نہ کی ہوں۔ نماز باجماعت میں تکبیر اولیٰ سے شریک رہا ہو، یہ شرطیں صرف سلطان التمش میں تھیں، اس لئے سلطان نے ہی انکی نماز جنازہ پڑھائی۔ (بزم صوفیہ ص ۱۲۳)

وفات سلطان التمش کی وفات ۶۳۴ھ مطابق ۱۲۳۶ء میں ہوئی۔

رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

سلطان ناصر الدین محمود المتوفی ۶۶۳ھ

نام ونسب نام ناصر الدین محمود، والد کا نام سلطان شمس الدین التمش ہے۔

ابتدائی حالات سلطان التمش نے اپنے چھوٹے بیٹے ناصر الدین کی تعلیم وتربیت پر کافی محنت کی، پھر علاؤ الدین مسعودی کے زمانہ میں آپ کو بہرائچ کا حاکم مقرر کیا گیا۔ آپ نے غیر مسلموں سے بڑی جنگیں کیں اور اپنے صوبہ کو خوب معمور اور آباد کیا۔ آپ کے انصاف اور رعایا دوستی کی بڑی شہرت ہوئی اور تھوڑے ہی دنوں میں آپ نے ہر دلعزیزی حاصل کرلی۔

تخت نشینی ۶۴۴ھ میں جب امراء علاؤ الدین مسعودی کی حکومت سے تنگ آگئے تو ناصر الدین کو بہرائچ سے بلاکر تخت حکومت پر بٹھایا۔ ناصر الدین ایک درویش صفت بادشاہ تھا سرکاری خزانے کو ہاتھ نہ لگاتا اور قرآن شریف لکھ کر روزی کماتا۔ سلطنت کا نظم ونسق اس نے اپنے قابل وزیر غیاث الدین بلبن کو سونپ رکھا تھا سلطان کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی زندگی اپنے باپ کے مانند اولیاء وصلحاء کے نمونہ پر تھی۔ غیاث الدین سے کہہ رکھا تھا کہ میں نے تمھیں تمام اختیارات دیئے ہیں، تم ہرگز کوئی ایسا کام نہ کرنا جس سے کل بروز قیامت اللہ تعالےٰ کے حضور میں تمھیں اور مجھے شرمندگی اٹھانی پڑے۔

عملی حالات ناصر الدین اکثر وقت حجرے کے اندر عبادت وتلاوت میں صرف کرتا۔ دربار عام کے وقت شاہی لباس زیب تن کرلیتا تھا، اور اسکے بعد خلوت میں جاکر پھٹے پرانے کپڑے پہنے رہتا، اپنا گزارہ وہ قرآن مجید نقل کرکے کرتا تھا۔ اور اپنے تحریر کردہ نسخے معمولی نرخ پر فروخت کرتا تھا ایک مرتبہ ایک امیر نے بادشاہ کے ہاتھ سے لکھے ہوئے قرآن پاک کو معمول سے زیادہ ہدیہ پر خرید لیا بادشاہ کو یہ بات پسند نہیں آئی اور اعلان کردیا کہ رائج الوقت قیمت پر ہی فروخت کیا جائے۔

ف: سبحان اللہ، کیسا زہد وتقویٰ تھا جو اپنائے جانے کے لائق ہے۔ واللہ الموفق۔ (مرتب)

اہلیہ کو نصیحت ناصر الدین کے گھر میں بیوی کے علاوہ کوئی خادمہ نہ تھی، ایک مرتبہ بیوی نے کہا کہ روٹی پکاتے پکاتے میرے ہاتھوں میں سوزش ہوگئی ہے، مجھے ایک لونڈی کی ضرورت ہے۔ ناصر الدین

نے جواب دیا کہ شاہی خزانہ صرف رعایا کا حق ہے۔ مجھے اس بات کا حق نہیں کہ میں اپنے ذاتی آرام کیلئے اس میں کچھ روپیہ لیکر ایک لونڈی اپنے لئے خریدوں۔ تمھیں دنیوی تکلیفوں پر صبر کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ آخرت میں دے گا۔

ف: سبحان اللہ، کیسی حقیقت بیانی فرمائی جو ہم سب مسلمانوں کو پیش نظر رکھنے کے لائق ہے (مرتب)

اخلاق | ایک دن ایک فقیر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور فقیر نے کہا کہ آپکے قرآن میں ایک لفظ "فیہ" زائد ہے۔ بادشاہ نے اسی وقت قلم دوات لیکر اُسکے گرد حلقہ کھینچ دیا، اور اس فقیر کو حاجت روائی کے بعد واپس کردیا۔ اسکے بعد قلم تراش لیکر وہ حلقہ مٹا دیا، وہاں موجود علماء نے اسکی مصلحت دریافت کی، تو فرمایا، اگر میں اُس فقیر کے اعتراض کی تردید کرتا تو وہ فقیر نادم ہو کر بغیر اپنی ضرورت پوری کئے یہاں سے چلا جاتا۔ پھر فرمایا کہ دنیا میں غبارِ دل دور کرنا مشکل ہے، لیکن کاغذ کا نقش مٹانا آسان ہے۔

ف: سبحان اللہ، کیا ہی معرفت کی بات ارشاد فرمائی۔ (مرتب)

طہارت نفس | ناصر الدین بادشاہ ایک مصاحب کو "محمد" کہہ کر پکارتے تھے، ایک دن "تاج الدین" کہہ کر پکارا (شاید اس کا نام محمد تاج الدین رہا ہو) وہ مصاحب حکم کی تعمیل کے بعد تین دن تک بادشاہ کے پاس نہ آیا بادشاہ نے بُلوا کر غیر حاضری کا سبب دریافت کیا، تو اُس نے جواب دیا کہ آپ نے "محمد" کے بجائے "تاج الدین" کہہ کر پکارا اسلئے مجھے بدگمانی پیدا ہو گئی۔ بادشاہ نے قسم کھا کر کہا کہ مجھے تم سے کوئی بدگمانی نہیں ہے لیکن جس وقت تم کو تاج الدین کے نام سے پکارا تھا اُس وقت میں باوضو نہیں تھا، مجھے یہ مناسب معلوم نہ ہوا کہ بے وضو "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس نام اپنی زبان پر لاؤں۔

ف: اِسی قسم کا ایک واقعہ سلطان محی الدین اورنگزیب کا بھی ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ ان کے تذکرہ میں آئے گا۔ (مرتب)

وفات | ۱۱ جمادی الاولی ۶۶۴ھ مطابق ۱۲۶۵ء کو آپ کا انتقال ہوا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ۔ (تاریخ فرشتہ صفحہ ۲۶۸، تاریخ ہند صفحہ ۶۲)

سر حلقہ سہروردیہ

تاج العرفاء شیخ شہاب الدین سہروردیؒ المتوفی ۶۳۲ھ

نام و نسب نام شہاب الدین، والد کا نام محمد البکری، کنیت ابو حفص عمر آپ کا سلسلۂ نسب خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔

ولادت آپ کی ولادت ۵۳۹ھ مطابق دسمبر ۱۱۴۴ء میں ہوئی۔ (نفحات الانس ص۱۴۷)

فضل و کمال آپ مشہور ولی کامل سرتاج صوفیہ سلسلہ سہروردیہ کے بانی اور "عوارف المعارف" کے مصنف ہیں۔ بغداد میں آپ کا قیام تھا۔ وعظ و تذکیر، ارشاد و ہدایتِ خلق کے سوا خلفاء اور بادشاہوں کے درمیان سفارت کا کام بھی کرتے تھے اور اس ذریعہ سے جو آمدنی ہوتی تھی سب فقیروں اور محتاجوں میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا آپ کو سخت اہتمام تھا۔ ہندوستان میں آپ کے خلیفہ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی تھے۔ آپ ہی کے ذریعہ سے ہندوستان میں اس سلسلہ کو شیوع ہوا۔ (اعیان الحجاج ص۸۱ ج۲)

تصوف میں آپ کی نسبت آپ کے عم (چچا) محترم شیخ ابو النجیب سہروردی سے ہے۔ آپ شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ کی صحبت میں رہے ہیں۔ اور ان دونوں حضرات کے علاوہ بہت سے مشائخ کی صحبت میں

رہے، اور آپ بعض ابدال کی صحبت میں بھی رہے، یہاں تک کہ آپ نے حضرت خضر علیہ السلام سے بھی شرفِ صحبت حاصل کیا ہے۔

شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ نے آپ سے فرمایا، " انت اٰخر المشھورین بالعراق " یعنی تم عراق کے آخری مشہور بزرگوں میں سے ہو۔ آپ کے بارے میں کچھ لوگوں نے شیخ سعدی سے کہا کہ شیخ شہاب الدین سہروردی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ تو جواب میں آپ نے فرمایا کہ شیخ سہروردی کی پیشانی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہت کا نور کچھ اور ہی چیز ہے۔

آپ اپنے زمانہ میں بغداد کے شیخ الشیوخ تھے اور اہل طریق اطراف وجوانب سے آپ سے مسائل دریافت کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور آپ ان مسائل کو حل فرمادیتے تھے۔

ایک شخص نے آپ کی خدمت میں لکھا کہ اگر میں نیک عمل کو ترک کرتا ہوں تو میرے اندر بطالت وسفاہت پیدا ہوتی ہے، اور اگر نیک عمل کرتا ہوں تو میرے اندر کبر وغرور پیدا ہوتا ہے۔ اب آپ ہی اس کا حل بتلائیے! تو آپ نے اس کو جواب میں تحریر فرمایا کہ نیک عمل کرتے رہو اور تکبر وغرور سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔ (نفحات الانس ص۱۳۷)

ف: سبحان اللہ، کیا ہی خوب حکمت سے پُر جواب ارشاد فرمایا۔ (مرتب)

تحصیل علوم

کم عمری ہی میں آپ اپنے عم محترم حضرت ابو النجیب سہروردیؒ کی خدمت میں بغداد پہنچے اور آپ ہی کے زیر نگرانی تحصیل علوم وفنون شروع کی، تفسیر، حدیث، فقہ اور دوسرے

علوم متداولہ دینیہ میں کمال و تبحر حاصل کیا۔ حدیث و فقہ میں آپ اپنے زمانہ کے بلند پایہ فقیہ اور بہترین محدث شمار کئے جاتے تھے۔ علوم دینیہ میں آپ کے کمال کا ذکر امام سبکی رح نے "طبقات الشافعیہ" میں بڑی شرح و بسط کے ساتھ کیا ہے۔ اور آپ کے فضائل اور کمالات ظاہری کے ساتھ ساتھ آپ کے بعض فتاوے بھی نقل کئے ہیں، جن سے آپکے تبحر علمی کا پتہ چلتا ہے۔

چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ؛ شیخ الشیوخ اس ظاہری تجمل اور عزت کے باوجود نہایت فقر و تنگدستی کی زندگی بسر کرتے تھے اور کسی طرح بھی آپ دنیاوی مال و منال کو قبول نہیں فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ وصال کے وقت تجہیز و تکفین کے لئے بھی ضروری رقم موجود نہ تھی۔ (عوارف المعارف)

بیعت و خلافت

تمام تذکرہ نویس اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کو سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہ سے خاص تعلق تھا اور آپ اُن کی خدمت میں برابر جایا کرتے تھے۔ لیکن بیعت عم محترم شیخ ابوالنجیب عبدالقادر سہروردی رح سے تھے اور آپ ہی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ اور شیخ کی وفات کے بعد آپ کی مسند پر رونق افروز ہوئے۔ تو آپ سے لاکھوں بندگان الٰہی کو نفع پہنچا۔ آپ کی ذات گرامی کا شہرہ نہ صرف عراق میں بلکہ مصر و شام و حجاز و ایران اور ہندوستان وغیرہ میں خوب ہی خوب رہا۔ آپ کے خلفاء میں شیخ نورالدین مبارک غزنوی رح سے شمالی ہندوستان میں سہروردی سلسلہ کو فروغ حاصل ہوا۔ اور شیخ ضیاءالدین رومی رح، شیخ محمد یحییٰ اور شیخ

جلال الدین تبریزی رح بنگال میں سہروردی سلسلہ کے مؤسس ہیں۔ شیخ مصلح الدین شیرازی سعدی کو بھی آپ سے خلافت حاصل تھی۔ اور شیخ زکریا ملتانی رح سے بھی برصغیر میں سہروردی سلسلہ نے فروغ پایا۔

(عوارف المعارف ص۱۰)

تصانیف تصوف و علم کلام وغیرہ دیگر موضوعات پر آپ کی متعدد تصانیف موجود ہیں۔ مثلاً "جذب القلوب الی مواصلۃ المحبوب، کشف النصائح، اعلام الہدیٰ، بہجۃ الاسرار، اور عوارف المعارف وغیرہ۔

عوارف المعارف آپ کی تصانیف میں سب سے زیادہ مشہور و بسوط اور تصوف کے بیان میں سب سے جامع تصنیف ہے۔

آپ کی نسبت یافعی نے لکھا ہے۔ کان کثیرا لحج (آپ بکثرت حج کرتے تھے) اور "شذرات الذہب" میں ہے کہ بکثرت حج کرتے تھے اور کسی کسی حج کے بعد مکہ میں مجاور بھی ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ حج کو گئے تو اس کثرت سے لوگ ساتھ ہوئے کہ لَا یَعْلَمُھُمْ اِلَّا اللّٰہُ (بس ان کی تعداد خدا ہی کو معلوم ہے۔) (ابن کثیر)

ایک بار اپنے پیر مرشد شیخ ابو النجیب کی معیت میں حج کو گئے تھے۔ ایک دن ان کے ساتھ حرم میں بیٹھے ہوئے تھے اور اس وقت شیخ ابو النجیب ایک خاص حالت قرب میں تھے کہ خضرؑ تشریف لائے اور تھوڑی دیر کھڑے رہ کر چلے گئے۔ جب شیخ کو افاقہ ہوا تو شیخ شہاب الدین نے جرأت کر کے کہا کہ

حضرت خضر علیہ السلام آپکی زیارت کو آئے اور آپ نے ان کی طرف توجہ نہ کی۔ یہ سُنکر شیخ ابوالنجیب کا چہرہ سرخ ہوگیا اور فرمایا، تم کیا جانو، اگر حضرت خضر آکر چلے گئے، تو وہ پھر آسکتے ہیں، لیکن خدا کے ساتھ ہم کو جو یہ وقت ملا تھا چلا جاتا تو پھر نہ لوٹتا، اور قیامت تک اس کی ندامت و حسرت رہتی۔ یہ فرما ہی رہے تھے کہ حضرت خضر دوبارہ نمودار ہوئے۔ شیخ ابوالنجیب نے کھڑے ہوکر استقبال کیا اور بہت تواضع سے پیش آئے۔ (اخبار الاخیار ص۲۷)

شیخ شہاب الدین نے اپنی کتاب "عوارف المعارف مکہ معظمہ میں تصنیف کی ہے۔ جب کوئی مشکل پیش آتی حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے اور اس کی بارگاہ میں گریہ وزاری کرتے کہ جو حق ہو وہ مجھ پر القا فرما دے۔ (نفحات الانس ۱۳)

آپ کی معرکۃ الآرا تصنیف "عوارف المعارف" سے کچھ مفید ارشادات نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نافع بنائے۔ آمین!

ارشادات

استقامت مطلوب ہے ابوعلی جوزجانی رح فرماتے ہیں کہ (اے صوفی!) طالب استقامت بن اور کرامت کا طالب مت بن! ہر چند کہ تیرا نفس کرامت کا خواہاں ہے، لیکن تیرا رب تجھ سے استقامت چاہتا ہے۔ (عوارف المعارف ص۱۲۷)

ف: سبحان اللہ، کیا ہی خوب حقیقت آشکارا فرمائی۔ (مرتب)

تواضع کی اصل تواضع کی اصل یہ ہے کہ ذلت اور تکبر میں اعتدال قائم کرنا تواضع ہے۔ یعنی تکبر تو یہ ہے کہ انسان خود کو اپنے حقیقی مرتبہ سے بلند سمجھے، اور ذلت یہ ہے کہ انسان خود کو اتنا گرادے کہ اسکی ذات کی حق تلفی ہو۔ (عوارف ص۲۹۳)

ف: یعنی اِن دونوں کے درمیان رہنا تواضع ہے۔ (مرتّب)

عزت اور کبر میں فرق | عزت کی تعریف یہ ہے کہ انسان خود کو پہچانے اور حقیقت نفس کو پہچان کر اُس کا اکرام اِس طرح کرے کہ اُس کو دُنیاوی اغراض و مفادات کے حصول کے لئے ذلیل و خوار نہ بنائے۔ اور کبر یہ ہے کہ انسان اپنے نفس سے ناواقف ہو اور اُس کو اس کی قدر و منزلت سے بالا سمجھے۔

کسی شخص نے حضرت حسن رحؒ سے کہا، آپ کا نفس کس قدر عظیم ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ میں عظیم نہیں ہوں مگر عزیز ضرور ہوں (یعنی صاحب عزت) چونکہ عزت مذموم نہیں ہے لیکن کبر میں اور اس میں مشاکلت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے " تَسْتَكْبِرُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ " (یعنی زمین پر تم بغیر حق کے (ناحق) تکبر کرتے ہو۔) اس میں یہ امر پوشیدہ ہے کہ عزت حق کے ساتھ ہے اور کبر ناحق کے ساتھ ہے۔ (عوارف)

ف: اللہ تعالےٰ عزت کو مومنین کیلئے آسان فرماتے ہیں وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عزت کیلئے دعا بھی فرمائی ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ ذَلِيْلٌ فَاَعِزَّنِىْ وَفَقِيْرٌ فَارْزُقْنِىْ (ترجمہ: اے اللہ، میں ذلیل ہوں مجھ کو عزت عطا فرما اور میں فقیر ہوں مجھ کو رزق عطا فرما۔) (مرتّب)

اسبابِ نجات و اسبابِ ہلاکت | حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں نجات کا اور تین چیزیں ہلاکت کا باعث ہیں۔ نجات کا ذریعہ تو یہ تین چیزیں ہیں۔ (۱) ظاہر و باطن میں اللہ تعالےٰ سے ڈرنا (۲) رضامندی کی کیفیت ہو یا غصّہ کی، دونوں حالتوں میں انصاف کرنا، (۳) مفلسی اور تونگری دونوں صورتوں میں کفایت شعاری کو اپنانا،

اور ہلاک کرنے والی چیزیں یہ ہیں: (۱) طبعی بخل کی پیروی کرنا (۲) خواہش کی پیروی کرنا (۳) خودپسندی کو اختیار کرنا۔

بہر نوع غصہ و رضامندی کی حالت میں انصاف کے تقاضے وہی پورے کرسکتا ہے جو عالمِ ربّانی ہو، اور اپنے نفس پر حاکم ہو، جو اس کو عقل حاضر اور قلب بیدار کی طرف متوجہ کرے۔ اور فیصلہ کرتے وقت اللہ تعالےٰ سے اچھے محاسبہ کی امید رکھے۔ (صـ۴۲)

ادب فہمِ علم کا ذریعہ ہے شیخ یوسف بن الحسین رحؒ فرماتے ہیں کہ ادب سے علم کا فہم حاصل ہوتا ہے، علم کے ذریعہ عمل درست ہوتا ہے اور عمل کے ذریعہ حکمت حاصل ہوتی ہے اور حکمت سے زہد و ترک دنیا حاصل ہوتا ہے۔ زہد سے آخرت کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اور آخرت کے شوق سے اللہ تعالےٰ اپنے قرب و قبول کا مرتبہ عطا فرماتے ہیں۔ (صـ۴۳)

نماز کا ادب نمازی کا دل نماز کے وقت کسی چیز میں مشغول نہ ہو، وہ چیز معمولی ہو یا اہم۔ دانشمند حضرات نے دنیا کو چھوڑ کر نماز کو اختیار کیا ہے، ورنہ دنیا تو دلوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اس لئے اُنھوں نے اپنی غیرتِ دینی سے اس کو ترک کر دیا، تاکہ اللہ تعالےٰ سے مناجات کے مقام یعنی نماز کی حفاظت کرسکیں اور مقامِ قرب کی طرف راغب ہوسکیں، اور اپنے باطن کے ساتھ خالقِ کائنات کے مطیع رہیں۔ (صـ۴۷)

نفس محلِ آفات ہے چونکہ نفس محلِ آفات ہے، پس اُسکی فریب کاریوں اور پوشیدہ خواہشوں سے آگاہی ایک مشکل کام ہے۔ پس یہی طریقہ افضل و اولےٰ ہے کہ جس کام میں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہو اس کو اختیار کیا جائے اور جو

مشتبہ ہو اُس کو ترک کر کے غیر مشتبہ کو انجام دہی کیلئے پسند کرے۔ (ص۵۱۶)

سلامتی کے دس حصے کہا جاتا ہے کہ سلامتی کے دس حصے ہیں۔ نو حصے تو خاموشی میں ہیں اور ایک حصہ عزلت و خلوت میں۔ یہ کہا گیا ہے کہ خلوت اصل و بنیاد ہے اور اختلاط ایک عارضی چیز ہے۔ پس اصل کو پکڑنا چاہئے اور ضرورت کے بقدر میل جول رکھنا چاہئے۔ اور جب ضرورت کے وقت بعض لوگوں سے اختلاط و ارتباط پیدا کیا جائے تو خاموشی اختیار کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہی اصل اور بنیاد ہے اور کلام عارضی ہے۔ (۵۸۲)

ف: یعنی ملاقات میں بھی کلام بقدر ضرورت ہی ہونا چاہئے۔ (مرتب)

صبر کی حقیقت آپ نے فرمایا کہ ہر چیز کا ایک جوہر ہوتا ہے اور انسان کا جوہر عقل ہے۔ اور عقل کا جوہر صبر ہے۔ پس صبر کرنا نفس کا مقابلہ کرنا ہے۔ مقابلہ سے نفس میں نرمی پیدا ہوتی ہے۔ (ص۶۵۴) **ف:** اور نفس کی شکستگی اور نرمی ہی اللہ تعالیٰ کی رضاء و خوشنودی کا سبب ہے۔ (مرتب)

شکر کی حقیقت شکر کی حقیقت یہ ہے کہ ہر اُس چیز کو جو نصیب میں رکھی گئی ہے نعمت الٰہی سمجھنا چاہئے۔ بجز اُن چیزوں کے جو دین کو نقصان پہنچانے والی ہیں۔ اِس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے حق میں جو بھی فیصلہ کرتا ہے وہ اُس کے حق میں ایک نعمت ہے۔ (ص۶۶۱)

آپ کے خلیفہ حضرت شیخ سعدیؒ نے بوستاں میں حضرت شیخ سہروردیؒ کی دو نصیحتیں نقل کی ہیں جو روح تصوف ہیں، ان کو نقل کرتا ہوں۔ وہ یہ ہیں ؎

مرا پیر دانائے روشن شہاب	دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش	دگر آنکہ بر غیر بد بیں مباش

(ترجمہ) مجھے میرے پیر کامل شہاب الدین نے دو نصیحتیں دریائے دجلہ کے سفر کے درمیان فرمائیں۔ ایک تو یہ کہ اپنے آپ پر اچھائی سے نظر نہ کرو۔ اور دوسرے یہ کہ دوسروں کے متعلق بُرا خیال نہ کرو۔ (مرتب)

آپ کی نصیحت امام رازیؒ کو

حضرت شیخ الاسلام شہاب الدین سہروردیؒ سے منقول ہے کہ انھوں نے امام فخرالدین رازیؒ کو یہ لکھا کہ جو شخص اس زمانہ میں علوم کے نشر کے لئے متعین ہو جائے تو اُس پر اللہ کا بڑا افضل ہے۔ لہٰذا جو لوگ متدین ہونے کے ساتھ ساتھ متیقظ اور بیدار بھی ہیں ان کو چاہیئے کہ اپنی صالح دعاؤں سے اس کی امداد کریں، تاکہ اللہ تعالیٰ اس کے علم کے مورد (گھاٹ) کو حقائق و تقویٰ کے ذریعہ صاف شفاف کر دے۔ اور اس کے علم کے منبع کو ہوئی کی آمیزش سے محفوظ رکھے۔ اِس لئے کہ ہویٰ کا ایک قطرہ بھی علم کے سمندر کو گدلا کر دیتا ہے اور نفسانی تقاضے جو کہ نفوس میں سمائے ہوتے ہیں اور اس کی ذات کے دائمی مصاحب ہوتے ہیں، جو عالم سفلی کی چیز ہے جب اُس کی آمیزش علم کے ساتھ ہو جاتی ہے (جو کہ عالم علوی کی چیز ہے) تو یہی اس پر غالب آجاتی ہے اور علم کو اس کے مقام سے گرا دیتی ہے۔ اور جب علم کے مصادر اور موارد آمیزش ہویٰ سے پاک و صاف ہوتے ہیں تو پھر اس علم میں اللہ تعالیٰ کے کلمات سے ترقی ہی ہوتی رہتی ہے، جن کی شانِ برگزیدہ سے سمندر کی روشنائی ختم ہو جائے اور وہ ختم نہ ہوں۔ اور اُس وقت علم اپنی کمال قوت پر جلوہ گر ہو جاتا ہے۔ اور یہ مرتبہ راسخین فی العلم ہی کا ہے نہ کہ اہل رسوم کا۔ اور یہی حضرات، انبیاء علیہم السلام

کے وارث ہوتے ہیں۔ ان کا عمل ان کے علم کے مطابق ہوتا ہے اور علم و عمل باری باری سے ان پر گزرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ ان کے اعمال صاف اور خالص، پاک اور لطیف ہو جاتے ہیں۔ اور اُسوقت وہ حکایات سریہ اور محاورات روحیہ بن جاتے ہیں۔ اعمال بوجہ اپنی لطافت کے علوم کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور علوم بوجہ اپنی قوتِ تاثیر اور استعداد میں سرایت کر جانے کے اعمال کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

رہا اتباعِ ہویٰ، سو اُس میں تو پستی اور خلود الی الارض ہی ہے۔ جیسا کہ حق تعالےٰ نے فرمایا "وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ" لہٰذا فکر کے نور کو تخیلات کے رذائل سے پاک کرنا اور ان موہومات کے عوض اس کو رہن رکھنے سے بچانا جس نے عقول میں ذلت وخاستگی اور نفوس قاصرہ میں مداہنت پیدا کر رکھی ہے جو ان مردوں کا کام ہے۔ پس اسکی وجہ سے ان کے ظاہر نفوس ملأ اعلیٰ کے مصاحب ہو کر قدس کے میدانوں میں سیر کرتے ہیں۔ پس حطامِ دنیا کی محنت میں پڑنے سے احتراز و اجتناب کرو۔ اور مخلوق کی نظر اور ان کی عقیدت کو شیریں سمجھنے سے دوڑ بھاگو اور بہت دور بھاگو۔ اس لئے کہ یہ سب چیزیں چھوٹی طبیعت والوں کے لئے مزلۃ الاقدام ہیں۔

اور رفیق اعلیٰ کا طالب ہی دراصل متکلم اور محدث ہے اور تعریفات الٰہیہ خود اس کے اوپر وارد ہوتے ہیں۔ (اولاً) اس لئے کہ بشکل ابتلار وہ خود ہی ان کا مظہر ہوتا ہے اور (ثانیاً) اس لئے کہ ابتلار کی جڑ (مشکلات) کا استیصال وہ صدقِ التجا الی اللہ تعالےٰ سے کر لیتا ہے۔ نیز اس سلئے کہ قرب الٰہی کے حریم میں

وہ کثرت سے غوطہ لگاتا ہے۔ اور اپنے انفاس کے ساتھ عین الیقین کے سمندر میں گھس جاتا ہے اور دلائل براہان کی تاثیر کو ارشاد اور عیاں کے نور سے غسل دیتا ہے (جس کا حال یہ ہوا کہ) براہان افکار کے لئے ہوا کرتے ہیں نہ اسرار کے لئے۔

اس کو نقل کر کے صاحب روح المعانی فرماتے ہیں :۔

یالھا من موعظۃ حکیم و نصیحۃ حمیم

نسال اللہ تعالیٰ ان یھدینا لما اشارت الیہ۔

یعنی ایک حکیم کی کیا خوب حکمت بھری نصیحت ہے اور ناصح مخلص کی خوب محبت بھری وصیت ہے۔ ہم اللہ تعالےٰ سے سوال کرتے ہیں کہ اس نصیحت کے مضامین کی جانب ہماری رہنمائی فرمائے، اور ہمکو ہدایت بخشے۔ آمین! (روح المعانی ص۱۰۳ ج ۹)

وفات

آپ کی وفات ۶۳۲ھ میں ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کا مزار بغداد میں ہے۔ نور اللہ مرقدہ۔

(نفحات الانس ص۱۴۷)

حضرت الشیخ الاکبر محی الدین ابن العربی رحمہ اللہ المتوفی ۶۳۸ھ

نام و نسب نام محی الدین محمد، والد کا نام علی اور دادا کا نام العربی ہے آپ شیخ اکبر سے جانے جاتے ہیں۔

ولادت آپ کی ولادت شب دوشنبہ، ۱۷ رمضان المبارک ۵۶۰ھ کو ہوئی۔

تعارف علماء و فقہاء و صوفیاء کرام نے آپ کے عظیم المرتبت ہونے کا اقرار کیا ہے۔ اور آپ کی حد درجہ تعظیم کی ہے اور آپ کے کلام کو بہت سراہا ہے اور آپ کے علوِ مقام کی تعریف کی ہے۔ اور آپ کی بہت سی کرامات کا تذکرہ کیا ہے

ایک دوسرے کے کمال کا اعتراف آپ کا ایک واقعہ امام یافعی رحؒ کی تاریخ میں مذکور ہے کہ ایک بار آپ کو شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے ملنے کا موقع ملا، تو اُس وقت باہم نظریں چار ہوئیں، لیکن باہم کلام نہیں کیا۔ اور اُسی وقت ایک دوسرے سے جدا ہو گئے اُس کے بعد شیخ اکبر سے کسی نے شیخ شہاب الدین سہروردی کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے یہ فرمایا:-

هو رجل مملوء من	وہ ایسے شخص ہیں جو سر سے پاؤں تک
قرنه الى قدمه من السنة	سنت کی پیروی سے پُر ہیں۔

اور جب شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے شیخ اکبر کے بارے میں دریافت

کیا گیا، تو اُنھوں نے فرمایا۔

ھو بحر الحقائق۔ وُہ حقائق کے سمندر ہیں۔

تصوف میں آپ کے خرقہ کی نسبت ایک واسطہ سے شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ تک پہنچتی ہے۔ (نفحات الانس ص۵۸۰)

ف : میں سمجھتا ہوں کہ شاید شیخ سہروردیؒ اور شیخ اکبرؒ کے ذوق وجدان کے اختلاف کی بنا پر ملاقات اور ہمکلامی کا سلسلہ تو قائم نہیں رہا مگر دریافت کئے جانے پر ایک دوسرے کے کمالات کا بلا توقف اظہار فرمایا۔ یہ اصحابِ حقیقت وارباب معرفت کی امتیازی شان ہے۔ مگر افسوس کہ اس زمانہ میں اس طریق سے تعلق رکھنے والے حضرات کا بھی یہ شعار نہیں رہ گیا ہے۔ فالعیاذ باللہ تعالےٰ۔ (مرتب)

فضل وکمال

اکثر محققین اولیاء اللہ نے جملہ علوم وفنون میں انکی جلالتِ شان پر اجماع کیا ہے، جیسا کہ انکی کتابیں اس پر شاہد ہیں، انکے کلام کی بلندی و دقت و باریکی کی وجہ سے بعض حضرات علماء نے انکار کیا ہے مگر اکثر مشائخ نے نہایت عالی القاب سے ان کا ذکر فرمایا ہے۔ حضرت ابو مدین نے ان کو سلطان العارفین فرمایا ہے۔ آدمی کا کلام اس کے مقام باطن پر شاہد وبرہان ہوا کرتا ہے۔ ان کی کتابیں معروف ومشہور ہیں، مثلاً فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم۔ لہٰذا اگر کوئی اعتقاد سے مطالعہ کرے گا تو انشاء اللہ ضرور فیضیاب ہوگا۔ (طبقات ص۱۶۳)

حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک رسالہ "التنبیہ الطربی فی تنزیہ ابن العربی" لکھا ہے، اور اس میں شیخ کی بہت سی عبارات وارشادات نقل فرمائے ہیں جو قابل دید ہیں۔

اور شیخ سے محبت وعقیدت کے لئے کافی ہے۔ اس سے پہلے مقدمہ بھی نہایت جامع ارقام فرمایا ہے، مگر ادق ہے، کوئی باصلاحیت شخص مطالعہ کرنا چاہے تو ضرور کرے۔ مگر ہم بغرض اختصار یہاں نقل کرنے سے قاصر ہیں۔ البتہ حضرتؒ نے کتاب کے آخر میں جو اپنی رائے ثبت فرمایا ہے اور مشاہیر اولیاء کرام کی آراء نقل فرمایا ہے، اُن میں سے کچھ مفید غیر مختلف فیہ اقوال کے یہاں نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ (مرتب)

شیخ اکبرؒ کے باب میں حضرت تھانویؒ کا مسلک

حسب اقتضائے تحقیقات رسالہ ہذا میرا مسلک حضرت شیخ قدس اللہ سرہ کے باب میں یہ ہے کہ بنا بر شہادت جم غفیر اکابر امت کے جس کی حجیت حدیث انتم شہداء اللہ فی الارض سے ثابت ہے۔ شیخ کی مقبولیت اور ولایت کا عقیدہ کامل رکھتا ہوں اور شیخ کے اکثر علوم جو کہ از قبیل اسرار ہیں اور میرے فہم سے خارج ہیں عقلاً نہ ان کے اثبات کا حکم کرتا ہوں بامتثال آیت وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اور نہ انکی نفی کا، باتیمار آیت بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ اور بلا ضرورت شرعیہ ان کی اشاعت اور اشتغال کو مضر سمجھتا ہوں بحکم آیت وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِيْلِهٖ اور طبعاً ان کے اقوال کی طرف توجہ کرنے سے قلب میں اطمنان نہیں پاتا ہوں۔ اس لئے مطابق حدیث دع ما یریبک الیٰ ما لا یریبک ان کا استحضار نہیں کرتا۔ اور جن علماء نے حفاظت شریعت کیلئے حدود شرعیہ کے اندر رہ کر اقوال شیخ بلکہ شیخ پر بھی نکیر کیا ہے ان کو حسب آیت لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ

نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا و حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ معذور جانتا ہوں اور اس مجموعی مسلک میں اپنے کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ متوافق دیکھتا ہوں جیسا کہ ان کے بعض مکتوبات سے ظاہر ہے جس سے کچھ جملے اسی خاتمہ میں منقول بھی ہوں گے۔ البتہ مجدد صاحب میں یہ امر مزید ہے کہ وہ انکے اقوال پر کلام بھی کرتے ہیں جو بوجہ ان کے محقق اور صاحب کشف ہونے کے ان کا حق ہے اور ہم یہ منصب نہیں رکھتے۔ بقول عارف رومی کے ؎

آرزو می خواہ لیک اندازہ خواہ　　　برنتابد کوہ را ایک برگ کاہ

(ترجمہ: آرزو اپنے اندازہ کے مطابق کرو، کیونکہ ایک پتہ پہاڑ کو اکھاڑ نہیں سکتا۔)

(التنبیہ الطربی صفحہ ۱۴۷)

شیخ اکبر مشاہیر اولیاء کی نظر میں

شیخ مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس کہتے تھے: ہم کو قوم میں سے کسی کے متعلق یہ روایت نہیں پہنچی کہ کوئی شخص کبھی علم شریعت و حقیقت میں اس درجہ کو پہنچا ہو، جس درجہ کو شیخ محی الدین پہنچے ہیں۔ اور وہ شیخ کے غایت درجہ کے معتقد تھے۔ اور جو شخص شیخ پر نکیر کرتا وہ اس پر نکیر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمیشہ سے لوگ شیخ کے ساتھ عقیدت رکھنے پر اور ان کے مولفات کو آب زر سے لکھنے پر غایت درجہ متوجہ رہے، ان کی حیات میں بھی اور انکی وفات کے بعد بھی۔ اور اسی سلسلہ میں یہ بھی کہا کہ جس امر کا میں قائل ہوں اور اسکو محقق سمجھتا ہوں اور اس کے موافق اللہ تعالےٰ کے ساتھ معاملہ رکھتا ہوں، وہ یہ ہے کہ شیخ محی الدین شیخ طریقہ تھے، حالًا بھی اور علمًا بھی۔ اور امام اہل تحقیق تھے، حقیقۃً بھی اور ظاہرًا بھی۔ اور علوم عارفین کے احیاکنے

والے تھے فعلاً بھی اور لفظاً بھی۔ اسی طرح کا بہت طویل مضمون فرمایا اور انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ حاصل کلام یہ ہے کہ شیخ پر صرف بعض ایسے فقہاء خشک نے نکیر کیا ہے جن کو محققین کے مشرب سے کچھ بہرہ نہ تھا، باقی جمہور علماء اور صوفیہ نے تو اس کا اقرار کیا ہے کہ وہ اہل تحقیق و توحید کے امام ہیں، اور علوم ظاہرہ میں یکتا و یگانہ ہیں۔ (التنبیہ الطربی صہ۱)

شیخ سراج الدین مخزومی جو شام میں شیخ الاسلام تھے فرماتے تھے کہ اپنے کو شیخ محی الدین کے کلام پر (معاندانہ) نکیر کرنے سے بہت بچانا۔ کیونکہ اولیاء کے گوشت زہر آلود ہیں (تو ان کی غیبت کر کے ان کا گوشت کھانا مہلک ہے) اور اُن سے بغض رکھنے والے کے دین کا برباد ہو جانا ایک مسلّم بات ہے۔ اور جو شخص ان سے بغض رکھتا ہے وہ نصرانی ہو کر مرتا ہے اور جو شخص اُن کی شان میں گستاخی کے ساتھ زبان درازی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کو موتِ قلب میں مبتلا کرتا ہے۔

اور منجملہ شیخ کے ثناخوانوں کے کمال الدین زملکانی بھی ہیں اور یہ اجل علماء شام سے تھے۔

شیخ قطب الدین حموی (اُن کے ثناخواں تھے) اور جب یہ شام سے اپنے وطن کو آئے تو اُن سے پوچھا گیا کہ آپ نے شیخ محی الدین کو کس حال میں پایا؟ اُنھوں نے کہا کہ میں نے اُن کو زہد میں اور معارف میں ایک دریائے زخار ناپیدا کنار پایا۔

شیخ صلاح الدین صفدی نے بھی "تاریخ علماء مصر" میں اُن کی ثنا کی ہے اور کہا ہے کہ جو شخص علوم لدنیہ والوں کے کلام کو دیکھنا چاہے وہ شیخ

محی الدین کی کتابوں کو دیکھا کرے۔

حافظ ابوعبداللہ ذہبی (صاحبِ اسماء الرجال) سے شیخ محی الدین کے اس قول کی نسبت جو انھوں نے اپنی کتاب "فصوص" میں کہا ہے کہ انھوں نے اس کتاب کو حضرۃ نبویہ کی اذن سے بنایا ہے، پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: میں یہ گمان نہیں کرتا کہ ایسا شخص جھوٹ کہتا ہو، حالانکہ حافظ ذہبی شیخ پر اور جماعتِ صوفیہ پر شدت کے ساتھ نکیر کرنے والوں میں ہیں، یہ بھی اور ابن تیمیہ بھی۔

شیخ قطب الدین شیرازی کہا کرتے تھے: شیخ محی الدین علوم شریعت و حقیقت میں کامل تھے۔ اور ان کی شان میں وہی شخص جرح و قدح کرتا ہے جو ان کے کلام کو نہیں سمجھتا اور (اس لئے) اُسکی تصدیق نہیں کرتا (مگر یہ ان کے کمال میں قادح نہیں۔) جیسا کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ایمان نہ لانے والوں کی زبان سے انکو جنون وسحر کی طرف منسوب کیا جانا اُن حضرات کے کمال میں قادح نہیں۔

شیخ مؤیدالدین خجندی فرماتے تھے کہ ہم نے کسی شخص کو اہل طریق میں سے نہیں سنا کہ وہ اُن علوم پر مطلع ہوا ہو، جن پر شیخ محی الدین مطلع ہوئے ہیں۔

شیخ کمال الدین کاشی فرماتے تھے کہ شیخ محی الدین کامل محقق صاحبِ کمالات وکرامات ہیں۔ شعرانی نے فرمایا کہ باوجودیکہ یہ (چند) بزرگوار ایسے شخص پر سخت نکیر کرنے والے تھے جو ظاہر شریعت کے خلاف ہو۔

اور شیخ فخرالدین رازی نے بھی اُن کی ثنا کی ہے اور کہا ہے کہ شیخ محی الدین ولی عظیم تھے۔

امام محی الدین نووی سے شیخ ابن العربی کی نسبت پوچھا گیا۔ اُنھوں نے فرمایا، یہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی (تم سے اُن کے اعمال کا سوال نہ ہوگا تو تحقیق کی بھی ضرورت نہیں) لیکن ہمارے نزدیک اتنا ضرور ہے کہ ہر صاحب عقل پر یہ بات حرام ہے کہ اولیاء اللہ میں سے کسی کے ساتھ بھی بدگمانی رکھے۔ اور اس پر واجب ہے کہ ان کے اقوال و افعال کی تاویل کرتا رہے جب تک کہ اُن کے درجہ تک نہ پہنچے (اور وہاں تک پہنچنے پر پھر اُس کو حق ہے کلام کرنے کا) اور جس کو اتنی بھی توفیق نہ ہو، وہ بالکل ہی گیا گزرا ہوا۔ اور اُنھوں نے شرح مہذب میں فرمایا کہ پھر جب تاویل کرے تو اُن کے کلام کی ستر وجوہ تک تاویل کرے (تاکہ جس طرح بھی ممکن ہو اُن پر سے اعتراض کو اُٹھاوے) اور ہم صرف ایک (دو) تاویل کو قبول نہ کریں گے (کہ ایک دو احتمال نکال کر پھر ان کو رد کر کے اعتراض کو قائم رکھے) ایسا کرنا محض تعنت (وعناد) ہے۔

امام یافعی نے بھی شیخ کی ثنا کی ہے اور انکی ولایت عظمیٰ کی تصریح کی ہے۔ جیسا کہ شیخ الاسلام سے اُنکی شرح روض میں یہ منقول ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ جو شخص اولیاء اللہ سے عداوت کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ سے عداوت کرتا ہے۔ گو یہ (عداوت رکھنے والا) شخص حد تکفیر تک نہ پہنچا ہو جو خلود فی النار کی موجب ہے۔

ہمارے مشائخ میں سے محمد مغربی شاذلی نے بھی جو کہ جلال الدین سیوطیؒ کے شیخ ہیں اُن پر ثنا کی ہے اور اس عنوان سے ان کا ذکر کیا ہے کہ وہ مربی ہیں اہل عرفان کے جیسا حضرت جنیدؒ مربی ہیں اہل ارادت کے۔

شیخ سراج الدین نے کہا ہے کہ شیخ کی کتاب فصوص کی شرح ایک بڑی

جماعت نے کی ہے، جنمیں مشاہیر شافعیہ بھی ہیں اور دوسرے لوگ بھی ہیں، ان میں سے شیخ بدرالدین بن جماعہ بھی ہیں (جو دلیل ہے حسن عقیدت کی)

شیخ عز الدین بن عبدالسلام فرماتے تھے کہ بعض علماء سے جو شیخ پر نکیر واقع ہوا ہے وہ صرف ایسے ضعفاء فقہاء کی رعایت سے ہوا ہے جنکو فقراء کے احوال سے بہرہ وافر نہ تھا، صرف اس احتمال سے کہ شیخ کے کلام سے کوئی ایسی بات نہ سمجھ لیں جو شرع کے موافق نہ ہو اور گمراہ ہو جاویں۔ اور اگر وہ فقہاء فقراء کی صحبت میں رہے ہوتے تو ان کی اصطلاحات کو پہچانتے اور مخالفت شریعت سے مامون رہتے۔ امام شعرانی فرماتے ہیں کہ بعض منکرین نے جو شیخ عز الدین اور شیخ سراج الدین بلقینی سے شائع کیا ہے کہ ان دونوں حضرات نے شیخ کی کتابیں جلانے کا حکم دیا تھا، یہ محض جھوٹ اور افتراء ہے۔ (التنبیہ الطربی ص۲۱)

صوفیہ کے ساتھ حسن ظن رکھنے کی تاکید

شیخ ابن العربی کا کلام جس قدر لوگوں کی سمجھ میں نہیں آیا اس کا سبب اس کلام کا بلند پایہ ہونا ہے اور جس قدر اُن کا کلام ظاہر شریعت اور طریق جمہور کے خلاف ہے وہ اُن کے کلام میں خارج سے داخل کیا گیا ہے۔ چنانچہ مجھ شیخ ابوالطاہر مغربی نزیل مکہ نے مجھ سے اوّل یہ بیان کیا، پھر اس کے بعد میرے دکھلانے کے لئے فتوحات کا وہ نسخہ نکالا جس کو حضرت شیخ کے اُس نسخہ سے مقابلہ کیا جو شیخ کے خاص قلم کا لکھا ہوا شہر قونیہ میں تھا، سو میں نے اُس نسخہ میں اُن عبارتوں میں سے کوئی عبارت نہیں دیکھی جن میں مجھ کو تردد تھا اور اسی لئے فتوحات کے اختصار کے وقت میں نے ان کو حذف کر دیا تھا۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ کچھ موضوع عبارتیں شیخ کے کلام میں ملحق کردی گئی ہیں تاکہ شیخ کو بدنام کرنے کا موقع ملے۔ العیاذ باللہ۔ (مرتب)

شیخ سراج الدین بلقینی سے شیخ ابن العربی کی نسبت پوچھا گیا تو اُن کا یہ قول ہے کہ شیخ کے کسی کلام پر اعتراض کرنے سے اپنے کو بچاؤ، اس لئے کہ شیخ رحمہ اللہ نے جب بحارِ معرفت و تحقیق حقائق میں قدم رکھا تو اپنی آخر عمر میں ان مضامین کو لے کر عبور کیا جو فصوص و فتوحات و تنزلات موصلہ وغیرہا میں ہیں جو اُن اہل اشارات پر مخفی نہیں جو کہ اُن کے درجہ میں ہیں، پھر اُن کے بعد ایک ایسی قوم آئی جو اُن کے طریق سے نابینا تھی، انھوں نے ان مضامین میں انکی تغلیط کی، بلکہ ان عبارتوں کے سبب انکی تکفیر کی اور ان لوگوں کو شیخ کی اصطلاح کی معرفت نہ تھی اور نہ اُنھوں نے ایسے شخص سے پوچھا۔ جو انکو اس کے ایضاح کی طرف رہنمائی کرتا۔ (التنبیہ الطربی ص۳)

اور شیخ مجد الدین صاحبِ قاموس کہتے ہیں کہ کسی شخص کو اجازت نہیں کہ اس جماعت پر محض سرسری نظر سے اعتراض کردے، کیونکہ ان کا مرتبہ فہم اور کشف میں بہت بلند ہے (معترض کی وہاں تک رسائی بھی نہیں ہوئی)، اور اُنھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ہم کو کسی بزرگ سے یہ روایت نہیں پہنچی کہ اُنھوں نے کسی ایسی بات کا حکم دیا ہو جو دین کی ہادم ہو۔ اور نہ کسی کو وضو سے منع کیا نہ نماز سے، اور نہ اسلام کے کسی فرض یا مستحب سے (کرانی تعالیٰ) (جب وہ اعمال و فروع میں خلافِ شریعت کوئی تصرف نہیں کرتے، تو عقائد و اصول میں تو اس کا کب احتمال ہے) البتہ صرف اتنی بات ہے کہ وہ بعض کلام ایسا کرتے ہیں جو عام افہام سے دقیق ہوتا ہے۔

اور یہ بھی کہتے تھے کہ کبھی یہ حضرات مقامات اور علوم میں ایسے نامعلوم مقامات اور علوم تک پہنچ جاتے ہیں جن کی کتاب و سنت میں تصریح نہیں کی گئی، لیکن اکابر علماء با عمل ان علوم کو اپنے حسن استنباط اور صلحاء کے ساتھ حسن ظن کے سبب طریق دقیق سے کتاب و سنت کی طرف راجع کر دیتے ہیں، لیکن ہر شخص ایسا نہیں کہ جب ایسا کلام سنے جو سمجھ میں نہ آوے تو کچھ انتظار بھی کرے، بلکہ صاحب کلام پر اعتراض کرنے میں مبادرت کر بیٹھتا ہے۔ اور انسان پیدا ہی ہوا ہے جلد باز۔

ف: اسمیں دلالت ہے کہ سمجھ میں نہ آنے سے اعتراض نہ کرے، اور سمجھ میں آنا موقوف ہے اُنکی اصطلاحات کے جاننے پر اور اُن کے رُتبہ تک پہنچے پر پس ان شرائط کے اجتماع کے بعد اگر قرآن و حدیث کے خلاف دیکھے، تو اُس کو رد کرنے کا حق ہے اور رد کرنا واجب ہے۔ (از مولانا تھانوی رحؒ)

علم مکاشفہ | امام غزالیؒ نے اقسام علوم آخرۃ میں فرمایا ہے کہ: اُن میں سے ایک قسم علم مکاشفہ ہے اور وہ علم باطن ہے اور یہ غایت ہے تمام علوم کی (باقی عمل کا غایت ہونا وہ اور حیثیت سے ہے) بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو اس علم کا کوئی حصہ حاصل نہ ہو مجھ کو اُس پر سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے، اور ادنیٰ درجہ کا حصہ (کہ سوء خاتمہ سے بچانے کے لئے وہ بھی کافی ہے) یہ ہے کہ اس کی تصدیق کرے، اور اس علم والوں کے لئے اسکو مسلم رکھے (اعتراض اور گستاخی نہ کرے کہ اولیاء سے عداوت رکھنے میں سوء خاتمہ کا خطرہ ہے۔) (التنبیہ الطربی صفحہ ۴۰)

قاضی ثناء اللہؒ نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ جو شخص ان معارف کے ساتھ تکلم کرنا چاہتا ہے اسکو ایسے مجازات و استعارات لانا پڑتا ہے کہ ان کے مقصود

تک عوام کی رسائی نہیں ہوتی، اس لئے وہ لوگ اسکو فاسق اور کافر بناتے ہیں۔ اگر کوئی سوال کرے کہ پھر اس کے ساتھ تکلم کرنے کی اور تصنیف کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جواب دوں گا کہ ان تصنیفات سے غرض ان علوم کا افادہ نہیں ہے اور نہ ان کے مطالعہ سے قرب اور ولایت حاصل ہوتی ہے، بلکہ مقصود اس سے اُن عارفین کو جو کہ ان علوم کو جذب اور سلوک سے حاصل کر رہے ہیں بعض تفصیلات پر متنبہ کرنا ہوتا ہے اور مریدین کے احوال و مواجید پر منطبق کرنا ہوتا ہے تاکہ ان کے احوال کا صحیح ہونا ظاہر ہو جاوے اور اس سے ان کے قلوب کو اطمینان ہو جاوے۔ اور بسا اوقات ان معارف کے ساتھ غلبۂ احوال میں تکلم کرتے ہیں پس طریق مستقیم عوام کے لئے ان حضرات کا کلام سننے کے وقت اور انکی کتابوں کو مطالعہ کرنے کے وقت یہ ہے کہ اعتراض نہ کریں اور ان کو بقدر امکان یا تاویلات کر کے ظاہر شریعت پر محمول کریں، کیونکہ ان کا کلام رموز و اشارات ہوتے ہیں، یا (اگر تاویل سمجھ میں نہ آوے تو) علام الغیوب کے حوالہ کریں، جیسا کہ متشابہات کی شان ہوتی ہے، کیونکہ ان کے کلام میں مجازات واستعارات ہوتے ہیں جو ظاہر سے پھیرے جاتے ہیں، ان میں کوئی بات شرع کے خلاف نہیں ہوتی، بلکہ وہ کتاب وسنت کا مغز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمکو اپنے فضل واحسان سے نصیب فرمادے۔

ف : ان عبارات مذکورہ فصل ہذا سے کتب تصوف وعلماء تصوف کے ساتھ معاملہ رکھنے کا یہ خلاصہ ہوا کہ جن حضرات میں قبول کی علامات ظاہر ہیں اور منجملہ ان علامات کے علماء محققین کا حسن ظن بھی ہے ان کے ساتھ حسن اعتقاد رکھے اور ان کے کلام میں اگر کوئی امر ظاہراً خلاف سواد اعظم دیکھے، تو اپنا

اعتقاد اس کے موافق نہ رکھے، نہ اسکو کسی کے سامنے نقل کرے، نہ ایسی کتابوں کا مطالعہ خود کرے، جبتک کسی شیخ سے نہ پڑھ لے، کیونکہ ان حضرات کا مقصود عوام کے لئے تدوین نہیں ہے، بلکہ عوام سے وہ خود اخفاء فرماتے تھے، بلکہ اعتقاد تو سواد اعظم کے موافق رکھے، اور اس کلام میں اگر تاویل ممکن ہو، تاویل کرے۔ ورنہ غلبۂ حال پر محمول کرلے یا اعداء کے ملحق کر دینے کا احتمال کرے، یا مثل متشابہات کے اسکو مفوض بحق کرے، اور بے سمجھے اعتراض اور گستاخی نہ کرے۔ کیونکہ گو وہ معصوم نہ تھے لیکن شریعت کے بیحد تمبع تھے چنانچہ غیر معذور پر ان سے خود نکیر منقول ہے، اور اسی لئے احکام میں اُن سے کوئی ایسا امر منقول نہیں، صرف بعض اسرار منقول ہیں جن کا مبنٰی ذوق و کشف ہے اور تعبیر خاص اصطلاحات میں کی گئی ہے اور ان دونوں سے عوام داہل ظاہر بے بہرہ ہیں، اس لئے اس کلام کے معارض شریعت ہونے کا یہ لوگ فیصلہ نہیں کر سکتے، گو رُتبہ میں اُن سے بڑھکر بڑھے ہوئے ہوں۔ اس لئے انکو اجمالاً تسلیم کرلینا چاہیئے، ورنہ گستاخی سے سوء خاتمہ کا خوف ہے۔ البتہ جو شخص ویسا ہی محقق ہو اسکو حق ہے کہ اس پر مفصلاً رد کرے، خواہ درجہ خطا اجتہادی تک خواہ ابطال تک۔ (از مولانا تھانوی رح التنبیہ الطربی ص۴۲)

شیخ کی کرامت

حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رح نے اپنی تصنیف لطیفہ "ایجادات کی حقیقت" میں شیخ اکبر رح کی ایک کرامت نقل فرمائی ہے اسکو نقل کرتا ہوں :۔

آواز کے ضبط کرنے کا ایک آلہ آگیا ہے اسمیں ہر بات ضبط ہو جاتی ہے

جب سے وہ آیا ہے سب لوگ بہت خوش ہیں اور دھوم مچی ہوئی ہے کہ کتنی عجیب وغریب چیز آگئی ہے۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ فرشتے جو ضبط کر رہے ہیں، وہ آپ کی ہر بات لکھے جا رہے ہیں، جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے اس کو ذرا بھی عجیب نہیں سمجھتے۔ آخر ہو کیا گیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ تو نہایت شد و مد سے قرآن میں قیامت کا بیان فرما رہے ہیں۔ مگر ہم لوگ ان سب باتوں سے غافل ہیں، ہم کو یہ چیزیں عجیب ہی نہیں معلوم ہوتی ہیں، کس قدر تعجب کی بات ہے۔

یہ آلہ انگریزوں کی ایجاد ہے جس کو اب کے لوگ بہت بڑی کامیابی اور ترقی سمجھتے ہیں، مگر اپنے اسلاف کے احوال سے واقفیت نہیں کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی تو ان سے کیسی کیسی باتیں صادر ہوئیں جو آجکل کے لوگوں کے وہم وخیال میں بھی نہیں آسکتیں۔ چنانچہ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رح تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

لما اودعت الکعبة شهادة	جبکہ میں نے شہادت توحید کو حجر اسود کے
التوحید عند تقبیلی الحجر الاسود	بوسہ دینے کے وقت کعبہ شریف کو ودیعت
خرجت الشهادة عند	کی تو میرے تلفظ کے وقت وہ شہادت فرشتہ
تلفظی بها وانا انظر الیها	کی صورت میں خارج ہوئی جسکو میں اپنی آنکھوں
بعینی فی صورة ملك وانفتح	سے دیکھ رہا تھا اور مثل طاق کے حجر اسود میں
فی الحجر الاسود مثل	انفتاح ہوگیا۔ یہاں تک کہ میں نے حجر اسود کے
الطاق حتی نظرت الی قعر	قعر میں نظر کی، اور شہادت مثل کعبہ وسیع
الحجر والشهادة قد صارت	ہوگئی اور وہ قعر حجر میں مستقر ہوگئی،
مثل الکعبة واستقرت فی	اور حجر اسود اس پر بالکل ڈھک گیا

فعرالحجر وانطبق الحجر	اور وہ طاق بند ہوگیا، اور میں اس کی
عليها وانسد ذالك الطاق	طرف دیکھ رہا تھا۔ تو کعبہ نے مجھ سے کہا
وانا انظر اليه فقالت لی	کہ یہ آپ کی امانت میرے پاس ہے
هٰذه امانة لك عندی	جس کو قیامت کے دن آپ کی
ارفعها لك الی یوم القيامة	خدمت میں پیش کروں گا، تو میں نے
فشكرتها علیٰ ذٰلك انتهٰی	اس بات پر اس کا شکریہ ادا کیا۔

دیکھا آپ نے؟ یہ کوئی معمولی چیز ہے کہ حجر اسود جو ایک چھوٹا سا پتھر ہے اُس کے اندر اتنی وسعت ہوگئی کہ اس نے شیخ کی شہادت کو جو کعبہ کے مثل ہوگئی تھی اسکو ضبط کرلیا اور کہا کہ یہ امانت ہے جس کو قیامت کے دن آپکے سامنے پیش کروں گا۔

لوگ اہل اللہ کے ان واقعات کو نہیں دیکھتے۔ لندن اور امریکہ کے شاگرد ہوگئے ہیں۔ مگر کب تک ان کی شاگردی کروگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخر کب شاگردی اختیار کروگے ؎

چند خوانی حکمتِ یونانیاں حکمتِ ایمانیاں راہم بخواں

(ایجادات کی حقیقت صفحہ ۱۹)

(ترجمہ: کب تک یونانیوں کی حکمت پڑھتے رہوگے؟ آخر ایمان والوں کی حکمت بھی تو پڑھو۔)

ارشادات

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ کے چند اقوال "التنبیہ الطربی فی تنزیہ ابن العربی، مؤلفہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے نقل کروں۔ وہ یہ ہیں :-

فتوحات میں (شیخ ابن العربی کا قول) ہے کہ: جو حقیقت خلاف شریعت ہو وہ زندقہ باطلہ ہے۔ نیز فتوحات میں ہے کہ "ہمارے لئے اللہ تعالیٰ تک (پہنچنے کا) کوئی رستہ نہیں بجز اس طریقہ کے جو مشروع فرمایا ہے (صفحہ ۶)...

... نیز شیخ ابن العربی کا ارشاد ہے، جو شخص میزانِ شریعت کو ایک لحظہ بھی اپنے ہاتھ سے پھینک دے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (صفحہ ۷)

نیز فتوحات کے باب ۳۸۲ میں شیخ نے فرمایا کہ جو شخص غوامض شریعت کے سمجھنے اور مشکلاتِ علومِ توحید کے حل کرنے کی طرف آنا چاہے تو اسکو چاہیئے کہ اپنی عقل و رائے کے حکم کو چھوڑ دے اور شرع ربانی کو اپنا پیشوا بنائے۔

ف: اس میں امر صریح ہے شریعت کی تقدیم کا اپنی رائے پر۔ آگے کشف پر تقدیم ہے۔

نیز شیخ نے فرمایا کہ جاننا چاہیئے کہ تقدیم کشف کی نص پر ہمارے نزدیک محض باطل ہے۔ کیونکہ اہل کشف کو کثرت سے اشتباہ ہو جاتا ہے۔ ورنہ کشف صحیح (خالی از اشتباہ) ہمیشہ ظاہر شریعت ہی کے موافق ہوتا ہے۔ (تو جو کشف شریعت کے خلاف ہو وہ خود غلط ہوگا) پس جو شخص اپنے کشف کو شرع پر مقدم کرے، وہ جماعتِ اہل اللہ میں شامل ہونے سے خارج ہو جائے گا۔ اور ان لوگوں میں مل جائیگا جو اعمال کے اعتبار سے سراسر خسارہ میں ہیں۔

ف: اس میں امر صریح ہے شریعت کی تقدیم کا کشف پر جیسے اوپر عقل پر تقدیم تھی۔

شیخ نے فرمایا کہ علم شریعت کو لازم پکڑو، کیونکہ شریعت ہی تمہاری وہ کشتی ہے کہ جب اسمیں رخنہ پڑ جائے تو تم بھی ہلاک ہو گے اور جتنے بھی اُسمیں سوار

ہیں وہ سب ہلاک ہوں گے۔

شیخ نے فتوحات کے باب ۱۸۵ میں فرمایا کہ جاننا چاہیئے کہ میزان شرع جو کہ دنیا میں موجود ہے وہی شریعت ہے جو علماء کے ہاتھ میں ہے۔ پس جب کبھی کوئی ولی شرع کی میزان مذکورہ سے عقل تکلیف کے ہوتے ہوئے خارج ہوگا اُس پر اعتراض وارد ہوگا۔

شیخ نے فرمایا: جب کسی صاحب کشف پر کوئی ایسا وارد الٰہی وارد ہو جو اُس کے لئے ایسے امر کو حلال کرے جسکی حرمت شریعتِ محمدی میں ثابت ہو چکی ہو تو اس شخص پر اُس وارد کا ترک کر دینا (اور اس پر عمل نہ کرنا) جزماً واجب ہے۔ کیونکہ وہ تلبیس ہے اور اس پر حکم شرعی کی طرف جو ثابت ہے رجوع کرنا واجب ہے۔ اور یہ بات تمام اہل کشف کے نزدیک ثابت ہے۔

(التنبیہ الطربی صـ ۱۳)

وفات

آپ نے بروز دوشنبہ ۲۲ر ربیع الآخر ۶۳۸ھ دمشق (مملکت شام) میں انتقال فرمایا۔ آپ کو شہر دمشق کے باہر موضع صفح میں جو کوہِ قادسیون کے دامن میں ہے دفن کیا گیا۔ یہ جگہ آجکل صالحیہ کے نام سے مشہور ہے۔ رحمہ اللہ ونور اللہ مرقدہٗ۔

(نفحات الانس صـ ۵۱۳)

حضرت الشیخ عبد الرحمٰن طغسونجی رحمۃ اللہ علیہ چھٹی صدی ہجری

تعارف

آپ کا شمار مشائخ عراق کے اکابر، عارفین کے سرداروں اور مقربین کے صدر نشینوں میں ہوتا تھا۔ آپ احوال فاخرہ، کراماتِ ظاہرہ اور تصرفات نافذہ رکھتے تھے۔ آپ فرماتے تھے: ولیوں میں میری مثال ایسی ہے جیسے پرندوں میں کلنگ کہ اسکی گردن سب سے لمبی ہوتی ہے۔ آپ طغسونج میں ایک بلند کرسی پر بیٹھ کر شریعت وحقیقت سے متعلق بیان فرماتے تھے۔ مشائخ اور علماء آپ کی مجلس میں شریک ہوتے۔ آپ علماء کا لباس زیب تن فرماتے اور خچر کی سواری کرتے

ارشادات

آپ فرماتے تھے کہ جو شخص دنیا کے حصول میں مشغول ہوگیا وہ دنیا کی ذلت وبرائی میں پڑ گیا۔ جس نے اپنے عیوب سے آنکھیں بند کرلیں سرکش وباغی ہوگیا اور جس نے خلافِ حق اشیاء سے اپنے کو آراستہ کیا وہ فریب میں مبتلا ہوگیا۔

ف: اس سے دنیا کی زیب وزینت اور اس سے دلچسپی ودلفریبی کی کتنی مذمت ثابت ہوتی ہے لہٰذا اس سے کس قدر پُر حذر رہنے کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین! (مرتب)

فرماتے تھے کہ علوم میں سب سے زیادہ نافع احکامِ شریعت کا علم ہے اور ارفع واعلیٰ علم توحید کا علم ہے۔

ف: اس سے توحید کی کتنی اہمیت ثابت ہوئی۔ اس لئے اپنی توحید کو خالص اور پختہ کرنے کی کتنی ضرورت ہے۔ بقول امام غزالی رحؒ توحید

اسلام کی آنکھ کی پُتلی ہے۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ شجاعت و بہادری تواضع کے ساتھ مضر نہیں ہے بشرطیکہ واجبات اور سُنن کی ادائیگی مستقل ہوتی رہے۔ اور قلب میں کبر کا مرض موجود ہو تو علم و عمل بے فائدہ اور بے نتیجہ ہے۔

ف : اِس سے کبر کی کتنی مذمت ثابت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین! (مرتب)

فرماتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ تم کو سیدھا رکھے گا تو تم ثابت قدم رہو گے اور جب تم خود اپنے نفس کے ساتھ کھڑے رہنا چاہو گے تو گر جاؤ گے۔

ف : ماشاء اللہ، کس قدر معرفت و حکمت سے لبریز ارشادات ہیں جو لائحہ عمل بنانے کے لائق ہیں۔ خاص طور سے سالکین راہ کیلئے۔ (مرتب)

وفات : آپنے عراق کے ایک شہر طغسونج میں سکونت اختیار کی۔ وہیں پیرانہ سالی میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کی قبر موجود ہے اور زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔ (طبقات ج ۱ صـ۱۴۶)

لیکن تاریخ وفات باوجود تلاش کے نہیں مل سکی۔ البتہ اتنا محقق ہے کہ سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۶۱ھ) کے زمانہ میں آپ بقید حیات تھے، جیسا کہ "نفحات الانس" صـ۶۲ پر دونوں حضرات کے سلام و پیغام کا تذکرہ موجود ہے۔

حضرت الشیخ داؤد کبیر ابن ماخلا رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب نام داؤد کبیر، والد کا نام ماخلا ہے۔

تعارف سید محمد ولی شاذلی ؒ کے پیر تھے۔ یہ حاکم اسکندریہ کے گھر میں سپاہی تھے، اور حاکم کے سامنے بیٹھا کرتے تھے۔ اور دونوں میں اشارہ مقرر تھا، جس سے قابل سزا و قابل برارت ہونا معلوم ہوجاتا تھا۔ چنانچہ اگر یہ اشارہ کرتے کہ یہ بری ہے تو وہ اس کو رہا کردیتا تھا اور اگر اشارہ کرتے کہ جو الزام اُس پر ہے یہ اُس کا مرتکب ہے، تو وہ اس کو سزا دیتا تھا۔ اور وہ اشارہ یہ تھا کہ اگر یہ اپنی ڈاڑھی کو پکڑ کر سینے کی طرف کھینچتے تھے تو سمجھا جاتا تھا کہ وہ مجرم ہے۔ اور اگر اوپر کی طرف کرتے تو یہ سمجھا جاتا کہ یہ بری ہے۔ آپنے تصوف میں بہت اہم اہم مضامین بیان کئے ہیں۔

آپ فرماتے تھے کہ حدیث پاک: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِكُلِّ امْرِءٍ مَا نَوٰی کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری نیت میں جسقدر بلندی ہوگی اسی قدر عالم سرائر کے نزدیک تمھارے مرتبہ میں بلندی ہوگی۔ (طبقات ص ۱۵۸)

فرماتے تھے کہ سب سے بڑی فتح یہ ہے کہ آدمی غفلت سے بیداری میں آجائے۔ فرماتے تھے کہ اپنے نفس سے پُرحذر رہو۔ اس لئے کہ طاعات وعبادات میں بھی اس کے غوائل وآفات ہیں۔ فرماتے تھے کہ نور نبوت سے ایمان میں جلا، اور اعمال میں وزن پیدا ہوتا ہے اور نور ولایت سے اعمال میں طہارت اور احوال میں رفعت پیدا ہوتی ہے۔

فرماتے تھے کہ آدمی دنیا وآخرت کے کسی کام میں مشغول نہ ہو تو وہ مثل

جماد کے ہے۔ اور اگر شر و معصیت میں مبتلا ہو تو وہ شیطان ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی مصنوعات و مخلوقات میں غور و فکر کر رہا ہو تو مثل فرشتہ کے ہے۔ پس اے مخاطب! تم پر اللہ تعالیٰ رحم کرے، سوچ لے کہ تو کس جماعت میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ فرماتے تھے کہ کریموں کے سامنے سوال میں الحاح کیا کرو۔ اگرچہ تم بخشش کے لائق نہ ہو۔ اس لئے کہ یہ حضرات اخلاق جمیلہ سے متخلق ہوتے ہیں (اس لئے بغیر اہلیت کے بھی جود و بخشش کرتے ہیں۔)

فرماتے تھے کہ فُجّار کی کثرت اور نیکوں کی قلت سے ہرگز نہ ڈرو۔ اس لئے کہ اگرچہ ان کی تعداد کثیر ہے مگر ان کا معاملہ صغیر و حقیر ہے۔ اور نیک لوگ اگرچہ انکی تعداد کم ہے مگر ان کا معاملہ نہایت وسیع و کبیر ہے۔ (طبقات ص ۱۸۹)

فرماتے تھے کہ آدمی ایک آدمی سے اس حال میں معانقہ کرتا ہے کہ دونوں کے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہوتا ہے۔ (اس زمانہ میں تو ایسا بہت ہے یعنی بظاہر ملنا جُلنا ہے، مگر دل کے اعتبار سے بہت دوری ہے۔) (مرتب)

فرماتے تھے کہ اگر کوئی عارف مشرق میں کوئی حقیقت بیان کرے اور اس کا کوئی محب مغرب میں ہو تو اس کو اس کی قسمت اور محبت کے اعتبار سے حصہ ملے گا۔ (طبقات ص ۱۷۱) فرماتے تھے کہ جود و عطاء کے اعتبار سے سب سے زیادہ وہ شخص ہے جس کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ نے بندوں کا رزق مقدر فرمایا ہے۔ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خواص اہلِ جنت کو ایسا لباس پہنائیں گے جس میں کسی قسم کا رنگ نہ ہوگا۔

ف: یہ عالمِ آخرت کی باتیں ہیں۔ ہم اہل دنیا کو یہاں سمجھ میں نہ آئیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ اُستاد کی خدمت باپ کی خدمت پر مقدم ہے۔ اس لئے کہ تمھارے باپ نے تو تم کو مکدر کر دیا تھا مگر استاد نے تم کو صاف کیا۔ اور تمھارے باپ نے تم کو نیچے اتار دیا تھا اگر تمھارے استاد نے تم کو بلند و برتر کر دیا۔ اور تمھارے باپ نے تم کو پانی و منی سے ملوث کیا اور تمھارے استاذ نے تم کو اعلیٰ علیین تک پہنچا دیا۔ فرماتے تھے، جو چیز تمھارے اور خدا تعالیٰ کے درمیان آڑ ہو وہ گناہ ہے۔ فرماتے تھے کہ اہل جنت کو سب سے زیادہ تنعم علم سے حاصل ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔ (طبقات صنہ ۱۹۰)

فرماتے تھے کہ اہل دوزخ کیلئے سب سے بڑا عذاب جنت سے حرمان ہے۔

فرماتے تھے کہ طریق کی حقیقت یہ ہے کہ مفلس رہو اور ہمیشہ ادنیٰ سے اعلیٰ کے طالب رہو۔ اور جب تم نے اپنے واصل ہونے کا گمان کیا تو تم واصل نہیں ہوئے اور جب تم نے اپنے متعلق گمان کیا کہ کامیاب ہو گئے تو تم کامیاب نہیں ہوئے اور جب تم نے خیال کیا کہ مجھے کچھ حاصل ہو گیا تو سمجھ لو کہ تم صاحبِ حال نہیں ہوئے

فرماتے تھے کہ عارف ایک دن رات میں سو مرتبہ بدلتا ہے اور عابد ایک حال پر اتنے اتنے سال قائم رہتا ہے۔ اس لئے کہ عارف دائرہ تصریف کی طرف مائل ہے اور عابد دائرۂ تکلیف کی طرف۔ (طبقات صنہ ۱۹۰)

فرماتے تھے کہ جو شخص حضور قلب کی مجھے خبر دے تو اس کیلئے امر عظیم کے حصول کی میں بشارت سُناؤں گا۔ فرماتے تھے کہ جام بلند وہ ہے جس کا صاحب تنہا نہ پئے۔ (ﷺ)

ف: ماشاء اللہ بہت سے مفید ارشادات علامہ شعرانی نے نقل فرمائے ہیں جن میں سے چند ہم نے نقل کیا ہے۔ اسلئے انکو بغور پڑھیں۔ انشاء اللہ اتنے سے بھی فیض حاصل ہوگا۔ (مرتب)

وفات | تاریخ وفات نہ مل سکی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ المتوفی ۶۴۱ھ

نام و نسب نام محمد، لقب حمید الدین، شعر و شاعری میں حمید درویش لکھتے تھے۔ والد کا نام عطاء اللہ محمود بخاری ہے۔

ابتدائی حالات قاضی صاحبؒ کے والد کو آپ سے محبت بدرجۂ غایت تھی۔ اس لئے قاضی صاحبؒ کو پندرہ سال کی عمر میں مسند نشین کر کے امور سلطنت کا ذمہ دار بنا دیا۔ آپ نے چند روز تک اپنے امور مملکت کو بخوبی انجام دیا، لیکن جب آپ کی بیوی کا انتقال ہو گیا تو آپ غمگین رہنے لگے۔ ایک روز شکار کے لئے جنگل میں تشریف لے گئے، وہاں ایک ہرن کو تیر مار کر زخمی کر دیا۔ اس وقت ہرن نے کہا کہ اے عزیز! تو بندۂ پروردگار ہے، مجھ بے گناہ کو کیوں مارا، اپنے پروردگار کو کیا جواب دے گا۔ اس واقعہ پر آپ کو نہایت تعجب ہوا اور اس سے متحیر اور محزون ہو کر محل میں تشریف لائے، اور علی الصبح شہر بخارا میں صلائے عام دلوا کر تمام سامان محلسرائے کا غریبوں میں تقسیم کر دیا اور درویشوں کے ساتھ کرمان کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ کے والد ماجد بھی فرط محبت کی وجہ سے مفارقت گوارا نہ کر سکے اور کرمان کی طرف روانہ ہو گئے اور کرمان سے صحرا نوردی کا سلسلہ شروع کر دیا۔

اثنائے سفر میں حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، اور بارہ سال تک آپ سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اس کے بعد آپ بغداد کی طرف روانہ ہو گئے۔ (تاریخ صوفیائے ناگور ص ۲۵۳)

بیعت و خلافت

حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ سے شرفِ بیعت حاصل کیا۔ اور ایک سال تک اُنکی خدمت میں رہ کر ریاضت و مجاہدہ کرتے رہے۔ اُسی زمانہ میں یہاں حضرت قطب الدین بختیار اوشی تشریف فرما تھے، اُن سے گہرے روابط و مراسم قائم ہوگئے جو آخر وقت تک استوار رہے۔ حضرت خواجہ قطب الدینؒ نے درویشوں سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے جو سیاحت کی اس میں حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری کا ذکر رفیق سفر کی حیثیت سے بار بار کرتے ہیں۔

مرشد سے اجازت لے کر قاضی حمید الدین رحؒ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور ایک برس دو ماہ سات دن روضۂ نبوی ﷺ کے مجاور رہے۔ وہاں سے مکہ معظمہ پہنچے، جہاں تین سال تک قیام کر کے ہر قسم کے فیوض و برکات حاصل کئے۔ مکہ معظمہ سے سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں دہلی تشریف لائے اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحؒ کے ساتھ قیام کیا اور وفات کے بعد انہی کے پہلو میں دفن ہوئے۔

آپ کو بیعت اگرچہ سلسلۂ سہروردیہ میں تھی۔ مگر حضرت بختیار کاکیؒ سے گہرے تعلقات کی بنا پر وہ چشتی ہی سمجھے جاتے ہیں۔ لطائف اشرفی میں ہے کہ خواجہ بختیار کاکیؒ نے ان کو خرقۂ خلافت بھی عطا کیا تھا۔ سیر الاقطاب میں ہے کہ حضرت حمید الدین ناگوری رحؒ حضرت خواجہ بختیار کاکی رحؒ کے اُستاد تھے، خواجہ صاحب رحؒ نے علوم ظاہری کی تعلیم اُن ہی سے پائی سیر الاقطاب کے مؤلف کا بیان ہے کہ "باوجودیکہ حضرت قاضی حضرت

خواجہ کے استاذ تھے، لیکن ادب وخدمت میں اِس قدر لگے رہتے تھے کہ لوگوں کو حیرت ہوتی تھی اور وہ کہتے تھے کہ خواجہ قطب الدینؒ قطب المشائخ ہیں اور قاضی حمید الدینؒ سے ہزار درجہ بزرگ اور برتر ہیں۔ وہ (یعنی حضرت قاضی) اُن کے ایک بال کی بھی برابری نہیں کرسکتے۔ بالآخر قاضی ناگوری کو حضرت خواجہؒ سے خلافت بھی ملی۔ حالانکہ اُن کے پیر سے مل چکی تھی"۔ (بزم صوفیہ ص۱۱۲)

کرامت وخرق عادت

صاحب روضۂ اقطاب سیر الاولیاء سے نقل کرتے ہیں کہ بروایت خواجہ قطب الدینؒ کہ ایک وقت میں اور قاضی حمید الدین ناگوری سفر کرکے دریا کے کنارے پہنچے کہ مجھ کو بھوک لگی۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ ایک بکری دو روٹیاں جَو کی منہ میں رکھے ہوئے آئی اور ہمارے آگے رکھ کر چلی گئی۔ ہم نے ان کو خداداد سمجھ کر کھالیا اور اُس کی نعمت کا شکر ادا کیا۔ اِس عرصہ میں ایک بچھو بلی کے برابر آکر جلدی سے دریا پار ہوگیا۔ ہم نے دیکھ کر تأمل کیا اور کہا کہ اس میں کچھ نہ کچھ حکمت ہے۔ آؤ ہم بھی دریا پار ہوں اور اللہ کی قدرت کا تماشا دیکھیں۔ ہم نے دعا کو ہاتھ اُٹھائے کہ دریا خشک ہوکر زمین خشک ظاہر ہوئی، ہم اُسی وقت پار ہوگئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ دوسرے کنارے پر درخت کے تلے ایک مرد سو رہا ہے، عنقریب تھا کہ ایک اژدہا اُس کو کھائے کہ اس بچھو نے اژدہے کو ڈنک مار کر ہلاک کردیا اور غائب ہوگیا۔ ہم نے جانا کہ یہ مرد کوئی بہت بڑے بزرگوں میں سے اور نیک ہوگا کہ اللہ نے اسکو اپنی حفاظت میں رکھا۔ جب ہم قریب پہنچے تو دیکھا کہ ایک مرد شراب پیئے بدمست پڑا ہے۔

پس ہم کو حیرت ہوئی کہ یہ آدمی ایسا گنہگار نافرمان، اور اللہ تعالےٰ اس پر ایسا مہربان ؟ اتنے میں غیب سے آواز آئی کہ " اے عزیزو! ہم اگر نیک بختوں اور پارساؤں کو نگاہ میں رکھیں تو یہ شراب خور اور گنہگاروں کی کون حفاظت اور پرورش کرے گا ؟ اسی سوچ بچار میں تھے کہ وہ مرد ہشیار ہوا، ہم نے سارا ماجرا اُس کو سنایا، وہ سن کر شرمندہ ہوا، اور شراب خوری اور بدکرداری سے توبہ کی اور خدا کے دوستوں میں سے ہوا۔ (روضۂ اقطاب باب ۲ صفحہ ۱، سیر الاولیا اردو ترجمہ صفحہ ۵۵، ۹۹)

اقتباس از رسالہ قاضی رحؒ

نماز خشوع و خضوع سے شروع ہوتی ہے۔ اسکے بغیر نماز قبولیت کا درجہ حاصل نہیں کرتی۔ نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا بھی خشوع کے خلاف ہے۔ خشوع کمال نیازمندی ہے۔ نماز ظاہری اور ہے، نماز باطنی اور۔

نماز میں وضو اور سجدے کا مقام یہ ہے کہ وضو ظاہری کے ساتھ باطنی بھی ہونا چاہیئے۔ دل کا وضو دُنیا کے میل اور محبت سے خالی ہونا ہے۔ اور سر اور روح کا وضو اللہ کے ماسوا رشتوں کو کاٹ دینا ہے۔ سجدہ میں صرف پیشانی زمین پر رکھی جائے اور دل ہر طرف بھٹکتا رہے، تو ایسا سجدہ مسجود (یعنی اللہ) تک نہیں پہنچتا۔

وفات آپ کی وفات ۱۱ رمضان ۶۴۱ھ مطابق ۱۲۴۳ء میں ہوئی۔ نماز تراویح کے بعد وتر کی نماز میں سجدے میں گئے اور اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اِنّا للہ واِنّا الیہ راجِعُون۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔ نَوَّرَ اللہُ مَرقَدَہٗ۔

(تاریخ صوفیائے ناگور صفحہ ۲۳)

حضرت الشیخ ابو السعود ابی العشائر رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۶۴۴ھ

آپ مصر کے اجل مشائخ میں سے ہیں۔ بادشاہِ وقت بھی برابر زیارت کیلئے حاضر ہوتا تھا۔

ارشادات فرماتے تھے کہ: جو اپنے آپ کو نصیحت نہ کرے وہ تم کو نصیحت کیا کرے گا۔ اور جس نے خود اپنے سے خیانت کی اسکی خیانت سے مامون نہ رہو۔

فرماتے تھے کہ: جو تم کو دنیا یا دلائے اور اس کی مدح کرے تو اس سے بھاگو اور جو شخص تمھارے مولیٰ تعالیٰ سے غفلت کا سبب ہو تو تم اس سے اعراض کرو۔ اور ان وساوس کو نیست و نابود کردو جو دنیا کی محبت کا باعث ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ذریعہ ان کی طرف سے توجہ ہٹاؤ۔

فرماتے تھے کہ دل کی صلاح و درستگی توحید و صدق میں ہے اور اس کا فساد شرک و ریا میں ہے۔ فرماتے تھے کہ اولیاء اللہ جس مقام تک پہنچے ہیں وہ کثرتِ اعمال کی بنا پر نہیں بلکہ ادب کے ذریعہ سے پہنچے ہیں۔ (طبقات ص۱۶۲ ج۱)

فرماتے تھے کہ: سالک پر واجب ہے کہ جب اپنے نفس میں کوئی برائی مثلاً کبر، شرک، بخل یا سوءِ ظن دیکھے تو جس کی طرف نفس بلائے اس کے خلاف کرے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے حول اور قوت اور اپنے مجاہدات کے ذریعہ مدد چاہے۔ اس سے اسکے نفس کی برائیاں کمزور ہوجائیں گی اور اس کے قلب کا نور قوی ہوجائیگا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنی محبت کا ایک ذرہ اس کے دل میں ڈال دیگا، جس سے بغیر ریاضت کے یہ برائیاں چھوٹ جائیں گی اور شہوات و مالوفات سے اس کو نجات مل جائے گی۔

فرماتے تھے کہ مریدین کو اپنے کام کی بنیاد ان چار اصولوں پر رکھنا چاہیئے۔

اوّل، حضور قلب کے ساتھ زبان کو ذکر اللہ میں مشغول رکھنا۔ دوم، اللہ تعالیٰ کے مراقبہ پر قلب کو پابند کرنا۔ سوم: اللہ تعالیٰ کیلئے نفس و ہوی کی مخالفت کرنا۔ چہارم، تحصیل عبودیت کیلئے لقمۂ طیب کو حاصل کرنا۔

ف: اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ اسمیں کونسی اصل شریعت کے خلاف ہے۔ لہذا ہر شخص کو ان اصول پر عمل پیرا ہونا چاہیئے اس لیئے کہ آج انہی اصول پر عمل نہ ہونے کیوجہ سے ہملوگ محروم ہیں۔ بزرگوں نے فرمایا کہ اصول پر عمل پیرا نہ ہونے کی وجہ سے ہی لوگ وصول سے محروم ہیں۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ: اللہ تعالیٰ کا مراقبہ ہر سعادت کی کلید ہے اور یہی آرام و راحت کی مختصر راہ ہے۔ اسی سے قلب پاک صاف ہوتا ہے اور نفس ترمردہ ہوجاتا ہے اور اُنس قوی ہوجاتا ہے۔ تب کہیں جاکر محبت نازل ہوتی ہے اور صدق حاصل ہوتا ہے اور یہ مراقبہ ایسا محافظ ہے جو سوتا نہیں اور ایسا قیوم ہے جو غافل نہیں ہوتا۔

فرماتے تھے کہ: جس مرید نے نفس کا مجاہدہ ترک کردیا اور اس کو رام نہ کرلیا اور اسکے اخلاق راسخ ہوگئے، تو پھر ہر روز اسی بنیاد پر تعمیر کرتا چلا جائیگا اور ہر لحظہ اسکو مضبوط کرتا چلا جائیگا، یہانتک کہ بیماری اور حسرت کیساتھ مرجائیگا۔ اس لیئے کہ ایسے لوگ کم ہیں جنکو جاہ و شہرت پسند ہو پھر وہ اس سے نکل سکیں۔ پس لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہی استغاثہ کرے اور اپنی گردن کو جھکائے رکھے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا رہے اور ہر قسم کے دعویٰ سے سکوت اختیار کرے۔

فرماتے تھے کہ: جس شخص سے مخلوق برگشتہ ہوجائے اور اس کے اندر ذرہ برابر تغیر ہوجائے تو سمجھ لو کہ وہ ابھی مخلوق کے ساتھ واقف (ٹھہرا ہوا) ہے اور اپنے پروردگار کے ساتھ مشرک ہے۔

وفات: آپ کی وفات ۶۴۴ھ میں قاہرہ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ (طبقات صفحہ ۱۶۲)

سرحلقہ شاذلیہ

حضرت الشیخ ابو الحسن الشاذلی المتوفیٰ ۶۵۴ھ

نام ونسب نام علی، کنیت ابو الحسن، والد کا نام عبد اللہ ہے۔

حالات آپ نسباً حسنی ہیں۔ آپ کا وطن اسکندریہ ہے۔ آپ اپنے دور کے مشائخ کبار میں سے تھے۔ اسکندریہ کی ایک بڑی جماعت آپ کی خدمت میں رہی اور آپ سے فیضیاب ہوئی۔ آپ طریقہ شاذلیہ کے امام ہیں۔

پہلے اپنے وطن میں علوم شرعیہ کی تحصیل کرکے ایسی مہارت حاصل کی کہ باوجودیکہ بصارتِ ظاہری نہ تھی، مسائل علمیہ میں علماء سے بحثیں کرتے تھے اس کے بعد آپ کا میلان تصوف کی طرف ہو گیا اور تزکیہ باطن کے لئے بڑے بڑے ریاضات و مجاہدات کئے، تا آنکہ غیر معمولی صلاحیت کا ظہور ہوا۔ اور اس راہ میں ان کی روش کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔ پھر سیاحت کا خیال پیدا ہوا۔ اور بہت سے ملکوں کی سیر کے بعد اسکندریہ پہنچے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔

حضرت شیخ تقی الدین بن دقیق العید جیسے یگانۂ روزگار امامِ علم وفن اور عارف باللہ نے اُن کے حق میں فرمایا ہے، مَا رَأَيْتُ أَعْرَفَ بِاللّٰهِ مِنْهُ۔ (میں نے ان سے بڑا اللہ تعالیٰ کا عارف نہیں دیکھا) اس کے باوجود ان کو اذیت

پہنچائی گئی، اور دیار مغرب سے ان کو مع ان کی جماعت کے جلاوطن کیا گیا۔ اسکندریہ آئے تو ان کے اہل وطن نے یہاں بھی ان کی شکایت لکھ بھیجی یہاں بھی لوگ درپئے ایذا رہوئے۔ مگر اُن کی کرامت کے مشاہدہ کے بعد ان کے معتقد ہو گئے۔ اور ایسے معتقد ہوئے کہ جب ان کی سواری نکلتی تو اکابر فقراء کے علاوہ بڑے بڑے رؤسا ان کی سواری کے ساتھ پیدل چلتے تھے۔

امام شاذلی رح نے متعدد حج کئے ہیں۔ بلکہ حج کے سفر میں ہی اُن کا انتقال بھی ہوا۔ (اعیان الحجاج ص۱۰۳ ج ۲)

درندوں کے ساتھ اُنس

آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دوران سفر مجھ کو تمام رات جنگل میں قیام کرنا پڑا تو رات میں تمام درندے میرے اردگرد جمع ہو گئے۔ اُس رات ایسا اُنس حاصل ہوا جو اُس سے پہلے کبھی نہیں حاصل ہوا تھا۔ تو اُسوقت میرے دل میں خیال گزرا کہ مجھے اللہ تعالےٰ کے عطیات میں سے کچھ مل گیا ہے۔ اس کے بعد میں نہر کے کنارے پر آیا، تو وہاں پر چکوروں کا غول تھا جب ان کو آہٹ ہوئی کہ کوئی آرہا ہے۔ تو سب کے سب اُڑ گئے۔ تو اس سے میرے دل میں ایک طرح کا خوف پیدا ہو گیا تو اُسوقت میں نے سنا کہ کوئی مجھ کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے کہ کل شب تو نے درندوں کے ساتھ اُنس حاصل کیا اور اب کیا ہو گیا کہ ان چکوروں کے اُڑنے سے ڈر گیا۔ ہاں کل تو ہمارے ساتھ تھا اور آج اپنے نفس کے ساتھ ہے۔

سبق آموز واقعات

آپ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں اَسّی دن بھوکا

رہا تو میرے دل میں خیال آیا کہ یہ توکل کی وجہ سے ہوا ہے۔ ابھی یہ خیال آیا ہی تھا کہ میں نے ایک غار سے ایک عورت کو باہر آتے دیکھا جو شکل وصورت میں بے مثال تھی اور اس کا چہرہ سورج کی طرح چمک رہا تھا، مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگی کہ اے بدنصیب! اسی دن تک بھوکا رہا اور پھر ٹھہر گیا اور اپنے اِس عمل پر اللہ کے ساتھ نازاں ہے۔ مجھے دیکھا چھ ماہ گزر چکے ہیں، میں نے کھانا نہیں چکھا ہے۔

ف : یہی تربیتِ الٰہی ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے ایسے ہی موقع پر اللہ تعالیٰ اس کی تربیت فرماتے ہیں۔ (مرتّب)

آپ فرماتے ہیں کہ میں غار میں تھا اور میں نے کہا کہ یا الٰہی! میں تیرا شاکر بندہ ہوں، تو میں نے سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ جب تک تو اپنے غیر کو نہ دیکھے گا جس پر اللہ کا انعام ہوا ہے اُسی وقت تک تو شاکر ہے۔ تو میں نے جواباً کہا کہ کیوں میں کسی اور کو انعام پانے والا نہ سمجھوں، حالانکہ آپ نے انبیاء علیہم السلام پر انعام کیا ہے، اِسی طرح بادشاہوں پر انعام فرمایا ہے۔ تو اس کے بعد میں نے سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام نہ ہوتے تو تو کیسے راہ راست پاتا اور اگر علماء نہ ہوتے تو تو کسی کی پیروی کیسے کرتا، اور اگر بادشاہ نہ ہوتے تو تو کس طرح امن وامان میں رہتا۔ یہ سب تم پر میری نعمتیں ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: "طَهِّرْ ثِيَابَكَ مِنَ الدَّنَسِ تَحْظَ بِمَدَدِ اللّٰهِ فِيْ كُلِّ نَفَسٍ"۔ (اے علی! تو اپنے کپڑوں کو میل کچیل سے پاک رکھ، تاکہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے تو ہر لحظہ کامیاب ہو) تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم

میرے کپڑے کون ہیں؟ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم کو پانچ خلعتیں پہنائی ہیں، ۱۔ خلعتِ محبت ۲۔ خلعتِ معرفت ۳۔ خلعتِ توحید ۴۔ خلعتِ ایمان ۵۔ خلعتِ اسلام۔ جو شخص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو دوست رکھتا ہے اُس پر ہر چیز آسان ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے اُس کی نظر میں تمام چیزیں بہت ہی معمولی نظر آتی ہیں۔ اور جو شخص اللہ کو ایک جانتا ہے تو کسی کو اُس کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتا۔ اور جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے وہ ہر چیز سے بے خوف ہو جاتا ہے اور جو شخص اسلام پر ہو، وہ اللہ تعالیٰ کا گنہگار نہیں ہوتا۔ اور اگر گناہ کرتا بھی ہے تو توبہ کرلیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمالیتے ہیں۔

اس کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ مجھے "وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ" کا مطلب یہاں سے سمجھ میں آگیا۔

آپ کی نصیحت

آپ کے ایک شاگرد ابو العباس مرسی فرماتے ہیں کہ میں نے مدینہ شریف میں امیر المومنین حضرت حمزہ رضؓ کی زیارت کا ارادہ کیا، تو ایک اور شخص میرے ساتھ ہولیا۔ ہم جب وہاں پہنچے تو آپ کے مزار کا دروازہ بند تھا، لیکن حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے وہ کھل گیا۔ تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص دعا میں مشغول ہے تو میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ یہ شخص ابدال میں سے ہے اس وجہ سے جو بھی دعا مانگی جائے گی وہ قبول ہوگی۔ لہٰذا جو بھی دعا مانگنا ہو مانگ لو۔ تو اُس شخص نے دعا کی کہ اے اللہ! ہر روز مجھے ایک اشرفی عطا فرما دیجئے۔ اور میں نے دعا کی کہ اے اللہ! مجھ کو بلائے دنیا اور عذابِ آخرت سے نجات عطا فرما دیجئے۔ جب

واپس ہوئے تو مدینہ کے قریب ایک شخص نے اُس کو ایک اشرفی دی۔ اور جب ہم مدینہ پہنچے تو شیخ ابوالحسن کی نظر ہم پر پڑی۔ تو آپ نے اُس شخص کو مخاطب کر کے کہا، اے خسیس الہمت! تو نے ایسی گھڑی پائی تھی جس میں دعا رقبول ہوتی تھی، مگر تو نے اُس کو محض ایک دینار پر خرچ کر دیا۔ تو نے ابوالعباس کی طرح اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی عافیت نہ مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعار کو قبول کر لیا۔ (نفحات الانس ص۵۲۷)

ف : معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں کسی چیز کی کمی نہیں، مانگے تو بڑی ہی چیز مانگنی چاہیئے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کی پرواز اُس کی ہمت کے بقدر ہوتی ہے۔ (مرتب)

دُعائے حزبُ البحر کا تعارف

معتبر علمار نے بیان کیا ہے کہ حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رح شہر قاہرہ میں تھے کہ حج کے دن قریب آ گئے۔ شیخ نے ان ایام میں اپنے دوستوں سے فرمایا کہ ہم کو اِس سال غیب سے حج کرنے کا حکم ہوا ہے۔ جہاز تلاش کرو۔ دوستوں (مریدوں) کو بہت تلاش کے بعد ایک بوڑھے عیسائی کے جہاز کے سوا اور کوئی جہاز نہ ملا۔ سب اُسی جہاز میں سوار ہو گئے۔ جب بادبان اُٹھا دیا تو قاہرہ کی آبادی سے نکلتے ہی مخالف ہوا چلنے لگی اور ایک ہفتہ تک قاہرہ کے قریب اِس طرح ٹھہرے رہے کہ قاہرہ کے پہاڑ دکھائی دیتے تھے۔ مخالف لوگ طعنے دینے لگے کہ شیخ فرماتے ہیں کہ مجھ کو (غیب سے) حج کا حکم کیا گیا ہے اور حالت یہ ہے کہ حج کا وقت قریب آ گیا ہے اور ہم مخالف ہوا میں پھنسے ہوئے ہیں، یہ بات شیخ کے لئے دلی بے چینی کا باعث ہوئی، مگر وہ ضبط کی قوت سے پی جاتے

تھے۔ اتفاقاً شیخ دوپہر کو سو رہے تھے (قیلولہ فرما رہے تھے) کہ اللہ تعالیٰ نے
ان کو اس دعا کا الہام کیا۔ شیخ نے نیند سے اٹھ کر یہ دعا پڑھنی شروع کی،
اور جہاز کے افسر کو بلا کر فرمایا کہ اللہ کے بھروسے پر بادبان اٹھا دے۔ اس نے
جواب دیا کہ اگر ہم بادبان اٹھا دیں گے تو ہوا اسی وقت ہمارا منہ پھیر دے گی
اور ہم کو قاہرہ میں پہنچا دے گی۔

شیخ نے فرمایا کہ تو دل میں دھکڑ پکڑ مت کر، ہم جو کچھ کہتے ہیں اس پر عمل کر
اور اللہ تعالیٰ کی عجیب مہربانی دیکھ۔ جونہی بادبان اٹھایا وہیں موافق ہوا
زور و شور سے چلنے لگی۔ یہاں تک کہ اس رسی کو جس کے ساتھ جہاز کو
میخ سے باندھ رکھا تھا کھول نہ سکے (ناچار) اس کو کاٹ دیا۔ اور بڑی جلدی
امن و امان اور سلامتی کے ساتھ مبارک مقصد پر پہنچ گئے۔ بوڑھے عیسائی
کے بیٹے مسلمان ہو گئے، اور وہ دل میں بہت غمگین ہوا۔ رات کو اس نے خواب
میں دیکھا کہ شیخ ایک بڑی جماعت کے ساتھ بہشت میں تشریف لئے جا رہے
ہیں اور اس کے لڑکے بھی شیخ کے ساتھ جا رہے ہیں۔ اس نے اپنے بیٹوں کے
پیچھے جانا چاہا مگر فرشتوں نے جھڑکا کہ تو ان لوگوں کے دین والوں میں سے نہیں ہے
ان سے تیرا کیا مطلب۔ صبح کے وقت اللہ کی ہدایت اس کی مددگار ہوئی اور
اس نے کلمۂ توحید پڑھ لیا۔ اور سہج سہج اس کا مرتبہ یہاں تک بڑھ گیا کہ وہ
بڑے (باطنی) مقامات والا ہو گیا اور اس طرف کے لوگ اس کی نزدیکی اور
صحبت کے طالب ہونے لگے۔ (مناجات مقبول ص ۲۱۵)

ف: میں نے بغرض اختصار اس دعا کو حذف کر دیا۔ جو لوگ پڑھنا چاہیں وہ
مناجات مقبول مؤلفہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے مراجعت کریں۔ (مرتب)

ارشادات

حضرت یافعیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

جب ان سے کوئی دعا کی درخواست کرتا تو فرماتے کہ کَانَ اللّٰہُ لَکَ اللہ تعالیٰ تمھارا ہو جائے۔ اگر بہ نظر تحقیق دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ کلمہ تمام مطلوبات کا جامع ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ یعنی جو اللہ کا ہو گیا، اس کا اللہ ہو گیا۔

انھوں نے فرمایا کہ حق کے مقابلہ میں خلق کو ہم کچھ نہیں سمجھتے۔ اور اگر کچھ سمجھنا ضروری ہی ہو تو ایسا ہے جیسا کہ فضا میں ہبار۔ کہ اگر اس کو پانا چاہو تو کچھ نہ پاؤ۔

ف: سبحان اللہ کیسی عمدہ مثال دی جو قابل صد آفریں ہے۔ (مرتب)

آپ نے فرمایا کہ تمھاری دعا کا حظ و حصہ بس اتنا ہی نہیں ہونا چاہئے کہ قضائے حاجات پر خوش ہو جاؤ، بلکہ خود اپنے محبوب حقیقی سے دعا و مناجات کے کر لینے پر فرح و سرور ہونا چاہئے (خواہ دعا قبول ہو یا نہ ہو) اگر ایسا نہ ہو تو تم محجوب قرار پاؤ گے۔

(تقصار جیود الاحرار صـ)

ف: سبحان اللہ، کتنی نفیس اور معرفت کی بات ارشاد فرمائی جو آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ اس لئے کہ اس ملفوظ میں یہ حقیقت ارشاد فرمائی کہ دعا کرنے سے حاجات و مطلوبات کا حصول ہی سب کچھ نہیں ہے، بلکہ خود بندۂ ناکارہ کا بجناب رب العزت اپنے عجز و نیاز کا مظاہرہ اور واجب العطیات سے التجاء و سرگوشی کی سعادت خود نعمت عظیمہ اور موجب فرح و سرور ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر لطف کی اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ بندہ اپنے محبوب حقیقی سے ہمکلام ہو۔ (مرتب)

آپ طریقہ شاذلیہ کے امام ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے کہ: استغفار کو اپنے اوپر لازم کرو، گو کوئی گناہ صادر نہ ہوا ہو۔ اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے استغفار فرمانے سے نصیحت حاصل کرو۔ اس لئے کہ آپ کو تو اپنے اگلے پچھلے سبھی گناہوں کی مغفرت کا یقین تھا اور آپ کو اس کی بشارت سنادی گئی تھی پھر بھی آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم استغفار فرماتے تھے۔ **ف**: پس یہ آپ کا حال ہے جو گناہوں سے بالکل پاک وصاف تھے تو اس شخص کا کیا حال ہونا چاہیئے جس کا کوئی وقت بھی عیب و گناہ سے خالی نہیں گزرتا۔ بلکہ اس کا یہ حال ہو ؎

بے گنہ نہ گزشت بر من ساعتے ‌ ‌ ‌ ‌ باحضور دل نہ کردم طاعتے

اس لئے اس کو تو بہت زیادہ توبہ و استغفار کرتے رہنا چاہیئے۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ جب تمھارا کشف کتاب و سنت کے معارض ہو تو کتاب و سنت کو مضبوطی سے پکڑلو۔ اور اپنے کشف کو بالائے طاق رکھو۔ فرماتے تھے کہ جب تم پر وساوس کا ہجوم ہو تو یہ پڑھا کرو: سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْخَلَّاقِ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

(ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جو سارے جہان کا بادشاہ اور پیدا کرنے والا ہے، اگر وہ چاہے تو تمکو فنا کردے اور ایک نئی مخلوق پیدا کردے۔ اور یہ بات اللہ تعالٰی کو کچھ مشکل نہیں۔)

فرماتے تھے کہ اگر دنیا اور اہل دنیا سے زہد اختیار نہ کروگے تو ولایت کی خوشبو بھی نہ پاؤگے۔ فرماتے تھے کہ جب فقیر اپنے نفس کے لئے انتقام لے اور اس کی طرف سے جواب دے تو اس میں اور مٹی میں ذرا بھی فرق نہیں ہے۔

فرماتے تھے کہ جب فقیر پانچوں وقت کی نماز کے لئے جماعت میں حاضری پر مواظبت نہ کرے تو اس کا کوئی درجہ و رتبہ نہ سمجھو۔

ف : ہاں اگر عذر معقول ہو تو اور بات ہے۔ ایسی حالت میں شرعاً معذوری ہے۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ جب تم اپنے احوال باطنی یا ظاہری میں سے کسی حال کو بھی مستحسن و اچھا سمجھو تو کہا کرو، مَاشَاءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

فرماتے تھے کہ عالم کا سلوک تمام نہیں ہوگا جبتک کہ کسی صالح بھائی یا ناصح شیخ کی صحبت اختیار نہ کرے۔ فرماتے تھے کہ سارے جہان کے لوگ سچے صاحب یقین کی تکذیب کر دیں تو بھی اس کی تمکین و ثبات میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ بلکہ اسمیں اضافہ ہی ہوگا۔ فرماتے تھے کہ میں نے ایک ہاتف سے سنا کہ اگر میری کرامت چاہتے ہو تو میری طاعت کو لازم پکڑو اور میری معصیت سے اعراض کرو۔ فرماتے تھے کہ جس نے درجات کمال تک پہنچنے سے پہلے مخلوق کی طرف توجہ کی تو وہ اللہ کی نظروں سے گر گیا۔ پس تم لوگ اس مرض عظیم سے بچو اس لئے کہ بہت سے لوگ اس کے شکار ہو چکے ہیں، اور انھوں نے اپنی شہرت اور دست بوسی پر قناعت کر لی ہے۔ پس اللہ تعالےٰ کو مضبوطی سے پکڑو، تو اللہ تعالےٰ تم کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرے گا۔

ف : یعنی افادہ و افاضہ کا کام درجہ کمال تک پہنچنے کے بعد کرنا چاہئے ورنہ خود اپنے لئے نقصان کا خطرہ ہے۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ یکے بعد دیگرے معصیت کے کرنے سے اجتناب کرو۔ اس وجہ سے کہ جو اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرے گا وہ ظالم ہے۔ اور ظالم امام ومقتدا نہیں ہو سکتا۔ اور جس نے معاصی کو ترک کیا اور جس نے اللہ تعالےٰ کی آزمائش پر صبر کیا اور اللہ تعالےٰ کے وعدہ و وعید کا یقین کیا تو وہ امام ہے

چاہے اس کے متبعین کم ہی کیوں نہ ہوں۔

فرماتے تھے کہ جب قلب انوار الٰہیہ سے بھر جاتا ہے تو اس کی بصیرت اللہ کے مومن بندوں کے نقائص و قبائح سے اندھی ہو جاتی ہے۔ (طبقات ج۱ص۱۴۲)

ف: اس لئے کہ ایسی صورت میں خود اپنے عیوب و نقائص پیش نظر ہو جاتے ہیں، اور اسی میں آدمی غلطاں و پیچاں رہتا ہے۔ تو پھر دوسرے کے عیوب کو دیکھنے کی اس کو کب مہلت ملیگی۔ اور اسی بصیرت کے مناسب حضرت مرشدی مولانا محمد احمد صاحبؒ کا کتنا عمدہ شعر ہے ؎

کھل گئی جب سے چشم بصیرت ـــ اپنی نظروں سے خود گر گئے ہم (مرتب)

فرماتے تھے کہ جو شخص اپنی چشم بصیرت کے کھل جانے کا دعویٰ کرے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طاعت میں تصنع کرے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ہاتھوں میں جو مال و دولت ہے اسکی طمع کرے، تو وہ کاذب ہے۔

فرماتے تھے کہ اگر کلام میں صدق کے طالب ہو تو سورہ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ پڑھا کرو۔ اور اگر تمام احوال میں اخلاص کے خواستگار ہو تو قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ پڑھا کرو۔ اور اگر رزق میں آسانی کو چاہو تو قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ پڑھا کرو۔ اور اگر ہر شے سے سلامتی کا ارادہ کرو تو قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ کی تلاوت کیا کرو۔

میں کہتا ہوں کہ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان مقاصد کے حصول کیلئے مذکورہ سورتوں کو روزانہ کم از کم ستر سے لے کر سات سو مرتبہ تک پڑھنا چاہیئے۔ (طبقات ج۱ص۱۴۲) **ف**: حدیث پاک میں ہے کہ جو شخص صبح و شام تین تین مرتبہ سورہ اخلاص اور معوذتین پڑھے گا وہ تمام شرور سے محفوظ رہے گا۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ اگر ایک خصلت آدمی اختیار کرلے تو اہل زمانہ کا امام ہو جائے اور وہ دنیا سے اعراض اور اہل دنیا کی ایذاء کا تحمل ہے۔ فرماتے تھے:۔ جو شخص اہل اللہ کے احوال پر اعتراض کرتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنی موت سے پہلے تین مزید اور اموات کا مزہ چکھے۔ ایک ذلت کی موت، دوسرے فقر و فاقہ کی موت، تیسرے لوگوں کی طرف اپنی حاجت کو لے جانے کی موت۔ پھر کسی کو بھی نہ پاؤ گے کہ اس پر رحم کرے۔ (طبقات ج ۲ صلا)

ف: سبحان اللہ، کیسے مفید ارشادات ہیں۔ جن افعال کے کرنے کا حکم فرمایا ہے اُن کو کرنا اور جن اعمال سے منع فرمایا ہے اُن سے بچنا کس قدر سعادت کی بات ہے۔ (مرتب)

وفات

۶۵۴ھ میں آپ مکہ مکرمہ کا سفر کر رہے تھے، دوران سفر ایسے جنگل میں پہنچے کہ وہاں صرف کھارا پانی تھا۔ اسی جگہ پر آپ کا انتقال ہو گیا۔ تو آپ کی برکت سے وہ کھارا پانی میٹھا ہو گیا۔

رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

(نفحات الانس ص۸۳۶)

حضرت شیخ علی ابوالحسن مغربی قدس سرہٗ المتوفی ۶۵۴ھ

اللہ تعالیٰ کا انعام

انھوں نے فرمایا اے اللہ! تیرا میں کب شکر گزار بندہ قرار پاؤں گا؟ ندا آئی کہ جب اپنے علاوہ کسی دوسرے کو مُنعَم علیہ (جس پر انعام کیا گیا ہو) نہ سمجھو گے۔ تو عرض کیا کہ یہ کیسے؟ جب کہ آپ نے انبیاء، علماء اور بادشاہوں پر انعام فرمایا ہے۔ ارشاد ہوا کہ اگر انبیاء نہ ہوتے تو ہدایت کہاں سے پاتے اور اگر علماء نہ ہوتے تو اقتدار کس کی کرتے، اور اگر یہ بادشاہ نہ ہوتے تو کیسے مامون و محفوظ رہتے؟ پس سمجھو کہ ہماری یہ سب نعمتیں تم ہی پر ہیں۔

ف: سبحان اللہ، کیسی عمدہ بات ہے جو پیش نظر رکھنے کے لائق ہے۔ (مرتب)

ارشادات

آپ کے منجملہ ارشادات کے یہ ہے کہ تیری خوشی صرف مراد کے پانے اور حاجات کے حاصل ہونے ہی سے نہ ہو بلکہ تمھاری خوشی بدرگاہِ الٰہی دعا و مناجات اور عرض حاجات سے ہونی چاہیئے، ورنہ تم محجوبین میں سے سمجھے جاؤ گے۔

وفات

آپ کی وفات ۶۵۴ھ میں واقع ہوئی۔ رحمہٗ اللہ تعالیٰ۔

(تقصار جیود الاحرار ص۹۱)

حضرت جمال الدین احمد ہانسوی رحمہ اللہ المتوفی ۶۵۹ھ

نام ونسب، ولادت نام احمد، لقب جمال الدین، والد کا نام محمد ہے آپ کی ولادت ۵۸۳ھ میں ہوئی۔

فضل وکمال آپ بہت بڑے خطیب و مقرر تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ملتا ہے۔ شیخ فریدالدین گنج شکر رحمہ اللہ کے بڑے خلفاء میں سے تھے، کمالات ظاہریہ اور باطنیہ کے حامل تھے، شیخ فرید رحمہ اللہ کو آپ سے بڑی محبت تھی، اسی وجہ سے انھوں نے بارہ برس آپ کے پاس ہانسی میں گزار دیئے۔ وہ آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ "جمال ہمارا جمال ہے" اور کبھی یوں فرماتے کہ "جمال، میری خواہش ہے کہ تمھارے اگرد چکر لگایا کروں"۔ شیخ فرید رحمہ اللہ جس کسی کو خلافت دیتے اسے حضرت جمال کے پاس بھیج دیتے، اگر شیخ جمال اس کو قبول کر لیتے تو خلافت کو قائم رکھتے اور اگر شیخ جمال اس کو ناپسند کرتے تو اس کی خلافت ختم کر دیتے تھے اور پھر شیخ فرید اسے دوبارہ قبول نہ فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ جس کو جمال پھاڑ دے اُسے فرید نہیں سی سکتا۔ (اخبار الاخیار ص۱۵۱)

ایک دن ایک آدمی ہانسی سے شیخ فرید رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے دریافت کیا کہ ہمارے جمال کا کیا حال ہے؟ اس نے عرض کیا کہ ہمارے مخدوم (یعنی شیخ جمال) نے جس روز سے آپ سے تعلق قائم کیا ہے اُس وقت سے ریاضت اور مجاہدہ میں مصروف رہتے ہیں، آنا جانا سب کچھ ترک کر دیا ہے، اور فاقے سہتے ہیں۔ شیخ فرید رحمہ اللہ یہ سُن کر خوش ہوئے اور کہا، الحمدللہ، اور پھر

دعا دی کہ اللہ اُنھیں خوش رکھے۔

منقول ہے کہ ایک دن شیخ جمال احمد ہانسوی رح نے یہ حدیث سنی کہ القبور روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر النیران (یعنی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوتی ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا) تو بہت پریشان وحیران ہوئے اور حدیث کی اس تنبیہ کو سننے کے بعد بیقرار رہنے لگے۔ آپ کے انتقال کے بعد لوگوں نے کئی مرتبہ ارادہ کیا کہ آپ کی قبر پر گنبد بنا دیں، آخر کار گنبد بنانے کیلئے کھدائی کی گئی، جب کھدائی کرتے کرتے لوگ لحد کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ قبلہ کی جانب ایک کھڑکی ہے جس میں سے جنت کی خوشبو آرہی ہے۔ چنانچہ لوگوں نے اُسی وقت اس کھڑکی کو بند کر دیا اور وہاں سے ہٹ گئے۔ پھر قبر کو اوپر سے بند کر کے گنبد بنا دیا۔ (اخبار الاخیار ص۱۵۲)

تعلیمات

شیخ احمد ہانسوی رح کے متعدد رسالے اور اشعار ہیں۔ ایک رسالہ عربی میں بھی ہے، جس میں مختلف کلمات کو بحیثیت سجع جمع کیا گیا ہے، جس کا نام "ملہمات" ہے۔ آپ نے ایک جگہ اس میں لکھا ہے کہ "فقر ایک عمدہ اور بہترین خصلت ہے جس سے یہ صفات معرض وجود میں آتی ہیں: صلاحیت، عفت، زہد، پاکیزگی، تقویٰ، طاعت، عبادت، فاقہ کشی، مسکنت وقناعت، مروت و جوانمردی، دیانت وحفاظت، امانت و بیداری، تہجد وخضوع، خشوع وعاجزی، تواضع وتحمل، برداشت وعفو اور چشم پوشی، مہربانی وانفاق فی سبیل اللہ، ایثار، کھانا کھلانا، اکرام واحسان، ماسوی اللہ سے نفرت، اللہ کی عبادت میں اخلاص،

مخلوق سے انقطاع وجدائی، سچائی وصبر، خاموشی وبردباری، رضا وحیا، سخاوت ووفاداری، خوف وامید، ریاضت ومجاہدہ اور مراقبہ، موافقت و دوستی اور مداومت علی العبادۃ اور معاملت، توحید وتہذیب، تجرید و تفرید، سکوت، وقار، مدارات، محبت والفت، عنایت، رعایت، شفقت، سفارش، لطف وکرم، مجاہدہ، شکر، فکر، ذکر، عزت، ادب واحترام، طلب ورغبت، غیرت وعبرت، بصیرت وبیداری، حکمت، للّٰہیت، ہمت، معرفت وحقیقت، خدمت وتسلیم، توکل، پریشانی، یقین واعتماد، غنا وثبات اور حسن خلق۔" اور فرمایا کہ:۔

وکل فقیر اذا وجدت فیہ ھذہ الصفات سمی فقیرا کاملا واذا فقدت لم یسم فقیرا۔	ہر وہ فقیر جس کے اندر یہ جملہ صفات ہونگی وہ کامل فقیر ہوگا، اور جس کے اندر یہ صفات نہ ہونگی وہ فقیر کہلانے کا حقدار نہیں۔

شیخ جمال احمد کا مزار ہانسی میں ہے جو اپنے تین بچوں سمیت ایک ہی گنبد میں آرام فرما رہے ہیں۔

منقول ہے کہ شیخ احمد ہانسوی رح کی وفات کے بعد لوگوں نے آپ کو خواب میں دیکھ کر حالات پوچھے تو آپ نے فرمایا کہ قبر میں دفن کرنے کے بعد عذاب کے دو فرشتے میرے پاس آئے اور انکے بعد ہی فوراً دو فرشتے اور آئے اور یہ حکم لائے کہ ہم نے اسے بخش دیا، اس لئے کہ یہ مغرب کی نماز کے فوراً بعد ہی دو رکعت جسمیں سورۂ فاتحہ کے بعد سورہ بروج اور سورہ طارق ہے پڑھا کرتا تھا اور ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھتا تھا۔ (اخبار الاخیار ص۱۵۳)

وفات

"اخبار الاخیار" میں آپ کی وفات ۶۶۰ھ میں درج ہے۔ اور "تاریخ دعوت وعزیمت ص۲۶۴ پر ۶۵۹ھ درج ہے۔

نور اللہ مرقدہٗ۔

شیخ الاسلام عزّ الدین بن عبدالسلام المتوفی ۶۶۰ھ

نام ونسب نام عزّ الدین؛ لقب سلطان العلماء، والد کا نام عبدالسلام ہے۔ بعض لوگوں نے ملک العلماء کا لقب دیا ہے۔

ولادت وتعلیم عزّ الدین بن عبدالسلام دمشق میں ۵۷۹ھ میں پیدا ہوئے۔ اساتذۂ دمشق اور مشاہیر علماء سے تعلیم حاصل کی جنہیں فخر الدین بن عساکر، سیف الدین آمدی، حافظ ابو القاسم بن عساکر جیسے اجلّہ علماء واساتذۂ وقت تھے۔ بعض روایتوں کے مطابق انھوں نے جوانی میں پڑھنا شروع کیا، لیکن جلد تمام علوم میں تبحر حاصل کرلیا، اوران کے معاصرین نے اُن کی علمی جلالتِ شان اور عظمت کا اعتراف کیا۔ علامہ ابن دقیق العید نے اپنی بعض تصانیف میں اُن کو سلطان العلماء کے لقب سے یاد کیا ہے۔ وہ جب ۶۳۹ھ میں مصر تشریف لے گئے تو حافظ عبدالعظیم المنذری صاحب کتاب "الترغیب والترہیب" نے فتویٰ دینے سے معذوری ظاہر کی اور کہا کہ جس شہر میں عزّ الدین بن عبدالسلام ہوں، وہاں دوسرے کو فتویٰ دینا درست نہیں، شیخ جمال الدین بن الحاجب کا قول ہے کہ فقہ میں عزّ الدین کا پایہ امام غزالیؒ سے بلند ہے۔

ذہبی اپنی کتاب "العبر" میں لکھتے ہیں:۔

انتہت الیہ معرفۃ المذہب	فقہ کے علم اور زہد وورع میں انکو
مع الزھد والورع وبلغ	کمال حاصل تھا اور درجۂ اجتہاد کو

رتبۃ الاجتہاد۔ پہنچے ہوئے تھے۔

شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے عرصہ تک دمشق میں "زاویۂ غزالیہ" میں درس دیا، جامع اموی میں خطابت وامامت کے منصب پر عرصہ تک فائز رہے شیخ شہاب الدین ابو شامہ کا بیان ہے کہ اُن کی وجہ سے بدعات کا ازالہ ہوا جو اُنکے زمانہ میں رواج پذیر ہو گئی تھیں۔ صلوٰۃ الرغائب[ع] اور نصف شعبان کے رسوم کی کھل کر مخالفت کی اور اُن کو بدعت ثابت کیا۔ بعض اکابر علماء اُن کے بارے میں ساکت اور متردد تھے۔ الملک الکامل نے دمشق کے عہدۂ قضاء کے لئے بڑا اصرار کیا، شیخ نے بڑی شرطوں کے ساتھ اُس کو منظور کیا۔ اسی عرصہ میں ایک بار وہ الملک الکامل کی طرف سے دربار خلافت (بغداد) میں سفیر بن کر گئے۔

شیخ عزالدین کی شخصیت | سلاطین کو صلاح نیک اور اسلام و مسلمانوں کی خیر خواہی

شام میں سب سے بڑی دینی شخصیت تھی، جس کا سلاطین وقت تک احترام کرتے تھے۔ وہ بڑے باوقار، بارُعب اور خوددار تھے، اُنھوں نے کبھی کسی بادشاہ کے یہاں حاضری دینا یا درباداری کرنا گوارا نہیں کیا۔ جب کبھی بادشاہِ وقت نے خود تشریف آوری کی درخواست کی تو تشریف لے گئے اور اُس کو صحیح مشورہ

ع صلوٰۃ الرغائب ایک نماز تھی جو ستائیس رجب کو بارہ رکعتوں اور خاص ترکیب کے ساتھ پڑھی جاتی تھی اور اس کی بڑی فضیلت بیان کی جاتی تھی۔ یہ نماز ۴۴۸ھ میں ایجاد ہوئی۔ اسی طرح نصف شعبان پندرہویں شب کو سو رکعت خاص ترکیب کے ساتھ پڑھی جاتی تھی۔ علماء اہل سنت کے نزدیک یہ دونوں بدعت ہیں۔ ابن سبکی نے اس کو بدعت مذمومہ لکھا ہے۔ امام نووی نے اس کیلئے موضوع، منکر اور قبیح کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ (اتحاف السعادۃ ص۴۲۵ ج۱) (دعوت وعزیمت ص۲۸۸ ج۱)

دیا، اور اس کی اور اسلام و مسلمانوں کی خیر خواہی میں کمی نہیں کی۔

سلطان الملک الاشرف نے مرض الموت میں اپنے سب سے بڑے عہدہ دار کو شیخ کی خدمت میں بھیجا اور کہلایا کہ آپ کا محب موسیٰ ابن الملک العادل ابوبکر سلام عرض کرتا ہے اور عیادت اور دعا کی درخواست کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ آپ اس کو کوئی ایسی نصیحت فرمائیں جو کل خدا کے سامنے اُس کو کچھ کام آئے، شیخ نے سن کر کہا کہ یہ عیادت افضل عبادت ہے، اس لئے کہ انشاء اللہ اس کا نفع متعدی ہے۔ چنانچہ تشریف لے گئے۔ سلطان اُن کی تشریف آوری سے بیحد مسرور ہوا، اُن کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ اُس سے پہلے سلطان کو کچھ غلط فہمی ہو گئی تھی اور سلطان عرصہ تک اُن سے ناراض رہا تھا، سلطان نے اس کی معافی چاہی اور کہا کہ آپ مجھے معاف فرمائیں، میرے لئے دعا بھی فرمائیں اور مجھے کچھ نصیحت بھی فرمائیں۔

شیخ نے فرمایا کہ جہاں تک معاف کرنے اور باز پرس کرنے کا تعلق ہے، میں روزانہ سونے سے پہلے اللہ کے بندوں کو اپنی طرف سے معاف کر دیتا ہوں، اور اُس وقت سوتا ہوں جب کہ کسی کے ذمہ میرا کوئی حق یا مطالبہ یا شکایت باقی نہیں رہتی، اور میرا اجر مخلوق کے بجائے اللہ کے ذمہ ہوتا ہے۔ فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللهِ۔

باقی رہی دعا، تو میں سلطان کے لئے اکثر دعا کیا کرتا ہوں، اس لئے کہ اسکی صلاح میں اسلام اور مسلمانوں کی خیر و فلاح ہے۔ اللہ تعالےٰ سلطان کو اُن امور کی بصیرت عطا فرمائے جن سے وہ اللہ کے سامنے سرخرو ہو۔

بادشاہ کو نصیحت رہی نصیحت، تو اب وہ سلطان کی آمادگی اور تقاضہ کی

وجہ سے فرض و واجب ہوگئی ہے۔ مجھے یہ کہنا ہے کہ آپ کی فتوحات اور دشمنوں پر غلبہ کی دھوم ہے، اس وقت حالت یہ ہو رہی ہے کہ تاتاری اسلامی ممالک میں گھستے چلے جارہے ہیں، اُن کو اس بات سے شہ ملی ہے کہ آپ کو اس وقت اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور مسلمانوں کے حریفوں سے جنگ کرنے کی فرصت نہیں، اس وقت آپ کا رُخ الملک الکامل سے جنگ کرنے کی طرف ہے اور آپ اُن کے مقابلہ کے لئے پڑاؤ ڈالے پڑے ہیں۔ الملک الکامل آپ کے بڑے بھائی اور قریبی رشتہ دار ہیں۔ میں صرف یہ عرض کروں گا کہ آپ اپنا رُخ اپنے بھائی کی طرف سے ہٹا کر دشمنانِ اسلام کی طرف پھیرلیں اور اس اخیر وقت میں اپنا رشتہ نہ توڑیں۔ آپ اللہ کے دین کی مدد اور اُس کی سربلندی کی نیت کریں، اگر اللہ تعالیٰ سلطان کو صحت عطا فرماتا ہے تو ہم اللہ سے کفار پر آپ کے غلبہ کی امید رکھتے ہیں، اور آپ کے نامۂ اعمال میں یہ سعادت لکھی جاتی ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ کا کچھ اور فیصلہ ہے تو سلطان اپنی نیت کی برکت کے ساتھ دنیا سے جاتے ہیں۔

سلطان نے کہا، اللہ تعالیٰ آپ کو اس بروقت تنبیہ اور مخلصانہ مشورہ پر جزائے خیر عطا فرمائے، اُسی وقت حکم دیا کہ فوج کا رُخ بجائے مصر کے (جو الملک الکامل کی جانب تھا) تاتاریوں کی طرف کر دیا جائے، اور فوج اُس مقام سے کوچ کر کے مقام قصیرہ میں پڑاؤ ڈالے۔ چنانچہ دن کے دن اس کی تعمیل ہوئی۔ اور لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ بادشاہ کا ارادہ اب تاتاریوں سے مقابلہ کرنے کا ہے۔

الملک الاشرف نے مزید نصیحت کی فرمائش کی۔ شیخ نے فرمایا کہ بادشاہ تو

اِس حال میں ہے، اور نائبین سلطنت اور اہلکارانِ حکومت رنگ رلیاں کر رہے ہیں، شراب کے دَور چل رہے ہیں، گناہوں کا ارتکاب ہو رہا ہے، نئے نئے محاصل اور ٹیکس مسلمانوں پر لگائے جا رہے ہیں۔ آپ کے لئے اللہ کے حضور میں سب سے افضل عمل پیش کرنے کا یہ ہو سکتا ہے کہ اِن سب گندگیوں کو دور کریں، یہ نئے نئے ٹیکس بند کریں اور تمام ظالمانہ کارروائیاں روک دیں، اور اہلِ معاملہ کی دادرسی کریں۔ الملک الاشرف نے اُسی وقت اِن سب چیزوں کی ممانعت کے احکام جاری کئے اور کہا کہ اللہ تعالےٰ آپ کو اِس دینی خدمت اور خیر خواہی پر تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر دے۔ اور اپنے لطف و کرم سے مجھے جنت میں آپ کی معیت نصیب فرمائے۔ اِسی کے ساتھ ایک ہزار دینار مصری نذر کئے شیخ نے قبول کرنے سے معذرت کی اور فرمایا کہ میری یہ ملاقات خالصۃً لوجہ اللہ تھی میں اس میں دنیا کی کوئی آمیزش نہیں کرنا چاہتا۔

الملک الاشرف کے جانشین صالح اسمٰعیل | بادشاہ شام کے مقابلہ میں جرأت و استقامت

(ابوالخیش) نے الملک الصالح نجم الدین ایوب بادشاہ مصر کے مقابلہ میں (جس کے شام پر حملہ کا خطرہ تھا) فرنگیوں سے مدد چاہی، اور حق الخدمت کے طور پر شہر صیدا اور شقیف اور چند قلعوں کا پروانہ لکھ دیا۔ اِس دوستانہ تعلق کی بناء پر فرنگی اتنے بے تکلف ہو گئے کہ دمشق میں آکر ہتھیار خریدتے، شیخ کو اس بات سے بڑا صدمہ ہوا کہ فرنگی مسلمانوں کے شہر میں آکر اُن سے ہتھیار خرید کر مسلمانوں کی گردنوں پر چلائیں، تاجران اسلحہ نے شیخ سے فتویٰ پوچھا، شیخ نے صاف کہا کہ فرنگیوں کے ہاتھ ہتھیار فروخت کرنا حرام ہے، اِس لئے کہ تم کو خوب

معلوم ہے کہ یہ ہتھیار مسلمان بھائیوں کے خلاف کام آئیں گے۔ شیخ کی طبیعت پر بادشاہ کی اِس بے حمیتی اور اسلام کی اِس ذلت و بے بسی کا بڑا اثر تھا، انھوں نے بادشاہ کے لئے خطبہ میں دعا ترک کر دی، اِس کے بجائے وہ منبر پر دونوں خطبوں سے فارغ ہو کر بڑے جوش کے ساتھ دعا کرتے تھے کہ الٰہی! اسلام اور حامیانِ اسلام کی مدد اور نصرت فرما، اور ملحدین و دشمنانِ دین کو ذلت و نکبت نصیب فرما۔ اور تمام مسلمان بڑی رقت و اثر کے ساتھ آمین کہتے تھے۔

حکومتی آدمیوں نے بڑھا چڑھا کر سلطان کو اِس واقعہ کی اطلاع دی، شیخ کی گرفتاری کا فرمان صادر ہوا۔ شیخ ایک عرصہ تک محبوس رہے۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ دمشق سے بیت المقدس منتقل کئے گئے۔

اسی اثناء میں سلطان صالح اسمٰعیل، الملک المنصور والی حمص اور سلاطینِ فرنگ اپنی افواج و عساکر کے ساتھ مصر کے ارادہ سے بیت المقدس آئے، صالح اسمٰعیل کے دل میں شیخ عزّ الدین کی ناراضگی برابر کھٹکتی رہتی تھی، اور اس کو اس کی فکر تھی، اس نے اپنے عمائد و خواص میں سے ایک شخص کو اپنا رومال دیا اور کہا کہ یہ رومال شیخ کی خدمت میں پیش کرنا اور انتہائی خوشامد و استمالت کے ساتھ اُن سے کہنا کہ سابقہ خدمات و مناصب پر آپ پورے اعزاز کے ساتھ واپس آسکتے ہیں، اگر وہ منظور فرمالیں تو میرے پاس لے آنا، اگر منظور نہ کریں تو میرے خیمہ کے پہلو میں دوسرے خیمہ میں ان کو محبوس کر دینا۔ امیر نے شیخ سے بڑی خوشامدانہ باتیں کیں اور اُن کی تعظیم و تکریم اور ان کی دلجوئی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا، اور آخر میں کہا کہ آپ ذرا بادشاہ سے نیازمندانہ مل لیں اور اس کی دست بوسی کرلیں، تو یہ قصہ رفع دفع ہو جائیگا

اور آپ اضافہ و ترقی کے ساتھ اپنے سابقہ عہدوں پر واپس آجائیں گے، شیخ نے اُس کا جو جواب دیا وہ تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔

اُنھوں نے فرمایا :۔

واللہ یا مسکین ما ارضاہ ان یقبل یدی فضلا ان اقبل یدہ، یا قوم انتم فی واد وانا فی واد والحمد للہ الذی عافانی مما ابتلاکم بہ	ارے نادان! میں تو اس کا بھی روادار نہیں کہ بادشاہ میرے ہاتھ کو بوسہ دے چہ جائیکہ میں اُسکی دست بوسی کروں؟ لوگو! تم کسی اور عالم میں ہو، میں کسی اور عالم میں، اللہ کا شکر ہے کہ میں اُس سے آزاد ہوں جسمیں تم گرفتار ہو۔
(طبقات الشافعیہ ج ۵ ص ۱۰۱)	

یہ جواب سن کر امیر نے کہا کہ پھر مجھے حکم ہے کہ میں آپ کو گرفتار کر لوں، شیخ نے کہا، شوق سے، جو کچھ تم سے ہوسکے اُس سے دریغ نہ کرو۔ امیر نے انکو بادشاہ کے خیمہ کے پہلو میں دوسرے خیمہ میں رکھا۔ شیخ اپنے خیمہ میں قرآن مجید پڑھتے رہتے تھے اور بادشاہ اپنے خیمہ کے اندر سنتا تھا۔ ایک روز بادشاہ نے فرنگی بادشاہوں سے کہا کہ تم شیخ کو قرآن مجید پڑھتا ہوا سنتے ہو؟ اُنھوں نے کہا کہ ہاں! کہا، جانتے ہو، یہ مسلمانوں کا سب سے بڑا پادری ہے (ھذا اکبر قسوس المسلمین) میں نے اس کو اس لئے قید کیا ہے کہ وہ تم کو مسلمانوں کے قلعہ سپرد کر دینے کے خلاف تھا اور اُس پر معترض تھا، میں نے اس کو دمشق کی خطابت اور دوسرے منصبوں سے معزول کیا اور اس کو دمشق سے شہر بدر کر دیا۔ اب میں نے تمھاری خاطر پھر اس کو قید کر دیا ہے۔ عیسائی بادشاہوں نے کہا کہ اگر یہ ہمارا پادری ہوتا تو ہم اس کے پاؤں دھو کے پیتے۔

اسی عرصہ میں مصری افواج آئیں، صالح اسمٰعیل کو شکست ہوئی، فرنگی افواج قتل و غارت ہوئیں، اور شیخ صحیح سلامت مصر روانہ ہوگئے۔ راستہ میں جب کرک کی ریاست سے گزرنا ہوا تو والیٔ کرک نے قیام کی درخواست کی، فرمایا کہ تمھارا یہ مختصر شہر میرے علم کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

شیخ عز الدین مصر میں مصر میں سلطان مصر الملک الصالح نجم الدین نے شیخ کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ جامع عمرو ابن العاصؓ کا خطیب مقرر کیا۔ اور الوجہ القبلی مصر کا عہدۂ قضا اور ویران مساجد کی آبادکاری کا کام سپرد کیا۔ سلطان نے جب مدرسہ صالحیہ کی تعمیر کی تو مذہب شافعی کی تعلیم شیخ عز الدین کے سپرد کی، اور اُنھوں نے پورے انہماک کے ساتھ تعلیم و اشاعتِ علم کا فرض انجام دیا اور لوگوں کو بہت نفع ہوا۔ (دعوت وعزیمت ص۲۹۳)

شیخ کی حق گوئی و بیباکی اسی دوران میں ایک مرتبہ فخر الدین عثمان نے جو قصر شاہی کا مہتمم اور عملاً سلطنتِ مصر کا منتظمِ اعلیٰ تھا مصر کی ایک مسجد کی چھت پر طبل خانہ کی عمارت بنوائی اور وہاں طبل و نقارہ بجنے لگا۔ شیخ عز الدین کو جب اِس واقعہ کی تحقیق ہوئی تو اُنھوں نے (بحیثیت قاضی و مہتمم مساجد کے) اس عمارت کے انہدام کا حکم دے دیا، اور اِس جرم میں فخر الدین کو ساقط الشہادۃ قرار دیا، اور ساتھ ہی ساتھ عہدۂ قضا سے استعفیٰ دے دیا۔ اِس کارروائی سے سلطان کی نگاہ میں شیخ کی منزلت کم نہیں ہوئی، مگر اُس نے عہدۂ قضا پر شیخ کا دوبارہ تقرر نہیں کیا۔ ادھر شیخ کے فیصلوں کا اتنا احترام اور اُن کا دینی نفوذ و اثر اِس قدر تھا کہ اسی زمانہ میں الملک الصالح سلطان مصر نے خلیفۂ بغداد کی خدمت میں ایک

سفارت بھیجی، جب سفیر کی باریابی ہوئی اور اُس نے سلطان مصر کا پیغام پہنچایا تو اُس سے دریافت کیا گیا کہ یہ پیغام تم نے خود سلطانِ مصر کی زبان سے سنا ہے یا کسی کے واسطہ سے؟ اُس نے کہا کہ میں نے یہ پیغام مہتمم قصر شاہی فخر الدین کی زبان سے سنا ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ فخر الدین کی شہادت معتبر نہیں، اُس کو شیخ عز الدین نے ساقط الشہادۃ قرار دیا ہے، اِس لئے ہم اُس کی روایت قبول نہیں کر سکتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سفارت پھر مصر واپس آئی اور براہ راست سلطان سے پیغام سُن کر بغداد واپس ہو کر خلیفہ کو پیغام پہنچایا۔

اُن کی جرأت کا اِس سے زیادہ حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ عید کے دن قلعہ میں دربار شاہی تھا، بادشاہ اپنے تزک واحتشام کے ساتھ سریر آرا تھا، دورویہ افواج شاہی دست بستہ کھڑی تھیں، اُمراء حاضر ہو ہو کر آداب و تسلیمات بجا لاتے تھے اور زمیں بوس ہوتے تھے۔

اِس بھرے دربار میں دفعتہً شیخ نے بادشاہ کو نام لے کر خطاب کیا اور کہا کہ ایوب! اللہ کو تم کیا جواب دوگے، جب پوچھا جائے گا کہ ہم نے تم کو مصر کی سلطنت اِس لئے دی تھی کہ شراب آزادی سے پی جائے؟ بادشاہ نے کہا کہ کیا یہ واقعہ ہے؟ شیخ نے بلند آواز سے فرمایا، ہاں! فلاں میخانہ میں شراب آزادی سے بک رہی ہے، اور دوسرے ناگفتنی کام ہو رہے ہیں، اور تم یہاں بیٹھے دادِ عیش دے رہے ہو۔ بادشاہ نے کہا کہ جناب والا، مجھے اِس میں کچھ دخل نہیں، یہ میرے والد کے زمانہ سے ہو رہا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ، پھر تم بھی اُنہی لوگوں میں سے ہو، جن کا جواب یہ ہوتا ہے: إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ (یہ ہمارے باپ دادا کے زمانہ سے چلا آیا ہے) سلطان نے فوراً اُس شراب خانہ کی بندش کا حکم جاری کیا۔

شیخ کے ایک شاگرد کہتے ہیں کہ دربار سے واپسی پر میں نے عرض کیا کہ حضرت! کیا واقعہ ہے؟ فرمایا کہ میں نے جب بادشاہ کو اس شان وشوکت کے ساتھ اجلاس کرتے ہوئے دیکھا تو مجھے اندیشہ ہوا کہیں یہ منظر دیکھ کر اُس پر تکبر کا حملہ ہو، اور وہ اپنے نفس کا شکار ہو جائے، میں نے اُس کی اصلاح کے لئے یہ بات کہی۔ میں نے کہا کہ آپ کو کچھ خوف نہیں معلوم ہوا؟ فرمایا، اللہ تعالیٰ کی ہیبت وجلال اُس وقت ایسا مستحضر اور پیش نظر تھا کہ وہ مجھے اُس کے مقابلہ میں ایک بلّے کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ (دعوت وعزیمت ص ۲۹۵/۱)

مکارمِ اخلاق

شیخ اپنے علم وفضل، وقار وہیبت کے ساتھ بڑے کریم النفس، فیاض اور مخیر تھے۔ قاضی القضاۃ بدر الدین بن جماعہ ناقل ہیں کہ دمشق کے زمانۂ قیام میں ایک سال بڑی گرانی کا آیا۔ باغات کے دام بہت گر گئے اور بہت سستے بکنے لگے۔ شیخ کی اہلیہ محترمہ نے اُن کو ایک زیور دیا کہ گرمی گزارنے کے لئے ایک باغ خرید لیں، اُنھوں نے وہ زیور فروخت کرکے ساری قیمت خیرات کر دی۔ اہلیہ نے پوچھا کہ آپ نے باغ خرید لیا؟ فرمایا کہ ہاں! مگر جنت میں، میں نے دیکھا کہ لوگ بڑی عسرت اور تکلیف میں ہیں، میں نے اُس کی قیمت اُن پریشاں حال لوگوں پر صرف کر دی۔ اُنھوں نے فرمایا "جزاک اللہ"۔

قاضی القضاۃ موصوف یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ شیخ تنگ حالی کے باوجود بڑے فراخ دست اور مخیر تھے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات اُن کے پاس کچھ دینے کو نہ ہوتا تو اپنا عمامہ چیر کر اُس کا ایک ٹکڑا دیدیتے۔

شیخ عز الدین صرف سلاطین ہی کے مقابلہ میں جری اور حق گو نہ تھے، بلکہ اپنے نفس کے معاملہ میں بھی اسی طرح بے باک اور حق شناس تھے۔

ابن السبکی اور سیوطی راوی ہیں کہ ایک مرتبہ مصر کے زمانہ قیام میں اُن سے ایک فتویٰ میں غلطی ہوگئی، تو اُنھوں نے اعلان کرادیا کہ جس کو ابن عبدالسلام نے فلاں فتویٰ دیا ہو وہ اُس پر عمل نہ کرے، اس لئے کہ وہ غلط ہے۔

ابن السبکی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ علوم ظاہری کے کمالات کے ساتھ دولت باطنی سے بھی مالا مال تھے۔ اگرچہ اُن کے ایمان ویقین، اعتماد علی اللہ، بیخوفی، وشجاعت، ارباب دنیا کی بے وقعتی کے واقعات خود اس پر دلیل ہیں لیکن ابن السبکی نے "طبقات" میں تصریح کی ہے کہ اُنھوں نے امام طریقت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے استفادہ کیا تھا اور اُن کی طرف سے ارشاد وتربیت کے لئے مجاز تھے۔

وفات

۹ جمادی الاولیٰ ۶۶۰ھ میں تراسی سال کی عمر میں شیخ کی وفات ہوئی۔ یہ الملک الظاہر بیبرس کا عہد حکومت تھا، اُس کو شیخ کی وفات کا بڑا صدمہ ہوا، کہتا تھا کہ خدا کی شان ہے، شیخ کی وفات میرے ہی عہد حکومت میں مقدر تھی۔ جنازہ میں اُمراء دربار، ارکانِ سلطنت اور افواج شاہی شریک تھیں، سلطان نے خود کاندھا دیا اور تدفین میں شریک ہوا۔

شیخ کا جنازہ جب قلعہ کے نیچے سے گزرا اور سلطان نے خلقت کا ازدحام دیکھا تو اپنے خواص میں سے کسی سے کہا کہ آج میں سمجھتا ہوں کہ میری سلطنت مضبوط ہوتی ہے، اِس لئے کہ یہ شخص جو مرجع خلائق ہے اگر اشارہ کردیتا تو میری سلطنت چلی جاتی۔ اِس کے انتقال کے بعد مجھے اب اپنی سلطنت کیطرف سے اطمینان ہوا ہے۔

رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (دعوت وعزیمت صـ۲۰۲/۱)

حضرت فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ المتوفی ۶۶۴ھ

نام ونسب نام مسعود، لقب فریدالدین، والد کا نام شیخ کمال الدین۔ آپ عام طور سے گنج شکر کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ آپ نسباً فاروقی ہیں۔

ولادت آپ کے جد بزرگوار قاضی شعیب تاتاریوں کے ہنگامہ میں کابل سے لاہور تشریف لائے، کچھ عرصہ قصور میں قیام فرمایا، قصبہ کھتوال کی قضاء وجاگیر عطا ہوئی۔ یہیں ۵۶۹ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔

فضل وکمال جس طرح حضرت خواجہ معین الدین رح ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کے موسس و بانی ہیں، خواجہ فریدالدین رح اس کے مجدد اور اس سلسلہ کے آدم ثانی ہیں۔ آپ ہی کے دو بڑے خلفاء سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی رح اور حضرت شیخ علاؤ الدین علی صابر پیران کلیری رح کے ذریعہ یہ سلسلہ ہندوستان میں پھیلا اور اُن کے خلفاء واہل سلسلہ کے ذریعہ اب بھی زندہ وقائم ہے۔ ع

خم وخمخانہ با مہر ونشان است

تعلیم وتربیت صغر سنی میں ملتان کا سفر کیا (جو اُس وقت ہندوستان کا سب سے بڑا علمی ودینی مرکز تھا) شہر کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی، مولانا منہاج الدین ترمذی سے فقہ کی کتاب "النافع" پڑھی وہیں ۵۸۴ھ میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح کی زیارت ہوئی اور اُن سے بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ شیخ فریدالدین رح آپ کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ تعلیم کے سلسلہ کو خیرباد کہہ کر ہمرکاب ہو جانے کا عزم کیا۔ شیخ کامل نے منع کیا اور

تکمیل کی ہدایت کی۔ ہندوستان اور ہندوستان سے باہر جاکر علوم کی تکمیل کی۔

(تاریخ دعوت وعزیمت ص ۳۶/۳)

تعلیم کی تکمیل کے بعد شیخ کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے۔ شیخ نے ان کے قیام کے لئے غزنین دروازہ کے پاس ایک جگہ منتخب کی، جہاں وہ ریاضت و مجاہدے میں مشغول ہوگئے۔ سلوک کی تکمیل کے بعد خلافت سے سرفراز ہوئے اور شیخ کی اجازت سے ہانسی میں قیام اختیار کیا جو اُن کے ایک مخلص (جو بعد میں خلفاء کبار میں ہوئے) شیخ جمال الدین خطیب ہانسی کا وطن تھا۔ شیخ کا انتقال ہوا تو وہ ہانسی میں تھے۔ انتقال کے تیسرے روز دہلی پہنچے۔ مزارِ شیخ پر فاتحہ پڑھی، قاضی حمید الدین ناگوری نے شیخ کی وصیت کے مطابق ان کا خرقہ اور دوسری اشیاء سپرد کیں۔ یہ گویا جانشینی کا اعلان تھا۔ شیخ نے دوگانہ پڑھ کر اس کو زیبِ تن کیا اور شیخ کی جگہ پر بیٹھے۔

دہلی کی آمد

شیخ کی جانشینی کا تیسرا روز تھا کہ ہانسی کا آپ کا ایک آشنائے قدیم و معتقد سرہنگا نامی آپ کے اشتیاق میں دہلی آیا، خادموں نے اسے اندر نہیں جانے دیا۔ معتقدین و خدام کے ہجوم سے اُس درویش کو ملاقات میسر نہ آئی۔ منتظر تھا کہ ایک روز حضرت شیخ باہر تشریف لائے، سرہنگا قدموں پر گر گیا اور رو کر کہا کہ جب تک آپ ہانسی میں تھے آسانی اور بے تکلفی سے مل لیا کرتا تھا، اب یہاں ہم جیسے غریبوں کا کام نہیں۔ شیخ کے دل پر چوٹ لگی اور سمجھے کہ تنبیہ غیبی ہے دہلی میں سکون اور عوام و فقراء سے ملنے جلنے کا موقع نہیں، اپنی مزید تکمیل و ترقی مطلوب تھی۔ آپ نے اُسی وقت اپنے دوستوں سے کہا کہ میں ہانسی جاؤں گا، حاضرین نے عرض کیا کہ شیخ قطب الدین نے تو آپ کو اس جگہ پر بٹھایا ہے، آپ کہاں جاتے ہیں؟

فرمایا کہ "پیر نے اپنی امانت سپرد کر دی ہے، شہر میں رہوں یا بیابان میں وہ ساتھ ہے۔"

(سیر الاولیاء ص۷۲)

ہانسی کا قیام اس لئے اختیار کیا تھا کہ وہاں سکون اور گمنامی رہے گی۔ یہاں خواجہ قطب الدین کے ایک مرید مولانا نور ترک کی وجہ سے (جنھوں نے اہلِ ہانسی کو آپ کے مقام و مرتبہ سے آگاہ کر دیا) آپ کی شہرت ہو گئی اور خلق نے ہجوم کیا، آپ نے کھتوال کا رخ کیا جو وطن قدیم تھا، کھتوال ملتان سے قریب تھا اور ان کی شہرت اور عظمت کا آوازہ اب دور دور بلند ہو رہا تھا۔

اجودھن کا قیام

آپ نے اجودھن کو اپنے قیام کے لئے انتخاب فرمایا اور ارشاد ہوا کہ: وہاں کے لوگ دیر اعتقاد اور ناآشنا ہیں، اور جگہ بھی غیر معروف ہے۔ لیکن یہاں بھی بہت جلد رجوع شروع ہو گیا اور خلائق نے ہر طرف سے ہجوم کیا، آفتابِ شہرت و عظمت نصف النہار پر تھا اور اس کی شعاعیں دور دور پہنچ رہی تھیں اور طالبینِ خدا کے قلوب کو گرم کر کے کھینچ کھینچ کر لا رہی تھیں۔ تھوڑے دنوں میں مرجعیت یہاں تک بڑھی کہ آنے والوں کا سلسلہ ختم ہونے کو نہ آتا۔ آدھی رات تک دروازے کھلے رہتے۔ (دعوت و عزیمت ص۳۹)

اخلاق

ابتدا رقیام میں عرصہ تک نہایت تنگی اور عسرت و فقر و فاقہ کے ساتھ زندگی گزاری۔ پیلو کے پھل اُبال لئے جاتے اور اُن میں کچھ نمک ڈال کر فقرار کو تقسیم کر دیئے جاتے اور خود بدولت اپنے مہمانوں اور خادموں کے ساتھ تناول فرماتے۔

کچھ عرصہ کے بعد یہ حال ہوا کہ دن رات مطبخ شاہی گرم رہتا اور آدھی رات گئے

ے اجودھن کو اب پاک پٹن کہتے ہیں جو پاکستان کا ایک قصبہ ہے۔

تک کھانے والوں کا سلسلہ رہتا، جو آتا اس خوانِ نعمت سے حصہ پاتا، جو شخص بھی آتا کسے باشد اپنا حصہ پاتا۔

شفقت و دلداری سب کے ساتھ یکساں تھی۔ حضرت خواجہ نظام الدین فرماتے ہیں کہ عجب قوت اور عجب طرز زندگی تھا، جس کا تحمل کسی سے ہونا آسان نہیں یا نئے آنے والے جو کبھی نہیں آئے اور برسوں کے ساتھ رہنے والے سب سے یکساں لطف و مہربانی اور توجہ والتفات کے ساتھ پیش آتے۔ مولانا بدرالدین اسحٰق فرماتے ہیں کہ: میں خادم خاص تھا، جو بات کہنی ہوتی، مجھ سے فرماتے تھے۔ خلوت و جلوت میں یکساں حال تھا، ظاہر و باطن میں کوئی فرق نہ تھا۔ برسوں خدمت کرنے اور ساتھ رہنے کے باوجود کوئی تفاوت نہ دیکھا۔

خشیت و رقّت کا بڑا غلبہ تھا، کوئی عبرت انگیز و رقّت خیز بات سنتے، یا مجلس میں کوئی عاشقانہ شعر پڑھا جاتا، یا کسی بزرگ کا کوئی مؤثر واقعہ سنتے تو بے اختیار روتے۔ بعض اوقات دھاڑیں مار مار کر روتے۔ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، قرآن مجید کے حفظ کا اہتمام اور تلاوت کا بڑا ذوق تھا، اور دونوں چیزوں (روزہ اور حفظ قرآن) کی اپنے خلفاء خاص و مریدان باختصاص کو وصیت و تاکید فرماتے تھے۔

ساری زندگی کا اصول اہل دُوَل و اربابِ حکومت سے بے تعلقی، کنارہ کشی، اِخفائے حال اور درویشانہ زندگی تھا۔ اپنے مشائخ کرامؒ کا مسلک جان کر اور اسی میں خلوص کی حفاظت اور طریقہ کی اشاعت کا راز سمجھ کر اس روش پر سختی اور مضبوطی سے قائم تھے۔ ان کے ایک برادر طریقت شیخ بدرالدین غزنویؒ نے (جو حضرت خواجہ قطب الدینؒ کے خلفاء کبار میں سے تھے) بعض اعیانِ سلطنت سے

خصوصی تعلق رکھتا تھا اور اُس نے اُن کے لئے دہلی میں خانقاہ تعمیر کی تھی اور انکی مخصوص طریقے پر خدمت کرتا تھا۔ انقلاب روزگار سے جب وہ امیر عتاب شاہی میں آیا تو شیخ کو بھی زحمت وکلفت پیش آئی۔ آپ نے شیخ کبیر سے دعا کی درخواست کی شیخ نے جواب میں لکھا:۔

"جو اپنی روش پر چلے گا وہ ضرور ایسی حالت میں گرفتار ہوگا جس سے ہمیشہ بے چین رہے گا۔ آپ تو پیران پاک کے معتقدین میں ہیں، پھر اُن کی روش کے خلاف خانقاہ کیوں بنوائی، اور اس میں کیوں بیٹھے؟ حضرت خواجہ قطب الدین رح اور حضرت خواجہ معین الدین رح کا تو یہ طریقہ اور روش نہیں تھی کہ اپنے لئے خانقاہ بنا کر دُکان جمائیں۔ اُن کا شیوہ تو گمنامی و بے نشانی تھا۔ (دعوت وعزیمت صہ ۴۳)

عشق الٰہی حضرت خواجہ فریدالدین رح کی زندگی کا اصل جوہر اور معاصرین میں ان کا امتیاز وہ ذوق وشوق، درد وعشق اور جذب الٰہی، و خدامستی ہے۔ جس نے حضرت خواجہ نظام الدین و حضرت علاؤالدین علی احمد صابر جیسے عاشقوں اور دردمندوں کی تربیت کی اور جو اجودھن کی اس دُکان عشق کا خاص سودا تھا۔ حضرت خواجہ نظام الدین رح ایک روز کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ شیخ کبیر (حضرت خواجہ فریدالدین رح) حجرے میں تھے، سر برہنہ تھا اور چہرے کا رنگ متغیر، حجرے میں والہانہ کیفیت میں پھرتے تھے اور یہ اشعار پڑھتے تھے ؎

خواہم کہ ہمیشہ در وفائے تو زیم　　خاکے شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصود من خستہ ز کونین توئی　　از بہر تو میرم و از برائے تو زیم

(ترجمہ: میری آرزو ہے کہ ہمیشہ آپ ہی کا ہو کر جیوں، خاک ہو جاؤں اور آپکے قدموں کے

نیچے زندگی گزرے۔ مجھ مسکین و بے چارے کا دونوں جہان میں مقصود آپ ہی ہیں۔ آپ ہی کیلئے جیتا ہوں، آپ ہی کیلئے مرتا ہوں۔)

یہ اشعار پڑھ کر سجدے میں سر رکھ دیتے تھے، پھر یہی اشعار پڑھتے تھے اور حجرے کا چکر لگاتے تھے۔ پھر سجدے میں پڑ جاتے تھے۔ دیر تک یہی کیفیت رہی۔ (سیر الاولیاء ص۱۲۳)

بادشاہ کی عقیدت

ایک بار سلطان ناصر الدین محمود کا پورا لشکر جو بادشاہ کے اوچ اور ملتان کے سفر میں ہمرکاب تھا خواجہؒ کی زیارت کے لئے اجودھن حاضر ہوا۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ اس کا حال بیان کرتے ہیں:۔

"ہجوم قابو سے باہر تھا۔ آخر کار خدام نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ حضرت خواجہؒ کے پیراہن کی آستین بالاخانہ سے لٹکادی، اہل لشکر آتے تھے اور اس کو بوسہ دیتے تھے، یہاں تک کہ وہ آستین تار تار ہو گئی۔ مجبوراً آپ مسجد میں تشریف لائے اور خدام سے فرمایا کہ "میرے گرد حلقہ بنالو، کوئی اس حلقہ کے اندر نہ آنے پائے۔" لوگ آتے تھے اور حلقہ کے باہر کھڑے ہو کر سلام کر کے رخصت ہو جاتے تھے۔ اچانک ایک بوڑھا فرّاش حلقہ توڑ کر اندر آ گیا اور شیخ کے پاؤں پر گر گیا، پاؤں پکڑ کر بوسہ لیا اور کہا۔ شیخ فرید! تنگ آ گئے؟ اللہ تعالیٰ کے اس انعام کا اس سے زیادہ شکریہ ادا کرو۔ شیخؒ نے یہ سُن کر نعرہ مارا، اور اُس فرّاش کو بہت نوازا اور اُس سے معذرت کی۔" (سیر الاولیاء ص۶۵)

سلطان ناصر الدین نے خود حاضری کا قصد کیا۔ نائب السلطنت غیاث الدین بلبن نے جو ہمرکاب تھا عرض کیا کہ لشکر بہت ہے اور اجودھن ایک بے آب و گیاہ مقام ہے۔ اگر فرمان ہو تو میں خدمت میں حاضر ہو جاؤں اور جہاں پناہ کی طرف سے معذرت

اور ہدیہ و فتوح پیش کروں۔ چنانچہ کچھ نقد اور چار گاؤں کا فرمان لے کر حاضر ہوا، اور نقد اور فرمان پیش کیا۔ شیخ نے فرمایا۔ یہ کیا ہے؟ غیاث الدین نے کہا کہ: یہ کچھ نقد ہے اور یہ جاگیر کا فرمان سلطانی۔ شیخ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ: نقد تو ہم کو دیدو، اور فرمان واپس لے جاؤ کہ اس کے طالب بہت ہیں۔ یہ کہہ کر ساری رقم اُسی وقت درویشوں میں تقسیم کر دی۔

سلطان غیاث الدین حضرتؒ سے معتقدانہ تعلق رکھتا تھا۔ دہلی کی سلطنت کا حصول بھی حضرت کی دعا اور محبت کا نتیجہ سمجھتا تھا اور خدام کی خدمت کو اپنی سعادت تصور کرتا تھا۔

حضرت شیخ فریدالدینؒ کے اپنے نامور معاصرین اور دوسرے سلسلہ کے مشائخ کبار سے دوستانہ و برادرانہ تعلقات تھے اور وہ اُن کے پورے مرتبہ شناس اور قدرداں تھے۔ شیخ الاسلام شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ جو سلسلہ سہروردیہ کے نامور شیخ اور ہندوستان کے عظیم ترین روحانی پیشواؤں اور داعیوں میں گزرے ہیں ان کے ہمعصر تقریباً ہمعمر تھے، دونوں کے بڑے مخلصانہ اور دوستانہ تعلقات تھے اور آپس میں بہت دلچسپ اور بے تکلفی کی خط و کتابت ہوتی تھی۔ شیخ فریدالدینؒ شیخ بہاؤالدینؒ کو شیخ الاسلام کے لقب سے مخاطب کرتے تھے۔ دونوں کے خلفاء اور مریدین بھی آپس میں ایک دوسرے سے بڑے خلوص و محبت سے ملتے تھے اور ایک دوسرے کا اعتراف اور بزرگ داشت کرتے تھے۔ شیخ الاسلامؒ کے پوتے شیخ رکن الدین ابو الفتح اور شیخ کبیر کے خلیفہ سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ کے درمیان بڑی محبت اور گہرا تعلق تھا۔ (دعوت و عزیمت ص ۱۴۱)

ف: اپنے بزرگوں کی سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ باہم کس قدر محبت و مودت

تھی اور ایک دوسرے کا کس قدر اکرام و احترام فرماتے تھے، جو ہم میں عنقا معلوم ہوتا ہے، جبکہ ہم اُنہی حضرات کے منتسبین میں سمجھے جاتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔ (مرتب)

حضرت شیخ محدث عبد الحق دہلوی رح آپ کے کمالات یوں نقل فرماتے ہیں :۔

" آپ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رح کے خلیفہ اور خواجہ اجمیریؒ سے فیض یافتہ تھے۔ آپ کا شمار اکابر اولیاء کرام میں سے ہے۔ ریاضت مجاہدہ، فقر اور ترکِ دنیا آپ کے محبوب ترین مشغلے تھے۔ آپ کشف و کرامت کی علامت اور ذوق و محبت کی درخشندہ نشانی تھے، ہمیشہ سرو خفی میں کوشاں رہتے، خود کو لوگوں کی نظروں سے چھپائے رکھتے اور ایک شہر سے دوسرے شہر کی جانب کوچ فرماتے رہتے۔ آخر کار اجودھن (موجودہ پاک پٹن) تشریف لائے۔

ایک دفعہ آپ کا زیب تن لباس پارہ پارہ اور بوسیدہ ہو گیا تھا، تو ایک شخص آپ کی خدمت میں ایک کُرتہ لایا۔ آپ نے وہ کُرتہ زیب تن فرمایا، اور پھر فوراً ہی اُتار کر شیخ نجیب الدین المتوکل کو دے دیا اور فرمایا: جو لطف اور سرور مجھے اُس پرانے کُرتے میں ہے وہ نئے کُرتے میں نہیں آتا۔"

حکایت ہے کہ شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کا نوکر ایک دن ایک پیسہ کا نمک اُدھار لے کر آیا، جب اُس نے کھانا پکا کر شیخ رح کے پاس بھیجا تو آپ کو باطنی نور کے ذریعہ معلوم ہوا۔ تو نوکر سے فرمایا کہ اس کھانے سے خیانت کی بو آرہی ہے، میرے لئے یہ کھانا جائز نہیں۔ چنانچہ وہ کھانا واپس کر دیا۔ کھایا نہیں۔

گنج شکر کہنے کی وجہِ تسمیہ

آپ کے شکر گنج ہونے کی وجہِ تسمیہ کا ایک واقعہ یہ بھی مشہور ہے کہ سوداگر شکر لے جا رہے تھے، شیخ فریدؒ نے اُن سے کچھ شکر مانگی۔ اُنھوں نے کہا کہ شیخ! آپ کو مغالطہ ہوا، ہمارے اونٹوں پر شکر نہیں بلکہ نمک ہے۔ شیخ نے فرمایا، نمک ہی ہوگا۔ سوداگروں نے اپنی منزل مقصود پر پہنچنے کے بعد جب مال کھولا تو واقعی نمک ہی تھا۔ (وہ سمجھ گئے کہ شیخ کی بد دعا سے ایسا ہوا) اس لئے دوڑے دوڑے شیخ کے پاس چلے آئے اور عرض کرنے لگے کہ واقعۃً ہم سے غلطی ہوئی۔ آپ معاف فرما دیں اور دعا کر دیں کہ وہ پھر سے شکر ہو جائے۔ چنانچہ وہ نمک شیخ کی دعا سے شکر ہو گیا۔

محنت شاقہ

حضرت گنج شکرؒ نے راہ سلوک کے طے کرنے میں بڑی بڑی محنتیں کیں۔ سیر الاولیاء (صفحہ) میں ہے کہ مرشد کے حکم سے ایک کنویں میں چلہ معکوس کیا۔ "راحت القلوب" میں ہے کہ ایک بڑی مدت تک عالمِ تفکر میں کھڑے رہے، مطلق نہ بیٹھے۔ ان کے پاؤں سوج گئے تھے اور اُن سے خون بہتا تھا، اس درمیان میں ان کو یاد نہیں کہ اُنھوں نے کچھ کھایا ہو۔ فجر کی نماز کے بعد بڑی دیر تک سجدے میں پڑے رہتے۔

حضرت خواجہ معین الدینؒ اُن کے حجرے میں ان کو دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے تو ریاضت کی وجہ سے وہ اس قدر ضعیف ہو گئے تھے کہ تعظیم کے لئے نہ اُٹھ سکے۔ اس قدر نحیف و نزار ہو گئے تھے کہ اُٹھنے بیٹھنے میں بھی سہارا لیا کرتے تھے۔ (خیر المجالس صفحہ ۲۲۴)

ایک بار اُٹھ کر تھوڑی دور چلنا چاہتے تھے، عصا کے سہارے اُٹھے، مگر

چند قدم چلے ہوں گے کہ چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا، ہاتھ سے عصا چھوڑ دیا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ ساتھ تھے، انھوں نے پریشانی کا سبب پوچھا، تو فرمایا، عصا پر سہارا کیا تھا اس لئے عتاب نازل ہوا کہ غیر کا سہارا لیتے ہو، اسی لئے عصا چھوڑ دیا اور محجوب ہوں۔

ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ اگر کوئی عارضہ بھی لاحق ہوتا تو بھی روزہ افطار نہ کرتے۔ رمضان میں ہر رات تراویح کی نماز میں دو کلام پاک ختم کرتے۔ کبھی دس دس پارے زیادہ بھی پڑھ جاتے۔ اور کچھ رات باقی رہتی تو تراویح سے فارغ ہو جاتے حضرت خواجہ نظام الدینؒ بھی اُن کے ساتھ تراویح کی نمازوں میں شریک رہتے، تھے، خشیت الٰہی کا بڑا غلبہ رہتا تھا۔ مریدوں کی مجلسوں میں بات بات پر روتے، اور بعض اوقات دہاڑیں مار کر گریہ کرتے تھے۔ (بزم صوفیہ ص ۱۶۴)

فقر و فاقہ تمام زندگی فقیرانہ عسرت اور درویشانہ استغنار کے ساتھ گذاری لباس وغذا میں بڑی شان بے نیازی پائی جاتی تھی،

اکثر شربت سے افطار کرتے تھے۔ ایک پیالہ شربت کا جس میں تھوڑی کشمش ہوتی حاضر کیا جاتا، تو اسمیں سے نصف بلکہ دو تہائی حاضرین میں تقسیم کر دیتے اور باقی خود نوش فرماتے، پھر اُس میں سے بھی کسی کو عنایت کرتے۔ اگر گھر میں کچھ ہوتا، تو افطار کے بعد دو روٹیاں لائی جاتیں، ان میں سے ایک ٹکڑا خود کھاتے اور باقی حاضرین کو تقسیم کر دیتے۔ (فوائد الفؤاد ص ۵۱)

لنگر خانہ کی طرف سے طرح طرح کے کھانے دسترخوان پر چُنے جاتے تو مہمان کھاتے، لیکن خود تناول نہ فرماتے۔ زیادہ تر جوار کی روٹی پسند فرماتے۔ (سیر الاولیاء ص ۳۰)

استغنار اس قدر عسرت اور تنگدستی کے باوجود بابا گنج شکرؒ اپنے مرشد

کی طرح مال و متاعِ دنیوی سے مستغنی رہے۔

ایک بار والیٔ اجودھن نے کچھ گاؤں اور نقد رقم پیش کرنے کی کوشش کی، تو فرمایا کہ اگر میں یہ گاؤں اور رقم لے لوں تو مجھے لوگ درویش نہ کہیں گے، مالدار کہیں گے، اُس کے بعد یہ منہ درویشوں کو دکھانے کے لائق نہ رہے گا اور میں ان کے درمیان کھڑا نہ ہوسکوں گا۔ (جواہر فریدی و راحت القلوب، مجلس یازدہم)

اور اگر کبھی کسی سے کچھ قبول کر لیتے، تو راہِ خدا میں تقسیم کر دیتے۔

جُواہر فریدی" میں ہے کہ ایک بار سلطان بلبن نے اُن کے پاس ایک بڑی رقم بھیجی، اُس کے اصرار پر اس کو با دل ناخواستہ لے لیا، لیکن غربار میں تقسیم کر دینے کا فوراً حکم دیا۔ مولانا بدرالدین اسحٰق نے رات ہونے سے پہلے ہی یہ تمام رقمیں تقسیم کر دیں، رات کو چراغ لے کر دیکھا کہ کوئی سکّہ رہ تو نہیں گیا ہے؟ ایک سکّہ باقی رہ گیا تھا، جس کو مولانا بدرالدین اسحٰق نے اپنی ٹوپی میں رکھ لیا تاکہ دوسرے دن اُس کو بھی کسی مسکین کو دیدیں۔ بابا صاحبؒ عشار کی نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں تشریف لے گئے تو نماز میں اُن کا دل نہ لگا اور گرانی محسوس کی۔ مولانا بدرالدین سے پوچھا کہ ساری رقمیں تقسیم ہوگئیں کہ نہیں؟ مولانا بدرالدین نے کہا کہ ایک رہ گیا ہے بابا صاحبؒ نے اُس کو لے کر پھینک دیا۔ اور پھر نماز سکون سے پڑھی، لیکن پھر رات بھر روتے رہے، کہ ہاتھ میں اُس کو لے کر آلودہ کیوں کیا۔ فرماتے تھے کہ جو کچھ بھی اور جتنا بھی اللہ کی راہ میں دیا جائے اِسراف نہیں ہے۔ اور جو کچھ بھی غیراللہ کیلئے خرچ کیا جائے اِسراف ہے۔ (سیرالاقطاب ص۱۶۹)

جب زائرین مٹھائی لاتے تو مٹھائیوں کا انبار لگ جاتا۔ لیکن یہ مٹھائیاں اجودھن کے بچّوں اور درویشوں میں تقسیم کر دی جاتیں کوئی محروم نہ رہتا (راحت القلوب ۵۸)

نرمی و ملاطفت

طبیعت میں بیحد نرمی و ملاطفت تھی۔ ایک بار چار درویش آئے اور بابا صاحبؒ سے درشت لہجے میں گفتگو کی۔ انھوں پھر بھی اُن کی دلجوئی اور مہمان داری کرنے کی کوشش کی لیکن وہ رُکے نہیں، جب جانے لگے، تو حضرت بابا صاحبؒ نے ہدایت کی کہ وہ بیابان کی راہ سے نہ جائیں۔ لیکن وہ نہ مانے۔ اور جب جاچکے تو زار و قطار رونے لگے، جیسے کوئی ماتم کرتا ہو، بعد میں معلوم ہوا کہ بیابان میں باد سموم اُٹھی اور وہ چاروں درویش ہلاک ہوگئے۔ (فوائد الفواد صہ۲۵۱)

ایک بار ایک اور قلندر آیا۔ اُس نے بابا صاحبؒ سے سخت لہجہ میں کہا کہ تم نے اپنے کو بُت بنالیا ہے، تاکہ لوگ تمھاری پرستش کریں۔ بابا صاحبؒ نے جواب دیا کہ میں نے اپنے کو نہیں بنایا ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بنایا ہے، کوئی اپنے کو نہیں بنا سکتا، بنانے والا اللہ ہے جو اپنے بندوں کو نوازتا ہے۔ قلندر نے یہ سنا تو کہا "آفریں بر تحمل شما باد۔"

تواضع و خاکساری

ایک بار بابا صاحبؒ کے پاؤں میں کچھ تکلیف تھی، اِس لئے مریدوں کی مجلس میں چارپائی (کھاٹ) پر بیٹھے، تو اپنے کو اُونچی جگہ پر پاکر مریدوں سے معذرت کی اور اپنی تکلیف بتائی۔ حاضرین نے دعا کی اور کہا:۔

"حیاتِ شما می باید و حیاتِ ما متعلق حیاتِ شما ست"

یعنی آپ کو صحت ہو، ہماری صحت آپ ہی کی صحت کے ساتھ ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ نے اُسی وقت یہ بیت پڑھی ؎

جانِ جہانیاں توئی دشمنِ جاں بود کسے　　اے ہمہ دشمناں تو دشمنِ جانِ خویشتن

(ترجمہ: سارے جہان کی جان تو آپ ہیں، بھلا جان کا دشمن کون ہوگا۔ اے شخص! جو لوگ آپ کی جان کے دشمن ہیں در حقیقت وہ اپنی ہی جان کے دشمن ہیں۔)

حاجت مندوں کے لئے اُن کی خانقاہ کا دروازہ آدھی رات تک کھلا رہتا۔ ایک بار خانقاہ میں کچھ درویش آئے، گھر میں جوار کے سوا کچھ نہ تھا۔ خود ہی جوار پیسا اور اس کی روٹیاں پکا کر درویشوں کے پاس لائے۔

خدمت خلق اللہ عبادت و ریاضت کے بعد صرف خلق اللہ کی خدمت ہی کی فکر زیادہ رکھتے۔ کوئی بیمار ہوتا تو اُس کے لئے دعا فرماتے، زن و شو ایک دوسرے سے بچھڑ جاتے تو دونوں کو اپنی کوشش سے پھر ملا دیتے، کوئی سرکاری عہدہ دار ظلم کرتا تو اس کو ظلم کرنے سے منع کرتے۔ بے قصوروں کو سزا سے بچاتے، کوئی فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتا تو اس کو صحیح راستہ پر لگاتے اس کے اخلاق کو درست کرنے کی کوشش کرتے۔ اصلاح کا طریقہ یہ تھا کہ علیحدہ علیحدہ افراد کو اپنے پاس بلاتے، اور اپنی نگاہِ مردِ مومن سے اس کی ماہیت قلب کرتے۔ (بزم صوفیہ ص۱۷۱)

شہنشاہ اکبر کو حضرت بابا کے مزار سے بڑی عقیدت تھی اس لئے اُس نے اجودھن کا نام پاک پٹن رکھا۔

تذکرہ نگاروں نے اُن کو "زبدۃ اتقیا ابرار، شیر بیشۂ تقدیس ربانی، محرم اسرار مشیت ایزدی، ہمدم نواز قربت صمدی وغیرہ کے القاب سے یاد کیا ہے۔ (بزم صوفیہ ص۱۷)

اشاعت اسلام حضرت بابا صاحبؒ کے رشد و ہدایت سے نہ صرف مسلمان مسلمان بنے، بلکہ غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد بھی مشرف بہ اسلام ہوئی۔ اجودھن کے قیام کے ابتدائی زمانہ میں ایک جوگی مسمی

شمبھوناتھ خدمت اقدس میں حاضر ہوا، جو جادو، منتر اور استدراج میں مشہور تھا، باباصاحب کو دیکھتے ہی اُس پر اُن کی ہیبت اِس قدر غالب ہوئی کہ زبان سے کچھ بول نہ سکا، پھر حضرت باباصاحبؒ کے کشف و کرامت سے ایسا متاثر ہوا کہ قدموں پہ گر پڑا اور اپنے چیلوں کے ساتھ باباصاحب کے ہاتھ پر ایمان لایا۔عہ

کہا جاتا ہے کہ پاک پٹن کے اطراف میں زیادہ تر جو نومسلم قومیں ہیں وہ حضرت باباصاحبؒ ہی کی برکت سے مسلمان ہوئی ہیں۔ "جواہر فریدی" میں ہے کہ پنجاب میں مرہنگوالیاں، بہلیاں، ادہکاں، جکرواَلیان، بکاں، ہکاں، سیاں، کھوکھراں، سیال وغیرہ حضرت بابا ہی کی برکت سے مسلمان ہوئیں۔

تصنیفات

حضرت گنج شکرؒ کی تصنیفات میں اُن کے ملفوظات کے دو مجموعے ہیں: راحت القلوبؒ اور اسرار الاولیاءؒ۔ "راحت القلوب" کو خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، اور "اسرار الاولیاء" کو حضرت بدرالدین اسحٰق نے مرتب کیا ہے۔ دونوں بزرگ حضرت گنج شکرؒ کے خلیفہ تھے۔

تعلیمات و فرمودات

"راحت القلوب" میں راہِ سلوک کی بنیادی باتیں وہی ہیں جو "انیس الارواح"، "دلیل العارفین" اور "فوائد السالکین" میں پائی جاتی ہیں۔ مگر اس میں ملفوظات نسبتاً زیادہ ہیں، اِس لئے اُن سے بعض مسائل پر زیادہ روشنی پڑتی ہے۔ اِس کتاب کے آخری حصہ میں چشتیہ سلسلہ کے اوراد و وظائف اور اُن کے فضائل و برکات کا ذکر ہے۔

درویش کی صفات

درویش کی مختلف صفات آپ نے بیان فرمائی ہیں۔ مثلاً درویش کی صفت پردہ پوشی اور خود فراموشی ہے۔ پردہ پوشی سے مراد

عہ راحت القلوب ص۳۲

اللہ کے بندوں کی پردہ پوشی ہے۔

درویش کو چاہیئے کہ چار باتیں اختیار کرے۔ (۱) اپنی آنکھوں کو بند کرلے کہ اللہ کے بندوں کے عیوب نہ دیکھ سکے۔ (۲) کانوں کو بہرا کرلے کہ جو باتیں سننے کے لائق نہ ہوں، اُن کو نہ سُن سکے۔ (۳) زبان کو گونگی کرلے کہ جو باتیں کہنے کے لائق نہ ہوں، اُن کو نہ کہے۔ (۴) پاؤں کو لنگڑا کرلے، کہ جب اس کا نفس کسی غیر ضروری یا ناجائز کام کی طرف لے جانا چاہے، تو نہ جاسکے۔ اگر یہ باتیں اُسکو حاصل ہوگئیں تو درویش ہے، ورنہ دروغ گو ہے۔

جو درویش اِس دُنیائے دنی کی عزت وجاہ کا خواستگار اور اہل دنیا کے لطف وکرم کا خواہاں ہو، وہ درویش نہیں ہے، بلکہ درویشوں کو بدنام کرنے والا اور طریقت کا مرتد ہے۔

جس درویش کے دل میں ذرہ برابر بھی دنیا کی محبت ہوگی وہ مردودِ طریقت ہے۔ درویشوں کا طریقہ تحمل ہے اور تحمل بھی ایسا کہ اگر کوئی شخص اس کی گردن پر ننگی تلوار رکھے، تو بھی اُس سے وہ خوش رہے اور اُس کیلئے بد دعا نہ کرے۔

درویش کا زہد تین چیزوں میں ہے۔ (۱) دنیا کا جاننا اور اُس سے ہاتھ اُٹھا لینا (۲) مولا کی اطاعت کرنا، اور آداب کی رعایت رکھنا (۳) آخرت کی آرزو اور اُس کو طلب کرنا۔

ف: اے کاش! یہ صفات حسنہ ہم لوگوں کو بھی عطا ہو جائیں۔ (مرتب)

صلاحیتِ دل

حضرت گنج شکرؒ نے راہِ سلوک میں دل کی صلاحیت پر زیادہ زور دیا ہے اور اس کو سلوک کی اصل کہا ہے۔ اور یہ صلاحیت اُس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو لقمۂ حرام سے پرہیز اور اہلِ دُنیا سے

اجتناب کرتا ہے۔ ایک جگہ حضرت یحییٰ معاذ رازی کا قول نقل کر کے فرمایا ہے کہ حکمت اُس کے دل میں قرار پا سکتی ہے جس کے دل میں دنیا کی حرص نہ ہو، رشک و حسد نہ ہو، اور شرف و جاہ کی خواہش نہ ہو۔

معرفت معرفت کی تعریف یہ ہے کہ جبتک کسی شخص کو اپنی معرفت حاصل نہیں ہوتی وہ دوسروں کے پیچھے مبتلا رہتا ہے، لیکن جب اس کو حق سبحانہ و تعالیٰ کی محبت ہو جاتی ہے، تو پھر اُس کو ایسا استغراق ہو جاتا ہے کہ اگر اُس کے پاس ہزاروں فرشتے بھی آئیں تو اُنکی طرف کنکھیوں سے بھی نہ دیکھے۔ اور اگر اُس کو آنے کی خبر ہو جائے تو وہ کاذب و دروغ گو ہے۔

کرامت کرامت کے متعلق فرمایا کہ اُس کا اظہار کرنا پست حوصلہ والوں کا کام ہے۔ مشائخ نے اس کے اظہار کو پسند نہیں کیا ہے۔ کیونکہ اس سے نفس میں تکبر پیدا ہوتا ہے۔ (راحت القلوب ص ۱۳۳) (بزم صوفیہ)

"اسرار الاولیاء" میں بائیس ۲۲ فصلیں ہیں اور ہر فصل میں تصوف کے مستقل موضوع پر حضرت گنج شکرؒ کے ارشادات ہیں، جس سے اِس موضوع کے سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

رزق ایک جگہ فرمایا: راہِ سلوک میں بندۂ صادق وہ ہے جو رزق حاصل کرنے کے لئے پریشان خاطر نہ ہوتا ہو۔ اور اگر وہ اس کیلئے پریشان رہتا ہے تو وہ بد دین اور بد دیانت ہے۔ رزق کی چار قسمیں ہیں:۔

(۱) رزق مقسوم (۲) رزق مذموم (۳) رزق مملوک (۴) رزق موعود۔

رزق مقسوم وہ رزق ہے جو روز اوّل سے لوح محفوظ پر لکھ دیا گیا ہے، اُس میں کمی اور زیادتی نہیں ہو سکتی۔ رزق مذموم وہ رزق ہے کہ جتنا بھی زیادہ ملے اُس پر قناعت

نہ کی جائے اور رزق مملوک وہ رزق ہے جو ضرورت کی کفالت کے بعد جمع کیا جائے رزق موعود وہ رزق ہے جس کے لئے اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے اور اُس کا ملنا ضروری ہے۔ (اسرار الاولیار ص۱)

راہِ سلوک کی سچائی یہ ہے کہ سالک ہر قسم کے رزق سے بے غم رہے۔ اگر وہ رزق کے لئے اندوہ گیں رہتا ہے تو وہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے، خداوند تعالےٰ خود اس کا رزق اُس کے پاس پہنچائے گا۔ پھر اُس کا توکل یہ ہونا چاہیئے کہ اُس کو جو کچھ بھی ملے، راہِ خدا میں دیدے۔ اگر رزق جمع کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ کی تمام عنایتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

توکّل آگے چل کر ایک فصل میں بابا گنج شکرؒ نے فرمایا کہ عاقل وہی شخص ہے جو دنیا کے تمام معاملات میں اللہ پر توکّل کرتا ہے۔ توکّل کی تشریح اس طرح کی ہے کہ متوکل کے ایمان میں خوف، رجا اور محبت ہو۔ خوف سے وہ گناہ کو ترک کرتا ہے اور رجار سے اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ اور محبت سے اللہ تعالےٰ کی رضار کے لئے تمام مکروہات سے باز آتا ہے۔

راہِ سلوک میں توبہ ایک اہم چیز ہے۔ بابا گنج شکرؒ نے توبہ کی چھ قسمیں بتائی ہیں۔

(۱) توبۂ دل۔ حسد، ریار، لہو ولعب اور تمام نفسانی لذتوں اور شہوت سے صدقِ دل سے باز آنا۔ اس سے دل کی آلائش دور ہوتی ہے جس کے بعد بندہ اور مولیٰ کا حجاب اُٹھ جاتا ہے۔

(۲) توبۂ زبان: ناشائستہ، بیہودہ اور ناروا کلمات زبان پر نہ لانا، زبان صرف اللہ تعالےٰ کے ذکر اور کلام پاک کی تلاوت کے لئے وقف ہونی چاہیئے۔ عشق حقیقی میں وہی سالک ثابت قدم رہ سکتا ہے جس نے دل اور زبان کی توبہ

سچائی سے کرلی ہو۔ زبان کی توبہ کے بغیر صرف دل کی توبہ سے وہ انوارِ عشق کی تجلی نہیں دیکھ سکتا ہے۔ آنکھ، کان، ہاتھ اور نفس زبان ہی کے تابع ہیں، اِس لئے زبان کی توبہ سے یہ تینوں چیزیں بھی محفوظ رہتی ہیں۔

(۳) توبۂ چشم: حرام چیز کو نہ دیکھنا، کسی کا عیب نہ دیکھنا، ظلم ہوتے ہوئے نہ دیکھنا۔ سالک جب مشاہدۂ حق کر چکا ہو، تو پھر اُس کو دنیا کی کسی چیز پر نظر نہیں ڈالنی چاہیئے۔

(۴) توبۂ گوش، ذکرِ حق کے سوا کوئی اور چیز نہ سننا۔

(۵) توبۂ دست: ناروا اور ناجائز چیزوں کو ہاتھ نہ لگانا۔

(۶) توبۂ پا: حرام چیزوں کی طرف نہ جانا۔

(۷) توبۂ نفس: ماکولات، شہوات اور لذات سے باز آجانا۔

اِس تقسیم کے علاوہ توبہ کی تین قسمیں اور کی ہیں۔

(۱) توبۂ حال (۲) توبۂ ماضی (۳) توبۂ مستقبل۔ حال کی توبہ، گناہوں سے پشیمان اور نادم ہو کر باز آنا ہے۔ ماضی کی توبہ، اپنے دشمنوں کو خوش کرنا ہے۔ اگر تائب نے کسی کا ایک درہم بھی غصب کر لیا ہو تو اُس کو دس درہم واپس کرنا چاہیئے، اگر اُس نے کسی کو بُرا کہا ہو، تو اُس کے پاس جا کر معافی مانگے۔ اور اگر وہ مرگیا ہو تو معذرت کے بجائے اُس کے نام سے غلام آزاد کرے۔ اور اگر شراب پیتا رہا ہو تو توبہ کے بعد اللہ کے بندوں کو سرد اور لطیف پانی پلائے۔

مستقبل کی توبہ یہ ہے کہ تائب آئندہ تمام گناہوں سے پرہیز کرنے کے لئے عہد کرے۔ (بزمِ صوفیہ صـ۱۸۲)

تلاوت کلام پاک

حضرت گنج شکرؒ نے اگلی دو فصلوں میں مرشد اور پیر

کی خدمت اور تلاوتِ کلام پاک کی فضیلت کا ذکر کیا ہے۔ کلام پاک کی تلاوت کے متعلق فرمایا ہے کہ اس سے بہتر اور افضل تر کوئی عبادت نہیں، کلام پاک کی تلاوت سے بندہ اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوتا ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی سعادت نہیں ہو سکتی۔

صوفی اسی سلسلہ میں تصوف اور صوفی کی بھی جستہ جستہ بحث آگئی ہے۔ بابا گنج شکرؒ نے فرمایا کہ: صوفی وہ ہے جس کے دل میں اتنی صفائی ہو کہ اسکے صفائے قلب کے سامنے کوئی چیز پوشیدہ نہ رہے۔

تصوف مولیٰ کی صفائے دوستی کا نام ہے۔ اہل تصوف وہ ہیں جو ہر وقت خاموش اور عالم تحیر میں مستغرق رہتے ہیں۔ اہل تصوف ایک ایسی قوم ہیں کہ جب وہ خدا سے پیوستہ ہو جاتے ہیں تو پھر اُن کو خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں کی خبر نہیں ہوتی۔

تصوف کا کمال یہ ہے کہ اصحابِ تصوف ہر روز پانچوں وقت نماز میں اپنے کو عرش پر دیکھتے ہیں۔

تصوف ایک اخلاق ہے اس لئے حضرت گنج شکرؒ نے اربابِ تصوف کو اخلاقی ہدایتیں بھی دی ہیں۔ مثلاً صوفی دنیا اور دنیا کے لوگوں سے بے نیاز اور مستغنی ضرور رہتا ہے مگر کسی حال میں وہ دنیا کی مذمت اور ہجو نہیں کرتا ہے، نہ اُس سے محبت اور نہ اُس سے عداوت رکھتا ہے۔ (بزم صوفیہ ص۱۸۴)

محبّتِ رسولؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک جب کبھی آتا تو زار و قطار روتے۔ ایک بار آپؐ کی وفات کا ذکر خود ہی فرمایا، اور جب بیان کر چکے تو آہ کھینچی اور نعرہ مارا، اور روتے روتے بیہوش ہو گئے۔ اور جب ہوش آیا تو فرمایا، جس کے واسطے تمام عالم پیدا کیا گیا جب اُسی کو اس عالم سے اُٹھا لیا

گیا تو دوسرے بندوں کی کیا حیثیت ہے جو زندگی کی خواہش کرے۔ (بزم صوفیہ ص۱۸۶)

بعض مفید ملفوظات

حضرت شیخ گنج شکرؒ کے بعض ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ملے ہیں۔ جن میں لکھا ہوا ہے کہ:۔ چار چیزوں کے بارے میں سات سو مشائخ سے سوال کیا گیا، تو سب نے ایک ہی جواب دیا:۔

(۱) گناہوں کو چھوڑنے والا ہی سب سے زیادہ عقلمند ہے۔

(۲) دانا اور حکیم آدمی وہ ہے جو کسی چیز پر غرور نہیں کرتا۔

(۳) قناعت کرنے والا ہی سب سے زیادہ مالدار اور غنی ہے۔

(۴) تارک قناعت ہی سب سے زیادہ محتاج اور غریب ہے۔

نیز لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس بات سے شرم آتی ہے کہ کوئی بندہ اُس کے دربار میں دستِ سوال دراز کرے اور وہ اسے خالی واپس کر دے۔

فرماتے تھے کہ: لوگوں کی سرد کلامی کی وجہ سے اپنی سرگرمی نہیں چھوڑنی چاہئے۔

شیخ جلال الدین رومی فرمایا کرتے تھے کہ باتوں کا دل پر اثر ہوتا ہے۔ اس لئے اوّلاً ہر بات کے اوّل و آخر کو خوب جانچو اور پرکھو۔ اگر وہ کام کی بات ہے اور اللہ کیلئے ہے تو بات کہو، ورنہ خاموش رہو۔

فرماتے تھے کہ: ذلیل ترین انسان وہ ہے جو اپنے کو کھانے پینے اور پہننے میں مشغول رکھتا ہے۔

سفارش نامہ

بابا فریدالدین گنج شکرؒ کو کسی نے ایک معروضہ پیش کیا کہ سلطان غیاث الدین بلبن کو میرے لئے ایک سفارش نامہ تحریر فرما دیجئے۔ چنانچہ شیخؒ نے لکھا کہ

اِس شخص کا معاملہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہوئے آپ تک پہنچاتا ہوں کہ "فان اعطیتہ شیئا فالمعطی ھو اللہ وانت المشکور وان لم تعطہ شیئا فالمانع ھو اللہ وانت المعذور۔ (اخبار الاخیار فارسی ص۵۲)

(ترجمہ) اگر آپ اسے کچھ عطا کردیں تو حقیقۃً معطی اللہ تعالیٰ ہیں اور آپ مشکور، اور اگر عطا نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ہی مانع ہیں اور آپ معذور۔ (اخبار الاخیار ص۱۱۶)

ف: سبحان اللہ، سفارش کے کلمات کتنے بلیغ و بامعنی ہیں کہ سفارش بھی فرمادی اور بادشاہ کو اُس کی حیثیت بھی بتلادی۔ واللہ الموفق۔ (مرتب)

آخر عمر میں بھی تنگی

عام طور پر مشائخ کو ابتدائی زمانہ میں فقر وفاقہ رہتا ہے مگر آخر عمر میں فتوحات، ہدایا اور تحائف کا دور آجاتا ہے اُن کے اس طبعی ذوق کی وجہ سے باوجود رجوع عام اور اُمراء وخواص کی عقیدت کے انتقال سے پہلے پھر عسرت اور تنگی کا دور شروع ہوگیا۔ "سیر الاولیاء" میں ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین ؒ نے فرمایا کہ:۔

"حضرت شیخ شیوخ العالم کو آخر عمر میں کہ انتقال کا زمانہ قریب تھا، تنگی پیش آئی۔ میں ماہِ رمضان میں موجود تھا، اتنا تھوڑا کھانا آیا کرتا تھا کہ موجود لوگوں کو کافی نہ ہوتا تھا، کسی رات بھی میں نے اُن دنوں سیر ہوکر کھانا نہ کھایا۔ سامان بھی جو دیکھنے میں آتا تھا بہت معمولی اور برائے نام تھا، میں جب رخصت ہونے لگا تو حضرت نے خرچ کے لئے مجھے ایک سُلطانی[۱] عطا فرمایا۔ اُس روز مولانا بدر الدین اسحٰق کے ذریعہ پیغام پہنچا

---

[۱] سکہ (غالباً اُس وقت کا روپیہ)

کہ آج توقف کریں، کل جائیں۔ جب افطار کا وقت ہوا تو حضرت شیخ کے گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا، مجھے معلوم ہوا تو میں حضرت شیخ کی خدمت میں گیا۔ اور میں نے عرض کیا کہ حضرت کی بارگاہ سے مجھے ایک سلطانی عطا ہوا تھا، اجازت ہو تو اُس سے کچھ کھانے کا انتظام کر لیا جائے؟ حضرتؒ نے اجازت مرحمت فرمائی اور بڑی دُعائیں دیں"۔ (سیر الاولیاء صفحہ ۶۶)

صاحبِ "سیر الاولیاء" حضرت خواجہ نظام الدینؒ کی روایت سے وفات کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

وفات کا حال

محرم کی پانچویں تاریخ کو بیماری میں شدت ہوئی، عشاء کی نماز جماعت سے ادا کی، نماز کے بعد بیہوشی طاری ہوگئی، ایک گھڑی کے بعد ہوش آیا تو دریافت کیا کہ میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی؟ لوگوں نے عرض کیا کہ پڑھ لی ہے، فرمایا دوبارہ پڑھ لوں، کیا خبر کیا ہو؟ دوبارہ نماز پڑھی اور پھر بے ہوش ہوگئے اس مرتبہ بیہوشی زیادہ سخت اور طویل تھی، پھر ہوش آیا اور پوچھا کہ میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی؟ عرض کیا گیا کہ دوبار پڑھ چکے ہیں۔ فرمایا کہ ایک بار اور پڑھ لوں، کون جانے کیا ہو؟ تیسری مرتبہ پھر پڑھی۔ اس کے بعد واصل بحق ہوئے۔ (سیر الاولیاء صفحہ ۸۹)

تاریخ وفات ۵ محرم ۶۶۴ھ روز سہ شنبہ ہے۔ اجودھن (پاک پٹن) میں مدفون ہوئے۔ بعد میں سلطان محمد تغلق نے گنبد تعمیر کیا۔ (دعوت وعزیمت ۳/۴۵)

رَحِمَہُ اللہُ رَحْمَۃً وَّاسِعَۃً

شیخ الاسلام بہاؤ الدین ابو محمد زکریا ملتانی قریشی اسدی المتوفی ۶۶۶ھ

نام ونسب نام بہاؤ الدین زکریا، والد کا نام وجیہ الدین محمد ہے۔
حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ کے جد امجد حضرت کمال الدین شاہ قریشی مکہ معظمہ سے خوارزم آئے، اور وہاں سے آکر ملتان میں سکونت اختیار فرمائی، یہاں اُن کے فرزند مولانا وجیہ الدین محمد تولد ہوئے۔ جن کی شادی مولانا حسام الدین ترمذی کی لڑکی سے ہوئی۔ مولانا حسام الدین تاتاریوں کے حملہ کی وجہ سے ملتان کے نواح قلعہ کوٹ کرور میں متوطن تھے۔ مولانا وجیہ الدین بھی خسر کے ساتھ قلعہ کوٹ کرور میں رہنے لگے۔ اور یہیں حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا کی ولادت باسعادت ۵۶۶ھ میں ہوئی۔

تعلیم بارہ سال کے ہوئے تو والد بزرگوار عالم جاودانی کو سدھارے۔ والد ماجد کی وفات کے بعد کلام پاک حفظ کرنا شروع کیا، ساتوں قراتوں کے ساتھ حفظ کر چکے تو مزید تعلیم کے لئے خراسان کی طرف چل کھڑے ہوئے یہاں پہنچ کر سات سال تک بزرگان دین سے علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل کرتے رہے۔ وہاں سے بخارا جاکر علم میں کمال حاصل کیا۔ اُن کے اوصاف پسندیدہ اور خصائل حمیدہ کی وجہ سے بخارا کے لوگ اُن کو بہاؤ الدین فرشتہ کہا کرتے تھے۔ یہاں آٹھ سال تک تحصیل علم کرتے رہے۔ پھر بخارا سے حج کے ارادہ سے مکہ معظمہ گئے۔ وہاں سے روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور پانچ سال تک جوارِ رسول ﷺ میں زندگی بسر کی۔ اِس مدت میں مولانا کمال الدین محمد سے

جو اپنے عہد کے جلیل القدر محدث تھے حدیث پڑھی۔ مولانا کمال الدین محمد نے تریپن ۵۳ سال تک مجاور کی حیثیت سے حرم نبوی کی خدمت کی۔ حضرت بہاؤ الدین زکریا نے حدیث کی تعلیم سے فراغت کے بعد روضۂ اقدس کے پاس تزکیۂ قلب اور تصفیۂ باطن کے لئے مجاہدہ شروع کیا، پھر وہاں سے چل کر بیت المقدس پہنچے اور وہاں سے بغداد شریف گئے۔

بیعت بغداد میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ العزیز کی صحبت سے فیضیاب ہو کر خرقۂ خلافت پایا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ شیخ بہاؤ الدین زکریا قدس سرہٗ نے اپنے مرشد کے پاس صرف سترہ روز قیام فرمایا تھا کہ ان کو پیر دستگیر کی طرف سے ساری روحانی نعمتیں مل گئیں اور خرقۂ خلافت سے بھی سرفراز کئے گئے۔ اس سے شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کے دوسرے مریدوں کے دل میں رشک پیدا ہوا اور شیخ سے عرض کیا کہ ہم نے اتنے دنوں تک خدمت کی، لیکن ہم کو ایسی نعمت نہیں ملی۔ مگر ایک ہندوستانی آیا اور تھوڑی سی مدت میں شیخ ہو گیا اور بڑی نعمت پائی۔

مگر شیخ نے ان کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ تم تر لکڑیوں کے مانند ہو جن میں آگ مشکل اور دیر سے لگتی ہے، بہاؤ الدین زکریا خشک لکڑی کے مانند تھے جس میں آگ جلد اثر کرتی ہے۔

عظمت مرشد خرقۂ خلافت پانے کے بعد حضرت بہاؤ الدین زکریا کو مرشد کی طرف سے حکم ملا کہ ملتان واپس جا کر قیام کرو اور وہاں کے باشندوں کو فیض پہنچاؤ۔ حضرت جلال الدین تبریزیؒ بھی شیخ الشیوخ کے ساتھ مقیم تھے۔ جب حضرت بہاؤ الدین زکریا بغداد سے رخصت ہونے لگے

تو غایتِ محبت میں وہ بھی اپنے پیر سے اجازت لے کر اُن کے ساتھ ہو گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب دونوں بزرگ نیشا پور پہنچے تو شیخ جلال الدین تبریزیؒ حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ ملاقات کے بعد واپس ہوئے تو حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ نے اُن سے دریافت کیا کہ آج کی سیر میں درویشوں میں کس کو سب سے بہتر پایا؟ بولے، شیخ فریدالدین عطار کو۔ حضرت بہاؤالدین زکریا نے پوچھا کہ اُن سے کیا کیا صحبت رہی؟ جواب دیا کہ مجھ کو دیکھتے ہی اُنھوں نے دریافت کیا کہ آپ لوگوں کا کہاں سے آنا ہوا؟ میں نے عرض کیا، خطۂ بغداد سے آیا ہوں۔ پھر استفسار کیا کہ وہاں کون درویش مشغول بحق ہے؟ تو میں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ نے حضرت جلال الدین تبریزیؒ سے پوچھا کہ اپنے مرشد شہاب الدین سہروردیؒ کا ذکر کیوں نہ کیا؟ جواب دیا کہ شیخ فریدالدین کی عظمت میرے دل پر ایسی چھائی ہوئی تھی کہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کو بھول گیا۔ یہ سن کر شیخ بہاؤالدین زکریا کو بہت ملال ہوا، اور وہ حضرت جلال الدین تبریزی سے علیحدہ ہو کر ملتان چلے آئے اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ خراسان جا کر مقیم ہوئے۔

قیامِ ملتان

ملتان کی مدتِ قیام میں نہ صرف ملتان بلکہ سارا ہندوستان حضرت بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض و برکات کے انوار سے منور ہو گیا تھا اور اُن کا عہد خیر الاعصار کہلاتا ہے۔

شیخ محمد نور بخش مؤلف سلسلۃ الذہب میں رقمطراز ہیں:-

"حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ ہندوستان میں رئیس الاولیاء تھے۔ علوم ظاہری کے عالم اور مکاشفات و مشاہدات

کے مقامات واحوال میں کامل تھے۔ اُن سے اکثر اولیاء اللہ کے سلسلے منشعب (نکلے) ہوئے، لوگوں کو رُشد و ہدایت فرمائی اور اُن کو کفر سے ایمان کی طرف، معصیت سے اطاعت کی طرف اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف لائے۔ اور اُن کی شان بڑی تھی۔"

سفینۃ الاولیاء میں ہے:-

"حضرت شیخ الشیوخ سے رخصت ہو کر ملتان آئے اور یہیں توطن اختیار کیا۔ رشد و ہدایت میں مشغول ہوئے تو بہت سے لوگوں نے اُن سے ہدایت کی برکت پائی۔ اور اُس دیار کے تمام لوگ اُن کے مرید و معتقد ہو گئے۔ اُس دیار میں تمام مرید اُنہی کے ہیں"

رشد و ہدایت عوام و خواص دونوں کے لئے تھی۔ اور دونوں طبقوں کو اپنی ذات بابرکت سے فیض پہنچانے کی کوشش فرماتے۔ اُس وقت ملتان کا حکمراں ناصر الدین قباچہ تھا، جو سلطان شمس الدین التمش کا حریف بھی تھا۔ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کا قلبی رجحان سلطان التمش کی طرف تھا، کیونکہ جیسا کہ ذکر آچکا ہے وہ اپنے زہد و تقویٰ، دینداری اور شریعت کی پاسداری کے لحاظ سے اولیاء اللہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ ناصر الدین قباچہ نے سلطان التمش کی بڑھتی ہوئی سطوت و قوت کو دیکھ کر اُس کے خلاف معاندانہ سازش شروع کی۔ اس کو ملتان کے قاضی مولانا شرف الدین اصفہانی اور خود شیخ بہاؤالدین زکریاؒ نے پسند نہ کیا۔ قاضی شرف الدین اصفہانی بہت ہی متدین عالم تھے انھوں نے دین کی فلاح اسی میں دیکھی کہ سلطان التمش کو قباچہ کی سازش سے مطلع کر دیں۔ شیخ بہاؤالدین زکریاؒ نے بھی اُن کی حمایت کی، اور دونوں نے علیحدہ علیحدہ سلطان

التمش کو خطوط لکھے، مگر دونوں مکتوب قباچہ کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئے۔ قباچہ اُن کو پڑھ کر بہت مشتعل ہوا اور ایک محضر کے ذریعہ دونوں کو طلب کیا، جب وہ دونوں بزرگ مجلس میں تشریف لے گئے تو قباچہ نے شیخ بہاؤالدین زکریا کو اپنی داہنی جانب بٹھایا اور قاضی شرف الدین اصفہانی کو اپنے رو برو بیٹھنے کا حکم دیا، اور اُن کا خط اُن کے ہاتھ میں دے دیا۔ قاضی شرف الدین اصفہانی نے خط پڑھ کر خاموشی اختیار کی۔ قباچہ نے غصّہ میں جلّاد کو حکم دیا کہ اسی وقت یہ تہ تیغ کر دیئے جائیں جلّاد نے آگے بڑھ کر سر قلم کر دیا۔

جب شیخ بہاؤالدین زکریا کے ہاتھ میں اُن کا مکتوب دیا گیا، تو اُنھوں نے اُس کو دیکھتے ہی فرمایا کہ بیشک یہ میرا خط ہے، مگر میں نے حق تعالیٰ کے حکم سے لکھا ہے اور صحیح لکھا ہے۔ یہ سُن کر قباچہ پر لرزہ طاری ہو گیا اور اُس نے معذرت کر کے شیخ بہاؤالدین زکریا کو اعزاز و اکرام کے ساتھ رُخصت کیا۔[۹]

فیّاضی مگر خلق کی خاطر شاہی احکام کے ساتھ اشتراک عمل کرنے میں بھی دریغ نہ فرماتے۔ ملتان میں ایک بار سخت قحط پڑا، والیٔ ملتان کو غلّہ کی ضرورت ہوئی۔ شیخ بہاؤالدین زکریاؒ نے غلّہ کی ایک بڑی مقدار اپنے ہاں سے اُس کے پاس بھیجی۔ جب غلّہ اُس کے پاس پہنچا تو اُس کے انبار سے نقرئی تنکہ کے سات کوزے بھی نکلے۔ والیٔ ملتان نے شیخ کو اس کی اطلاع دی۔ تو اُنھوں نے فرمایا، ہم کو پہلے سے معلوم تھا، لیکن غلّہ کے ساتھ اسے بھی ہم نے بخشا۔

---

[۹] فوائد الفواد ص ۱۲۰، سیر العارفین ص ۱۱۳، تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۴۰۶۔ فوائد الفواد میں یہ بھی ہے کہ قباچہ نے اُسی وقت کھانا منگوایا کہ اگر شیخ بہاؤالدین زکریا کھانے میں اُس کے ساتھ شریک نہ ہوں گے تو اسی بہانہ سے اُنکو ایذا پہنچائیگا۔ مگر شیخ بہاؤالدین زکریاؒ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر کھانے میں شریک ہو گئے۔

حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کے مطبخ میں طرح طرح کے کھانے پکتے تھے، لیکن اُن کو ان نعمتوں کے کھانے میں اُسی وقت لذت ملتی، جب وہ مہمانوں، مسافروں اور درویشوں کے ساتھ مل کر کھاتے۔ جس شخص کو دیکھتے کہ وہ کھانا رغبت سے کھاتا ہے تو اس کو بہت دوست رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ فقرار کی ایک بڑی جماعت دسترخوان پر شریک تھی۔ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ نے ہر فقیر کے ساتھ لقمہ کھایا، ایک فقیر کو دیکھا کہ روٹی شوربے میں بھگو کر کھا رہا ہے۔ فرمایا، سبحان اللہ! ان سب فقیروں میں یہ فقیر خوب کھانا جانتا ہے۔

استغنار حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کو کبھی دولت کی کمی محسوس نہ ہوئی، مگر وہ خود اُس سے ہمیشہ مستغنی و بے نیاز رہے۔ ایک روز خادم سے فرمایا، جاؤ، جس صندوقچہ میں پانچ ہزار دینار سرخ رکھے ہیں اُس کو اُٹھالاؤ۔ خادم نے ہر چند تلاش کیا مگر صندوقچہ کہیں نہ ملا۔ وہ مایوس ہو کر واپس آیا اور شیخ کو اطلاع دی، تو کچھ تأمل کے بعد فرمایا، الحمدللہ۔ تھوڑی دیر کے بعد خادم پھر آیا اور صندوقچہ مل جانے کی اطلاع دی، پھر الحمدُللہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ حاضرین نے عرض کیا کہ حضرت نے صندوقچہ گم ہونے پر بھی الحمدُللہ فرمایا، اور مل جانے پر بھی، اس میں کیا حکمت تھی؟ ارشاد فرمایا کہ فقیروں کے لئے دُنیا کا وجود اور عدم دونوں برابر ہیں۔ اُن کو کسی چیز کے آنے پر نہ خوشی ہوتی ہے اور نہ ان کے جانے کا غم ہوتا ہے۔ اور پانچوں ہزار دینار حاجتمندوں میں تقسیم کرا دیئے۔

بردباری مزاج میں حلم و بردباری بہت تھی۔ ایک روز خانقاہ میں تشریف فرما تھے کہ دلق پوش قلندروں کی ایک جماعت پہنچی اور اُن سے مالی مدد کی خواستگار ہوئی۔ اُنھوں نے اس جماعت سے بیزاری کا اظہار فرمایا،

اس پر قلندروں نے گستاخی شروع کر دی۔ وہ اینٹ پتھر سے اُن کو مارنے لگے۔ حضرت شیخ نے خادم سے فرمایا کہ خانقاہ کا دروازہ بند کر دو۔ جب دروازہ بند ہو گیا، تو قلندروں نے دروازہ پر پتھر مارنے شروع کئے۔ حضرت شیخ نے کچھ تامل کے بعد خادم سے فرمایا، دروازہ کھول دو، میں اس جگہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہٗ کا بٹھایا ہوا ہوں، خود سے نہیں بیٹھا ہوں۔ خادم نے دروازہ کھول دیا۔ اُس وقت قلندر نادم ہوئے اور اپنے قصور کی معافی چاہی۔

تواضع غایت تواضع میں اپنی تعظیم و تکریم پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایک بار خانقاہ میں کچھ مرید حوض کے کنارے وضو کر رہے تھے، حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ اُن کے پاس پہنچ گئے۔ مریدوں نے وضو ختم بھی نہیں کیا تھا کہ تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے اور سلام عرض کیا، مگر ایک مرید نے وضو تمام کر کے مراسم تعظیم ادا کئے۔ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ نے فرمایا، تم سب درویشوں میں افضل اور زاہد ہو۔ **ف**: شیخ نے اپنی تعظیم پر شریعت کی تعظیم کی قدر فرمائی۔ (مرتب)

مگر وہ خود دوسروں کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ جب واردِ ہندوستان ہوئے اور ملتان آکر ٹھہرے تو حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ اُن سے تعظیم اور محبت و شفقت سے ملے اور اصرار کر کے کچھ دنوں ان کو اپنے یہاں روکا۔ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ بھی حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا کی بڑی قدر کرتے تھے۔ چنانچہ جب معتقدین نے ان کو ملتان میں قیام کرنے کی دعوت دی تو فرمایا کہ ملتان کی سرزمین پر شیخ بہاؤالدین کا قبضہ اور سایہ کافی ہے، یہاں انہی کا تعلق ہے، اُنہی کی حمایت تم لوگوں کے ساتھ رہے گی۔

محبت و مودت حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ باباگنج شکرؒ کی بھی بہت عزت

کرتے تھے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ دونوں خالہ زاد بھائی بھی تھے اور باہم بڑی محبت و مودت تھی۔ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ نے ایک موقع پر کسی بات کی معذرت کرتے ہوئے بابا صاحب کو لکھا:۔

"میان ما و شما عشقبازی است"

(ترجمہ: ہمارے اور آپ کے درمیان عشقبازی ہے۔)

بابا گنج شکرؒ نے اس کا جواب دیا:۔

"میان ما و شما عشق است بازی نیست"

(ترجمہ ہمارے اور آپ کے درمیان عشق ہے کھیل تماشہ نہیں ہے۔)

(بزم صوفیہ ص۱۲۳)

فراست آپ شیخ المشائخ شہاب الدین سہروردیؒ کے خلیفہ تھے۔ آپ کا شمار ہندوستان کے اکابر اولیاء میں ہوتا ہے۔ ظاہری کمالات، بلند مراتب اور اعلیٰ برکات و فیوض سے آراستہ تھے۔

منقول ہے کہ آپ جس وقت صاحب کمال و برکات ہو کر ملتان تشریف لائے تو اکابر ملتان میں کچھ حسد ظاہر ہوا۔ اور بطور کنایہ آپ کی خدمت میں دودھ سے لبالب بھرا ہوا ایک پیالہ بھیجا۔ مطلب یہ تھا کہ اس شہر میں کسی کی گنجائش نہیں ہے۔ شیخ نے اس اشارہ کا مطلب سمجھ کر دودھ کے پیالہ پر ایک پھول رکھ کر واپس فرما دیا۔ مقصود یہ تھا کہ ہمارا مقام اس شہر میں اس طرح رہے گا جس طرح دودھ پر پھول رکھا ہوا ہے۔ اکابر ملتان اس حسن ادا پر حیران رہ گئے اور آپ کی کرامات کے معترف و مطیع ہو گئے۔ (اخبار الاخیار ص۶۲)

ف: حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ جب اپنے وطن سے الہ آباد

تشریف لائے تو اس واقعہ کو اہل الآباد کو بار بار سنایا، شاید یہاں بھی حضرتؒ کو شک ہوا ہوگا کہ یہاں کے مشائخ کو میرا آنا ناگوار خاطر نہ ہوا ہو، اسلئے اشارہ فرمایا کہ ہم بار خاطر نہیں بلکہ مفید ثابت ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی حضرتؒ نے الآباد کے خواص و عوام کیساتھ سلوک فرمایا۔ (مرتب)

ارشادات

آپ کے معصر ایک شیخ نے آپ سے فقر و غنا کے بارے میں گفتگو کی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا اپنے تمام اسباب کے ساتھ بھی کوئی قیمت نہیں رکھتی۔ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ (یعنی آپ فرما دیجئے کہ دنیا کی بہار چند روزہ ہے) اور ظاہر ہے کہ اس تمام دنیا میں سے ہمارے پاس کتنا ہے۔ (جس کی کچھ وقعت ہو۔)

"مجمع الاخبار" میں شیخ بہاء الدین کی نصیحتوں کے باب میں تحریر ہے کہ "ہر بندہ پر لازم ہے کہ صدق و اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور یہ کیفیت اس وقت نصیب ہوگی جبکہ عبادت و ذکر میں غیر اللہ کی نفی اور دوسروں کا دل سے محو کر دینا ہو۔ اور اس حالت کا حصول احوال کی درستگی اور اقوال و افعال میں محاسبۂ نفس پر موقوف ہے۔ لہٰذا بغیر ضرورت کے نہ کوئی بات ہو اور نہ کوئی کام۔ اور ہر قول و فعل سے پہلے اللہ تعالیٰ سے التجا و تضرع اور اسی سے استعانت ہو۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اسے نیک عمل کی توفیق دے۔

ایک مرتبہ آپ نے اپنے ایک مرید کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ "ہمیشہ ذکرِ الٰہی میں مشغول رہو۔ کیونکہ ذکر سے طالب اپنے مطلوب تک پہنچتا ہے۔ اور محبت ایسی آگ ہے جو ہر قسم کے میل کچیل کو جلا ڈالتی ہے۔ اور جب محبت

مستحکم ہو جاتی ہے تو ذکر مشاہدۂ مذکور کے ساتھ ہوتا ہے اور یہی وہ ذکر کثیر ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے فلاح و کامیابی کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ" (یعنی بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔)

ایک دوسرے خط میں ایک مرید کو تحریر فرمایا کہ "کم کھانے سے جسم تندرست رہتا ہے اور گناہوں کے ترک کر دینے سے روح کو سلامتی ملتی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجنے سے دین سلامت رہتا ہے۔"

(اخبار الاخیار ص ۶۵)

ف: سبحان اللہ، کیا خوب نصیحتیں ہیں جو لائق عمل ہیں۔ (مرتب)

وفات

سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ "راحۃ القلوب" میں سال وفات ۶۵۶ھ، "سیر الاولیاء" (ص ۹) میں ۶۶۷ھ، "اخبار الاخیار" میں ۶۶۱ھ، "سفینۃ الاولیاء اور فرشتہ" میں ۶۶۶ھ اور "مرأۃ الاسرار" میں ۵۶۵ھ ہے۔ نور اللہ مرقدہٗ۔

(بزم صوفیہ ص ۱۲۴)

حضرت الشیخ عبد الغفار قوصی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۶۷۰ھ

تعارف

آپ شریعت و طریقت کے جامع تھے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں خاص مقام رکھتے تھے۔ اللہ تعالٰی کی طاعات میں اپنے نفس کے بائع تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ وہ اپنے لڑکے کے ساتھ کدو تناول فرمارہے تھے اسی درمیان اپنے لڑکے سے فرمایا کہ کدو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مرغوب تھا لڑکے نے کہا کہ یہ تو گندی چیز ہے۔ یہ سنتے ہی شیخ نے تلوار سے اپنے لڑکے کی گردن اڑادی اور صاحب شریعت علیہ السلام کی محبت کو اپنے ثمرۂ دل کی محبت پر ترجیح دیا۔

ف: یہ تھا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سچی محبت کا ثمرہ۔ مگر اب تو صرف دعوائے محبت ہے، حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ (مرتب)

ارشاد

فرماتے تھے کہ اہل اللہ پر منکرین کے کلام کی حیثیت پہاڑ پر مچھر کے پھونک جیسی ہے کہ جس طرح اس کے پھونک سے پہاڑ پر ذرہ برابر اثر نہیں ہوتا، ویسے ہی اہل اللہ منکرین کے انکار سے ٹس سے مس نہیں ہوتے۔

وفات

آپ کی وفات کچھ اوپر ۶۷۰ھ میں ہوئی۔ (طبقات ص ۱۶۱)

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۶۷۲ھ

نام و نسب محمد نام، لقب جلال الدین، شہرت مولانا روم یا مولانا رومی کے لقب سے ہے۔ آپ کا نسب باپ کی جانب سے نو واسطوں سے حضرت ابو بکر صدیق رضؓ سے مل جاتا ہے۔ اور ماں کی جانب سے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے۔

مولانا کے آبائے کرام بلخ واقع خراسان کے رہنے والے تھے۔ مولانا رحؒ کی وہیں پیدائش ہوئی۔ مولانا کے پدری و مادری سلسلہ میں اجلۂ علماء اور سلاطینِ وقت ہیں۔ مولانا کی دادی ملکۂ جہاں شاہانِ خوارزم کے خاندان سے تھیں۔

ف اپنی خوش نصیبی: الحمد للہ علیٰ احسانہ کہ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ کی صاحبزادی عقیلہ خاتون (رحمہا اللہ تعالیٰ) سے ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۹۵۰ء میں عقد ہوا تو اُس وقت میں دار العلوم مئو میں فارسی و عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھ رہا تھا۔ عقد کے بعد حضرت کی خدمت میں بغرض تعلیم آ گیا، یہاں ہمارے بھائی مکرم قاری محمد مبین صاحب زید مجدہٗ اُنہی کتابوں کو حضرت مصلح الامت رحؒ سے پڑھ رہے تھے، تو میں بھی شریک ہو گیا ان اسباق میں "مثنوی مولانا روم" بھی زیر درس تھی، خود حضرت مصلح الامت رحؒ پڑھاتے تھے مثنوی کی شرح "کلید مثنوی" مؤلفہ حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحؒ سامنے رہتی تھی، حضرت بہت ذوق و شوق سے پڑھاتے تھے۔ چنانچہ دفتر اول و ششم کا مکمل حضرت نے درس دیا۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بزرگوں کا ذوق و حال عطا فرمائے۔

ے مگر افسوس کہ ۳ر شوال ۱۳۷۹ھ ۱۹۶۰ء میں وفات ہو گئی۔ (مرتب)

مولاناؒ کے والد کا نام محمد اور لقب بہاء الدین ولد تھا، ان کی ولادت غالباً ۵۴۳ھ میں ہوئی۔ حضرت بہاء الدین ولد نوعمری ہی میں تمام علوم میں کامل و ماہر ہو گئے تھے۔ آپ کے علم و فضل کی کیفیت یہ تھی کہ اقصائے خراسان سے مشکل فتاوے آپ ہی کے پاس آتے تھے۔ مجلس کا طریق بادشاہوں کا سا تھا، سلطان العلماء خطاب بھی تھا۔ معمول تھا کہ صبح سے دوپہر تک درس عام ہوتا، ظہر کے بعد اپنے خاص اصحاب کے حلقہ میں حقائق و معارف بیان فرماتے۔ دوشنبہ اور جمعہ کو عام وعظ کہتے، ہیبت نمایاں رہتی اور ہمیشہ متفکر معلوم ہوتے۔ (دعوت و عزیمت ص۱/۳۳۵)

مولانا روم کی تاریخ ولادت

آپ کے صاحبزادہ مولانا جلال الدین رومی ۶ ربیع الاول ۶۰۴ھ کو پیدا ہوئے، تو آپ کے والد سلطان العلماء نے اپنے مریدین میں سے ایک بلند پایہ بزرگ سید برہان الدین محقق ترمذی کو اپنے صاحبزادے کا اتالیق و مربی مقرر فرمایا۔ اور ۴، ۵ سال کی عمر تک مولانا آپ ہی کے زیر تربیت رہے۔ اور اپنے والد بزرگوار کے انتقال کے بعد آپ ہی کے زیر ہدایت منازل سلوک طے کئے۔

مولانا کے والد ماجد کی بلخ سے ہجرت

مگر افسوس کہ مولانا کے والد ماجد کا جب اثر و رسوخ زیادہ بڑھا اور آپ کی دعوت و نصیحت کا حد سے زیادہ چرچا ہونے لگا، اور آپ کے مریدوں کی تعداد بے شمار ہو گئی تو بعض علماء عصر کو ہمعصری کی بناء پر آپ سے رشک و حسد ہونے لگا، یہاں تک کہ بادشاہ سے جھوٹی شکایت کر کے بادشاہ کو بدظن کیا، جس کی وجہ سے آپ کو بلخ سے ہجرت کرنی پڑی۔ چنانچہ

آپ کے والد ماجد بلخ سے اِس شان سے روانہ ہوئے کہ جس شہر کے قریب پہنچے تھے وہاں کے علماء و امراء شہر سے باہر نکل کر آپ کا استقبال کرتے تھے اور نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ شہر لاتے تھے۔ بغداد، مکہ معظمہ، دمشق اور مختلف بلاد و مقامات سے ہوتے ہوئے آپ ملاطیہ پہنچے، آقشہر میں آپ نے چار سال قیام فرمایا اور درس و تدریس میں مشغول رہے۔ آقشہر سے لارندہ تشریف لائے جو توابع قونیہ سے تھا۔

مولانا قونیہ میں

علاء الدین کیقباد سلطان روم کی خواہش و درخواست پر آپ ۶۲۶ھ میں قونیہ تشریف لے گئے، سلطان نے خود استقبال کیا، محل کے قریب گھوڑے سے اُتر پڑا اور بڑی فروتنی کا اظہار کیا۔ آپ نے مدرسہ قونیہ میں قیام فرمایا۔ سلطان مع اکثر امراء کے مرید ہو گیا۔

ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

یہاں تک کہ آپ کے والد محترم حضرت مولانا بہاء الدین ولد نے قونیہ میں دو برس قیام فرمانے کے بعد ۶۲۸ھ میں وہیں انتقال فرمایا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

اس تمام مدت میں مولانا ہمیشہ اپنے والد کے ہمراہ رہے اور علوم ظاہری و باطنی آپ سے حاصل کرتے رہے۔ ۲۲ برس کے سن میں آپ شہر (قونیہ) میں وارد ہوئے جو آئندہ آپ کا مسکن و مدفن بننے والا تھا۔

قونیہ میں سلطان کے اتالیق امیر بدرالدین گہرتاش نے آپ کے تبحر علمی اور خداداد ذہانت سے متأثر ہو کر آپ کے لئے مدرسۂ خداوندگار تعمیر کیا، اور اس کے لئے بہت بڑا وقف کیا۔

سلطان علاء الدین کیقباد آپ کی بڑی تعظیم کرتا تھا اور آپ سے بڑی

عقیدت رکھتا تھا۔ سلطان نے جب قونیہ کا قلعہ تیار کیا تو ایک روز آپ سے سیر کی درخواست کی، آپ نے فرمایا کہ "دفع سیل و منع خیل کے لئے اچھا ہے، مگر مظلوموں کی تیر دعا کا کیا علاج آپ نے سوچا ہے جو ہزاروں لاکھوں برجوں سے گزر جاتی اور عالم کو خراب کر ڈالتی ہے، اس لئے عدل و انصاف کا قلعہ بنائیے، کہ اس میں دنیا کا امن اور عاقبت کی خیر ہے۔" سلطان پر اس نصیحت کا بڑا اثر ہوا۔

ف: سبحان اللہ! عالم ربانی نے سلطانِ وقت کو کیسی نصیحت فرمائی اور "کَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ" کا حق ادا فرما دیا۔ کثّر اللہ اَمثالَھُم اور سلطان کی بھی سعادت تھی کہ عالم ربانی کی نصیحت کو قبول کیا، برا نہ مانا۔ (مرتب)

چنانچہ مولانا بہاء الدین ولد کے انتقال کے بعد سلطان وقت اور عمائد و اکابر کے اتفاق رائے سے آپ مولانا کے جانشین ہوئے اور آپ نے سلسلۂ درس و تدریس اور تلقین وارشاد کو بدستور جاری رکھا، سید برہان الدین محقق ترمذی جو آپ کے اتالیق رہ چکے تھے اور ترمذ کو چلے گئے تھے، مولانا بہاء الدین ولد کے انتقال کے بعد قونیہ تشریف لائے، مولانا آپ کے مرید ہو گئے، اور اپنے والد ماجد کے بعد مراتب سلوک آپ ہی سے طے کئے۔ نو برس مولانا کی آپ سے صحبت رہی۔ ۶۳۷ھ میں انھوں نے انتقال کیا۔

ف: معلوم ہوا کہ یہ حضرات جب تک تمام سلوک پر اطمینان نہیں

عہ یعنی قلعہ تو محض سیلاب کے روکنے اور لشکر کے دفع کے لئے ہے۔

ہو جاتا تھا، یکے بعد دیگرے شیخ سے تعلق قائم فرماتے تھے۔ (مرتب)

مولانا روم کے تعلیمی سفر اور مشاغل ۶۳۰ھ میں مولانا نے مزید تکمیل علوم واکتساب فیض کے لئے شام کا سفر کیا اور حلب میں وارد ہوئے، حلب سے پھر دمشق تشریف لے گئے، پھر وہاں سے قونیہ میں مستقل قیام فرمایا، درس وتدریس کا مستقلاً سلسلہ قائم فرمایا، اس کے علاوہ مولانا کا دوسرا شغل یا فرض وعظ کہنا تھا، فتویٰ نویسی کا شغل بھی مستقل تھا۔ بیت المال سے مولانا کے لئے ایک دینار مقرر تھا، اُسے اسی فتویٰ نویسی کا معاوضہ تصور فرماتے تھے، اور اس معاملہ میں اس قدر سخت تھے کہ جب فقر کا رنگ غالب ہوا، اور مجلس میں مستغرق رہنے لگے، اُس وقت بھی حکم تھا کہ جس وقت بھی کوئی فتویٰ آئے فوراً خبر کی جائے، قلم و دوات ہمہ وقت ساتھ رہتا تھا اور جواب لکھتے رہتے تھے۔ (دعوت وعزیمت ص۳۴۳)

انقلابِ حال یہ حالت ۶۴۲ھ تک قائم رہی۔ اس کے بعد مولانا کی زندگی میں وہ واقعہ پیش آیا جس نے زندگی میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا، اور مولوی جلال الدین قونوی کو مشہورِ روزگار مولانائے روم بنا دیا۔ یہ واقعہ مولانا کی شمس تبریز سے ملاقات اور اُن کی ذات سے شیفتگی و فنائیت تھی ؎

مولوی ہرگز نشد مولائے روم   تا غلامِ شمس تبریزی نشد

مولانا روم کی شیخ شمس تبریزؒ سے ملاقات شمس تبریز کے شیخ نے آپ سے فرمایا کہ روم جاؤ، وہاں ایک دل سوختہ ہے اُسے روشن کر آؤ۔ دوشنبہ ۲۶ جمادی الاخریٰ ۶۴۲ھ

کو قونیہ پہنچے اور شکر فروشوں کے محلہ میں قیام فرمایا۔ ایک روز دیکھا کہ مولانا سوار چلے آرہے ہیں اور لوگ گرد و پیش استفادہ کر رہے ہیں۔ شمس نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ ریاضات وعلوم کی غرض کیا ہے؟ مولانا نے کہا، آدابِ شریعت کا جاننا، شمس نے کہا، نہیں! غرض یہ ہے کہ معلوم تک رسائی ہو جائے، اور حکیم سنائیؒ کا یہ شعر پڑھا ؎

علم کز تو ترا نہ بستاند ‏ ‏ ‏ ‏ جہل ازاں علم بہ بود بسیار

(ترجمہ: علم جب تک تم کو اپنے اختیار سے نہ نکال دے، اُس وقت تک جہل اُس علم سے کہیں بہتر ہے۔)

مولانا اس سے متغیر و متحیر ہوئے اور تیر نشانہ پر بیٹھا۔ مولانا حضرت شمس کو ہمراہ لے کر اپنے مقام پر آئے اور بقول افلاکی چالیس روز تک حضرت شمس کے ساتھ ایک حجرہ میں رہے، جس میں کوئی داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ سپہ سالار نے لکھا ہے کہ چھ ماہ تک صلاح الدین زرکوب کے حجرہ میں دونوں بزرگ عزلت نشین رہے۔ سوائے شیخ صلاح الدین کے کسی کو مجال نہ تھی کہ حجرہ میں داخل ہو سکے۔

شمس کی ملاقات نے مولانا کو نئی روح اور حقائق واذواق کی نئی دنیا

عہ صاحب المثنوی کی مختلف روایات میں سے اس روایت کو انتخاب کیا گیا ہے، یہ روایت تذکرۂ دولت شاہ کی ہے (صفحہ ۱۹۶-۱۹۷) فروزانفر نے اس سلسلہ کی تمام روایات کو نقل کر کے ان سے بے اطمینانی کا اظہار کیا اور شمس سے مولانا کے تأثر و فریفتگی کا سبب کسی اچانک واقعہ اور تصرف کو قرار نہیں دیا بلکہ مردانِ خدا کی تلاش عشق و اہل عشق سے مولانا کی مناسبت فطری کو قرار دیا ہے۔ (دعوت وعزیمت صفحہ ۳۲۵)

ملاحظہ ہو، زندگانی جلال الدین محمد صفحہ ۶۱-۶۸ (ندوی)

عطاکی۔ وہ خود فرماتے ہیں ؎

شمس تبریزی بماراہِ حقیقت بنمود   ما زفیض قدم اوست کہ ایماں داریم

(ترجمہ: حضرت شمس تبریزی نے ہم کوراہِ حقیقت دکھلایا، اُنہی کے فیضِ قدم سے ہم صاحبِ ایمان ہوئے۔)

ابھی تک مولانا استاذِ دوراں تھے اور خود صاحبِ سجادہ تھے، اور علماء وطلبہ وصوفیہ مستفید وطالب، اب مولانا مستفید وطالب تھے اور شمس تبریز صاحبِ فیض وارشاد۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شمس کی ملاقات کے بعد مولانا نے درس وتدریس، وعظ گوئی وغیرہ سب یک قلم ترک فرمادیا۔ (دعوت وعزیمت ۲۴۶/۱)

شیخ صلاح الدین زرکوب

اس کے بعد مولانا روم کا ساتھ حضرت شمس تبریز سے چھوٹ گیا۔ جسکی تفصیل کتاب دعوت وعزیمت میں پڑھی جاسکتی ہے۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ اس کے بعد مولانا رومؒ نے صلاح الدین کو اپنا ہمراز وخلیفہ بنایا۔ ۶۴۷ھ میں آپ نے ان کو اپنا جلیس خاص بنایا، اور حضرت شمس الدین کے بجائے ان کو اپنا معین ودمساز قرار دیا۔

شیخ صلاح الدین قونیہ کے قریب ایک گاؤں کے رہنے والے تھے غریب والدین کی اولاد تھے جو ماہی گیری کیا کرتے تھے، خود شیخ صلاح الدین نے زرکوبی کا پیشہ اختیار کیا، ابتدائے حال سے امانت ودیانت میں مشہور تھے، سید برہان الدین جب قونیہ آئے تو آپ اُن کے مرید ہوگئے اور ان کی نظروں میں اختصاص خاص پیدا کیا۔ سید کے انتقال کے بعد مولانا سے تجدید بیعت کی، انتقال سے دس برس قبل مولانا سے آپ کو وہ قرب حاصل ہوا۔ اس

دس سالہ مدت میں آپ مولانا کے خلیفۂ خاص رہے۔ شیخ نے یکم محرم ۶۵۷ھ میں انتقال فرمایا۔

چلپی حسام الدین

شیخ صلاح الدین کے انتقال کے بعد مولانا نے چلپی حسام الدین ابن اخی ترک کو اپنا نائب اور خلیفہ بنایا۔ چلپی حسام الدین مولانا کے ممتاز مریدوں میں سے تھے اور مولانا کے انتقال کے بعد گیارہ برس تک مولانا کی خلافت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ اصلاً ترک اور وطناً ارموی تھے اور روم کے مشہور اور ذی اثر خاندان اخی سے تعلق رکھتے تھے۔[۲]

حضرت شمس تبریزی اور شیخ صلاح الدین سے بھی آپ کو ارادت تھی اور ان لوگوں کے فیض سے بھی آپ بیش از بیش متمتع ہوئے تھے۔

حضرت حسام الدین چلپی نے اپنے تمام ملازموں اور غلاموں کو حکم دیدیا کہ اپنے طور پر کام کریں، آہستہ آہستہ اپنا کل مملوکہ مولانا کی خدمت میں صرف کردیا۔ آخر میں غلاموں کو بھی آزاد کردیا۔ مولانا کا پاس ادب اس قدر ملحوظ تھا کہ مولانا کے وضو خانہ میں کبھی وضو نہ کرتے، سخت سے سخت برفی ہوتی، برف پڑتی ہوتی، مگر گھر جاکر وضو کرکے آتے۔ دوسری طرف مولانا بھی آپ سے اس طرح پیش آتے کہ دیکھنے والوں کو گمان ہوتا کہ مرید ہیں[۳]

---

[۱] چلپی ترکی زبان میں سیدی کا ہم معنی ہے [۲] فروزانفر نے ان کی تاریخ ولادت ۶۲۲ھ لکھی ہے۔ [۳] مولانا کو جو کچھ فتوحات ہوتیں سب چلپی کے پاس بھیج دیتے۔ صاحب زادہ سلطان ولد نے ایک مرتبہ شکایت کی تو فرمایا کہ "واللہ باللہ تاللہ من کہ اگر صد ہزار کامل زاہد را حالتِ مخمصہ واقع شود و بیم ہلاکت باشد و مارا یگتا ناں باشد آن را ہم (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

مثنوی کی تحریک مثنوی شریف کی تصنیف اُسی زمانہ کا کارنامہ ہے، اس میں حضرت حسام الدین کی تحریک کو بہت بڑا دخل ہے۔ بلکہ یہ کہنا کچھ بیجا نہ ہوگا کہ "مثنوی شریف کا وجود میں آنا آپ ہی کی وجہ سے ہوا۔

رفقاء کے انتخاب کا سبب مولانا کو کسی نہ کسی رفیق کے بغیر راحت نہیں ملتی تھی۔ شمس الدین (شمس تبریز) کے بعد صلاح الدین، اور صلاح الدین کے بعد حسام الدین آپ کے ہمراز ودمساز رہے۔ فللّٰہ الحمد والمنۃ۔ (دعوت وعزیمت ص۳۵۵/۱)

ف: اِس کے علاوہ حالات کا مطالعہ کرنا چاہیں تو اصل کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔ (مرتب)

ابتدائی چند اشعار کی شرح

اب ہم مثنوی مولانا رومؒ کے ابتدائی چند اشعار کی شرح حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی "کلید مثنوی" سے نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ جس کو آپ حضرات یقیناً "مثنوی" کا خلاصہ سمجھیں گے۔

واللّٰہ الموفق۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بحضرت چلپی فرستیم" مولانا کو اُن کے بغیر انبساط و شیفتگی نہیں ہوتی تھی۔ جس مجلس میں چلپی نہ ہوتے مولانا کی طبیعت میں جوش وگرمی نہ پیدا ہوتی، اور اسرار و معرفت کی باتیں نہ کرتے۔ جن لوگوں کو یہ حقیقت معلوم تھی وہ مجلس میں سب سے زیادہ اِس کا اہتمام کرتے کہ حضرت چلپی موجود ہوں، تاکہ دریائے فیض جاری ہو۔ (ملاحظہ ہو زندگانی ص۱۰۱) ندوی

بشنو از نے چوں حکایت میکند   وز جدائیہا شکایت میکند

"نے" سے مراد روح انسانی ہے کہ عالمِ ارواح (ملکوت) میں محبت و معرفت حق میں مشغول و مستغرق تھی، عالمِ اجسام (ناسوت) کے ساتھ متعلق ہونے سے صفات جسمانیہ شہوت و غضب کا اُس پر غلبہ ہوا اور اِس وجہ سے صفاتِ روحانی یعنی محبت و معرفت وغیرہا میں کمی شروع ہوئی، اس میں اگر جذبۂ غیبی یا کسی کامل کی صحبت یا دفاترِ عشق و اہل عشق کے مطالعہ سے متنبہ ہوا اور دلائل یا ذوق سے اپنی اصلی حالت اور اصلی صفات یاد آگئیں تو اس کے فوت یا مغلوب ہونے پر افسوس ہوتا ہے۔ تو اُس وقت زبانِ قال یا زبانِ حال سے اس تاسف کو ظاہر کرتاہے، حکایت سے یہی مراد ہے۔ اور اس افسوس و غم و آہ و نالہ ہی کے سبب اُسکو نے سے تشبیہ دی گئی۔ اور چونکہ صفات حمیدہ روح کی بہت ہیں، محبت و معرفت و ذکر دائم، اور سب میں کمی پاتاہے اِس لئے ایک ایک کو سوچ کر پریشان ہوتاہے کہ اُن سب سے جدائی ہو گئی، اِس لئے فرماتے ہیں کہ کئی جدائیوں کی شکایت کرتاہے۔

کز نیستاں تامرا ببریدہ اند   از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

جب "نے" کو روح سے تشبیہ دی گئی تو عالمِ ارواح کو نیستاں کہنا زیبا ہوگا خلاصہ یہ کہ مجھ کو عالمِ ارواح سے جدا کر دیا گیاہے اور ناسوت میں آ کر وہ صفات مجھ سے جدا ہو گئی ہیں، تو اس درجہ شور و شیون میں مبتلا ہوں کہ سنتے دیکھتوں کا کلیجہ پھٹا جاتاہے۔ مرد و زن سے مراد یہی ابنائے زمان ہیں۔ قاعدہ ہے کہ سچے دردمند کا اثر دوسروں پر ضرور پڑتاہے اس لئے اوروں کا دردناک ہونا جائے تعجب نہیں۔

سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق تا بگویم شرح درد اشتیاق

ہر چند درد مند کے درد سے اکثر لوگ متاثر ہوتے ہیں، مگر بعض غایت سنگدلی سے اصلاً دل گداختہ نہیں ہوتے، بلکہ خود اُس دردمند کو فریبی اور ریاکار سمجھتے ہیں۔ نے کی طرف سے ان کو جواب دیا جاتا ہے، کہ تم جو میرے حال کے منکر ہو اُس کی وجہ یہ ہے کہ تم کسی کے دردِ فراق میں مبتلا نہیں ہوئے اور اس غم کا مزہ نہیں چکھا۔ اور غم فراق کے سمجھنے کے لئے ایسا سینہ چاہیئے جو خود کسی کے فراق سے پارہ پارہ ہو۔ اُس وقت البتہ اپنا دردِ اشتیاق کھولوں تب اسکی سمجھ میں آوے۔ اس تقریر میں تو سینہ سے مراد دوسرے شخص کا سینہ ہوا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اپنا ہی سینہ مراد ہو۔ مطلب یہ ہوگا کہ میرے آہ و نالہ و فریاد و بکا سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میں اس درد و غم سے نفور یا تنگدل ہوں، ہرگز نہیں۔ بلکہ میری تو یہ آرزو ہے کہ دردِ فراق سے اور بھی میرا جگر پاش پاش ہوجائے، تاکہ اور بھی دردِ اشتیاق کا اظہار کروں۔ قاعدہ ہے کہ عاشق کو خود اس دردِ عشق میں ایک خاص لذت ہوتی ہے کہ وہ اُس کا زوال نہیں چاہتا۔ کذا قال مرشدی رحمہ اللہ تعالےٰ۔

ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش باز جوید روزگار وصل خویش

مطلب اس شعر کا ظاہر ہے۔ یعنی اس میں "نے" کی حکایت و شکایت کا سبب مذکور ہے کہ ہر شخص کا قاعدہ ہے کہ جب اپنی اصل سے جدا ہوتا ہے تو اُس زمانۂ وصال کا جویا ہوتا ہے۔ میں بھی چونکہ عالمِ ارواح سے جدا ہوگئی جس سے میرے وہ صفات ضائع ہوگئے، میں اُسی باغ و بہار کی پھر طالب ہوں۔

من بہر جمعیتے نالاں شدم — جفت خوش حالاں و بدحالاں شدم
ہر کسے از ظن خود شد یار من — وز درون من نجست اسرار من

عاشق و طالب کے درد کا اثر دوسروں پر پڑتا ہے، مگر اکثر لوگ اجمالاً اتنا سمجھ سکتے ہیں کہ اُس پر کوئی صدمہ یا مصیبت ہے۔ اگر کچھ تفصیل سمجھے بھی تو یہ سمجھے کہ اپنی حالت پر قیاس کر لیا کہ جس قسم کی مصیبت و بلا میں ہم مبتلا ہیں، ایسا ہی یہ بھی ہوگا۔ یا تو اس کی بیوی مر گئی ہوگی، یا کوئی بیماری ہوگی یا افلاس سے عاجز آ گیا ہے، یا کسی بازاری عورت نے بے وفائی کی ہے۔ لیکن جو اُس کے دل کو لگ رہی ہے اُس کی کس کو خبر ہے۔ اس لئے وہ نے کہتی ہے کہ میرا آہ و نالہ کسی پر مخفی نہیں رہا، بھلے بُرے سب سے سابقہ رہا اور مجھ کو مصیبت زدہ بھی سمجھا اور اپنے اپنے گمان کے موافق میری ہمدردی بھی کی، مگر میرے درد کی حقیقت کہ طلب قرب الٰہی تھی کسی نے نہ سمجھی۔

سر من از نالۂ من دور نیست — لیک چشم و گوش را آں نور نیست

یعنی میری حقیقت تو آہ و نالہ ہی سے مفہوم ہو سکتی تھی، مگر چونکہ وہ امر ذوقی ہے جب تک کسی کو ذوق حاصل نہ ہو اُس کو نہیں سمجھ سکتا، محض حواس ظاہری یا عقل معاش اُس کے ادراک کے لئے کافی نہیں اور ان کو اس کے ادراک کی قابلیت نہیں، نور سے مراد یہی قابلیت ادراک ہے اور کل امور ذوقی کی یہی حالت ہے۔ بھوک کو وہی سمجھے جس کو بھوک لگی ہو، ورنہ تمام جہان کے برابر بھی عقل ہو تو کیا، اس کے ادراک سے قاصر ہے۔

(کلید مثنوی صفحہ مولانا حکیم الامت حضرت تھانوی رح)

اخلاق و خصوصیات مولانا شبلی مرحوم "سوانح مولانا رومؒ" میں لکھتے ہیں :-

" مولانا جب تک تصوف کے دائرہ میں نہیں آئے آپ کی زندگی عالمانہ جاہ وجلال کی ایک شان رکھتی تھی۔ اُن کی سواری جب نکلتی تھی تو علماء اور طلبہ بلکہ اُمراء کا ایک بڑا گروہ رکاب میں ہوتا تھا۔ سلاطین وامراء کے دربار سے بھی ان کو تعلق تھا، لیکن سلوک میں داخل ہونے کے ساتھ یہ حالات بدل گئے، درس وتدریس افتاء وافادہ کا سلسلہ اب بھی جاری تھا لیکن وہ پچھلی زندگی کی محض ایک یادگار تھی، ورنہ زیادہ تر محبت ومعرفت کے نشہ میں سرشار رہتے " (دعوت وعزیمت ص۳۵۷)

ریاضت و مجاہدہ ریاضت و مجاہدہ حد سے بڑھا ہوا تھا۔ سپہ سالار برسوں ساتھ رہے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے کبھی ان کو شب خوابی کے لباس میں نہیں دیکھا۔ بچھونا اور تکیہ بالکل نہیں ہوتا تھا۔ قصداً لیٹتے نہیں تھے، نیند غالب ہوتی تو بیٹھے بیٹھے سو جاتے۔

نماز کی کیفیت نماز کا وقت آتا تو فوراً قبلہ کی طرف مڑ جاتے اور چہرہ کا رنگ بدل جاتا۔ نماز میں نہایت استغراق ہوتا تھا۔ سپہ سالار کہتے ہیں کہ بارہا میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اول عشاء کے وقت سے نیت باندھی اور دو رکعتوں میں صبح ہوگئی۔ مولاناؒ نے ایک غزل میں اپنی نماز کی کیفیت بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

بخدا خبر ندارم چو نماز میگزارم ۔۔۔ کہ تمام شد رکوعے کہ امام شد فلانے

(ترجمہ: واللہ! مجھے خبر نہیں ہوتی کہ میں نماز کیسے ادا کرتا ہوں، کہ کب رکعت تمام ہوئی اور کس امام نے نماز پڑھائی؟ -)

ایک دفعہ جاڑوں کے دن تھے، مولانا نماز میں اِس قدر روئے کہ تمام چہرہ اور ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی، جاڑے کی شدت کی وجہ سے آنسو جم کر برف بن گئے، لیکن وہ اِسی طرح نماز میں مشغول رہے۔

زہد و قناعت مزاج میں انتہا درجہ کا زہد و قناعت تھی، تمام سلاطین وامراء نقدی اور ہر قسم کے تحائف بھیجتے تھے، لیکن مولانا اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے تھے، جو چیز آتی اسی طرح صلاح الدین زرکوب یا چلپی حسام الدین کے پاس بھجوا دیتے۔ کبھی کبھی ایسا اتفاق ہوتا کہ گھر میں نہایت تنگی ہوتی اور مولانا کے صاحبزادے سلطان ولد اصرار کرتے تو کچھ رکھ لیتے۔ جس دن گھر میں کھانے کا سامان کچھ نہ ہوتا تو بہت خوش ہوتے اور فرماتے کہ آج ہمارے گھر میں درویشی کی بو آتی ہے۔

ف: سبحان اللہ، کیا حال تھا جو ہم دُنیاداروں ہوسناکوں کو کہاں نصیب۔ اِسی کو کسی نے کہا ہے ؎

ہر حریصے نازیبائے ترکِ دنیا کے کند
شیر مردے باید و دریا دلے مردانہ

(ترجمہ: ہر حریص نازیبا دنیا کو کب ترک کر سکتا ہے، اس کے لئے شیر مرد اور دریا دل آدمی کی ضرورت ہے۔ (مرتب)

فیاضی و ایثار فیاضی و ایثار کا یہ حال تھا کہ کوئی سائل آتا تو عبا یا کُرتا جو بھی بدن پر ہوتا اُتار کر دے دیتے، اسی

لحاظ سے کرتا عبا کی طرح سامنے کھلا ہوتا تھا کہ اُتارنے میں زحمت نہ ہو۔

بے نفسی اور فنائیت

ایک دفعہ مریدوں کے ساتھ جا رہے تھے، راہ میں ایک تنگ گلی میں ایک کُتا اِس طرح سوربا تھا کہ راستہ رُک گیا تھا، مولانا وہیں رُک گئے اور دیر تک کھڑے رہے، اُدھر سے ایک شخص آرہا تھا اُس نے کتے کو ہٹا دیا، مولانا نہایت آزردہ ہوئے اور فرمایا کہ ناحق اُس کو تکلیف دی۔

ایک دفعہ دو شخص سرِ راہ لڑ رہے تھے، ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے تھے۔ اُن میں سے ایک نے کہا کہ او لعین! تو ایک کہے گا تو دس سُنے گا اتفاق سے مولانا کا اُدھر گزر ہوا، آپ نے اُس شخص سے فرمایا کہ بھائی جو کچھ کہنا ہو مجھ کو کہو، کہ تم مجھ کو اگر ہزار کہوگے تو ایک بھی نہ سنوگے، دونوں مولانا کے پاؤں پر گر پڑے اور آپس میں صلح کر لی۔

کسبِ حلال

معاش کا یہ طریقہ تھا کہ اوقاف کی مدسے پندرہ دینار ماہوار روزینہ مقرر تھا۔ چونکہ مولانا مفت خوری کو نہایت ناپسند کرتے تھے، اِس لئے اُس کے معاوضہ میں فتویٰ لکھا کرتے تھے۔ مریدوں کو تاکید تھی کہ اگر کوئی استفتاء لائے تو گو میں کسی حالت میں ہوں مجھے ضرور خبر کردو۔ تاکہ یہ آمدنی مجھ پر حلال ہو۔

مثنوی معنوی

مولانا کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُنھوں نے پُرجوش طبیعت پائی تھی، عشق اُن کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، ظاہری علم و عقیدت کے توغل نے اِس آگ کو دبا رکھا تھا، شمس تبریز کی آتشیں صحبت نے اُن کی فطرت کو چھیڑ دیا اور تربیت و ماحول نے اُس پر

جو پردے ڈال رکھے تھے وہ دفعتہً اُٹھ گئے اور وہ سراپا سوز و ساز بن گئے ؎

شعلہا آخر ز ہر مویم دمید ۔۔۔ از رگِ اندیشہ ام آتش چکید

(ترجمہ: ہمارے روئیں روئیں سے شعلے بھڑکنے لگے اور ہماری رگِ اندیشہ سے آگ نکلنے لگی۔)

اس ساز سے جو نغمے نکلے اُن کے مجموعہ کا نام مثنوی ہے۔ یہ انکے خیالات و حالات، واردات و تاثرات اور مشاہدات و تجربات کا آئینہ ہے۔ اسمیں صاحبِ کلام کا سوز و درد، جوش و مستی اور ایمان و یقین سے بھرا ہوا ہے اور یہی اُنکی عالمگیر مقبولیت اور بے نظیر تاثیر کی اصل وجہ ہے ع

ہے رگِ ساز میں رواں صاحبِ ساز کا لہو

دعوتِ عشق ساتویں صدی میں علم کلام اور عقلیت کی جو سرد ہوا عالمِ اسلام میں مشرق سے مغرب تک چلی تھی اُس سے دل کی انگیٹھیاں سرد ہو گئی تھیں، اگر کہیں عشق کی چنگاریاں تھیں تو راکھ کے نیچے دبی ہوئی تھیں۔ ورنہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک افسردہ دلی بلکہ مردہ دلی چھائی ہوئی تھی۔ اور کہنے والا دیر سے کہہ رہا تھا ؎

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے ۔۔۔ مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے

اس سرد اور خواب آور فضا میں مولانا نے عشق کی صدا بلند کی، اور اس زور سے بلند کی کہ ایک بار پھر سے عالمِ اسلام کے جسم میں بجلی سی کوند گئی۔ مولانا نے کھل کر عشق کی دعوت دی اور محبت کی کرامت اور عشق کی کرشمہ سازیاں بیان کیں ؎

از محبت تلخہا شیریں شود ۔۔۔ وز محبت مسہا زریں شود

(محبت کیوجہ سے تلخیاں شیریں ہوجاتی ہیں اور محبت کیوجہ سے تانبے سونا بن جاتے ہیں)

از محبت دُردہا صافی شود وازمحبت دَردہا شافی شود

(محبت سے تلچھٹیں صاف ہوجاتی ہیں اور محبت سے درد خود شفا بخش بن جاتے ہیں)

وز محبت سجن گلشن می شود بے محبت روضہ گلخن می شود

(محبت کی وجہ سے قید خانہ گلشن ہوجاتا ہے اور بغیر محبت کے گلستان بھی بھٹی بن جاتا ہے)

از محبت سنگ روغن می شود بے محبت موم آہن می شود

(محبت ہی کیوجہ سے پتھر پگھل کر روغن ہوجاتا ہے اور بغیر محبت کے موم بھی لوہا بن جاتا ہے)

از محبت سقم صحت می شود واز محبت قہر رحمت می شود

(محبت کیوجہ سے بیماری صحت ہوجاتی ہے اور محبت کیوجہ سے قہر و غضب رحمت بن جاتا ہے)

از محبت مردہ زندہ می شود واز محبت شاہ بندہ می شود

(محبت کی کارفرمائی سے مُردہ زندہ ہوجاتا ہے اور محبت کیوجہ سے بادشاہ مثل غلام ہوجاتا ہے)

وہ عشق کی طاقتور نعمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

جسم خاک از عشق بر افلاک شد کوہ در رقص آمد و چالاک شد

(عشق کیوجہ سے خاکی جسم آسمان پر پہنچ گیا، پہاڑ رقص میں آیا اور چالاک ہوگیا)

عشق جانِ طور آمد عاشقا طور مست و خرّ موسیٰ صَعِقا

(اے عاشق! عشق جانِ طور ہے، طور مست ہوگیا اور موسیٰ بیہوش ہوکر گر پڑے)

(تاریخ دعوت و عزیمت صفحہ ۳۶۹)

اس فقر جسور اور عشق غیور کا جب وہ تذکرہ کرنے لگتے ہیں تو اُن پر جوش و سرمستی کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے اور وہ بیخود ہو کر کہنے لگتے ہیں ؎

ملکِ دنیا تن پرستاں را حلال ما غلامِ ملکِ عشقِ بے زوال

(دنیا کا ملک تن پرستوں کیلئے حلال ہے اور ہم تو عشق کے لازوال ملک کے غلام ہیں)

وہ کہتے ہیں کہ عشق ہی وہ بیماری ہے جس سے بیمار کبھی شفا نہیں چاہتا، بلکہ اُسمیں اضافہ اور ترقی ہی کی دعا کرتا ہے ؎

جملہ رنجوراں شفا جویند وایں　　رنج افزوں جوید ودرد وحنیں

(امراض جسمانی کے سبھی بیمار اپنی بیماریوں سے شفا چاہتے ہیں مگر عاشق اپنے اس درد ورنج میں زیادتی کا طالب ہوتا ہے۔)

خوب تر زیں سم ندیدم شربتے　　زیں مرض خوش تر نباشد صحتے

(میں نے اس زہر سے زیادہ شیریں کوئی شربت نہ پایا اور اس بیماری سے اچھی کوئی صحت نہیں)

مولانا عشق کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ محبوب بننا تو ہر ایک کے بس میں نہیں، لیکن عاشق بننا ممکن ہے۔ اگر اللہ نے تم کو محبوب نہیں بنایا ہے تو تم عاشق بن کر زندگی کا لطف حاصل کرو ؎

تو کہ یوسف نیستی یعقوب باش　　ہمچو او باگریہ وآشوب باش

(جب تم یوسف نہیں ہو تو یعقوب ہی بنجاؤ، اُنکی طرح گریہ ودکھ درد کے ساتھ رہو)

ف: اس شعر میں آفت رسیدہ اشخاص کو ہدایت ہے کہ جس حال میں اللہ تعالیٰ رکھے اُس پر راضی رہتے ہوئے اس کے تقاضہ کے مطابق اپنا حال رکھنا چاہیے جیسا کہ سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے حزن وغم کے وقت اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ میں شکایت کی: "اِنَّمَا اَشْکُوْ بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ" اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر طائف میں اذیتوں کے وقت اللہ تعالیٰ سے اس طرح شکایت فرمائی: "اَللّٰھُمَّ اَشْکُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّةَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ"۔ (مرتب)

تو کہ شیریں نیستی فرہاد باش — چوں نئی لیلیٰ تو مجنوں گرد فاش

(جب تم شیریں نہیں ہو، فرہاد بن کر رہو، اور جب تم لیلیٰ نہیں ہو تو پھر کھل کر مجنوں کی شان اپنے اندر پیدا کرو۔)

برسوں کا مریض جب عشق کے ہاتھوں اپنے روحانی امراض کہنہ سے نجات پاتا ہے تو سرور بے خودی کے عالم میں پکار اٹھتا ہے ؎

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما — اے طبیب جملہ علتہائے ما

(خوش رہ اے عشق جو ہمارا بہترین سودا ہے اور جو ہماری تمام بیماریوں کا طبیب ہے)

اے دوائے نخوت و ناموس ما — اے تو افلاطون و جالینوس ما

(اے عشق جو ہماری نخوت و ناموس کی دوا ہے اور اے عشق جو ہمارے لئے افلاطون و جالینوس ہے)

عشق ایک شعلہ ہے جو خس و خاشاک کو جلا کر خاک کر دیتا ہے اور محبوب کے سوا کسی کا روادار نہیں، وہ بڑا موحد، بڑا غیور ہے ؎

عشق آں شعلہ ست کو چوں بر فروخت — ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

(عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ بھڑکتا ہے تو ماسوائے معشوق کے سب کو جلا ڈالتا ہے) (تاریخ دعوت و عزیمت ۱-۳۲۰)

دعوتِ عمل

مولانا کا تصوف اور انکی تلقین تعطل، بے عملی اور رہبانیت کی مبلغ نہیں، وہ عمل، جدوجہد، کسب اور اجتماعی زندگی کے داعی اور مبلغ ہیں۔ رہبانیت اور ترک دنیا کو اسلام کی روح کے منافی اور تعلیمات نبوت کا مخالف سمجھتے ہیں۔ انکے نزدیک اگر اجتماعی زندگی مطلوب نہ ہوتی تو جمعہ و جماعت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید کیوں ہوتی۔ فرماتے ہیں ؎

مرغ گفتش خواجہ در خلوت مایست — دین احمد را ترہب نیک نیست

مرغ نے اُس (صیاد) سے کہا کہ اے خواجہ! خلوت میں قیام نہ کرو۔ دینِ احمدی میں (بلا ضرورت) رہبانیت اچھی نہیں۔

از ترہب نہی فرمود آں رسول ۔۔۔ بدعتے چوں در گرفتی اے فضول

(از ترہب الخ) رہبانیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اے فضول (بیکار آدمی!) ایک بدعت تو نے کیوں اختیار کی۔

جمعہ شرط است و جماعت در نماز ۔۔۔ امر معروف و ز منکر احتراز

تم نے صحرا میں تنہا نشینی کیوں اختیار کی جبکہ اسکی شریعت میں جمعہ فرض ہے اور نماز میں جماعت (بھی سنت مؤکدہ ہے اور) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (بھی ضروری ہے) اور تنہائی میں یہ کام ناممکن ہے۔

درمیانِ امتِ مرحوم باش ۔۔۔ سنتِ احمد مہل محکوم باش

(درمیان الخ) لہٰذا تم کو لازم ہے کہ بستی میں آ کر) امتِ مرحومہ کے درمیان رہو (اور) سنتِ احمدی کو مت چھوڑو (بلکہ شریعت کے) محکوم ہو کر رہو۔

کبر و عجب کی مذمت مولانا روم فرماتے ہیں ؎

او چو بیند خلق را سرمست خویش ۔۔۔ در تکبر می رود از دست خویش

(وہ (سالک) جب ہر طرف سے مخلوق کو اپنا دیوانہ و مست دیکھتا ہے تو تکبر میں مبتلا ہو کر اپنے ہاتھ سے بھی نکل جاتا ہے، یعنی خود اپنے قابو میں نہیں پاتا اور کبر و غرور میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جاتا ہے۔)

ف: یقیناً مولانا رومؒ کا یہ شعر عین حقیقت ہے۔ اس لئے کہ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ ہر آدمی اپنی کوتاہیوں و کمزوریوں کو بخوبی جانتا ہے، مگر اس کے باوجود جب لوگ اُسکی مدح و تعریف کرنے لگتے ہیں تو اُسکی طرف اس کی نظر ایسی

جمتی ہے کہ اپنی بدیہی کمزوریاں اسکی نظروں سے اوجھل ہوجاتی ہیں اور اپنے متعلق وہ یہ گمان کرلیتا ہے کہ یہ لوگ جن خوبیوں پر ہماری تعریف کر رہے ہیں وہ سب ہمارے اندر موجود ہیں۔ بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے، کہ بہت سے لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ لوگ ہمارے اُن کاموں کی بھی تعریف کریں جن کو ہم کرتے بھی نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا:

وَيُحِبُّونَ أَن يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا   اور بن کئے پر اپنی تعریف چاہتے ہیں۔

اور اسی خود فریبی وکبر نفسی کے حال میں آدمی پوری زندگی گزار دیتا ہے، اور اپنے حالِ زار پر ذرا غور نہیں کرتا اور سوچ سمجھ کر اپنے اخلاق کی اصلاح اور اپنے نفس کو نہیں سنوارتا۔ پس خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اسکی وجہ سے اللہ تعالےٰ سے ایسے لوگ دور ہی ہوتے جاتے ہیں اور اس شعر کے مصداق ہوجاتے ہیں ؎

زاں نمی پرد بسوئے ذوالجلال   کو گمانے می برد خود را کمال

(وہ اللہ کی طرف اس لئے نہیں ترقی کر رہا ہے کہ اپنے متعلق کمال کا گمان کرتا ہے)

ظاہر ہے کہ جب آدمی کا یہ حال ہوگا تو پھر اللہ کا قرب وقبول کیسے نصیب ہوگا۔ اس لئے کہ اس ذات پاک کی درگاہ میں عجز ونیاز کی قدر ہے نہ کہ خود بینی اور خود ستائی کی ؎

بدرگاہِ لطف و بزرگیش بر   بزرگاں نہادہ بزرگی ز سر

(ترجمہ: حق تعالےٰ کے لطف وعظمت کے دربار میں بڑے بڑے لوگ اپنی بزرگی کا خیال نکال دیتے ہیں)   حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

سخن ماند از عاقلاں یادگار   ز سعدی ہمیں یک سخن یاد دار

گنہ گار اندیشہ ناک از خدائے   بہ از پارسائے عبادت نمائے

(یعنی دستور ہے کہ عاقلوں کی باتیں یاد رکھی جاتی ہیں، لہٰذا تم بھی سعدی کی یہی ایک بات یاد رکھو اللہ کا خوف رکھنے والا گنہگار اُس پارسا سے بہتر ہے جو اپنی عبادت کی نمائش کرتا ہو۔)

اسی لئے مولانا روم رح بطور نصیحت یوں ارشاد فرماتے ہیں ؎

ہر کہ نقص خویش را دید و شناخت　　سوئے استکمالِ خود دواسپہ تاخت

(یعنی جس نے اپنے نقص اور کمی کو دیکھا پہچانا، وہ اپنی تکمیل کی طرف تیزی سے دوڑا)

اس قسم کے مضامین ہمارے اکابر نے بکثرت بیان فرمائے ہیں جو کتابوں میں لکھے بھی ہیں۔ مگر اے کاش کہ ہم ان کو پڑھتے تو طریق واضح ہو جاتا اور ہم راہ یاب ہو جاتے اور منزلِ مقصود تک پہنچ جاتے۔ وباللہ التوفیق۔ (مرتب)

مثنوی کا اثر

مثنوی نے عالم اسلام کے افکار و ادبیات پر بڑا گہرا اور دیرپا اثر ڈالا۔ اسلامی ادب میں ایسی کتابیں شاذ و نادر ملیں گی جنھوں نے عالمِ اسلام کے اتنے وسیع حلقہ کو اتنی طویل مدت تک متأثر رکھا ہے۔ چھ صدیوں سے مسلسل دنیائے اسلام کے عقلی، علمی، ادبی حلقے اِس کے نغموں سے گونج رہے ہیں، اور دماغ کو نئی روشنی اور نئی حرارت بخش رہی ہے۔

اِس سے ہر دور میں شاعروں کو نئے مضامین، نئی زبان، نیا اسلوب ملتا رہا، اور وہ ان کے قوائے فکر اور ادبی صلاحیتوں کو اُبھارتی رہی معلمین و متکلمین کو اپنے زمانہ کے سوالات و شبہات کو حل کرنے کے لئے اس سے نئے نئے دلائل، دلنشیں مثالیں، دلآویز حکایتیں اور جواب کی نئی نئی راہیں ملتی رہیں اور وہ اِس کے سہارے اپنے زمانہ کی بے چین طبیعتوں اور ذہین نوجوانوں کو

مطمئن کرتے رہے۔ اہلِ سلوک و معرفت کو اس سے عارفانہ مضامین، دقیق و عمیق علوم اور سب سے بڑھ کر محبت کا پیغام اور سوز و گداز اور جذب و مستی کا سامان ملتا رہا، اور وہ ان کی خلوتوں اور انجمنوں کو صدیوں تڑپاتی اور گرماتی رہی، اس لئے ہر دور کے اہلِ محبت اور اہلِ معرفت نے اس کو شمعِ محفل اور ترجمانِ دل بنا کر رکھا

انصاف کی بات اس کے مضامین یکسر تنقید سے بالاتر اور ہر قسم کی لغزش اور خطا سے مبرا نہیں، بہت سے فاسد العقیدہ صوفیوں اور اہلِ ہویٰ نے اس سے کبھی کبھی غلط فائدہ بھی اُٹھایا ہے، وحدت وجود کے قائلین کو اب بھی اس سے اپنے مسلک کے لئے دلائل و شواہد مل جاتے ہیں، وہ بہرحال ایک انسان کا کلام ہے، جو معصوم نہ تھا، اور جس کے مضامین میں اُس کے قلبی واردات اور خارجی تأثرات کو بھی دخل ہے۔ اس کے باوجود اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے وقت کا ایک بڑا علمی کارنامہ اور اسلام کی عقلی برتری اور اسکی غیر فانی زندگی کا ثبوت ہے۔ اس نے عالمِ اسلام کے فکری تعطل، علمی و ادبی جمود اور تقلیدی ادب و علم کلام پر کاری ضرب لگائی۔ اور اسلام کے کاروانِ فکر کو جو ساتویں صدی میں آمادہ قیام اور مائل بہ آرام تھا دوبارہ متحرک و سرگرم سفر کر دیا۔

ف : ماشاء اللہ مفکر عصر حضرت مولانا ندوی رحؒ نے کیا خوب فیصلہ فرمایا جو صرف مولانا ہی کا حق تھا۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ (مرتب)

دورِ انقلاب میں مثنوی کا اثر مثنوی اس دورِ انقلاب میں بھی رفیقِ راہ بن سکتی ہے۔ اس مادہ پرست دور کی

سب سے زیادہ نایاب جنس سوز و گداز اور محبت پاکباز ہے، جیسا کہ بیسویں صدی کے مفکر ڈاکٹر محمد اقبال فرماتے ہیں ؎

دل سوز سے خالی ہے نگہ پاک نہیں ہے　　پھر اس میں عجب کیا کہ تو بیباک نہیں ہے
وہ آنکھ کہ ہے سرمۂ افرنگ سے روشن　　پُرکار و سخن ساز ہے نمناک نہیں ہے

یہ دولتِ بیدار مثنوی سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ عصر حاضر کے نوجوانوں کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

پیر رومی را رفیقِ راہ ساز　　تا خدا بخشد ترا سوز و گداز
زانکہ رومی مغز را داند ز پوست　　پائے او محکم فتد در کوئے دوست

(ترجمہ: پیر رومی کو اپنی راہ کا رفیق بنالو، تاکہ اللہ تعالیٰ تم کو سوز و گداز سے مشرف فرمائے۔ کیونکہ مولانا رومی مغز و پوست میں فرق کو خوب سمجھتے ہیں اور ان کا قدم کوئے دوست میں مضبوطی سے پڑتا ہے۔) (دعوت و عزیمت ص ۴۰۱)

ارشادات

ہندوستان کے شہرۂ آفاق مصنف و مؤرخ نواب صدیق حسن خاں والیٔ بھوپال (۱۳۰۷ھ) اپنی تصنیف "تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار" میں لکھتے ہیں:-

مولوی معنوی جلال الدین بلخی رومیؒ حضرت شمس تبریزیؒ کے مرید تھے ان کا ارشاد ہے کہ "جو مرغ زمین سے آسمان کی طرف اڑتا ہے، وہ اگر آسمان تک نہ بھی پہنچے مگر قفس سے تو چھٹکارا پا ہی جاتا ہے۔ اسی طرح جو شخص درویشی اختیار کرتا ہے تو وہ اگر درویشی کے کمال تک نہ بھی پہنچے

توکم ازکم عوام اور بازاری لوگوں سے تو ضرور ہی ممتاز ہو جاتا ہے اور دنیا کی زحمتوں سے نجات پا جاتا ہے۔ اس لئے کہ "نجح المخففون وھلك المثقلون" (ہلکے پھلکے لوگ نجات پا جاتے ہیں اور گراں بار لوگ ہلاکت کے شکار ہو جاتے ہیں۔)

ایک دنیا دار نے آپ کی خدمت میں کم آنے کا عذر کیا، تو ارشاد فرمایا کہ اس کی ضرورت نہیں، اِس لئے کہ تمھارے آنے سے دوسرے لوگوں کو جتنی مسرت ہوتی ہے اُسی قدر میں تمھارے نہ آنے سے خوش اور ممنون ہوتا ہوں۔

منت از نا مدن از آمدن فزوں بود

(یعنی تمھارا نہ آنا بہ نسبت آنے کے زیادہ موجب احسان ہے)

ایک شخص نے کہا کہ فلاں آدمی کہہ رہا تھا کہ میرا دل تو بس مولوی (روم) کی خدمت میں رہتا ہے۔ تو فرمایا کہ چپ رہو، اِس زمانہ میں اِس قسم کا جھوٹ رائج ہو گیا ہے۔ ارے اُس نے کب ایسا دل پایا ہے جو مردانِ خدا کی خدمت میں حاضر باش رہے۔ **ف:** سبحان اللہ، کیا ہی خوب معرفت و بصیرت کی بات فرمائی۔ (مرتب)

آپ اپنے خادم سے دریافت فرماتے کہ گھر میں کچھ مال و متاع ہے؟ تو اگر وہ جواب دیتا کہ نہیں! تو فرماتے، آج میرا گھر پیغمبر کے گھر کے مشابہ ہے۔ اور اگر وہ کہتا کہ، ہاں کچھ ہے! تو غمگین ہوتے، اور فرماتے کہ میرے گھر سے فارونی بو آ رہی ہے۔

انھوں نے ارشاد فرمایا کہ: شریف آدمی وہ ہے کہ اگر کوئی اسے تکلیف پہنچائے تو رنجیدہ نہ ہو، اور جواں مرد وہ ہے جو ایسے شخص کو رنجیدہ کرنے سے احتراز کرے جو اس کا مستحق ہے۔

ایک شخص ایک درویش کی خلوت میں چلا گیا اور کہا کہ کیوں تنہا بیٹھے ہو؟ تو جواب دیا کہ اب میں تنہا ہو گیا جب کہ تم یہاں آگئے، اور حق تعالیٰ سے مانع ہو گئے (یعنی اب تک میرے جلیس و ہمنشیں حق تعالیٰ تھے، تمہارے آنے سے میری یہ دولت چھن گئی اور انکی معیت سے محرومی ہو گئی۔ **ف:** حدیث پاک ہے "أَنَا جَلِيسُ مَنْ ذَكَرَنِي" (یعنی میں اُس کا جلیس ہوتا ہوں جو مجھے یاد کرتا ہے) تو ظاہر ہے کہ ناجنس کی آمد سے ذکر کا انقطاع ہو گا جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی معیت سے یقیناً محرومی ہو گی۔ اعاذنا اللہ منہ ۔ (مرتب)

نیز ارشاد فرمایا کہ حضرت شمس تبریزی رحؒ نے فرمایا کہ: مرید مقبول کی علامت یہ ہے کہ وہ ناجنسوں کی مصاحبت پر ذرا قادر نہ ہو، اگر اس کا کبھی اتفاق ہو جائے تو اُن کے ساتھ اس طرح بیٹھے جیسا کہ منافق مسجد میں، بچہ مکتب میں اور قیدی جیل خانہ میں۔

حضرت رومی نے اپنے احباب کو وصیت کے سلسلہ میں یوں ارشاد فرمایا ہے:۔

اوصیکم بتقوی اللہ فی السر	میں تم سب کو پوشیدہ اور علانیہ
والعلانیۃ وبقلۃ الطعام	ہر حال میں تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں نیز
وقلۃ المنام وقلۃ الکلام	کم کھانے، کم سونے اور کم بولنے کی تاکید
وھجران المعاصی والآثام	کرتا ہوں، نیز معاصی اور گناہوں سے
ومواظبۃ الصیام ودوام القیام	اجتناب اور روزے پر مواظبت اور قیام شب
وترک الشھوات علی الدوام	پر مداومت اور ہمیشہ شہوات کے ترک

واحتمال الجفاء من جميع الانام وترك مجالسة السفهاء والعوام ومصاحبة الصالحين والكرام وان خير الناس من ينفع الناس وخير الكلام ما قل ودل الحمد للہ وحدہ۔	اور ہر شخص کی جفا و زیادتی کے تحمل کی نصیحت کرتا ہوں۔ نیز عوام اور نادانوں کی مجالست سے اجتناب اور صالحین اور شریفوں کی مصاحبت کی وصیت کرتا ہوں۔ یقیناً بہترین آدمی وہ ہے جو لوگوں کے لئے نفع بخش ہو اور عمدہ ترین کلام وہ ہے جو الفاظ کے اعتبار سے کم اور معنی کے اعتبار سے زیادہ ہو۔ حمد کا مستحق تو بس اللہ ہی ہے۔

(تقصار جیود الاحرار صـ۶۲)

ف: سبحان اللہ! کیسی عمدہ نصائح ہیں جو ہر مسلمان کیلئے کارگر و مفید ہیں، خصوصاً مولانا روم کے ماننے والوں اور مثنوی شریف سے شغف رکھنے والوں کے لئے تو حرز جان بنانے کے لائق ہیں۔

وباللہ التوفیق۔ (مرتب)

وفات سپہ سالار کا قول ہے کہ مولانا کے انتقال سے قبل قونیہ میں چالیس روز زلزلہ آتا رہا۔ افلاکی کا بیان ہے کہ مولانا ہنوز صاحب فراش تھے کہ سات روز برابر زلزلہ رہا، تمام لوگ عاجز آ گئے، مولانا سے طلب امداد کی، فرمایا زمین بھوکی ہو گئی ہے لقمۂ چرب چاہتی ہے، جلد کامیاب ہو جائیگی، اور یہ زحمت تم لوگوں سے دفع ہو جائے گی۔

۵ جمادی الاخری ۶۷۲ھ کو بوقت غروب آفتاب حقائق و معارف بیان فرماتے ہوئے انتقال فرمایا۔ اسوقت آپکی عمر ۶۸ برس ۳ ماہ تھی۔ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ

(دعوت و عزیمت صـ۳۵۵ ج۱)

حضرت شیخ حمید الدین صوفی قدس سرہ المتوفی ۶۷۳ھ

نام ونسب نام محمد، کنیت ابواحمد، لقب سلطان التارکین. والد کا نام احمد بن محمد ہے۔

ولادت آپ کی ولادت ۵۷۰ھ میں ہوئی۔

تعارف آپ کو سعید ناگوری سوالی بھی کہتے ہیں۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے بڑے نامور خلفاء میں سے تھے۔ ترک دنیا اور خلوت نشینی میں اونچا مقام تھا۔ آپ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے ملفوظات آپ کی تصانیف سے منتخب کر کے اپنے دستِ مبارک سے لکھے تھے۔ آپ کی تصانیف میں مکتوبات اور اشعار بکثرت موجود ہیں۔

تصنیف لطیف آپ کی سب سے مشہور تصنیف "اصول الطریقت" ہے۔ اسی میں ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

راہ سلوک کے جوانمردوں کا مقصود بارگاہِ رب العزت ہے۔ وہ تین قسم کے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:۔

اَلَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرَاتِ	وہ لوگ جنھیں ہم نے اپنے بندوں میں چن لیا ہے، اُن میں بعض تو اپنے اوپر (گناہ کر کے) ظلم کرنے والے ہیں، اور بعض درمیانہ ہیں، اور بعض وہ ہیں جو نیکیوں

بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ میں اللہ کے حکم سے سبقت لے جانے والے ہیں۔

یعنی ظالم کو معذور، مقتصد کو مشکور اور سابق کو فانی کا لقب دیا جاتا ہے اسکی تفصیل یہ ہے کہ:۔

معذور وہ ہیں جو کہ ذات باری تعالےٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے ہیں مگر حق تعالےٰ کی وحدت و توحید کا اقرار و اعتراف کرنے کے بعد آپ کے دربار میں بارادۂ عبادت حاضری نہیں دیتے۔ اور اگر کبھی آتے بھی ہیں تو اُن کے آنے کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ انکے آنے میں کاہلی اور دیر کو بہت بڑا دخل ہوتاہے اور اللہ کے فرمان "سَارِعُوْا" (جلدی آؤ) سے یکسر غافل رہتے ہیں۔

مشکور وہ ہیں، جو ایمان کی قید میں مقید اور اپنے قول و اقرار پر لیل و نہار عامل ہیں (یعنی خداوند کریم کے تمام احکام بدل و جان تسلیم کرتے اور اُن پر عمل کرتے ہیں۔)

فانی وہ ہیں جو خطاب "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" کو ہمیشہ یاد رکھتے ہیں اور کسی وقت بھی اس کو اپنے دلوں سے زائل نہیں کرتے، اور پھر اس کے جواب میں "قَالُوْا بَلٰی" پر عمل پیرا رہتے ہیں۔

ارشادات

طلب کے معنی: ایک جگہ فرماتے ہیں: جو شخص آئینہ میں اپنی شکل وصورت کو دیکھنا چاہتا ہے وہ اولاً آئینہ کو (گرد و غبار سے) صاف کرتا ہے۔ اگر اسے صاف نہیں کرتا تو اسے اپنی صورت کو دیکھنا محال و ناممکن ہوتا ہے۔ اسی طرح طلب حق کے سلسلہ میں جو شخص اپنے قلب کے چہرے کو بشری اوصاف سے صاف

نہیں کرتا وہ ایک محال و مشکل امر کو تلاش کرتا ہے۔ اور جو شخص اپنے دل کی تختی کو نقوش بشریہ سے پاک وصاف نہیں کرتا (اور کہتا ہے کہ میں وصل کا طلبگار ہوں) تو وہ بکواس کرتا ہے۔ طلب کے معنی یہ نہیں کہ اس ذات کا اثبات کیا جائے، بلکہ طلب کے معنی یہ ہیں کہ خود کو فنا اور محو کردو۔ طلب اسے نہیں کہتے کہ اس کے لئے دوڑتے چلے جاؤ، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنی ہستی اور ذات سے ہاتھ دھولو۔ (پھر کہتا ہوں) کہ طلب یہ نہیں ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کو ڈھونڈھ لو، بلکہ طلب تو یہ ہے کہ اپنی ذات سے انانیت اور خودی کو ختم کردو۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ آپ اپنے آئینہ کو صاف کرلیں گے تو اُس میں لازماً محبوب حقیقی کا عکس نظر آئے گا۔

ف: سبحان اللہ، طلب کی کیسی کچھ وضاحت فرمائی جو سمجھنے سمجھانے بلکہ اپنے اندر پیدا کرنے کے لائق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ایسی ہی طلبِ صادق سے نوازے۔ آمین! (مرتب)

طریق سلوک کے درجات

ایک جگہ شیخ فرماتے ہیں کہ طریقِ سلوک کے منجملہ مدارج و درجات کے یہ ہیں:۔

پہلا درجہ: علم ہے۔ کیونکہ علم کے بغیر عمل کے مقررہ طریقوں سے بھٹک جانے کا شدید خطرہ ہے۔ دوسرا درجہ سلوک کا عمل کرنا اور اس کو لازم پکڑنا ہے کیونکہ عمل کے بغیر نیت کا وجود بیکار اور کالعدم ہے۔

تیسرا درجہ اللہ تعالیٰ کے دربار تک بذریعۂ عمل رسائی حاصل کرنے کیلئے نیت شرط ہے۔ پھر محض نیت سے یہ کام نہیں چلے گا، بلکہ اس کے لئے نیت صحیح ہونی چاہیئے۔ کیونکہ بلا درستگی نیت کے اعمال صالحہ کے بجائے

اعمال باطلہ صادر ہوتے ہیں۔

چوتھا مرتبہ و درجہ صدق و سچائی ہے۔ کیونکہ صدق کے بغیر عشق تک رسائی امر محال ہے۔ پانچواں مرتبہ عشق ہے۔ اس راستہ پر چلنے والے کو عاشق ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ عشق کے بغیر سالک اللہ تعالےٰ کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا۔ چھٹا مرتبہ توجہ ہے۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر طریق سلوک ملتا ہی نہیں۔ ساتواں مرتبہ سلوک ہے۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر اللہ کی حضوری کا دروازہ نہیں کھلتا۔

آٹھواں مرتبہ حضوری ہے۔ اس لئے کہ حضوری کے بغیر انسان مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور سلوک کا اول مرتبہ یہ ہے کہ دوعالم سے بے خبر ہوکر اللہ تعالےٰ سے لو لگائی جائے۔ اس لئے کہ ارشاد باری تعالےٰ ہے:۔

کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (یعنی تمام چیزیں بجز اللہ کی ذات کے ہلاک ہونے والی ہیں) جب تمام چیزیں ہلاک ہونے والی ہیں تو پھر کیوں نہ اس سے صرفِ نظر کرکے قائم و دائم سے جمیع تعلقات کو وابستہ کرلیا جائے!

ف : سلوک کے اِن مدارج کا کیسے کوئی انکار کرسکتا ہے؟ جبکہ یہ سب کتاب و سنت سے ثابت ہیں۔ واللہُ الموفق وھُوَ یھدِی اِلیٰ سَوَاءِ السَّبِیلِ۔ (مرتب)

وفات

آپ کی وفات ۲۹ ربیع الاول ۶۷۳ھ میں ہوئی۔ شہر ناگور میں آپ کی مزار ہے۔ (اخبار الاخیار ص ۶۷ ج ۱) نَوَّرَ اللہُ مَرْقَدَہٗ۔

ف : یہ حقیر آپ کے مزار پر حاضر ہوا ہے۔ (مرتب)

حضرت ابو العباس سیدی احمد البدوی الشریف المتوفی ۶۷۵ھ

نام، نسب، تعارف نام احمد، کنیت ابو العباس، البدوی لقب ہے۔ آپ کا مولد شہر فاس ہے، جو ملک مغرب کا مشہور شہر ہے۔ چونکہ آپ کے اجداد حجاج کے زمانہ میں جب اُس نے بہت سے سیّدوں کو قتل کر دیا تھا وہاں سے ہجرت کر کے فاس چلے آئے تھے۔ اور جب آپ کی عمر سات سال ہوئی تو آپ کے والد ماجد نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ اے علی! اِس ملک سے مکہ مشرفہ کی طرف ہجرت کرو، اِس وجہ سے کہ اس میں ہمارا ایک بڑا مقصد ہے۔ اور یہ واقعہ ۶۰۳ھ کا ہے۔

آپ کے بھائی سید حسن کہتے ہیں کہ ہم لوگ مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے اور اثنائے سفر ہم لوگوں کا گزر قبائل عرب پر سے ہی ہوا، تو تمام قبائل نے ہم لوگوں کا کھلے دل سے استقبال کیا اور ہم لوگوں کی تعظیم و تکریم کی اور ۶۲۷ھ میں ہمارے والد نے اِس دارِ فانی سے دار بقار کی طرف سفر کیا اور باب المعلاۃ میں آپ کی تدفین ہوئی۔

ایک خاص وصف آپ ہر وقت سر پر رومال باندھے رہتے تھے، اِس وجہ سے آپ کو بدوی کا لقب دیا گیا۔ آپ بہت زیادہ جری اور دلیر تھے، بلکہ مکہ معظمہ میں آپ سے بڑھ کر کوئی دلیر نہ تھا۔ اسی وجہ سے مکہ والوں نے آپ کا نام عطّاب رکھ دیا تھا۔ (طبقات ص۱۸۳)

ف: سبحان اللہ، قوت قلبی و باطنی کے ساتھ قوت جسمانی و ظاہری بھی

رکھتے تھے جو محمود ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف ترغیب دی ہے۔ (مرتب)

ارشادات

آپ نے عراق کا سفر کیا تو وہاں کے شیوخ سیدنا عبدالقادر جیلانی رحؒ اور سیدنا احمد رفاعی سے ملاقات کی۔ تو ان لوگوں نے کہا کہ اے احمد! عراق، ہند، یمن، روم، مشرق اور مغرب کی مفاتیح (کنجیاں) ہمارے ہاتھوں میں ہیں، لہٰذا جہاں کی بھی مفتاح آپ پسند کریں قبول فرمالیں۔ تو انھوں نے ارشاد فرمایا کہ "لاحاجة لی بمفاتیحکما ما اٰخُذُ المِفتاحَ الّا من الفتّاح" یعنی آپ حضرات کی مفتاح کی مجھے حاجت نہیں، میں تو وہی مفتاح لوں گا جو فتّاح یعنی اللہ تعالےٰ عطا فرمائیں گے۔ (طبقات ج۱ ص۱۸۳)

ف: سبحان اللہ! کس قدر استغنار عن الخلق اور توحید للہ اور توکل علی اللہ کا جواب ہے۔ اللہ تعالےٰ اس دولت سے ہم کو بھی نوازے۔ آمین (مرتب)

وفات

آپ کی وفات ۶۷۵ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالےٰ رحمۃً واسعۃ

(طبقات ص۱۸۳ ج۱)

حضرت شیخ الاسلام محی الدین امام نوویؒ المتوفی ۶۷۶ھ

نام و نسب یحییٰ نام، ابوزکریا کنیت، اور لقب محی الدین تھا۔ والد کا نام یحییٰ ہے۔

ولادت و وطن محرم ۶۳۱ھ میں نوا میں پیدا ہوئے، یہ ملک شام میں حوران کا ایک گاؤں تھا۔ اسی کی نسبت سے وہ نواوی اور نووی مشہور ہیں، اور حوران کے تعلق سے حورانی کہلاتے ہیں۔ اور نسبت حزامی، ان کے جد اعلیٰ حزام کی جانب نسبت ہے۔

سیر و سیاحت امام نوویؒ پہلے ۶۴۹ھ میں دمشق تشریف لے گئے اور رواحیہ میں قیام کر کے باقاعدہ علم و فن کی تحصیل شروع کی۔ دو سال کے بعد وہ اپنے والد کے ہمراہ حج بیت اللہ کیلئے روانہ ہوئے اور ڈیڑھ ماہ تک مدینہ کے فضلاء سے استفادہ کرتے رہے۔ اور پھر وہاں سے واپسی کے بعد اپنے وطن میں پورے انہماک کے ساتھ تعلیم میں مشغول ہوگئے آخر میں بیت المقدس کی زیارت کی۔ (تذکرۃ المحدثین ص ۳۸۹ ج ۲)

حفظ و ضبط ائمہ فن اور تذکرہ نگاروں نے ان کے حفظ و ضبط اور عدالت اور ثقاہت کا اعتراف کیا ہے اور ان کو متقن، حجت اور ثقہ و ثابت لکھا ہے۔

حدیث میں بلند پائگی امام نوویؒ کو علم حدیث اور اس کے متعلقات سے غیر معمولی شغف تھا،

اور وہ اکابر محدثین اور ممتاز شراح حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں۔ علمائے طبقات و تراجم نے ان کو حدیث میں ماہر فن اور امام وغیرہ بتایا ہے۔

حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ "وہ حدیث، فنونِ حدیث کے حافظ و متبحر عالم رجال و اسناد اور تصحیح و تسقیم حدیثوں کی پرکھ کے ماہر تھے۔ یافعیؒ نے انھیں حدیث میں وسیع النظر اور کثیر المعرفت لکھا ہے۔ حدیث میں انکی بلند پائگی اور عظمت کی بناء پر ان کو حافظ ابو شامہ جیسے جلیل القدر محدث کا جانشین مقرر کیا گیا اور ان کی وفات کے بعد دار الحدیث دمشق کی تولیت وصدارت کے منصب پر فائز کیا گیا،

جامعیت اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جامع کمالات اور متعدد علوم پر دسترس رکھتے تھے۔ فخر حنبلی کا بیان ہے کہ وہ تمام علوم میں پختہ تھے۔ یافعی کا بیان ہے کہ فقہ و حدیث کے علاوہ دیگر فنون کے بھی وہ ماہر و واقف تھے۔

انہماک فی العلم وہ شب و روز علم کی تحصیل، درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور اشاعتِ علم وفن میں مشغول رہتے، ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرتے، راستہ چلتے وقت بھی پڑھنے کا سلسلہ موقوف نہ کرتے مدتوں اِس حال میں گزارا کہ پہلو زمین پر رکھ کر اطمینان اور چین سے سونا نصیب نہ ہوا۔ بچپن میں بھی ان کو لکھنے پڑھنے کی دُھن کے سوا اور کسی چیز سے کوئی رغبت نہ تھی، ان کے ہمعمر لڑکے ان کو کھیلنے کے لئے مجبور کرتے تو وہ بھاگنے کی کوشش کرتے، اور اگر مجبوراً ان کے ساتھ رہنا پڑتا تو قرآن مجید زبانی پڑھا کرتے۔ ایک دفعہ ان کے والد نے انھیں ایک دوکان

پر کر دیا، مگر بیع و شرار کی مشغولیت کے باوجود ان کے علمی ذوق و شوق میں کمی نہ آئی، ان کے اسی شوق اور دلچسپی کی وجہ سے یٰسین بن یوسف زرکشی نے بچپن ہی میں اُن کے متعلق یہ پیشین گوئی کی تھی کہ آئندہ یہ بچہ اپنے زمانہ کا سب سے بڑا عالم وزاہد ہوگا۔ اور لوگوں کو اس سے بڑا فیض پہنچے گا۔ ان کے علمی انہماک کا اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ امام نووی رحؒ روزانہ بارہ فنون کا سبق لیتے تھے۔ پہلا سبق حدیث کی شرح و تحقیق کا ہوتا اور بقیہ اسباق کی تفصیل یہ ہے:۔

دوسرا اور تیسرا سبق کتاب الوسیط کا، چوتھا سبق مہذب کا، پانچواں سبق الجمع بین الصحیحین کا، چھٹا سبق صحیح مسلم کا، ساتواں ابن جنی کی کتاب اللمع کا، آٹھواں ابن السکیت کی اصلاح المنطق کا، نواں صرف کا، دسواں اصول فقہ کا، گیارہواں اسماء الرجال کا اور بارہواں اصول دین کا ہوتا تھا۔

اسباق اس شوق و محبت سے پڑھاتے کہ کسی قسم کا کوئی اشکال باقی نہیں رہ جاتا تھا۔

اس سے ان کی غیر معمولی ذہانت و فطانت کا بھی پتہ چلتا ہے، ان کے کثرتِ اشتغال اور ذہانت و فطانت ہی کی وجہ سے ان کے کاموں میں بڑی برکت ہوئی اور ۴۵ سال کی مختصر سی عمر میں انھوں نے متنوع علمی کمالات اور گوناگوں اہم خدمات انجام دیں۔ ساڑھے چار مہینہ کے اندر شافعی مذہب کی اہم اور جامع کتاب التنبیہ کو نہ صرف ختم کر دیا بلکہ زبانی یاد بھی کر ڈالا۔ (تذکرۃ المحدثین ص ۳۹۲)

زہد و اتقاء امام نووی رحؒ بڑے متدین اور عابد وزاہد شخص تھے

برابر عبادت، ذکر الٰہی، اوراد و وظائف میں مشغول رہتے تھے، حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ انھوں نے مجاہدہ و تزکیۂ نفس مراقبہ و تصفیۂ باطن، تقویٰ، طہارت اور معمولی اور جزئی باتوں میں احتیاط کو اپنے اوپر لازم کر لیا تھا اور اپنی خواہشاتِ نفس کو یکسر پامال کر دیا تھا۔

یافعیؒ کا بیان ہے کہ وہ عابد و زاہد، متورع، باعمل، شب بیدار، حامیٔ دین اور ناصرِ سنت تھے۔ عبادت و طاعت، تلاوتِ قرآن اور تصنیف و تالیف میں ان کا تمام وقت بسر ہوتا، دنیا اور اس کے تعیشات سے بالکل دست کش رہتے اور تمام تر توجہ دین بنانے پر مرکوز رکھتے تھے۔ زہد و قناعت، اتباعِ سنت اقتدائے سلف، نیکی و صلاح اور خیر خیرات کے کاموں میں لگے رہنا انکی زندگی کا دستور تھا۔ ورع و تقویٰ میں بے مثال تھے، راتیں عبادت میں گزرتیں اور اِس قدر روتے کہ ڈاڑھی اور چہرہ تربتر ہو جاتا، ان کی طرح کسی شخص کو زہد و عبادت، حزم و احتیاط اور لوگوں سے حذر و اجتناب پر قابو نہیں ہو سکتا۔

فخر حنبلی کا بیان ہے کہ وہ بڑے متقی و پرہیزگار تھے، اکثر روزے رکھتے اور دو بار حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ اسی دینی جذبہ اور تورع کی وجہ سے انھوں نے اپنی زندگی اسلامی علوم خصوصاً حدیث و سنت کی خدمت و اشاعت میں گزاری اور انکی اصل دلچسپی کا مرکز فقہ و حدیث تھا، دوسرے علوم سے عدم رغبت ہی نہیں ایک گونہ انقباض ہوتا تھا جیسا کہ وہ خود بیان کرتے ہیں:۔

"ایک دفعہ طب پڑھنے کا خیال ہوا، اس لئے میں نے تشیخ کی قانون

خریدی، مگر میرے دل پر ایسی ظلمت چھائی اور میرا حال ایسا ہوا کہ مجھ کو اس سے کسی قسم کا اشتغال ہی نہ ہو سکا۔ میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس کا سبب میرا طب کی جانب سے اعتنا رہے۔ یہ خیال آتے ہی میں کتاب قانون فروخت کر دی۔ اور پھر میرا قلب منور ہو گیا۔

ف: سبحان اللہ، کیسا صحیح ذوق اور لطیف احساس تھا جو ہم سب کیلئے موجب عبرت و نصیحت ہے۔ (مرتب)

سادگی و قناعت

زہد و اتقاء کی بنا پر وہ نہایت صبر و قناعت کی زندگی گزارنے کے عادی ہو گئے تھے، کھانے پینے، رہنے سہنے، لباس اور پوشاک ہر چیز میں سادگی پسند کرتے تھے تکلف، آرائش اور دنیاوی تعیشات سے اُن کو سخت نفرت تھی۔

ہدیے اور تحفے نہ قبول کرنا

ہدایا اور تحائف قبول نہ کرتے تھے، خصوصاً غیر متعلق لوگوں کے ہدیے لینے میں اُنھیں سخت پس و پیش ہوتا تھا۔ البتہ جن لوگوں سے واقفیت ہوتی تھی اور اُن کے ہدایا کے بارے میں اطمینان ہوتا ان کو لینے میں زیادہ پرہیز نہ کرتے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک فقیر نے ہدیہ کیا تو اس کو قبول کر لیا۔ احتیاط اور تورع کی بنا پر علمی و دینی خدمت پر معاوضہ لینے سے بھی پرہیز تھا۔

تصوف

امام نووی رحؒ بادۂ معرفت کے لذت شناس اور مشہور صوفی یسین بن یوسف زرکشی کے حلقہ بگوش اور عقیدتمند تھے سلوک کے آداب اور طریقت کے اشارات ان ہی سے سیکھے تھے۔ صوفیہ و مشائخ سے بڑی محبت و عقیدت رکھتے تھے، پورے شوق سے ان کی

صحبتوں میں حاضر ہوتے تھے۔ تصوف اور صوفیہ کے مخالفین پر برہمی کا اظہار کرتے تھے۔ (تذکرۃ المحدثین ص ۲۹۴)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

وہ فریضۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ادائیگی سے کبھی غافل نہیں رہے۔ اُمرا، وسلاطین کو بھی معروف کی تلقین کرتے اور منکر سے روکتے تھے۔ اِس معاملہ میں بڑے جری اور بیباک تھے۔ اور اس میں کسی مصلحت و مداہنت کے قائل نہ تھے۔ حق گوئی کی پاداش میں ان کو امراء کے غیظ و غضب کا نشانہ بھی بننا پڑا۔

علامہ ذہبیؒ کا بیان ہے کہ وہ گوناگوں مصروفیتوں اور علمی اشتغال کے باوجود اصلاح خلق اور امر بالمعروف کا فریضہ بھی انجام دیتے، بادشاہوں اور ظلم وجفا پرور لوگوں کے روبرو حق بات کہتے، اور ان کے غلط کاموں پر سخت رد و نکیر فرماتے۔ اُنھوں نے سلاطین و اُمراء کو خطوط لکھ کر امور خیر کی تلقین اور معاصی سے بچنے کی دعوت دی۔

ایک دفعہ ملک ظاہر کو ایک خط لکھا، تو وہ سخت برہم ہوا اور آپ کو گرفتار کرنا چاہا، مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے تشدد سے اُن کو بچا لیا۔ بعد میں یہی ملک ظاہر آپ کا معتقد ہو گیا اور بڑی تعظیم و تکریم کرنے لگا۔

اعترافِ عظمت وکمال

امام نوویؒ کی عظمت و کمال اور جامعیت کے بارے میں عُلمائے فن اور مورخین کا اتفاق ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے ان کو امام، حافظ، یکتائے روزگار، قدوۃ، شیخ الاسلام اور سراج اولیاء وغیرہ کہا ہے۔

ابن فرح رحؒ فرماتے ہیں: اُن میں تین ایسی خوبیاں تھیں، جن میں سے اگر ایک بھی کسی کے اندر ہو تو لوگ اُس کے پاس سفر کر کے آئیں اور وہ مرجع خلائق بن جائے۔ یعنی علم، زُہد اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر امام نووی رحؒ میں یہ تینوں خصوصیتیں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔

(تذکرۃ المحدثین ص ۳۹۷/۲)

فضل وکمال محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی رحؒ یوں رقم طراز ہیں:-

ذہبی رحؒ نے لکھا ہے کہ بیس برس تک شب و روز طلب علم میں انھوں نے ایسی محنت ومشقت برداشت کی کہ اپنے تمام ہمسروں سے فائق ہو گئے۔

اس علمی امتیاز کے باوجود اس عہد کے ولی کامل شیخ لیٰسین حجام کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے روحانی اکتسابِ فیض میں وہ کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔

امام نووی رحؒ نے تصنیف وتالیف کے ذریعہ بھی علم کی بڑی خدمت کی ہے۔ شرح صحیح مسلم، تہذیب الاسماء واللغات، ریاض الصالحین، کتاب الاذکار اور کتاب الاشارات چھپ کر شائع ہو چکی ہیں اور اہل علم کو ان سے بہت فائدہ پہنچا ہے، بالخصوص شرح مسلم کہ اس سے ہندوستان کے تمام اہل درس وتدریس نے فائدہ اُٹھایا ہے اور اس بناء پر سب امام نوویؒ کے مرہون منت ہیں۔ (احیاء ان الحجاج صفحہ ۲)

ف: انہی وجوہ کی بناء پر اس حقیر کے دل میں یہ داعیہ وجذبہ پیدا ہوا کہ اُمت کے نفع کے لئے آپ کی تصنیف "کتاب الاذکار" کا اردو میں ترجمہ کروں، اور شروع بھی کر دیا، اور اس کا معتدبہ حصہ کا ترجمہ ہو بھی گیا تھا جس کا کچھ حصہ حضرت مکرم مولانا مجیب اللہ ندوی نے اپنے موقر رسالہ

"الرشاد" میں قسطوار طبع کرنا بھی شروع فرمایا تھا۔ مگر افسوس کہ اس کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔

اثنائے ترجمہ حضرت محدّث عصر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ سے جب اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ بہت اچھا۔ ضرور اس کا ترجمہ کردو، اس کے مصنف علامہ نوویؒ محض محدّث ہی نہیں تھے بلکہ صوفی بھی تھے۔ لہٰذا ہم نے اسکی کئی فصلوں کو "گلدستۂ اذکار" میں درج بھی کر دیا ہے۔ جسے علماء نے پسند بھی فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو قبول فرمائے اور علامہ کے فیوض علمیہ وقلبیہ سے ہم کو مستفیض فرمائے۔ آمین! وماذالک علی اللہ بعزیز۔ (مرتب)

سعادتِ عظمیٰ

الحمد للہ کہ آپ کی شہرۂ آفاق تصنیف "ریاض الصالحین" کو اس حقیر نے حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ سے سبقاً سبقاً پڑھا ہے۔ اس کی شرح "دلیل الفالحین" کو بھی اس کے تحت پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

اس کے مقدمہ میں علامہ نووی رحمہ اللہ نے یہ مبارک اشعار نقل فرمائے ہیں ؎

اِنَّ لِلّٰہِ عِبَادًا فُطَنَا ۔۔۔ طَلَّقُوا الدُّنْیَا وَخَافُوا الْفِتَنَا

(اللہ کے کچھ زیرک و ہوشیار بندے ہیں، جنھوں نے دنیا کو طلاق دے دیا اور فتنوں سے ڈر گئے)

نَظَرُوْا فِیْھَا فَلَمَّا عَلِمُوْا ۔۔۔ اَنَّھَا لَیْسَتْ لِحَیٍّ وَطَنَا

(جب اس دنیا دنیہ میں نظر غائر سے دیکھا، تو سمجھ لیا کہ یہ زندوں کیلئے رہنے کی جگہ نہیں ہے)

جَعَلُوْھَا لُجَّۃً وَّاتَّخَذُوْا ۔۔۔ صَالِحَ الْاَعْمَالِ فِیْھَا سُفُنَا

(تو دنیا کو مثل سمندر کے بنا یا اور اعمال صالحہ کو کشتی قرار دیا اور بحفاظت ساحل عافیت تک پہنچ گئے)

جو سب کو لائحۂ عمل بنانے کے لائق ہے۔ اور کاغذ ہی پر نہیں بلکہ سویدائے قلب میں نقش کیے جانے کے لائق ہے۔ چنانچہ حضرت مصلح الامت رحؒ کو یہ اشعار اسقدر پسند تھے کہ مجھ سے فرمایا کہ علیحدہ کاغذ پر اِس کو نقل کردو، تو اس حقیر نے حسب الحکم نقل کر کے کاغذ دیا تو اُسے اپنے سرہانے رکھا جو عرصہ تک محفوظ رہا۔ ظاہر ہے کہ یہ حضرت مصلح الامت رحؒ کے اصلاحِ اعمال، تزکیۂ نفس اور فکرِ آخرت پر بیّن ثبوت ہے۔ اہل اللہ کا یہی حال ہوتا ہے کہ ایسے مضامین سے بیحد متأثر ہوتے ہیں اور اس کے مطابق عمل پیرا ہوتے ہیں۔

دوسری کتاب آپ کی "کتاب الاذکار" ہے۔ یہ بھی بہت مفید کتاب ہے اور لائحۂ عمل بنانے کے لائق ہے۔ اس لئے حضرت مصلح الامت رحؒ اپنی آخر عمر میں اس سے بکثرت مضامین سُناتے تھے۔ اِسی افادیت کے مدنظر اِس کتاب کے متعلق کسی کا مشہور مقولہ ہے "بِعِ الدَّارَ وَاشْتَرِ الْاَذْکَارَ" (یعنی گھر بیچ کر اذکار کو خرید لو۔) (مرتب)

ارشادات

علامہ نودی رحؒ اپنی لاجواب تصنیف "کتاب الاذکار" میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

فصل: یہ بات بخوبی سمجھ لو کہ اگر فضائل اعمال میں سے کسی عمل کی روایت جس کسی کو پہنچے تو اسکو چاہئے کہ اس پر عمل کرے اگرچہ ایک ہی مرتبہ سہی، تاکہ اُس سنت پر عمل کرنے والوں میں اس کا شمار ہو جائے۔ اور یہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ اس کو بالکل ہی ترک کردے، بلکہ جس قدر بسہولت ہوسکے بجالائے۔ جیساکہ بخاری و مسلم کی حدیث میں مذکور ہے۔ اِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ فَاْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔ یعنی جب میں کسی چیز کا امر کروں تو حتی الوسع اس کا امتثال کرو۔ **فصل:** نیز فرمایا کہ یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھو کہ ذکر کی فضیلت کوئی تسبیح

تہلیل، تحمید اور تکبیر وغیرہ ہی میں منحصر نہیں ہے۔ پس جو شخص اللہ کیلئے انکی کسی طاعت میں مشغول ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا ذاکر ہے، جیساکہ اس کو علماء میں سے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے فرمایا ہے۔

اور حضرت عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ذکر کی مجالس حلال و حرام کی مجالس ہیں۔ جس میں یہ بیان کیا جائے کہ کیسے تم شریعت کے مطابق خرید و فروخت کرو اور کیسے نماز، روزہ، حج وغیرہ ادا کرو۔ اور کس طرح (سنت کے مطابق) نکاح کرو جب طلاق (کی نوبت) آجائے تو اسکو کیسے انجام دو (تاکہ گنہگار نہ ہو) (کتاب الاذکار)

ف: سبحان اللہ، مجالس ذکر کا مفہوم اتنا عام ہے کہ آدمی کیلئے اَلذَّاکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا کی مبارک جماعت اور زمرہ میں داخل ہونا کچھ مشکل نہیں ہے۔ (مرتب)

وفات

۸۴ سال کی عمر میں بروز چہارشنبہ ۲۴ رجب ۶۷۶؁ھ کو انھوں نے داعئ اجل کو لبیک کہا۔ اپنے وطن ہی میں دفن کئے گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(تذکرۃ المحدثین ص ۳۹۹/۲)

حضرت ابراہیم دسوقی قرشی رحمۃ اللہ المتوفی ۶۷۶ھ

تعارف

آپ کرامات ظاہرہ، مقامات فاخرہ، بصائر باہرہ، احوال خارقہ، انفاس صادقہ، اشارات نورانیہ، نفحات روحانیہ، اسرار ملکوتیہ کے حامل تھے۔ اہل طریق کے نزدیک آپ کا کلام نہایت اعلیٰ و برتر سمجھا جاتا ہے۔

ارشادات

فرماتے تھے کہ، جو شیخ اپنی ہدایت کے سلسلہ میں خود سخت ریاضت و مجاہدہ نہ کرے گا اس کے مرید کو کبھی فلاح نہ ملیگی۔ اس لئے کہ جب وہ سوئے گا تو مریدین بھی سوئیں گے۔ اور جب وہ قیام لیل کرے گا تو اس کے مریدین شب بیداری کے پابند ہوں گے۔ پس اگر وہ لوگوں کو عبادت کا حکم دے گا اور خود لغو میں مبتلا رہے گا یا ان کو بیکار باتوں سے توبہ کرنے کا امر کریگا اور خود اس کا مرتکب ہوگا تو لوگ اس پر ہنسیں گے۔ اور اسکی اطاعت و فرماں برداری نہ کریں گے۔

فرمایا کرتے تھے کہ: جو شخص متشرع، پاک و صاف، پارسا و شریف نہ ہو، وہ میری اولاد نہیں ہے، خواہ وہ میرا صلبی لڑکا ہی کیوں نہ ہو۔ اور جو مرید شریعت، حقیقت، طریقت، دیانت، صیانت، زہد و ورع اور قلت طمع سے بہرہ ور ہو وہی میری اولاد ہے۔ اگرچہ وہ دور دراز ہی کا باشندہ کیوں نہ ہو۔

فرماتے تھے کہ قلبی اولاد صلبی اولاد سے بہتر ہے اس لئے کہ صلبی اولاد کو

مال و دولت کی میراث سے حصہ ملتا ہے۔ اور قلبی اولاد کو باطنی اسرار سے حصہ ملتا ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے اسی کو دوست رکھتا ہے جو سب سے زیادہ اپنے دل و شرمگاہ اور ہاتھ و زبان کو پاک و صاف رکھنے والا ہو اور سب سے زیادہ پارسا ہو، اور سب سے زیادہ درگزر کرنے والا ہو۔ اور سب سے زیادہ فراخ دل ہو۔ فرماتے تھے کہ جب تک تمھاری زبان حرام چیزوں کا مزہ چکھتی رہیگی اس وقت تک اس بات کی خواہش نہ کرو کہ تم کو حکمت و معرفت کا کچھ مزہ میسر ہوگا۔

فرمایا کرتے تھے کہ: اللہ تعالیٰ سے محبت کرو تو آسمان و زمین والے سبھی تم سے محبت کرنے لگیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو تو جن و انس تمھاری اطاعت کریں گے۔ اور سمندر تمھارے لئے خشک ہو جائیں گے اور ہوا تمھارے لئے مسخر ہو جائے گی۔ (جیسا کہ پہلے ہو چکا ہے۔)

فرمایا کرتے تھے کہ اے میرے بچو! ولیوں کے اخلاق اختیار کرو تاکہ تم کو سعادت حاصل ہو۔ اور اگر تم نے فقط اجازت نامہ لے لیا اور اولیاء اللہ کے اخلاق کے ساتھ متخلق نہ ہوئے، اور جہاں کسی نے ذرا ٹوکا تو جھٹ اپنا اجازت نامہ کھول کر دکھلا دیا تو سنو یہ کچھ بھی نہیں ہے بلکہ محض نفسانیت ہے ہاں تم کو یہ چاہیئے کہ اس اجازت نامہ کو بغور پڑھو اور جو وصایا و نصائح اسمیں مذکور ہیں ان پر عمل کرو تو اس سے تمکو فائدہ ہوگا اور اس سے تمکو بزرگی نصیب ہوگی۔

اے بچو! مقاماتِ اولیاء تک پہنچنے کا ہمیشہ سے یہی طریق رہا ہے۔ اور تاقیامت یہی رہے گا۔

ف: سبحان اللہ! کیسی عمدہ نصیحت ہے۔ کاش مشائخ کے اجازت یافتہ حضرات اس کو مستحضر رکھتے تو خود ان کو بھی فائدہ پہنچتا اور وہ دوسروں کیلئے

بھی مفید ثابت ہوتے۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کبھی اپنے کسی بندے کو اس لئے ابتلا میں ڈالتا ہے کہ اس کو اپنے خاص بندوں کے درجات تک پہنچا دیں۔ پس اگر اس نے صبر کیا اور حلم اختیار کیا اور عفو سے کام لیا اور فیاضی کا معاملہ کیا تو اس کے درجہ کو بلند فرما دیتے ہیں، ورنہ اس کو مردود فرما دیتے ہیں۔ فرماتے تھے کہ تم کیونکر چاہتے ہو کہ تمہاری کھیتیاں سرسبز و شاداب ہوں اور تمہاری مویشیاں دودھ سے مالا مال ہوں، جبکہ تم امت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افراد پر تلوار کھینچتے ہو اور ان کے خون سے اپنی تلواروں کو رنگین کرتے ہو۔

ف: یعنی یہ سب اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے اسباب ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ کیسے رحم کا معاملہ کرے گا۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ مرید جب کسی دن اپنا وظیفہ ترک کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس دن اس سے اپنی امداد کو روک لیتے ہیں۔

ف: اس وظیفہ میں جیسے نماز، تلاوت اور ذکر ہے اسی طرح حسن خُلق بھی اسمیں داخل ہے۔ اسلئے اس پر مداومت کرنی چاہئے۔ حدیث پاک ہے: احب الاعمال الی اللہ ادومھا وان قل (مشکوٰۃ ص۱۱۰) پس جب عمل میں دوام ہوگا تو امداد الٰہی میں بھی تسلسل و دوام ہوگا، جس سے اللہ تعالیٰ کا قرب بڑھتا ہے۔ پس اگر کوئی حسن خلق کو اپنائے گا، تو وہ اللہ تعالیٰ کے قرب و قبول سے نوازا جائے گا۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ سب سے صحیح سالم تفسیر تو وہ ہے جو سلف سے مروی ہے اور سب سے اجنبی و عجیب وہ تفسیر ہے جو ہر زمانہ میں قلوب پر مفتوح ہوتی ہے۔ اگر ہمارے قلوب کو کوئی محرک حرکت نہ دیتا تو ہمارے قلوب بھی وہی کہتے جو سلف سے

مروی ہے۔ پس جب کوئی وارد ہمارے قلب کو حرکت دیتا ہے تو ہم اللہ تعالیٰ کے دروازے
کو کھٹکھٹاتے ہیں اور ان سے اجازت کے طالب ہوتے ہیں اور ان کے کلام کی فہم کا
سوال کرتے ہیں پس اُس وقت بقدر فتح کے ہم کلام کرتے ہیں، لہٰذا تم لوگ اس کو تسلیم
کرو تو سالم رہو گے۔ اس لئے کہ ہم خالی ظرف ہیں اور اسمیں علم تو بس اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔

فرماتے تھے کہ جس کو خلق اللہ پر شفقت نہ ہو گی وہ اہل اللہ کے درجات تک
نہیں پہنچ سکتا۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب بکریوں کو
چرایا تو انمیں سے کسی کو بھی چھڑی سے نہ مارا، اور نہ بھوکا چھوڑا۔ اور نہ کسی قسم کی
اذیت دی۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے انکی غایت شفقت کو ملاحظہ فرمایا تو نبی بنا کر
مبعوث فرمایا اور انکو کلیم بنا دیا۔ اور بنی اسرائیل کا راعی مقرر فرمایا اور ان سے سرگوشی
فرمائی۔ پس جو شخص بھی مخلوق کا اعزاز کریگا اور ان کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرے گا
تو اولیاء اللہ کے درجات تک ترقی کریگا۔ والسلام۔ (طبقات ص۱۶۵)

فرماتے تھے کہ شیخ مرید کا طبیب ہے۔ لہٰذا جب مریض طبیب کی ہدایت پر
عمل نہ کرے گا تو وہ شفایاب نہ ہو گا۔

فرماتے تھے کہ جسم کے تین جز ہیں۔ دل، زبان اور اعضاء۔ پس اعضاء
و زبان پر تو فرشتے متعین ہیں اور دل اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں ہے۔

فرماتے تھے کہ اگر تم لوگ حقیقی اولاد ہو اور مخلص پیرو ہو تو اللہ تعالیٰ کے مخلص
بندے بن جاؤ۔ اور اپنے دل کو اپنا واعظ بناؤ اور خوب عمل کرو۔ اور کسی سے مال کے
طالب نہ ہو۔ یہی میرا طریقہ ہے۔ جو شخص مجھ سے سچی محبت رکھتا ہو گا وہی میرے
ساتھ اس طریقہ پر چلے گا۔ کیونکہ حقیقی سالک و درویش وہی ہے جو اس طریقہ پر چلے۔

فرمایا کرتے تھے کہ اے میرے بچو! اگر تم ہمیشہ روزہ سے رہتے ہو اور رات میں

مستقل عبادت کرتے ہو، اور تمہارا دل پاک صاف اور معاملہ اخلاص کے ساتھ درست ہو، تب بھی اپنے کمال کا دعویٰ نہ کیا کرو۔ بلکہ صرف یہ کہو کہ میں گنہگار و ناکارہ ہوں۔ نفس کے شر و غرور سے پُرحذر رہو، اس لئے کہ بہت سے فقیر اسی کی وجہ سے تباہ و برباد ہو گئے۔ **ف**: سالکین کیلئے بہت ہی ضروری نصیحت فرمائی اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ (مرتب)

فرمایا کرتے تھے کہ اے میری اولاد! اگر کسی کی غیبت کا جی چاہے تو اپنے والدین کی غیبت کیا کرو۔ اس لئے کہ تمہاری نیکیوں کے وہ زیادہ مستحق ہیں۔

فرماتے تھے کہ تم میں کا کوئی شخص صالح ہونے کا کیسے دعویٰ کرتا ہے جبکہ وہ اعمال بد کا ارتکاب کرتا ہے۔ چُنگی وصول کرنے والوں، رشوت لینے والوں، سود کھانے والوں، ظالموں اور ان کے مددگاروں کے یہاں جا کر کھانا کھاتا ہے۔ اور کیسے نیک ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ جبکہ وہ جھوٹ، غیبت، بدگوئی اور آبروریزی میں مبتلا رہتا ہے۔ اور کیسے اس بات کا طالب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں صادق، ولی، حبیب لکھا جائے جبکہ وہ معاصی میں منہمک ہے اور اس پر طرّہ یہ کہ ابتک اس نے توبہ تک نہ کی۔ تو آخر کیسے وہ طریقت کا دعویٰ کرتا ہے اور دوسروں کو توبہ کراتا پھرتا ہے۔

فرماتے تھے کہ حاملِ قرآن پر واجب ہے کہ اپنے پیٹ کو حرام کھانے سے نہ بھرے۔ اور نہ اپنے جسم کو حرام کپڑے سے ڈھانکے۔ پس اگر وہ ایسا کرے گا تو قرآن اس کے اندر سے اس کو لعنت کرے گا اور کہے گا کہ اللہ تعالیٰ کی اس شخص پر لعنت ہو جس نے اللہ تعالیٰ کے کلام کی تعظیم نہ کی۔

فرماتے تھے کہ اے میرے بچو! اپنے پاس آنے جانے والوں خاص طور سے بدعملوں سے پُرحذر رہا کرو۔ اگر تم اپنے بھائی سے سختی یا حسد کو دیکھو تو تم اس کے

ساتھ نیک سلوک کرو۔ اور اس کے ضرر سے اپنے کو محفوظ رکھو۔ رہا تمھارا دوست، تو اگر وہ دوستی کو نبا ہے تو تم بھی اسکی رعایت کرو۔ سچ بات تو یہ ہے کہ اے میرے بچّو! اب آدمی کو اس سے چارہ نہیں کہ سبھی سے پُرحذر رہے اس لئے کہ ہم لوگ آخری زمانہ میں ہیں جس میں خیر خواہی کم ہو گئی ہے۔ پس شاید ہی تم کو کوئی خیر خواہ ملیگا۔ اور ایسے لوگوں سے تو بہت دور رہو جن کے خوشی کے تم درپے ہو اور وہ تمھارے درپے آزار ہوں۔ اور تم ان کو بلند کرنا چاہتے ہو اور وہ تم کو پست کرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ چنانچہ اس دور میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر ان کے ساتھ نیکی نہ کرو تو وہ تمھارے ساتھ بُرائی کریں گے۔ بلکہ بہتیرے ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے ساتھ نیکی کا بھی معاملہ کرو تو وہ تمھارے ساتھ برائی ہی کا معاملہ کریں گے۔ تم ان کے ساتھ کتنے ہی لطف و کرم سے پیش آؤ گے مگر وہ تم پر ظلم و ستم ہی ڈھائیں گے۔ تم ان کو فائدہ پہنچاؤ گے مگر وہ تم کو ضرر پہنچائیں گے۔ تم ان کے ساتھ بھلائی کے خواہاں ہو گے مگر وہ تم پر جفا کرنے پر تُلے ہوں گے۔ تم ان سے وصل کا معاملہ کرو گے اور وہ لوگ قطع ہی کو اپنا شیوہ بنائیں گے۔ تم تو ان کو کھانا کھلاؤ گے اور وہ تم کو محروم رکھیں گے۔ تم تو ان کو بڑھاؤ گے اور وہ اگر موقع پائیں گے تو تم کو پیچھے ہٹادیں گے۔ اور جنکی تم نے پرورش کی ہے وہ کہیں گے ہم نے ہی تمھاری پرورش کی ہے۔ اور تم ان کے ساتھ انتہائی صفائی کے ساتھ معاملہ کرو گے مگر وہ تمھارے ساتھ خیانت کو روا رکھیں گے۔ اور تم تو ان سے بشاشت سے ملو گے مگر وہ تم سے ترشروئی اور تکدّر سے ملیں گے۔ ہائے رے دنیا۔

اے اہل دنیا! خود غور کرو کہ جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ

میں نفاق موجود تھا، تو ساتویں صدی بھلا کیسے اس سے خالی ہو سکتی ہے اس لئے اے میرے بچو! بروں سے الگ رہو اور نیکوں سے نیکی حاصل کرو۔ الخ

(طبقات ص۱۶۵ ج ۱)

ف: حضرت شیخ نے اپنے مریدین و متعلقین سے اپنے زمانہ کا یہ حال بیان فرمایا ہے اور نصیحت فرمائی ہے کہ سبھی سے پُرحذر رہنا چاہئے۔ تو آجکل کا دور تو اس سے کہیں زیادہ بدتر ہے۔ لہٰذا بہت پُرحذر رہنے کی کیسی کچھ ضرورت ہے۔

حضرت العلامہ شعرانی رح نے حضرت الشیخ ابراہیم دسوقی رح کے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں۔ مگر اُن میں سے چند ہی کو ہم نے درج کیا ہے۔ لیکن اگر اتنے ہی کو ہم پیش نظر رکھیں تو بڑی ہی سعادت کی بات ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (مرتب)

وفات

آپ کی وفات ۶۷۶ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

(الاعلام ص۵۹ ج۱)

حضرت ابو الشیخ عبد اللہ قرشی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۶۷۵ھ

تعارف آپ جلیل القدر بزرگ تھے۔ فقراء کی بہت تعظیم کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے خاص نسبت رکھتے ہیں اس لئے اُن کی طرف منسوب ہیں۔

یہ اپنے مریدوں سے عہد لیتے تھے کہ اپنے گھروں میں ایک ہی قسم کا کھانا پکوایا کریں تاکہ ایک کو دوسرے پر امتیاز حاصل نہ ہو۔ ایک مرتبہ ان کے اصحاب میں سے ایک صاحب نے اپنی بیوی سے کہا کہ کس کھانے کا تیرا جی چاہتا ہے بتا، تاکہ وہی چیز خرید کر پکائی جائے۔ تو بیوی نے کہا کہ تم اپنی لڑکی سے اس کے متعلق دریافت کرو۔ چنانچہ انھوں نے اپنی بیٹی سے اس کے متعلق پوچھا کہ تمھارا کس چیز کے کھانے کا جی چاہتا ہے؟ اس نے کہا کہ میرا جی جس چیز کو چاہتا ہے آپ اس کو پورا نہیں کرسکتے۔ انھوں نے کہا کہ بیٹی کہو، ضرور پورا کروں گا اگرچہ وہ ایک ہزار دینار کی کیوں نہ ہو۔ تو اس نے کہا کہ میرا نکاح حضرت قرشی سے کردیجئے۔ جبکہ قرشی نابینا تھے اور ایسے جذامی تھے کہ عورتیں ایسے شخص سے نکاح کو پسند نہیں کرتیں۔ اس شخص کا بیان ہے کہ بالآخر میں نے حضرت قرشی کی خدمت میں حاضر ہوکر واقعہ بیان کیا۔ حضرت قرشی نے قاضی کو بلانے کا حکم دیا۔ چنانچہ قاضی نے آکر نکاح پڑھایا۔ وہ لڑکی آراستہ پیراستہ کرکے حضرت کے پاس حاضر کردی گئی۔ جب سب عورتیں چلی گئیں تو حضرت غسلخانہ گئے اور وہاں سے نکلے تو اچھے خاصے خوبصورت نوجوان عمدہ لباس پہنے ہوئے تھے اور ان کے بدن سے بہت عمدہ خوشبو آرہی تھی۔ اس لڑکی نے شرما کر اپنا چہرہ چھپالیا۔ حضرت قرشی نے

فرمایا کہ تم پردہ نہ کرو، میں وہی قرشی ہوں جس سے تمھارا نکاح ہوا ہے۔ لڑکی نے کہا کہ تم ہرگز قرشی نہیں ہو، تو انھوں نے اللہ کی قسم کھائی کہ میں قرشی ہی ہوں۔ لڑکی نے پوچھا کہ یہ شکل وصورت کیسی ہے؟ وہ تو ایسے نہ تھے۔ تو فرمایا کہ میں تمھارے ساتھ اسی شکل وصورت میں رہا کروں گا۔ اور تمھارے علاوہ دوسرے کے ساتھ اپنی پہلی شکل میں۔ لیکن جبتک مجھے موت نہ آجائے کسی سے یہ بات نہ کہنا۔ اس نے کہا، بہت اچھا۔ مگر میں آپ کی اُسی ہیئت کو خیر و بہتر سمجھتی ہوں جسمیں آپ دوسروں کے ساتھ رہتے سہتے ہیں۔ اس کو سن کر شیخ نے فرمایا، اللہ تعالےٰ تم کو جزائے خیر دے۔ چنانچہ اس لڑکی نے اسی حالت میں ان کے ساتھ زندگی بسر کی۔ جب شیخ قرشیؒ کی وفات ہوئی تب اس لڑکی نے ان کے یہ حالات لوگوں سے بیان کئے۔ چنانچہ درویشوں اور اولیار اللہ کے درمیان انکی ایسی ہی حرمت وعزت ہوئی جیسی کہ حضرت قرشیؒ کی تھی۔ (طبقات ج ۱ ص۱۵۹)

ف: اس واقعہ سے جیسے حضرت قرشیؒ کی کرامت کا ظہور ہوا، اس سے بڑھ کر اس لڑکی کا کمال ظاہر ہوا کہ اللہ تعالےٰ کے لئے اپنی خواہشات کو قربان کر دیا۔ جس کا ثمرہ اللہ تعالےٰ نے دنیا میں بھی عطا فرمایا کہ اہل اللہ کے قلوب میں اس کی حرمت وعظمت کو ڈال دیا اور اپنی نسبت ومحبت سے سرفراز فرمایا اور آخرت کے اجر و ثواب اور قرب وقبول کا کوئی بشر کیا اندازہ کرسکتا ہے جس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ (مشکوٰۃ ص۴۹۵)

(نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا اور نہ کسی کے قلب پر اس کا خیال گزرا۔) (مرتب)

وفات | آپ کی وفات ۵۶۷ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالےٰ۔ (شذرات الذہب ص۳۶۱ ج ۵-۶)

حضرت شیخ صدرالدین رحمۃ اللہ المتوفیٰ ۶۸۴ھ

نام ونسب نام صدرالدین، والد کا نام شیخ الاسلام زکریا ملتانی رحؒ ہے۔

ولادت آپ کی ولادت باسعادت ۵۹۹ھ میں ہوئی۔

تعارف والد بزرگوار کے انتقال کے بعد مسندِ ارشاد واصلاح پر جلوہ افروز ہوئے۔ اکثر وبیشتر اولیاء کرام آپ کے ارادت مند اور مرید تھے۔ مشہور بزرگ میر حسینی سادات بھی آپ ہی کے مرید تھے۔

ملفوظات ونصائح شیخ کے ملفوظات ونصائحؒ کا مجموعہ ''کنوز الفوائد'' کے نام سے معروف ہے جو درحقیقت وہ نصیحتیں ہیں جو شیخ صدرالدین نے اپنے مریدین کے نام تحریر فرمائی تھیں۔ اُن میں سے بعض نقل کرتا ہوں:۔

ایک جگہ لکھا ہے کہ: حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ حِصْنِی فَمَنْ دَخَلَہٗ اَمِنَ مِنْ عَذَابِیْ (لا الٰہ الا اللہ میرا قلعہ ہے، جو اس میں داخل ہوجائے گا وہ میرے عذاب سے مامون ومحفوظ ہوجائے گا۔

دو چیزیں ہیں۔ ایک حصن اور ایک حصار۔ حصار کے معنی چہاردیواری کے ہیں، قطع نظر اس سے کہ اس کی نگرانی وحفاظت کی جائے یا نہیں۔ اور حصن اُس چہار دیواری کو کہتے ہیں جسے بنانے کے بعد اس کی نگرانی وحفاظت کا بھی

اہتمام کیا جاتا ہے۔

حصن کی تین حالتیں ہیں۔ ظاہر، باطن، حقیقت۔ قلعہ کا ظاہر یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے امید و خوف نہ رکھے۔ پوری دنیا بھی اگر دوست یا دشمن ہو جائے، تب بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کسی قسم کا نقصان یا فائدہ اور اچھائی یا برائی نہیں پہنچا سکتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ۔ (یعنی اگر اللہ کی جانب سے تجھے کوئی تکلیف پہنچے تو سوائے اللہ کے کوئی دور کرنے والا نہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ تجھ پر اپنا فضل و کرم فرمائیں، تو اس کے فضل و کرم کو کوئی روکنے والا نہیں۔)

قلعہ کا باطن یہ ہے کہ مرنے سے قبل اس بات کا جزم و یقین محکم کرے کہ اس ختم ہونے والی سرائے اور دنیا میں جو کچھ پیش آنے والا ہے، وہ سب عارضی اور وقتی ہے۔ کیونکہ اس دنیا میں کسی چیز کو ثبات و قیام اور بقاء و دوام حاصل ہی نہیں۔ اور اس دنیا کو ختم کرنے کے لئے تقدیر کا قلم چل چکا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ" (دنیا کی ہر شے فنا ہونے والی ہے) چونکہ خود دنیا کو ثبات و قیام نہیں، اس لئے دنیا کے ہونے اور نہ ہونے کی پرواہ کئے بغیر پوشیدہ طریقہ سے اس دنیا میں ٹھہرا رہے۔

اور قلعہ کی حقیقت یہ ہے کہ جنت کی خواہش اور دوزخ کا خوف دل سے نکال دے اور سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی دوسرے سے قرار نہ پائے، اور فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ کا مصداق بنے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے قرب خاص سے مشرف ہو جائے۔ جب اس مقام کے لائق ہو جائے گا

تو جنت خود بخود اس کی طلبگار بن کر اس کے پیچھے پیچھے آئے گی اور دوزخ اس سے دور بھاگ جائے گی۔

نیز آپ کے وصیت نامہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

" یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰهَ ذِکْرًا کَثِیْرًا "

(اے ایمان والو! ذکر الٰہی کثرت سے کیا کرو) جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کو نیک بختوں میں لکھ کر زبان سے ذکر کرنے کی توفیق کے ساتھ ساتھ دل کی موافقت کی قوت بھی عطا فرما دیتے ہیں۔ پھر لسانی ذکر میں ترقی عطا فرما کر قلبی ذکر تک پہنچا دیتے ہیں تاکہ اگر زبان خاموش ہو جائے، تو دل جاری رہے۔ اسی کو ذکر کثیر کہتے ہیں۔ اس ذکر تک انسان اُس وقت رسائی، حاصل کرتا ہے جب ہر قسم کے نفاق (فسق و فجور) سے بری ہو جاتا ہے۔ جس کا لطیف اشارہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس فرمان میں ملتا ہے کہ :-

" اَکْثَرُ مُنَافِقِیْ اُمَّتِیْ قُرَّاءُهَا " (میری اُمت کے اکثر منافق قُرّاء (علماء) ہوں گے۔)

منافقوں کی اِس منافقت سے وہ نفاق مراد ہے جو غیر اللہ کے ساتھ میل جول اور باطنی تعلق کی وجہ سے ہو۔ اور جب کسی انسان کو ان غیر محمودہ (نامشروع) چیزوں سے علیٰحدگی کی توفیق ہوتی ہے تو یہ انسان برے خیالات اور ناپسندیدہ اخلاق سے علیٰحدہ ہو کر اپنے باطنی کمالات کے ذریعہ ممتاز ہوتا ہے۔ تو وہ وقت قریب آجاتا ہے جبکہ اُس کے باطن میں ذکر اللہ کا نور تابانی و درخشانی کرتا ہے، پس وہ وقت

ایسا ہوتا ہے کہ اس بندے سے شیطانی وساوس اور نفسانی خواہشات دور ہو جاتی ہیں اور اس کے باطن میں ذکر اللہ کے نور کے اتنے جوہر نمایاں ہوتے ہیں کہ ذاکر کو ذکر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے۔ اور یہی وہ بلند مرتبہ اور نعمتِ عظمیٰ ہے جس کے حصول کے لئے صاحبِ ہمت اور اہل بصیرت لوگ اپنی گردنوں کو ان نور والوں کے سامنے جھکاتے اور خم کرتے ہیں۔ واللہ الموفق۔

وفات

آپ نے ۶۸۴ھ میں اس دارِ فانی سے دارِ بقار کی طرف کوچ فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی

(اخبار الاخیار ص۱۳۵)

حضرت الشیخ احمد ابوُ العبّاس المرسی رحمۃ اللہ المتوفی ۶۸۶ھ

آپ اکابر عارفین میں سے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ ابوالحسن شاذلیؒ کے علم کا ان کے سوا کوئی وارث نہ ہوا۔

ارشادات

آپ فرماتے تھے کہ اس طائفہ کے علوم تحقیقی ہیں اور عوام کی عقلیں علوم تحقیقی کی متحمل نہیں ہو سکتیں۔

فرماتے تھے کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش رحمت سے ہے مگر ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو عین رحمت ہی ہیں۔

فرماتے تھے کہ اللہ کا ولی، اللہ کے ساتھ اس طرح رہتا ہے جیسے شیرنی کا بچہ اس کی گود میں رہتا ہے۔ کیا تم سمجھ سکتے ہو کہ وہ شیرنی اپنے بچے کو اچکنے والوں کے لئے اپنی گود سے الگ چھوڑ سکتی ہے؟ نہیں، قسم اللہ کی۔ (اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے ولی کی حفاظت فرماتے ہیں۔)

حدیثعہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کے معنی یہ بیان فرماتے تھے کہ جس نے اپنے نفس کو ذلت اور عجز کے ساتھ پہچان لیا تو وہ اللہ تعالیٰ کو عزت اور قدرت کے ساتھ پہچان لے گا۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

عہ یہ حدیث نہیں ہے بلکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے۔

فرماتے تھے کہ شیخ ابوالحسن فرماتے تھے کہ اگر گنہگار مومن کا نور ظاہر کر دیا جائے تو زمین و آسمان کا درمیانی حصہ نور سے بھر جائے۔ پھر مطیع و فرمان بردار مومن کے نور کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے کہ کیسا ہوگا۔ ؟

فرماتے تھے کہ جو ظہور کو محبوب رکھے تو ظہور کا بندہ ہے اور جو خفاء کو پسند کرے تو وہ خفا کا غلام ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے اس کے لئے برابر ہے خواہ اس کو ظاہر فرمائیں یا مخفی رکھیں۔

فرماتے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے جنھوں نے راستہ میں ایک عورت کے محاسن پر نظر ڈالی تھی، تو فرمایا کہ تم میں کا ایک شخص میرے پاس اس حال میں داخل ہوتا ہے کہ اس کے چہرے پر زنا کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ **ف**: اسی کا نام نورِ فراست ہے جو مومن کو دیا جاتا ہے۔ (مرتب)

آپ جب اثنائے سفر میں کسی شہر میں قیام فرماتے اور معلوم ہوتا کہ بستی کا چودھری صبح آپ سے ملاقات کرے گا تو فجر سے پہلے ہی وہاں سے رخصت ہو جاتے۔

ف: اس سے اُمراء سے استغنائے تام کا پتہ چلتا ہے جو اس زمانہ میں کمیاب ہوتا جا رہا ہے۔ (مرتب)

آپ اپنے کسی مرید کی تعریف اپنے مریدوں کے سامنے بھی نہ کرتے اس لئے کہ ان کو اس میں باہم حسد کا اندیشہ ہوتا تھا۔

ف: اس زمانہ میں تو یہ مرض عام ہے۔ بلکہ شیخ سے بدظن کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔ اس مرض میں اکثر خدام و مقربینِ مشائخ مبتلا نظر آتے ہیں۔ العیاذُ باللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

آپ کی نماز مختصر ہوتی تھی مگر نہایت مکمل و جامع ہوتی تھی۔ (طبقات ص۱۴۱)

اپنے شیخ کا قول نقل فرماتے تھے۔ کہ میری صحبت میں رہو اور میں دوسروں کی مصاحبت سے منع نہیں کرتا۔ لہٰذا اگر تم کو اس چشمہ سے زیادہ شیریں چشمہ میسر ہو تو ضرور وہاں جاؤ (اور سیراب ہو)۔

ف: سبحان اللہ، کس قدر خلوص و فراخدلی کی بات ہے اور یہی ہونا بھی چاہئے۔ اس لئے کہ مقصود اللہ رب العزت کی رضا ہے نہ کہ کوئی شیخ و پیر۔ کاش یہ حقیقت عوام بلکہ خواص پر منکشف ہو جاتی تو بہت سی ضیق و تنگی سے سب کو نجات مل جاتی۔ اور توحید مطلب کا مقصد بھی صحیح طور پر سامنے آجاتا۔ (مرتب)

آپ اپنے اصحاب سے فرماتے تھے کہ جب کسی قوم کا رئیس آئے تو مجھے خبردار کردیا کرو۔ تاکہ میں اس کے استقبال کے لئے باہر نکلوں۔ پھر جب وہ رئیس واپس جاتا تو اس کے ساتھ چند قدم پہنچانے کیلئے جاتے۔ اس کے بعد واپس تشریف لاتے۔

ف: سبحان اللہ، کس قدر اتباع سنت کا خیال تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: جب تمھارے پاس کسی قوم کا سردار آئے تو اس کا اکرام کیا کرو۔ مگر ہاں چاپلوسی و خوشامد کی حد تک نہ پہنچنا چاہئے۔ واللہ اعلم۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ مشائخ کیلئے ضروری ہے کہ مرید کے احوال کا تفقد (نگہبانی) کریں۔ اور مریدین کو جائز ہے کہ اپنے باطنی احوال سے شیخ کو مطلع کریں۔ اس لئے کہ شیخ مثل طبیب کے ہے۔

فرماتے تھے کہ لوگوں نے صوفی کے اشتقاق میں اختلاف کیا ہے تو ان میں سب سے احسن یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے فعل کی طرف منسوب ہے۔ یعنی صَافَاہُ اللّٰہُ تعالیٰ فَصُوْفِیَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو صاف کیا تو وہ صاف ہوگیا۔ لہٰذا ان کا نام صوفی رکھ دیا گیا۔ (طبقات ج ۲ ص۱۲)

فرماتے تھے کہ جس نے تیل والے سے تیل خرید اپس نے اسکی طلب پر ایک دھاگہ کا اضافہ کردیا، تو خریدنے والے کا دین اس دھاگہ سے بھی زیادہ باریک و کمزور ہوگیا۔ اور جس نے کوئلہ والے سے کوئلہ خریدا، جب فارغ ہوا تو کہا کہ ذرا کوئلہ اور دیدو۔ تو اس کا قلب اس کوئلہ سے بھی زیادہ سیاہ ہوگیا۔

ف: اس سے کس قدر احتیاط کی ضرورت مفہوم ہوئی کہ معمولی معمولی چیزوں کیلئے اپنے دین و دل کو ضائع نہ کرنا چاہیئے۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خلفائے رسالت ہیں اور حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما خلفائے نبوت۔

فرماتے تھے کہ عوام الناس اگر کسی جنگلی و صحرائی آدمی کو ولایت کی طرف منسوب پاتے ہیں تو تعظیم و تکریم سے ان کی طرف جھکتے ہیں۔ حالانکہ ان کے درمیان بہت سے ابدال و اولیاء رہتے ہیں مگر ان کی طرف مطلق التفات نہیں کرتے۔ حالانکہ یہی حضرات ان کا بار اٹھائے رہتے ہیں اور اغیار کو ان سے دفع کرتے رہتے ہیں۔ پس اول الذکر کی مثال جنگلی گدھوں کی طرح ہے کہ جب وہ شہر میں آتے ہیں تو شہر کے لوگ ان کے ساتھ ساتھ چکر لگاتے ہیں اور انکے جلد کی دھاریوں اور خوبصورتی کو پسند کرتے ہیں، اور جو گدھے ان کے پاس رہتے ہیں وہ اُن کے بوجھوں کو منزلِ مقصود تک پہنچاتے ہیں اور ان کی مٹی کو ہٹاتے ہیں اور انکی عمارتوں کے سامان ڈھوتے ہیں تو انکی قدر نہیں کرتے۔ (طبقات ج ۲ ص ۱۵)

وفات

آپ کی وفات ۶۸۶ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

(طبقات ص ۱۲/۲)

حضرت الشیخ ابراہیم جعبری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۶۸۷ھ

نام، نسب، ولادت نام ابراہیم، والد کا نام معضاد، دادا کا نام شداد ہے۔ ۷ ذی الحجہ ۵۹۹ھ میں ولادت ہوئی۔

تعارف آپ نیک، صالح اور صاحبِ احوال و صاحبِ مکاشفاتِ غریبہ تھے۔ آپ مسلکاً شافعی تھے۔

آپ نے شام میں شیخ ابوالحسن السخاویؒ سے علمِ حدیث حاصل کیا، اسکے بعد قاہرہ (مصر) تشریف لے گئے، آپ نے وہاں پر شیخ ابوحیان وغیرہ سے احادیث سنیں اور فقہِ شافعی میں تفقہ حاصل کیا۔

آپ کی مجلس آپ لوگوں کو نصیحت کرتے تھے۔ آپ کی مجلس میں شرکت کرنے والوں کو ایک عجیب و غریب کیفیت حاصل ہوتی تھی اور کرامات کا ظہور رہتا تھا۔ (طبقات الشافعیہ ص۳۴ج۸)

ف: فیض صحبت اسی کو کہتے ہیں، جس کے عموماً آجکل لوگ منکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ زیادہ سے زیادہ اس زمانہ میں صاحبِ تاثیر اور صاحبِ جہد و ہمت حضرات پیدا فرمائیں اور ہم کو ان کی صحبت میں حاضری کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین! (مرتب)

احوال غریبہ اور مکاشفات عجیبہ کے ساتھ متصف تھے۔ آپ کی مجلسِ وعظ سامعین کو کیف و حال بخشتی تھی اور گنہگاروں کو کھینچ لیتی تھی۔ آپ ظالموں اور والیوں پر دہکتی ہوئی آگ تھے۔ امر بالمعروف میں بہت ہی سرگرم تھے۔

وفات: ۶۸۷ھ میں حرم شریف کے اندر وفات پائی۔ باب النصر کے باہر مدفون ہوئے۔ آپ کی قبر ظاہر ہے جسکی زیارت کی جاتی ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ ۔ (طبقات ص۲۰۳)

حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح رحمہ اللہ المتوفیٰ ۶۹۰ھ

نام و نسب نام رُکن الدین، کنیت ابو الفتح، والد کا نام شیخ صدر الدین، ابن شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریاؒ

ولادت آپ کی ولادت ۶۳۵ھ میں ہوئی۔

تعارف آپ شیخ صدر الدین ابن شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کے فرزند اور اپنے دادا شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریاؒ کے براہ راست جانشین تھے۔ منادی صوفیہ جو آپ کے ایک مرید کی تصنیف ہے اس میں آپ کا کثرت سے تذکرہ کیا ہے۔ "مجمع الاخیار" میں آپ کے ملفوظات اور خطوط درج ہیں۔ جو آپ نے اپنے مریدوں کے نام لکھے ہیں۔ ان میں سے ایک نہایت بصیرت افروز خط طالبین کے نفع کے لئے نقل کرتا ہوں۔

مکتوب مفید

عزیزم! خوب یاد رکھنا چاہئے کہ انسان دو چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے ایک صورت اور دوسری صفت۔ اور قابلِ تعریف صرف صفت ہے، صورت کی کوئی قیمت نہیں۔ اللہ تعالےٰ صورتوں کو نہیں دیکھتا، بلکہ تمھارے اعمال اور دلوں کو دیکھتا ہے۔ صفت کا ظہور حقیقی طور پر صرف آخرت ہی میں ہوگا وہاں پر صفت ایک ظاہری صورت میں نظر آئے گی۔ کیونکہ آخرت ہی وہ عالم ہے جہاں ہر چیز کی حقیقت ظاہری لباس میں ملبوس کر دی جائے گی۔ اور یہ صورتیں اپنے موصوف کو نظر آئیں گی۔ اور جس کی جو صورت ہوگی

اُسی صورت میں اس کو اٹھایا جائیگا۔ جیسا کہ بلعم باعور کو اتنی عبادت اور زہد کے باوجود کتے کی شکل وصورت میں اُٹھایا جائے گا، چونکہ کتے کی صفت اسمیں موجود تھی اس لئے کتے کی شکل وصورت میں اُٹھایا جائیگا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

اسی طرح قیامت کے دن ظالم وسرکش اپنے کو بھیڑیے کی شکل وصورت میں دیکھے گا۔ متکبر ومغرور کی صورت چیتے کی مانند اور لالچی کنجوس کی شکل خنزیر جیسی ہوگی۔ اس لئے کہ ان جانوروں کی صفات خسیسہ ان لوگوں کے اندر ہوں گی۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ۔ (سواب ہم نے تجھ سے تیرا پردہ ہٹا دیا، سوآج تیری نگاہ بڑی تیز ہے)

فرماتے تھے کہ آپ جب تک اپنے قلوب سے اوصاف رذیلہ کو دور نہ کریں گے، اُسوقت تک آپ جانوروں اور درندوں میں شمار کئے جائیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ۔ (وہ جانوروں کے مثل ہیں، بلکہ اُن سے بھی زیادہ گمراہ ہیں)۔

قلوب کی صفائی اور پاکی اُس وقت حاصل ہوتی ہے جب اللہ کے دربار میں استعانت اور التجا کی جاتی ہے۔ اور میں اپنے نفس کو بری قرار نہیں دیتا، کیونکہ نفس ہمیشہ سرکشی پر اُکساتا ہے۔ مگر جن لوگوں پر اللہ نے اپنا فضل کیا وہ نفس کی سرکشی سے علیحدہ اور کنارہ کش رہتے ہیں اور میرا

عہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح اس آیت کے تحت لکھتے ہیں۔ "سواب ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ (غفلت اور انکار کا) ہٹا دیا (اور قیامت کا معائنہ کروا دیا) سوآج (تو) تیری نگاہ بڑی تیز ہے (کہ کوئی امر مانع ادراک نہیں، کاش دنیا میں بھی اِس مانع غفلت کو رفع کردیتا تو تیرے بھلے دن ہوتے)

(دیکھو بیان القرآن ج ۱۲ ص ۵۲ ق آیت ۲۲)

پروردگار بڑا ہی غفور رحیم ہے۔ یعنی جب تک اللہ تعالٰے کا فضل وکرم شامل حال نہ ہو، اُس وقت تک تزکیۂ نفس اور قلوب کی صفائی ناممکن ہے۔

اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی کسی وقت بھی پاکیزہ صفت نہ بن سکتا۔ اور اللہ تعالٰے کے فضل وکرم کی نشانی یہ ہے کہ انسان اپنے ذاتی عیوب پر نظر رکھے اور اُنھیں بُرا تصور کرے اور انوار الٰہی کے پرتو سے اُس کا باطن اِس طرح درخشاں ہو جائے کہ تمام دنیا اور دُنیا کی شان وشوکت اُس نیک مرد کی نظر میں کوئی وقعت نہ رکھے اور دنیا دار دُوں کی کوئی منزلت وقدر اس کے دل میں سنگریزے کی مقدار تک بھی نہ رہے۔ جب کسی مومن کی یہ حالت ہو جاتی ہے تو دنیا دار جن حیوانی وشہوانی صفات میں مبتلا اور گرفتار ہیں وہ ان تمام چیزوں سے نفرت کرنے لگتا ہے اور پھر اس نیک مرد کی خواہش یہ رہتی ہے کہ دنیادار بھی فرشتہ صفت بن جائیں چنانچہ ظلم، غضب، غرور، بخل اور طمع لالچ کے بجائے اُن کے اندر عفو، بردباری، تواضع، سخاوت اور ایثار کی خوبیاں پیدا ہو جائیں۔ یہ ذکر کردہ اوصاف آخرت کے طلبگاروں کے ہیں۔ رہے طالبانِ حق، سو اُن کے اوصاف بہت بلند وبالا تر ہیں جن کا احاطہ مشکل ہے۔

تخلقوا باخلاق اللہ (اخلاق الٰہی کو اپنے اخلاق بناؤ) یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے کہ وہاں تک ہر ایک کی رسائی نہیں ہوتی۔

عہد لیست مرمرا کہ نگیرم بغیر تو دوست
شرطیست مرمرا کہ نخواہم بغیر تو ہیچ

(میں نے اپنی ذات سے یہ عہد کر لیا ہے کہ بغیر تیرے کسی کو دوست نہیں

بناؤں گا، اور اپنے نفس سے یہ شرط کر لی ہے کہ تیرے بغیر اور کسی کو نہیں چاہوں گا۔

ف: سبحان اللہ، یہ مکتوب کتنے معارف و اسرار پر مشتمل ہے۔ اور اسمیں انتہائی مفید نصائح و مواعظ مندرج ہیں۔ لہٰذا ہر سالک کو بلکہ ہر مسلمان کیلئے اسکا پڑھنا اور سمجھنا اور عمل کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسکی توفیق مرحمت فرمائے۔

واللہ الموفق۔ (مرتب)

نصیحت آمیز مکتوب

"مجمع الاخیار" میں ہے کہ شیخ رکن الدین ابوالفتح نے ایک خط میں اپنے ایک مرید کو لکھا کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں نے نہ کسی کے ساتھ نیکی کی اور نہ ہی بدی کی۔ امیر المومنین حضرت علیؓ سے یہ بات سُنکر تمام حاضرین مجلس تعجب سے انگشت بدنداں ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ اے امیر المومنین! ممکن ہے کہ آپنے کسی کے ساتھ برائی نہ کی ہو، لیکن اچھائی اور نیکی کے بارے میں آپ کیا فرما رہے ہیں۔ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا" (جس نے نیک عمل کیا تو اسکی جزا اُسی کو ملے گی، اسی طرح اگر کسی نے برا کام کیا تو اسکا عذاب بھی اسی کو دیا جائے گا۔) نیکی اور بدی جو کچھ بھی مجھ سے سرزد ہوئی اُس کا بدلہ مجھے ہی ملیگا، دوسروں کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ باقی اللہ تعالیٰ زیادہ جانتے ہیں۔

اسی بنیاد پر بزرگوں نے کہا ہے "سلاح دین کس صلاح او بس است" یعنی ہر شخص کے دین کا بہترین ہتھیار اس کی اپنی صلاح و نیکی ہے ؎

چو میدانی ہر آنچہ کاری دردی
آخر بہمہ حال نیکو کار بہ

(جب تجھے یہ معلوم ہے کہ جو بوئے گا وہی کاٹے گا، تو پھر تیرے لئے ہر حال میں نیکی ہی کا بیج بونا بہتر ہے۔)

اس کے بعد شیخ رکن الدین ابو الفتح رح بطور نصیحت یوں رقمطراز ہیں:۔

عقلمند کے لئے تو یہی نصیحت دنیا و آخرت کے تمام کاموں کی سعادت کے لئے کافی ہے اور اللہ تعالےٰ ہی نیکی اور بھلائی کی توفیق دیتے ہیں۔

شیخ نے اعمال پر متابعت کے لئے ایک نصیحت یہ بھی فرمائی ہے کہ اپنے تمام اعضاء کو تمامتر ممنوعات اور مکروہات شرعیہ سے باز رکھا جائے اور فضول آدمی کی نشست و برخاست سے علیحدگی اختیار کی جائے۔ اور ہر وہ چیز جو اللہ سے تعلق توڑدے اس کی کوئی قیمت نہیں۔ اور مہمل و بیکار لوگوں کی صحبت سے کنارہ کشی اختیار کی جائے۔ اور یہ بات بھی ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ جو شخص حق کا طلبگار نہیں درحقیقت وہی بطال یعنی مہمل و بیکار ہے۔

ف : سبحان اللہ، کیا خوب نصائح ہیں جو لائحۂ عمل بنانے بلکہ صفحۂ قلب پر لکھے جانے کے لائق ہیں۔ (مرتب)

وفات

۶۹۰ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

(اخبار الاخیار ص۱۴۲)

حضرت خواجہ علاء الدین علی احمد صابر کلیری المتوفی ۶۹۰ھ

نام ونسب، ولادت

نام علاؤالدین علی احمد، والد کا نام عبدالرحیم، لقب صابر ہے۔ ۵۹۲ھ میں آپ کی پیدائش ملتان کے ایک مقام کوتوال میں ہوئی۔ آپ نسباً حسنی ہیں۔ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی آپ کے جدامجد میں سے ہیں۔

صابر کی وجہ تسمیہ

حضرت خواجہ فریدالدین کے لنگرخانہ کی ذمہ داری بارہ سال تک آپ ہی کے ذمہ تھی۔ لیکن صریح اجازت نہ ہونے کی وجہ سے آپ نے کبھی اس میں سے خود نہیں کھایا، بلکہ آپ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ بارہ سال کے بعد آپ کی والدہ نے آکر آپ کو دیکھا تو آپ کمزور ہو چکے تھے، تو آپ کی والدہ نے بابا صاحب سے وجہ پوچھی، تو اسوقت حضرت نے آپ سے دریافت فرمایا، تو آپ نے عرض کیا کہ بندہ کی کیا مجال کہ بغیر حضرت اقدس کے ارشاد کے اسمیں تصرف کرتا، جنگل سے گولر لاکر پیٹ بھرتا ہوں۔ آپ نے یہ جواب سُن کر انھیں صابر کے خطاب سے نوازا۔

غلبۂ استغراق

ایک خادم نے حضرت فریدالدین گنج شکر سے اجازت طلب کی کہ آپ کے خلفاء سے ملنے کو جی چاہتا ہے پھر وہ اجازت لے کر حضرت علاء الدین علی احمد صابر کے پاس آئے۔ آپ غلبۂ استغراق کی وجہ سے کسی آنے والے سے واقف نہیں ہوتے تھے۔ حضرت شمس الدین ترک نے جو آپ کی خدمت میں رہتے تھے باآواز بلند ہوشیار

کیا اور عرض کیا کہ حضرت پیر و مرشد کا خادم آیا ہے اور حضرت کا سلام لایا ہے۔ تو آپ نے شیخ کے سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا کہ میرے شیخ کیسے ہیں؟ اور ساتھ ہی حضرت شمس الدین کو تاکید فرمائی کہ ان کی عزت کرو اور فرمایا کہ آج گولروں میں نمک ڈال دینا۔ یہ گویا حق ضیافت تھا۔ یہ فرماکر پھر استغراق طاری ہوگیا۔ اس کے بعد وہ خادم حضرت سلطان الاولیار کے یہاں حاضر ہوا، یہاں شاہی دربار تھا، بہت تعظیم ہوئی اور حضرتؒ نے عمدہ اور لذیذ کھانے کھلائے اور بہت سے تحفے دیئے۔ جب وہ خادم حضرت فریدالدین گنج شکرؒ کے یہاں حاضر ہوا، تو آپ نے دونوں صاحبوں کا حال دریافت فرمایا، تو خادم نے سلطان الاولیار کی بہت ہی زیادہ تعریف کے پُل باندھے اور مخدوم علاؤالدین احمد صابر کے بارے میں کہا کہ وہ تو کسی سے گفتگو ہی نہیں کرتے۔

حضرتؒ نے دریافت کیا کہ میرے بارے میں کچھ کہا تھا؟ تو کہا، کچھ بھی نہیں۔ آپ نے دوبارہ دریافت کیا کہ آخر کچھ تو کہا ہوگا؟ خادم نے عرض کیا کہ صرف یہ پوچھا تھا کہ میرے شیخ کیسے ہیں؟ تو آپ چشم پُرآب ہوکر فرمانے لگے کہ آج وہ ایسے درجہ میں ہیں کہ وہاں کسی کی گنجائش نہیں ہے یہ میرے ساتھ کمال محبت کی علامت ہے کہ ایسی حالت میں بھی مجھے پوچھا اور یاد کیا۔

کرامت مشہور ہے کہ آپ کے وصال کے بعد کلیر پر غیر مسلموں کا غلبہ ہوگیا تھا اور بعض لوگوں نے مقبرہ میں بُت خانہ بنا دیا تھا اور کچھ بے حرمتی کا ارادہ تھا۔ تو اتفاقاً جنگل سے ایک شیر آیا اور بہت سی جانوں کا نقصان کر گیا۔ اور باقی لوگ بھاگ گئے۔

آپ پر جلال غالب تھا۔ وصال کے بعد بھی مزار پر ایک شعلہ چمکتا تھا،

جس کی وجہ سے کسی شخص کی مجال مزار پر جانے کی نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت شاہ عبدالقدوس نوّراللہ مرقدہٗ مزار پر حاضر ہوئے، تو آپ کی درخواست پر وہ چمک موقوف ہوگئی۔ (تاریخ مشائخ چشت ص۱۸۵ مؤلفہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ)

بیعت وخلافت ابتدائی تعلیم کے بعد آٹھ سال کی عمر میں پاک پٹن گئے اور ۶۰۲ھ میں بابا فریدالدین گنج شکر سے بیعت ہوئے والدہ صاحبہ نے آپ کے سپرد کردیا۔ تعلیم وتربیت کے بعد صابر لقب سے نوازکر جو کچھ مرشد سے پایا تھا عطا فرماکر کلیر شریف کا شاہِ ولایت بناکر روانہ فرمادیا کہ وہاں تبلیغ دین فرمائیں۔

ایک بار جمعہ کے دن اپنے ساتھیوں کے ساتھ جامع مسجد پہنچ کر پہلی صف میں بیٹھ گئے جو شہر کے معززین نے اپنے لئے مخصوص کررکھی تھی، جب وہ آئے تو آپ سے اُٹھ جانے کو کہا کہ یہ ہماری جگہ ہے۔ حضرتؒ کو اس پر جلال آگیا اور نظر ڈالی تو مسجد لرز گئی، زلزلہ سا آگیا۔ (قطب بالوہ ص۱۰ مؤلفہ قاضی سید عابد علی بھوپال)

اظہار حقیقت صابریہ سلسلہ کے ابتدائی حالات لکھتے وقت تاریخ کے ایک طالبعلم کو بڑی دُشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اول تو بانیٔ سلسلہ کے حالات کسی مرید یا عقیدت مند کے لکھے ہوئے نہیں ملتے دوسرے تمام معاصر تذکرے اور تاریخیں اُن کے معاملہ میں بالکل خاموش ہیں "سیرالاولیاء" میں جو چند سطریں ایک بزرگ علی صابر کے حالات میں درج ہیں، اُن کے متعلق بقول شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ بہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ اُنہی کے متعلق ہیں یا کسی اور کے، سترہویں و اٹھارہویں صدی کے مذہبی تذکروں میں ان کے حالات تفصیل سے درج ہیں، لیکن

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان تذکروں نے کہاں سے یہ حالات فراہم کئے ہیں ان کے مآخذ کیا ہیں اور اُنکی تاریخی افادیت کہاں تک ہے؟ غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کے تذکروں کی بنیاد یا تو کشف پر ہے یا محض سُنی سنائی روایات پر۔ دونوں صورتوں میں ان پر اعتماد کرنا خطرے سے خالی نہیں ۔ میں نے احتیاط سے کام لیا ہے۔ (تاریخ مشائخ چشت صفحہ ۲ ، پروفیسر خلیق احمد نظامی)

سلسلۂ صابریہ کے نامور مشائخ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحؒ نے اس سلسلہ سے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کو نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں :۔

" شیخ کبیر علاء الدین علی احمد صابر نسباً اسرائیلی تھے ، ترک و تجرید اور زہد و مجاہدہ میں اُنکی نظیر نہ تھی ۔ پیران کلیر میں عرصہ تک عبادت و افادہ میں مشغول رہے اور وہیں وفات پائی ۔ حضرت شمس الدین ترک پانی پتی آپ ہی کے خلیفہ تھے "

اس کے بعد حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں :۔

" شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحؒ کو شبہ ہے کہ یہ حضرت شیخ علی احمد صابرؒ پیران کلیری کا تذکرہ ہے یا اسی نام کے کسی اور بزرگ کا ۔ امیر خورد لکھتے ہیں :۔

بندہ از خدمتِ والد خود رحمۃ اللہ علیہ	بندہ نے اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ سے
سماع دارد کہ درویشے بود بزرگ صاحبِ	سنا ہے کہ ایک عالی مرتبہ درویش تھے
نعمت کہ او را شیخ علی صابر گفتندے	جنکو شیخ علی صابر کہتے تھے ، درویشی میں
در درویشی قدمے ثابت و نفسے گیرا	راسخ اور صاحب نسبت و تاثیر قصبہ دیگری
داشت ، ساکن قصبہ دیگری بودے	کے رہنے والے تھے ، حضرت شیخ فریدالدین

و پیوند بخدمت شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس سرہ العزیز داشت اور از حضرت شیخ شیوخ العالم اجازتِ بیعت بود۔	سے نسبتِ ارادت رکھتے تھے اور آپ نے ان کو اجازتِ بیعت دے رکھی تھی۔

معاصر یا زمانہ قریب کے تذکروں میں خواہ ان کا تذکرہ بالکل نہ ہو یا سرسری و مختصر ہو، ان کے سلسلہ کے مشائخ کبار کے حالات، ان کا علو شان، ان کے علوم و مقامات، اہل بصیرت کا اس سلسلہ کی مقبولیت پر اتفاق اور عالم میں اس کے فیوض و برکات و آثار شاہد ہیں کہ بانیٔ سلسلہ نہایت عالی مقام، عالی نسبت اور عنداللہ مقبول تھے۔ اس سے بڑھ کر خود تاریخ کی شہادت بھی نہیں ہو سکتی اور نہ تاریخ کی یہ پہلی غفلت اور چوک ہے، زمانہ سابق میں بھی بہت سی باکمال شخصیتیں تاریخ کی تیز نگاہوں سے بچ گئیں اور زاویۂ خمول میں رہیں۔

اس سلسلہ (صابریہ چشتیہ) میں بڑے نامور مشائخ، عارف و محقق و مصلح پیدا ہوئے، مثلاً حضرت مخدوم احمد عبد الحق ردولوی رحؒ جن کی ذات بابرکات کو بعض اہل نظر نے نویں صدی کا مجدد بھی شمار کیا ہے، حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی رحؒ، حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی رحؒ، شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحؒ، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحؒ (بانی دار العلوم دیوبند)، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحؒ

وفات

حضرتؒ کی وفات ۱۳ ربیع الاول ۶۹۰ھ میں کلیر میں ہوئی۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔ لفظ "مخدوم" آپ کی تاریخ وفات ہے۔

(تاریخ مشائخ چشت ص۱۸۰)

حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازیؒ المتوفی ۶۹۱ھ

نام ونسب نام شرف الدین، لقب مصلح الدین، تخلص سعدی والد کا نام شیخ عبداللہ ہے۔ شیراز کو وطن ہونے کا شرف حاصل ہے، وہ شیراز جو صدیوں تک ایران کا دارالحکومت اور پایۂ تخت ہونے کے علاوہ تمام علوم وفنون کا مرکز رہ چکا ہے۔

ولادت آپ کی ولادت شیراز میں ۵۸۹ھ مطابق ۱۱۹۳ء کے لگ بھگ ہوئی۔

سعدی کی وجہ تسمیہ شیخ کے والد عبداللہ شیرازی اتابک سعد زنگی کے ملازم تھے، اور چونکہ شیخ کو بچپن ہی سے ادب وشعر گوئی کا شوق تھا، اس لئے بچپن ہی میں حاکم وقت سعد زنگی کے نام کی مناسبت سے اپنا تخلص سعدی تجویز کر لیا۔

بچپن شیخ کے والد ایک خدا رسیدہ اور دیندار آدمی تھے، اسی لئے شیخ کو بچپن ہی میں نماز، روزہ، تلاوتِ کلام اللہ، عبادت وریاضت وغیرہ کی نہ صرف مشق کرائی جا چکی تھی، بلکہ شیخ کی طبیعت میں ان چیزوں کا خاص ذوق وداعیہ پیدا ہو گیا تھا، تہجد گزاری اور قرآن خوانی کے بڑے حریص تھے۔ چنانچہ شیخ اپنے والد کی تربیت اور تادیبانہ سرزنش اور مربیانہ نگرانی کا ایک واقعہ گلستاں میں نقل کرتے ہیں کہ:۔

ایک رات میں اپنے والد کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور تمام شب

شب بیداری اور قرآن پڑھنے میں گزار دی، اور درویشوں کی ایک جماعت ہمارے گرد سو رہی تھی، میں نے والد صاحب سے کہا کہ کوئی اُٹھ کر دو رکعت پڑھنے کی توفیق نہیں رکھتا۔ اُس وقت والد صاحب نے سرزنش کرتے ہوئے فرمایا۔ "اے جان پدر! اگر تو نیز بخفتی ازاں بہ کہ در پوستین خلق افتی" (یعنی اے بیٹے! اگر تو بھی سو جاتا تو لوگوں کی عیب جوئی سے بہتر ہوتا۔)

تعلیم و تعلم شیخ شیراز سے نکل کر بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں داخل ہوئے اور علامہ ابو الفرج عبدالرحمٰن ابن جوزیؒ کی خدمت میں تحصیل علم کی اور وہیں سارے علوم و فنون کی تکمیل فرمائی، منقولات اور معقولات میں آپ نے امتیازی شان حاصل کی۔ البتہ شیخ کی طبیعت پر تصوف و درویشی کا زیادہ غلبہ تھا۔

تصوف اور شیخ شیخ بچپن ہی سے تصوف پسند اور درویش دوست قانع طبیعت کے واقع ہوئے تھے، زہد و اتقاء کا طبیعت پر غلبہ تھا، تصوف میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کو اپنا رہبر و رہنما منتخب کیا اور آپ کی تعلیم و تربیت کی بنا پر آپ شیخ کامل بن گئے۔

شیخ نے اپنی زندگی کے تیس برس علم حاصل کرنے میں، تیس سال سیر و سیاحت میں اور تیس سال تصانیف میں اور تیس سال عزلت و گوشہ نشینی اور رضائے الٰہی والے امور میں گزار دیئے۔

سیر و سیاحت ایک مدت دراز تک سیر و سیاحت میں رہے، انھوں نے ایشیائے کوچک، عراق، آذربائیجان، عرب، شام، فلسطین، بیت المقدس، دمشق اور ہندوستان وغیرہ ممالک کا سفر کیا۔

ہندوستان میں آپ نے سومنات (ویراول) میں کچھ عرصہ قیام کیا، وہاں کے پنڈتوں کے سارے کرتوت دیکھے، اس کے بعد آپ نے بہت سی اصلاحات فرمائیں۔

تصانیف شیخ کی تصانیف میں گلستاں، بوستاں، پندونصائح اور حکمت وسیاست کے موضوع پر اس قدر مقبول ہوئیں کہ ایسی مقبولیت معدودے چند کتابوں کو ہی نصیب ہوئی ہوگی۔ ان کتابوں میں شیخ کا انداز بیان اس قدر شیریں اور اتنا دلنشیں ہے کہ اس قسم کی دوسری کسی کتاب میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ ان کتابوں میں اصلاح اخلاق اور تزکیۂ نفوس کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، بلکہ اگر بغور دیکھا جائے تو بتمامہ اصلاح اخلاق واحوال ہی پر مبنی ہے۔

(بہار بوستاں ص۹ از مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی)

دلی تقاضا کے مطابق "گلستاں" کے نہایت مؤثر وجامع حمد وثناء کے ابتدائی حصہ کو نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں:۔

حمد وثناء

شکر احسان منت مر خدائے را عزوجل کہ طاعتش موجب قربت است وبشکر اندرش مزید نعمت، ہر نفسے کہ فرو می رود ممد حیات است وچوں بر می آید مفرح ذات پس در ہر نفسے دو نعمت موجود است و در ہر نعمتے شکرے واجب۔

ترجمہ: اُس خدائے بزرگ وبرتر کا احسان ہے (وہی احسان کے لائق ہے) کہ جس کی بندگی نزدیکی کو واجب کرنے والی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی بندگی

اسکی نزدیکی کا سبب ہے اور اس کا شکر ادا کرنے میں نعمت کی زیادتی ہے۔ جو سانس کہ اندر جاتا ہے زندگی کو بڑھانے والا ہے یعنی مددگار ہے، اور جب وہ باہر آتا ہے تو ذات یعنی روح کو فرحت بخشنے والا ہے۔ پس ہر سانس میں دو نعمتیں موجود ہیں اور ہر نعمت پر ایک شکر واجب ہے۔

بیت

از دست و زبان کہ بر آید ؁ کز عہدۂ شکرش بدر آید

اِعْمَلُوْا آلَ دَاوُدَ شُکْرًا وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ۔

قطعہ

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش ؁ عذر بدرگاہِ خدا آورد

ورنہ سزاوار خداوندیش ؁ کس نتواند کہ بجا آورد

ترجمہ: کس کے ہاتھ اور زبان سے یہ کام پورا ہووے کہ اُس مالک کے شکر کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوسکے۔ یعنی یہ بات ناممکن ہے کہ بندہ پر اللہ تعالیٰ کے احسانوں کا جتنا شکر واجب ہے وہ ادا کرسکے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: اے آل داؤد! تم شکر کیا کرو، کیونکہ میرے بندوں میں شکر کرنے والے کم ہیں۔ وہی بندہ بہتر ہے جو کہ اپنی کوتاہی کا عذر اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں لاوے، ورنہ اُس کی خداوندی کے لائق کوئی شخص بھی شکر نہیں بجالاسکتا۔

اب ہم محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی رحمہ اللہ کی کتاب "اعیان الحجاج" سے شیخ سعدی رحؒ کے چند سفر حج کے واقعات نقل کرتے ہیں:

واقعاتِ سفرِ حج

شیخ کو حج سے بڑا شغف اور اس پاک سرزمین سے ان کو والہانہ عقیدت تھی۔ اکثر تذکرہ نویسوں نے

لکھا ہے کہ انھوں نے چودہ حج پا پیادہ کئے ہیں ۔ اور خود شیخ کے کلام سے تعداد کی تو نہیں مگر پا بپیادہ حج کرنے کی تصدیق ہوتی ہے۔ شیخ گلستاں میں فرماتے ہیں کہ مکہ کے بیابان میں ایک رات جاگتے جاگتے چلنے کی سکت نہیں رہ گئی تو میں زمین پر سر رکھ کر پڑ رہا۔ اور شتربان جو قافلہ میں تھا اس سے میں نے کہا کہ بس اب ہم سے ہاتھ اٹھا لے ؎

پائے مسکیں پیادہ چند رود ۔۔۔ کز تحمل ستوده شد بختی

تا شود جسم فربہے لاغر ۔۔۔ لاغرے مرده باشد از سختی

یعنی پیدل چلنے والے مسکین کے پیر کب تک چلیں گے، کہ اب تو بختی اونٹ کے برداشت سے بھی باہر ہو گیا۔ جبتک کسی موٹے کا جسم لاغر ہوگا، اتنے دنوں میں تو دبلا آدمی سختی کی وجہ سے مر جائیگا۔

شتربان نے کہا کہ بھائی! حرم مکہ سامنے ہے اور ڈاکو چور پیچھے ہیں، اگر ہمت کر کے تھوڑا اور چلو تو میدان مار لوگے، اور اگر پڑ کے سو گئے تو ہلاکت کے سوا دوسرا کوئی نتیجہ نہیں ہے۔ کہا گیا ہے کہ ؎

خوش است زیر مغیلاں براہ بادیہ خفت ۔۔۔ شب رحیل ولے ترک جاں بباید گفت

یعنی ببول کے درخت کے نیچے جنگل کے راستہ میں سوتے ہوئے بہت اچھا لگتا ہے مگر اس کیلئے جان دینے کا ارادہ نہیں کرنا چاہیئے۔ (گلستاں ب۲)

بوستاں میں بھی اسی طرح کا ایک قصہ لکھا ہے، جو بیابان فید میں انکو پیش آیا تھا۔ شیخ نے اپنے سفر حج کے متعدد واقعات خود بیان کئے ہیں جو سننے کے قابل ہیں۔ گلستاں میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص ننگے پاؤں اور

ننگے سر پیادہ پا حج کرنے کا ارادہ کرکے کوفہ سے حجاز جانے والے قافلہ کے ساتھ ہوا، میں نے جو معلوم کیا تو اس کے پاس روپیہ پیسہ بھی نہیں تھا، بایں ہمہ بالکل مستانہ چال سے قافلہ کے ساتھ یہ کہتا ہوا چلا جا رہا تھا ؎

نہ براشتر برسوارم نہ چو اشتر زیر بارم   نہ خداوند رعیت نہ غلام شہریارم
غم موجود و پریشانی معدوم ندارم   نفسے می زنم آسودہ وعمرے بسر آرم

یعنی میں نہ اونٹ پر سوار ہوں، نہ اونٹ کی طرح بوجھ سے دبا ہوں۔ نہ کسی رعیت کا بادشاہ ہوں اور نہ کسی بادشاہ کا غلام ہوں۔ نہ مجھے حاضر کا غم ہے نہ غائب کی پریشانی ہے۔ آرام سے جی رہا ہوں اور عمر پوری کر رہا ہوں۔

ایک شتر سوار نے اس سے کہا کہ اے درویش! کہاں جا رہا ہے، لوٹ جا ورنہ تکلیف سے مر جائے گا۔ اس نے ایک نہ سنی اور چلتا رہا۔ جب نخلۂ بنی محمود میں قافلہ پہنچا تو اتفاق دیکھئے کہ وہ شتر سوار مالدار مر گیا۔ اس وقت اس درویش نے اس کے سرہانے جا کر کہا، "ما بسختی نمردیم و تو برنجتی بمُردی"۔ یعنی ہم تو سختی سے نہیں مرے اور تم بختی اونٹ پر مر گئے۔ (گلستاں ۲ پ)

ایک دوسرا واقعہ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ سفر حجاز میں چند ہمدم و ہمقدم اور صاحب دل جوانوں کا ساتھ ہو گیا تھا۔ وہ کبھی کبھی جوش میں آکر کوئی محققانہ شعر ترنم کے ساتھ پڑھ دیا کرتے تھے۔ قافلہ میں ایک عارف و متقی بزرگ بھی تھے وہ ٹوکا اور ڈانٹا کرتے تھے۔ جب ہم نخیل بنی ہلال میں پہنچے تو وہاں کی آبادی سے ایک حبشی بچے نے نکل کر ایسی پُر درد اور دل ہلا دینے والی آواز سے ایک شعر پڑھا کہ اُڑتی ہوئی چڑیاں فضا میں رک گئیں اور ان بزرگ کا اونٹ ناچنے لگا۔ وہ دھم سے زمین پر آ گئے اور اونٹ جنگل کی طرف نکل گیا۔

ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ ہمارے ساتھ حجاز جانے والے قافلہ میں ایک خرقہ پوش بزرگ بھی تھے۔ ان کو عرب کے ایک امیر نے منیٰ میں قربانی کرنے کیلئے سو دینار دیئے تھے۔ جاتے جاتے ایک مقام پر قبیلہ بنو خفاجہ کے چوروں نے ہم پر حملہ کر دیا اور جتنا کچھ تھا سب لوٹ لے گئے۔ دوسرے تمام لوگوں نے تو رونا دھونا چیخنا چلاّنا اور بیکار واویلا مچانا شروع کیا، مگر اس خرقہ پوش پر کوئی اثر نہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کچھ ہوا ہی نہیں۔ میں نے اس سے کہا شاید وہ رقم (جو امیر عرب نے دی تھی) چور نہیں لے گئے؟ فرمایا، لے کیوں نہیں گئے، لیکن مجھ کو اس سے ایسی الفت نہیں تھی کہ اس کے جانے کا قلق ہو ؎

نباید بستن اندر چیز وکس دل   کہ دل برداشتن کاریست مشکل

کسی چیز اور کسی آدمی سے دل کو وابستہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ وابستگی کے بعد علیحدگی دشوار ہوتی ہے

ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ ہم نے ایک بدّو کو دیکھا جو اپنے لڑکے سے کہہ رہا تھا

یَا بُنَیَّ اِنَّکَ مَسْئُوْلٌ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مَاذَا اکْتَسَبْتَ وَلَا یُقَالُ بِمَنِ انْتَسَبْتَ

یعنی قیامت میں تم سے یہ سوال ہوگا کہ تمھارے پاس ہنر کیا ہے؟ یہ سوال نہ ہوگا کہ تمھارا پدر کون تھا ؎

جامۂ کعبہ را کہ می بوسند   او نہ از کرم پیلہ نامی شد

با عزیزے نشست روزے چند   لاجرم ہمچو او گرامی شد

ترجمہ: کعبہ کے غلاف کو جو بوسہ دیتے ہیں تو اسکو یہ عزت ریشم کے کیڑے کیوجہ سے نہیں ملی ہے بلکہ ایک قابل عزت و احترام شے (کعبہ) کے ساتھ اس کو چند دن صحبت کا شرف حاصل ہوا اس لئے وہ بھی معظم و محترم ہو گیا۔ (گلستاں ب)

ساتویں باب میں فرماتے ہیں کہ ایک سال پیدل جانے والے حاجیوں میں جھگڑا

ہوگیا۔ اس سفر میں بھی پیدل تھا۔ حق بات یہ ہے کہ ہم خوب لڑے اور فسق وجدال کی اچھی طرح داد دی۔ ہمارا یہ حال دیکھ کر ایک حاجی جو کجاوہ میں سوار تھا اپنے ساتھی سے بولا کہ علاج (ہاتھی) کا پیادہ تو شطرنج کی بساط میں مسافت طے کر کے فرزین (یعنی پہلے سے بہتر) ہوجاتا ہے اور حاج (حاجی) کا پیادہ اپنا راستہ قطع کر کے پہلے سے بدتر ہو گیا ؎

از من بگوی حاجی مردم گزائے را ۔۔۔ کہ پوستین خلق بہ آزار می درد

حاجی تو نیستی شتر است از برائے آنکہ ۔۔۔ بیچارہ خار می خورد و بار می برد

یعنی آدمیوں کو کاٹ کھانے والے حاجی سے جو مخلوق خدا کو آزار دیتا ہے میری طرف سے کہدے کہ تو حاجی نہیں ہے بلکہ اونٹ حاجی ہے کہ وہ بیچارہ کانٹے کھاتا ہے اور بوجھ ڈھوتا ہے۔

اور سب سے زیادہ مؤثر اور رقت خیز و درد انگیز یہ واقعہ لکھا ہے کہ میں نے ایک درویش کو دیکھا کہ وہ آستانِ کعبہ پر اپنا سر رگڑ رہا تھا اور رو رو کر کہہ رہا تھا کہ اے غفور رحیم! تو جانتا ہے کہ ظلوم وجہول انسان سے ظلم و نادانی کے سوا ہو ہی کیا سکتا ہے ؎

عذر تقصیر خدمت آوردم ۔۔۔ کہ ندارم بطاعت استظہار

عاصیاں از گناہ توبہ کنند ۔۔۔ عارفاں از عبادت استغفار

یعنی میرے پاس طاعت وعبادت نہیں ہے کہ اس سے مجھ کو تقویت حاصل ہو۔ اسلئے میں خدمت میں کوتاہی کی صرف معذرت لایا ہوں۔ گنہگار گناہ سے توبہ کرتے ہیں اور عارف لوگ اپنی عبادتوں کی خامیوں سے استغفار کرتے ہیں۔

عبادت گزار بندے عبادتوں کا ثواب مانگتے ہیں، اور تاجر لوگ سودے کی قیمت، لیکن میں ایک بیکس غلام ہوں۔ امید لایا ہوں نہ طاعت، اور

بھیک مانگنے آیا ہوں، تجارت کیلئے نہیں۔ اِصْنَعْ لِیْ مَا اَنْتَ اَھْلُہٗ وَلَا تَفْعَلْ بِنَا مَا نَحْنُ اَھْلُہٗ۔ (تو ہمارے ساتھ وہ کر جو تیرے لئے سزاوار ہے اور وہ نہ کر جس کے ہم مستحق ہیں۔) ؎

گر کُشی در جرم بخشی روئے و سر بر آستانم　　　بندہ را فرماں نباشد ہر چہ فرمائی بر آنم

یعنی تو چاہے تو ہلاک کر دے اور چاہے تو بخش دے، ہمارا منہ اور سر تیرے آستانہ پر ہے۔ بندہ حکم نہیں دے سکتا، جو تیرا حکم اور مرضی ہو ہم اس پر راضی ہیں۔

قطعہ

بر در کعبہ سائلے دیدم　　　کہ ہمی گفت و می گریستی خوش
من نگویم کہ طاعتم بپذیر　　　قلمِ عفو بر گناہم کش

یعنی کعبہ کے دروازہ پر میں نے ایک سائل کو دیکھا کہ خوب رو رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میری طاعت وعبادت قبول فرما۔ بلکہ میری غرض صرف یہ ہے کہ میرے گناہوں پر معافی کا خط کھینچ دے۔

شیخ نے اپنی کتاب بوستاں میں بھی بعض واقعاتِ حج لکھے ہیں ایک جگہ لکھتے ہیں ؎

مرا حاجیٔ شانۂ عاج داد　　　کہ رحمت بر اخلاق حجاج باد
شنیدم کہ بارے سگم خواندہ بود　　　کہ از من بنوعے دلش ماندہ بود
بینداختم شانہ کیں استخواں　　　نمی بایدم دیگرم سگ مخواں
مپندار چوں سرکۂ خود خورم　　　کہ جورِ خداوند حلوا برم

یعنی ایک حاجی نے مجھ کو ہاتھی دانت کی ایک کنگھی دی (حجاج کے اخلاق پر خدا کی رحمت ہو)۔ میں نے سنا تھا کہ کبھی اس کو مجھ سے شکایت ہو گئی تھی اور اس نے مجھ کو

کتا کہہ دیا تھا۔ اس لئے میں نے کنگھی اس کی طرف پھینک دی اور کہا کہ مجھ کو یہ ہڈی نہیں چاہیئے، ہاں آئندہ آپ مجھ کو کتا نہ کہیں۔ جب میں اپنے سر کہ پر قناعت کرتا ہوں تو یہ نہ سمجھئے کہ حلوے والے کا ستم برداشت کروں گا۔ (ب ۶)

شیخ نے بوستاں کے دسویں باب میں ایک شوریدہ سر حاجی کی درد و سوز سے بھری ہوئی مناجات نقل کی ہے جس کو پڑھ کر ممکن نہیں کہ کوئی آنکھوں پر قابو رکھ سکے۔ (اعیان الحجاج ص ۱۰۳/۲)

اب ہم وہ مناجات مع اردو ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو گریہ وزاری کے ساتھ اس دعا کو کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔ (مرتب)

حکایت

تنم می بلرزد چو یاد آمدم
میرا جسم کانپ جاتا ہے جب مجھے یاد آتی ہے

مناجاتِ شوریدۂ در حرم
حرم کے اندر ایک دیوانے کی دعا

کہ می گفت با حق بزاری بسے
جو حق تعالیٰ سے رو رو کے کہہ رہا تھا

میفگن کہ دستم نگیرد کسے
مجھے نہ گرا، کیونکہ میرا ہاتھ کوئی نہیں پکڑیگا

بلطفم بخواں یا براں از درم
مجھے مہربانی سے بلالے یا در وازے سے بھگادے

ندارد بجز آستانت سرم
میرا سر تیرے سوا کوئی آستانہ نہیں رکھتا

تو دانی کہ مسکین و بیچارہ ایم
تو جانتا ہے کہ ہم مسکین اور بیچارے ہیں

فرو ماندہ بانفس امارہ ایم
نفس امارہ سے عاجز آئے ہوئے ہیں

نمی تازد ایں نفس سرکش چناں
یہ سرکش نفس اس طرح نہیں دوڑتا

کہ عقلش تواند گرفتن عناں
کہ عقل اس کی باگ تھام سکتی ہو

کہ با نفس و شیطاں برآید بزور
نبرد پلنگاں نیاید ز مور

نفس اور شیطان کیساتھ زور میں کون پورا اتر سکتا ہے، چیتوں کی لڑائی چیونٹی نہیں لڑ سکتی

بمردان راہت کہ راہے بدہ
وزیں دشمنانم پناہے بدہ

اپنی راہ کے مردوں کے طفیل مجھے بھی راستہ دے اور ان دشمنوں سے مجھے پناہ عطا فرما!

خدایا بذاتِ خداوندیت
باوصاف بے مثل و مانندیت

اے خدا، اپنی خداوندی کے طفیل اپنی بے مثل اور بے مثال صفتوں کے طفیل

بہ لبیک حجاج بیت الحرام
بمدفون یثرب علیہ السلام

بیت الحرام کے حاجیوں کے لبیک کے طفیل یثرب میں مدفون علیہ السلام کے طفیل

بہ تکبیر مردان شمشیر زن
کہ مرد وغا را شمارند زن

تلوار باز مردوں کی تکبیر کے طفیل جو جنگی مردوں کو عورتوں کیطرح سمجھتے ہیں

بہ طاعات پیران آراستہ
بہ صدق جوانان نوخاستہ

پیروں کی آراستہ عبادت کے طفیل نوخیز جوانوں کی سچائی کے طفیل

کہ مارا دریں ورطۂ یک نفس
ز ننگ دو گفتن بفریاد رس

کہ ہمیں اس ایک سانس کے بھنور میں دو کہنے کی ذلت سے فریاد رسی کر

امید است از آناں کہ طاعت کنند
کہ بے طاعتاں را شفاعت کنند

جو لوگ عبادت کرتے ہیں ان سے امید ہے کہ بے عبادتوں کی سفارش کریں گے

بہ پاکاں کز آلایشم دور دار
وگر زلتے رفت معذور دار

پاک لوگوں کا واسطہ، مجھے گندگیوں سے دور رکھ اگر کوئی لغزش ہوگئی ہے تو معذور جان

بہ پیران پشت از عبادت دوتا
ز شرم گنہ دیدہ بر پشت پا

اُن بزرگوں کے طفیل جنکی کمریں عبادت سے دوہری ہیں گناہوں کے شرم سے جنکی آنکھیں قدموں پر ہیں

که چشمم زروئے سعادت مبند — زبانم بوقت شهادت مبند

نیک بختی کے چہرے سے میری آنکھیں نہ ہٹا — شہادت کے وقت میری زبان کو بند نہ کر

چراغ یقینم فراراه دار — زبدکردنم دست کوتاه دار

یقین کا چراغ میرے راستہ میں رکھ دے — بدکاری سے میرا ہاتھ کوتاہ کر دے

بگرداں زنادیدنی دیده ام — مده دست بر ناپسندیده ام

نہ دیکھنے کی چیزوں سے میری آنکھیں پھیر دے — ناپسندیدہ کاموں پہ مجھے قدرت نہ دے

من آں ذره ام در ہوائے تو نیست — وجود و عدم در ظلامم یکیست

میں تیری فضا کا وہ ذرہ ہوں جو نیست ہے — تاریکیوں میں میرا وجود اور عدم برابر ہے

زخورشید لطفت شعاعے بسم — که جز در شعاعت نه بیند کسم

تیری مہربانی کے سورج سے مجھے ایک شعاع کافی ہے — کیونکہ تیری کرن کے بغیر مجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا

مرا گر بگیری بانصاف و داد — بنالم که عفوم نه ایں وعده داد

تو اگر مجھے عدل وانصاف سے پکڑ لے — تو میں فریاد کروں گا کیونکہ تیری بخشش نے تو یہ وعدہ نہیں کیا

خدایا بذلت مراں از درم — که صورت نه بندد در دیگرم

اے خدا، مجھے ذلت کے ساتھ اس دروازے سے نہ ہٹا — کیونکہ میرے لئے دوسرے کسی دروازے کی صورت نہیں بنتی

ور از جهل غائب شدم روز چند — کنوں کامدم در بروئیم مبند

اگر نادانی کی وجہ سے میں چند دن غیر حاضر رہا — تو اب جبکہ آگیا ہوں، مجھ پر دروازہ بند نہ کر

چه عذر آرم از ننگ تردامنی — مگر عجز پیش آورم کاے غنی

گنہگاری کی شرم کا میں کیا عذر پیش کروں — سوائے اس کے کہ عاجزی لے کر آؤں کہ اے غنی!

فقیرم بجرم گناہم مگیر — غنی را ترحم بود بر فقیر

میں فقیر ہوں، مجھے گناہوں کے جرم میں نہ پکڑ — مالدار کو تو فقیر پر رحم آیا کرتا ہے

چرا باید از ضعف حالم گریست	اگر من ضعیفم پناہم قویست
میں اپنے حال کی کمزوری سے کیوں روؤں	اگر میں کمزور ہوں تو میری پناہ مضبوط ہے
خدایا بغفلت شکستیم عہد	چہ زور آورد با قضا دست جہد
اے خدا، ہم نے غفلت سے عہد توڑا	کوشش کا ہاتھ تقدیر کے سامنے کیا زور دکھلائے
چہ برخیزد از دست تدبیر ما	ہمیں نکتہ بس عذر تقصیر ما
ہماری تدبیر کے ہاتھ سے کیا بنے	ہماری خطا کے عذر میں یہی نکتہ کافی ہے
ہمہ ہر چہ کردم تو برہم زدی	چہ قوت کند با خدائی خودی
میں نے جو کچھ کیا تو نے اسے درہم برہم کر دیا	خدائی کے ساتھ خودی کیا مقابلہ کرے
نہ من سر ز حکمت بدر می برم	کہ حکمت چنیں می رود بر سرم
میں تیرے حکم سے سر باہر نہیں لے جا سکتا	کیونکہ تیرا حکم میرے سر پر یونہی چل رہا ہے۔

(بہار بوستاں ص۴۳۳)

سبحان اللہ! حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی رح نے شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا تذکرہ خوب سے خوب تر ارقام فرمایا ہے جو آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہے تاہم جی چاہتا ہے کہ شیخ کے ارشادات مزید درج کئے جائیں تاکہ مزید بصیرت حاصل ہو بلکہ ممکن ہے کہ موجب نصح و موعظت ثابت ہو۔

حضرت الشیخ کی گلستاں و بوستاں پوری کی پوری دفتر معرفت اور گنجینۂ حکمت ہے۔ حضرت مرشدی مصلح الامت عارف باللہ مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ کے نزدیک ان کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ اس لئے اپنی مجالس میں ان کے مضامین مفیدہ کو سنا کر حاضرین کو مستفیض فرماتے تھے۔

چنانچہ مندرجہ ذیل حکایت برابر سناتے تھے:۔

یکے از ملوک عرب شنیدم کہ با متعلقان ایوان می گفت کہ مرسوم فلاں را چندانکہ ہست مضاعف کنید کہ ملازم درگاہ است و مترصد فرمان. و دیگر خدمتگاراں بلہوولعب مشغول و در ادائے خدمت متہاون۔

عرب کے ایک بادشاہ کے بارے میں سنا میں نے کہ وہ دفتر والوں سے کہہ رہا تھا کہ فلاں شخص کی تنخواہ جس قدر ہے اس سے دوگنی کردو کہ وہ دربار کا حاضر باش ہے اور حکم کا منتظر رہتا ہے۔ اور دوسرے خدمتگار لہو لعب میں مشغول اور خدمت میں سست ہیں۔

صاحب دلے بشنید و فریاد وخروش از نہادش بر آمد پرسیدندش کہ چہ دیدی؟ گفت مراتب بندگان بارگاہ خدائے تعالٰے ہمیں مثال دارد۔

ایک صاحب دل نے یہ بات سن لی اور ان سے فریاد اور چیخ نکل گئی۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ آخر تم نے کیا دیکھا (جس سے اسقدر وجد و حال میں آگئے!) فرمایا کہ بندوں کے مرتبے اللہ تعالٰی کے دربار میں اسی طرح ہیں (یعنی جو جتنا عمل و فرمانبرداری کرتا ہے ویسے ہی قرب و قبول اور مرتبہ سے نوازا جاتا ہے۔)

دو بامداد گر آید کسے بخدمت شاہ سوم ہر آئنہ دروے کند بلطف نگاہ

یعنی دو صبح بھی اگر کوئی بادشاہ کی خدمت میں حاضری دیتا ہے تو تیسرے دن ضرور بادشاہ اسکی طرف نظر کرم کرتا ہے

امید ہست پرستندگان مخلص را کہ نا امید نگردند ز آستانِ اللہ

امید ہے کہ اللہ تعالٰی اپنے مخلص عابدوں کو اپنے آستانہ سے نا امید نہ فرمائیں گے۔

نصائح

اب ذرا حضرت شیخ کے چند اشعار ملاحظہ فرمایئے جسمیں توحید باری تعالٰی کی تعلیم دی ہے، اگر آدمی اس کو کامل طور پر اپنائے تو بہت سی کلفتوں سے

نجات پا جائے۔ وہ یہ ہیں : ؎

گر گزندت رسد زخلق مرنج — کہ نہ راحت رسد زخلق نہ رنج

یعنی اگر مخلوق کی جانب سے کوئی تکلیف کی بات، تم کو پہنچے تو رنجیدہ نہ ہو، بلکہ یہ یقین کر لو کہ راحت و رنج درحقیقت مخلوق کی طرف سے نہیں پہنچا۔

از خدا داں خلاف دشمن و دوست — کہ دل ہر دو در تصرف اوست

یعنی دوست اور دشمن کی مخالفت کو اللہ تعالٰی کی طرف سے سمجھو، کیونکہ دونوں کے دل اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

گرچہ تیر از کماں می گذرد — از کمان دار بیند اہل خرد

اگرچہ تیر بظاہر کمان سے نکلتا ہے مگر عقلمند آدمی اس کو کمان والے کی طرف سے سمجھتا ہے

حکمت : خبرے کہ دانی دل بیازارد تو خاموش باش تا دیگرے بیارد ؎

بلبلا مژدۂ بہار بیار — خبر بد بہ بوم شوم گزار

یعنی جس خبر کے متعلق تم کو معلوم ہے کہ وہ دل آزار ثابت ہوگی تو خاموش ہی رہو تا کہ کوئی دوسرا اس کو پہنچائے۔ اے بلبل! تو بہار کی خوشخبری سنا اور بری خبر کو منحوس اُلّو کے لئے چھوڑ دے۔ (گلستاں ص ۲۱۹ ب)

طریقۂ صوفیہ صافیہ

قطعہ

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا — دل دشمناں ہم نکردند تنگ

ترا کے میسر شود ایں مقام — کہ با دوستانت خلاف است و جنگ

(میں نے سنا ہے کہ مردانِ راہِ خدا نے دشمنوں کے دل کو بھی تنگی میں نہیں ڈالا ہے پھر تجھے یہ مرتبہ کیسے حاصل ہو سکتا ہے کہ اپنے دوستوں کے ساتھ بھی جنگ و جدال ہے۔

"مودت اہل صفا چہ در روئے وچہ در قفا، نہ چناں کہ از پست عیب گیرند و در پیشت میرند"

یعنی اہل خلوص کی دوستی و محبت سامنے اور پیچھے برابر ہے۔ ایسا نہیں کہ تمہارے پیچھے تو عیب گیری کریں اور تمہارے سامنے مرے جاتے ہوں، یعنی نہایت عجز و انکسار اور جاں نثاری کا رسمی اظہار کرتے ہوں۔

فرد

در برابر چوں گوسپند سلیم ‌ ‌ ‌ در قفا ہمچو گرگ مردم در

یعنی سامنے تو مسکین بکری کی طرح ہوں اور پیٹھ پیچھے مردم خور بھیڑیے کے مثل ہوں۔

(گلستاں ب۲)

ف: آج اس زمانہ میں ایسی دوستی اور محبت کا شیوع ہے۔ اسی کو نفاق کہتے ہیں، جو اس دور میں سکۂ رائج الوقت کی طرح رواں دواں ہے۔ دوست و دشمن میں امتیاز مشکل ہے، سامنے ہنس ہنس کر باتیں کرتے ہیں مگر دل میں بغض و عداوت کو چھپائے رکھتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ تعالیٰ۔

(مرتب عفی عنہ)

حقیقت تصوف

حکایت: یکے را از مشائخ پرسیدند کہ حقیقت تصوّف چیست؟ گفت ازیں پیش طائفہ بودند در جہاں، بصورت پراگندہ و بمعنی جمع، واکنوں خلقے اند بظاہر جمع و بدل پراگندہ۔

ترجمہ: ایک شیخ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ تصوف کی حقیقت کیا ہے؟ فرمایا کہ اب سے پہلے دنیا میں ایک جماعت تھی جو بظاہر پریشان ہوتی تھی مگر باطن مطمئن تھی

اور اب ایک ایسی مخلوق ہے جو بظاہر تو مطمئن نظر آتی ہے مگر بباطن پریشان ہے۔

قطعہ

چوں ہر ساعت از تو بجائے رود دل — بہ تنہائی اندر صفائے نہ بینی

ورت مال و جاہست و زرع و تجارت — چو دل با خدا ایست خلوت نشینی

ترجمہ: جب ہر وقت تیرا دل مختلف جگہوں پر بھٹکتا پھرتا ہے تو خلوت و تنہائی میں بھی صفائی قلب نہ محسوس کریگا۔ اور اگر تیرے پاس مال و جاہ اور زراعت و تجارت سب کچھ ہے مگر دل خدا کے ساتھ ہے تو پھر تو خلوت نشین ہے۔ (گلستان ب۲)

ترحُّم بر پلنگِ تیز دنداں — ستمگاری بود بر گوسفنداں

تیز دانت والے چیتے پر رحم کرنا بکریوں پر ظلم کرنے کے مرادف ہے

ف: اس سے ظلم اور ظلم پر اعانت کی کیسی کچھ مذمت ثابت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین! (مرتب)

شیخ شہاب الدین سہروردی کی نصیحت شیخ سعدیؒ کو

خود شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

مرا پیرِ دانائے فرخ شہاب — دو اندرز فرمود بر روئے آب

مجھ کو پیر دانا حضرت شہاب الدینؒ نے دو نصیحتیں سفر دریا کے اثنا میں فرمائیں

یکے آں کہ بر خویش خود بیں مباش — دوم آں کہ بر غیر بد بیں مباش

اول یہ کہ خود پسندی اور خود بینی سے پرہیز کرنا، دوم یہ کہ دوسروں کو برائی سے دیکھنا

ف: سبحان اللہ، کیسی عمدہ نصیحت ہے جو صفحاتِ قلوب پر لکھے جانے کے قابل اور لائحہ عمل بنانے کے لائق ہے۔ سچ پوچھیے تو یہ روحِ تصوف اور طریق صوفیہ کا خلاصہ ہے۔ (مرتب)

پایگاہِ علوم کے ساتھ محاسنِ اخلاق

توان شناخت بیک روز در شمائل مرد ۔۔۔ کہ تا کجاش رسیدست پایگاہ علوم

(ایک ہی دن میں آدمی کی خصلتیں معلوم کیجاسکتی ہیں کہ اس کے علم کا مرتبہ کہاں تک پہنچا ہے (ب ص۲۲۴)

یقیناً گلستاں کے قطعات میں یہ قطعہ لفظاً ومعنی کے اعتبار سے نہایت بلیغ قطعہ ہے اور اس زمانہ کے حالِ زار کا مکمل ترجمان ہے، اور خود پڑھنے والے کے لئے اصلاح اخلاق کی طرف برانگیختہ بلکہ کمربستہ کرنے کے لئے بہترین مہمیز ومحرک ہے۔

اس لئے اولاً گزارش ہے کہ ہر شخص کو خود اپنے قلب وباطن میں نگاہ کرنی چاہیئے کہ ہمارے ظاہر کے مطابق ہمارا باطن ہے یا نہیں۔ اور یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ ہماری رسائی ابتک صرف لفظ ہی تک ہوئی ہے یا اس کے معنی وحقیقت کی ہوا بھی لگی ہے؟ مگر اس کا اندازہ وسراغ اسی وقت لگے گا جبکہ ہماری چشم بصیرت کھل جائے جب ہی اپنی حقیقت عیاں ہوگی۔ اسی کے متعلق حضرت مرشدی مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رح یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

اوروں پہ معترض تھے لیکن جب آنکھ کھولی
اپنے ہی دل کو ہم نے گنجِ عیوب دیکھا

اور اسی مفہوم کو مرشدی حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی نے اپنے نہایت معنی خیز شعر میں یوں واشگاف فرمایا ہے ؎

کھل گئی جب سے چشم بصیرت ۔۔۔ اپنی نظروں سے خود گر گئے ہم

اور جب چشم بصیرت کھل جائے گی تو انشاء اللہ اس کی برکت سے نور فراست بھی نصیب ہوگا، جس سے اپنی بھی اور دوسروں کی بھی حقیقت عیاں ہوگی اس طرح نہ اپنے باطن سے آدمی مطمئن ہوگا اور نہ دوسرے کے ظاہری علوم کو دیکھ کر اس کے باطنی اخلاق سے مطمئن رہے گا۔

جیسا کہ ایک یہودی نہایت بزرگ درویش کی شکل میں شیخ کامل خواجہ عبدالخالق غجدوانی رح کی خدمت میں گیا اور سوال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ کا کیا مطلب ہے؟ تو معاً فرمایا کہ تمھارے جبہ کے تحت جو زُنّار ہے اس کو توڑ دو، تو وہ واویلا کرنے لگا کہ بھلا مجھ کو اس سے کیا تعلق؟ شیخ نے فرمایا کہ اِس کے جُبّہ کو اُتارو تو حقیقۃً اُس کے نیچے زُنّار تھا۔ اس کے بعد وہ یہودی تائب ہو کر مسلمان ہوگیا۔

پس اے مسلمانو! ہم سب کو اصلاح باطن کی فکر رکھنی چاہئے اور دوسروں کے ظاہری و رسمی علوم کو دیکھ کر کلی طور پر اعتماد نہ کرنا چاہئے، بلکہ پُر حذر رہنا چاہئے اور اس نورانیت کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ ذکر کی کثرت اور طاعت پر مداومت کی جائے، اور اس کے ساتھ ہی صالحین کی صحبت کا اہتمام کیا جائے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے یہ دولت عنایت فرمائیں۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے خوب دعا کرنی چاہئے۔

وما ذالک علی اللہ بعزیز۔ (مرتب)

عابد ناپارسا کی حکایت

بوستاں میں حضرت مصلح الدین شیرازی رح نے "عابد ناپارسا" کے

عنوان سے ایک حکایت نقل فرمائی ہے جس کو حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمہ اکثر بیان فرماتے تھے، اور اپنی کتاب "اعتراف ذنوب" میں تفصیل سے مع شرح کے نقل فرمایا ہے اور عجیب نکتے تحریر فرمائے ہیں جس کو شوق ہو وہ "اعتراف ذنوب" میں دیکھ لے۔ اس حکایت کے آخر میں شیخ سعدی نے جو نصیحت فرمائی ہے، اُس کو نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ فرماتے ہیں ؎

گنہ گار اندیشہ ناک از خدائے   بہ از پارسائے عبادت نمائے

(یعنی اللہ تعالیٰ سے اندیشہ کرنے والا گنہگار بہتر ہے اُس پارسا سے جو عبادت کو دکھلانے کیلئے کرتا ہے۔)

اس کے بعد حضرت رحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ سعدی رحمہ مقابلہ فرماتے ہیں کہ یہ عبادت پرست ایسا ہے کہ سلوک کو اس سے زیادہ اُس گنہگار نے سمجھا۔ کیونکہ عبادت سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ کی معرفت نصیب ہو، اور معصیت کا یہ خاصہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ سے دور کر دیتی ہے۔ چونکہ اُس پارسا کی عبادت ریائی تھی، اور اس نے اس کے اندر کبر شامل کر لیا تھا، اس لئے یہ عبادت بھی اللہ تعالیٰ سے بُعد (دوری) کا ذریعہ بن گئی۔ اور اُس گنہگار نے چونکہ اللہ تعالیٰ کا خوف اختیار کیا اور اللہ کی پکڑ سے ڈرا، اور اپنے گناہوں پر نادم ہوا، اور حق تعالیٰ کے سامنے رویا۔ ان سب آثار نے اس کو حق تعالیٰ سے قریب کر دیا۔ عبادت کرنے کے بعد اگر عبادت پر نظر ہوا اور خود پسندی پیدا ہو تو سمجھنا چاہیئے کہ یہ شخص عبادت پرست ہے، خدا پرست ہرگز نہیں

عابد پارسا نہیں ہے بلکہ ناپارسا ہے۔ (اعتراف ذنوب ص۱۰۱)

کلام معرفت

شیخ سعدی نے ایک درویش کی ایک بات نہایت عارفانہ نقل فرمائی ہے جو ہم سب کے لئے موجب بصیرت ہے۔ وہ یہ ہے:۔

چہ خوش گفت درویش کوتاہ دست — کہ شب توبہ کرد و سحر گہ شکست
گر او توبہ بخشد بماند درست — کہ پیمان ما بے ثبات است و سست

اس کوتاہ دست درویش نے کیا ہی عمدہ بات کہی جب کہ رات میں توبہ کرتا تھا اور صبح کو توڑ دیتا تھا، کہ اگر اللہ تعالیٰ ہی توبہ کی توفیق دیں اور قبول فرمائیں جبھی وہ ثابت و درست رہ سکتی ہے، ورنہ تو ہمارا عہد و پیمان نہایت کمزور ہوتا ہے۔

ف: یعنی اپنی توبہ میں بھی اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے اور عجز وانکسار کو اپنا شعار بنانا چاہئے۔ (مرتب)

اب ہم اس تذکرہ سعدی کو شیخ سعدی ہی کی دعا پر ختم کرتے ہیں جس پر خود انھوں نے بوستاں کو ختم فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے:۔

نہ یوسف کہ چنداں بلا دید و بند — چو حکمش رواں گشت و قدرش بلند
گنہ عفو کرد آلِ یعقوب را — کہ معنی بود صورتِ خوب را
بکردار بد شان مقید نہ کرد — بضاعاتِ مزجات شاں رد نکرد

یعنی کیا ایسا نہ ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام جب برسر حکومت آئے تو انھوں نے آلِ یعقوب علیہ السلام کی خطاؤں کو معاف فرما دیا جبکہ ان کی طرف سے بے انتہا بلا ومصیبت اور قید و بند میں گرفتار ہو چکے تھے۔ اور یہ اس لئے ہوا کہ عموماً اچھی صورت

میں عمدہ سیرت پنہاں ہوا کرتی ہے۔ لہذا ان لوگوں کے بُرے سلوک کے جرم میں انکو قید و بند میں نہ رکھا اور نہ انکی معمولی پونجی کو رد فرمایا ؎

زلطفت ہمی چشم داریم نیز بدیں بے بضاعت بہ بخش اے عزیز
بضاعت نیاوردم اِلّا اُمید خدایا زعفوم مکن نا امید

اے اللہ، اے عزیز! آپ کے لطف وکرم سے ہم امید رکھتے ہیں کہ آپ اس بے بضاعت مفلس کو بخش دیں گے۔ آپ کے پاس سوائے امید کے اور کچھ بھی لے کر نہیں آیا ہوں۔ پس اے اللہ! اپنی عفو سے مجھے نا امید نہ فرمائیے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ہ آمین!

وفات

حضرت شیخ سعدی رحؒ کی وفات ۶۹۱ھ میں ہوئی۔ شیراز میں آپ کا مزار ہے۔ رَحِمَہُ اللہُ رَحْمَۃً وَّاسِعَۃً وَنَوَّرَ اللہُ مَرْقَدَہٗ۔

(اعیان الحجاج ص۱۰۳ ج ۲)

حضرت ابراہیم بن احمد کنیعی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۳۷ھ

کلمات طیبات

اولیائے یمن میں سے ہیں۔ ان کے ایسے بہت سے کلمات طیبات ہیں جو قلوب قاسیہ کے لئے دوا و علاج ہیں۔ جیسے ان کا قول: لیس الزاھد من لا یملك شیئا انما الزاھد من لا یملکه شیء۔ یعنی زاہد اسے نہیں کہتے کہ وہ کسی چیز کا مالک نہ ہو، بلکہ زاہد وہ ہے جس پر کوئی چیز مالک نہ ہو۔

ف: اسی کو مولانا روم نے فرمایا ہے ؎

چیست دنیا از خدا غافل بُدن نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

(یعنی دنیا کے مال و متاع میں پڑکر اللہ سے غفلت برتنا یہ دنیا داری ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو یہ مال و دولت اور اہل و عیال رکھنا مذموم نہیں ہے بلکہ عین صواب اور موجبِ اجر و ثواب ہے۔ (مرتب)

انھوں نے ارشاد فرمایا کہ: اے اخی جدّد السفینة فانّ البحرَ عمیقٌ واکثر الزّاد فانّ الطّریقَ بعیدٌ واخلص العمل فانّ النّاقدَ بصیرٌ (یعنی اے بھائی! کشتی کی خوب اچھی طرح مرمت کرلو، اسلئے کہ سمندر نہایت گہرا ہے۔ اور توشہ خوب زیادہ لے لو، اس لئے کہ سفر بہت ہی لمبا اور دور دراز کا ہے۔ اور عمل کو خالص (للہ) کرلو، اس لئے کہ پرکھنے والا نہایت دانا و بینا ہے)۔

وفات وہ دنیا سے ۱۳۷ھ میں رحلت فرماگئے۔ رحمہ اللہ تعالےٰ۔

(تقصار جیود الاحرار ص۶)

حضرت خواجہ علی رامیتنی رحمہ اللہ تعالےٰ المتوفی ۷۲۱ھ

تعارف آپ خواجہ محمود الخیر فغنوی کے خلفار نامدارین سے ہیں. آپ اپنے اس سلسلہ میں حضرت عزیزاں کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ آپ بڑے بلند مقامات کے حامل اور کرامات ظاہری رکھنے والے تھے. باآفندگی (نساجی) کی صنعت میں مشغول رہتے تھے۔ اس فقیر (جامی) نے ایک بزرگ سے سُنا تھا کہ بیشک حضرت جلال الدین رومی قدس سرہ العزیز نے اپنی غزل کے اس شعر میں آپ ہی کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

گر نہ علمِ حال فوقِ قال بودے کے شدے بندہ اعیاں بخارا خواجہ نساج را

(یعنی اگر علمِ حال علمِ قال سے بلند مرتبہ نہ ہوتا تو بخارا کے اعیان و بزرگ خواجہ نساج کے کب خادم بن سکتے تھے۔) (نفحات الانس ص۶۱۶)

پُر از حکمت برجستہ جواب

حضرت علاء الدولہ سمنانی رح آپ کے ہمعصر تھے. انھوں نے کسی درویش کی زبانی حضرت خواجہ علی رامیتنی کو کہلا بھیجا کہ آپ اور میں دونوں آنے جانے والوں کی خدمت کرتے ہیں. آپ کھانے میں تکلف نہیں کرتے اور میں کرتا ہوں یعنی عمدہ عمدہ غذائیں کھلاتا ہوں، مگر آپ کی سب تعریفیں کرتے ہیں اور میری شکایت کرتے ہیں. اس کا کیا سبب ہے؟ حضرت عزیزاں رامیتنی رح نے جواب دیا: خدمت کرنے والے اور احسان کرنے والے بہت ہیں، مگر خدمت

؎ کپڑا بُننے کا کام ۱۲

کر کے احسانمند ہونے والے بہت کم ہیں۔ دوم یہ کہ میں نے سُنا ہے کہ آپ کی تربیت حضرت خضر علیہ السلام نے کی ہے۔ یہ کیا بات ہے؟ جواب دیا کہ جو اللہ تعالیٰ کے عاشق ہوتے ہیں، خضر اُن کے عاشق ہوتے ہیں۔

سوم یہ کہ: ہم نے سنا ہے کہ آپ ذکر جہر کرتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے جواب دیا، ہم نے سُنا ہے کہ آپ ذکر خفیہ (علانیہ) کرتے ہیں۔ پس آپکا ذکر بھی جہر (علانیہ) ہو گیا۔

ف: سبحان اللہ، کیا ہی خوب برجستہ جوابات ارشاد فرمائے۔ اس لئے کہ اہل اللہ کے سامنے حقائق عیاں ہوتے ہیں۔ (مرتب)

ارشادات: آپ سے کسی نے دریافت کیا، ایمان کس کو کہتے ہیں؟ آپ نے اپنے پیشہ کے مناسب فرمایا؛ کندن و پیوستن۔ یعنی توڑنا اور جوڑنا۔ یعنی خلق سے توڑنا اور خالق سے جوڑنا۔

فرمایا: اللہ تعالیٰ کی صحبت رکھو۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو ایسے کے ساتھ صحبت رکھو جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحبت رکھتا ہو۔ اور فرمایا، اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے سامنے عاجزی کیا کرو، تاکہ وہ تمھارے لئے دعا کریں۔

فرمایا: مجھ سے بعض دور والے نزدیک اور نزدیک والے دور۔ دور والے نزدیک وہ ہیں کہ بصورت ظاہری دور ہیں، لیکن دل و جان سے حاضر ہیں اور نزدیکاں دور وہ ہیں کہ بصورت ظاہری میرے پاس ہیں، لیکن دل و جان سے میرے ساتھ نہیں ہیں۔ یعنی دل و جان سے کار دنیا و ہوا و ہوس میں مشغول ہیں۔ (ماخوذ از: تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ؎

مؤلفہ: عزیزم مولوی محبوب احمد قمر الزمان ندوی الہ آبادی)

اللہ اکبر۔ آپ فرماتے ہیں کہ بندہ خدا نہیں ہوسکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہو جاتا ہے۔

اللہ اکبر۔ حضرت عزیزاں قدس سرہٗ سے کسی نے اس حدیث شریف کے معنی پوچھے " تُسَافِرُوْا تَصِحُّوْا وَاغْتَنِمُوْا" (سفر کرو، صحت پاؤ گے اور اس کو غنیمت جانو) آپ نے ارشاد فرمایا کہ سفر کرو اپنی خودی سے وجود حق تعالیٰ کی طرف تو صحت پاؤ گے حوادث حدوث سے، اور اس کو غنیمت جانو، یعنی جب تم اپنے نفس کے عالم صحرا میں سفر کرو گے اور ہر مقام کی ہوائے لطیف حاصل کرو گے تو اپنے وجود کی صحت حاصل کر لو گے، پس شک و شبہ کے مرض سے اور ریاکاری و مکاری اور حرص و امید، بغض و کینہ، حسد و نفاق، بخل و کبر، عُجب و خود پسندی خود نمائی و بد اندیشی اور آزار و ستم اور تمامی بُرے اخلاق کے رنجوں سے اس سفر کی وجہ سے رہائی پاؤ گے۔ پس ایسی صحت کو غنیمت سمجھو اور عمر چند روزہ کو طاعت اور عبادت میں صرف کرو۔

اللہ اکبر۔ حضرت عزیزاں قدس سرہ سے کسی نے پوچھا کہ لوگ جو کہتے ہیں کہ مرد تین طرح کے ہوتے ہیں۔ پورا مرد، آدھا مرد اور نامرد۔ اس کا مطلب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: کہ پورے مرد کی صفت کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے " رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ" (یعنی وہ ایسے مرد ہیں جن کو اللہ کی یاد سے تجارت اور خرید و فروخت غافل نہیں کرسکتی۔) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی یہی حال وارد تھا جس کو آپ نے بیان فرمایا ہے کہ تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ (یعنی میری آنکھیں سوتی ہیں، میرا دل نہیں سوتا)۔ اور آدھا مرد وہ ہے جس کے زبانی شغل میں ذکر قلبی کی

بھی لذت آتی ہو، مگر وہ اتنی ہی بات پر قانع ہو گیا ہو۔ یعنی یہ کیفیت کہ جب تک اُسکی زبان ذکر میں مشغول رہے اس کا دل بھی اس ذکر سے لذت پاتا رہے اور جب وہ ذکر کو چھوڑ دے تو دل بھی ذکر سے باز رہ جائے۔ اور نامرد وہ ہے جو منافق ہو یعنی ذکر کرے مگر اللہ کے لئے نہ کرے۔

اللہ اکبر۔ حضرت عزیزاں قدس سرہ سے پوچھا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰہِ تَعَالٰی اَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا ظَهَرَتْ یَنَابِیْعُ الْحِکْمَۃِ مِنْ قَلْبِہٖ عَلٰی لِسَانِہٖ" (یعنی جو شخص چالیس دن صبح کو خالص اللہ کے لئے پورے اعتقاد کے ساتھ دل سے بے غش وغل روح کی آگاہی یقین کی درستی اور پوری توجہ ورجوع سے عبادت کرے، کسی اور غرض سے نہیں تو حکمت کے چشمے اُس کے دل سے نکل کر اُس کی زبان پر جاری ہو جائیں گے۔ بہت لوگوں نے اس پر عمل کیا مگر اکثر کو یہ بات حاصل نہ ہوئی، اس کی وجہ کیا ہے؟

حضرت عزیزاں قدس سرہ نے فرمایا کہ وہ لوگ اس راستہ میں سچے نہ تھے اور ان کا مقصود چالیس دن کی عبادت سے یہ تھا کہ حکمت کے چشمے اُن کے دل سے ان کی زبان پر آجائیں۔ خالص اللہ تعالےٰ ان کا مقصود نہ تھا۔ اس لئے اُن کا مقصد حاصل نہ ہوا۔

اللہ اکبر۔ حضرت عزیزاں قدس سرہٗ کی خدمت میں عقلمندوں کی ایک جماعت حاضر ہوئی اور آپ کی مجلس میں شریک ہوئی۔ اثنائے کلام میں انمیں سے ایک شخص نے کہا، کہ علماء پوست ہیں اور فقراء مغز۔ حضرت عزیزاں قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مغز پوست کی حمایت وحفاظت میں رہتا ہے۔

ف: اسی کو حضرت مرشدی مولانا محمد احمد صاحبؒ برابر فرماتے تھے کہ جیسے کیلا ہے، اگر اس کا چھلکا دور کر کے مغز کو اکیلا رکھا جائے تو تھوڑی دیر میں بگڑنا شروع ہو جائیگا۔ (مرتب)

اللہ اکبر۔ آپ فرماتے ہیں کہ فقیر اگر ہاتھ میں کچھ نہ رکھتا ہو اور دل میں کسی چیز کا خواہاں نہ ہو تو وہ فقیر اچھی صفات والا ہے۔ اور اگر یہ کہے کہ فقر میرا فخر ہے تو سچا ہے۔ اور اگر فقیر ہاتھ میں کچھ نہ رکھتا ہو مگر دل میں کسی چیز کا خواہاں ہو تو وہ محلہ بھر کا فقیر ہے نہ کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنیوالا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنیوالا تو نہ دل سے کسی چیز کا خواہاں ہوتا ہے نہ زبان سے اور اگر فقیر ہاتھ میں کچھ چیز رکھتا ہو اور پھر اور کا طلبگار ہو، تو وہ بُری صفات والا فقیر ہے۔ جسکی نسبت "اَلْفَقْرُ سَوَادُ الْوَجْہِ" (فقر روسیاہی ہے) ارشاد ہوا ہے۔ یہ اسی کا مصداق ہے اور حدیث شریف ہے کہ کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَکُوْنَ کُفْرًا (فقر کفر تک لیجاتا ہے) اسی کی شان میں آئی ہے۔

اللہ اکبر۔ آپ کے فرزند ارجمند نے آپ سے پوچھا کہ یہ حدیث "اَلْفَقْرُ سَوَادُ الْوَجْہِ فِی الدَّارَیْنِ وَکَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَکُوْنَ کُفْرًا" (فقیری دو جہاں میں روسیاہی ہے اور فقر کفر سے قریب کرتا ہے) اس حدیث کے کہ اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ (فقر میرا فخر ہے) مخالف ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ دونوں حدیثیں اس فقیر کی شان میں ہیں جو مخلوق کیطرف متوجہ ہو یعنی وہ درویش جو فقر کو خلق پر ظاہر کرے اور خلق سے کچھ چاہے۔ اور اپنے فقر کو آلۂ گدائی اور کمانے کا وسیلہ بنائے۔ (انوار العارفین ص۵۱۰)

ف: سبحان اللہ، بہت ہی معرفت کے ارشادات ہیں اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق مرحمت عطا فرمائے۔ (مرتب)

وفات: آپ کا انتقال بروز دوشنبہ ۲۸، ذوقعدہ ۷۲۱ھ ایک سو تیس برس کی عمر میں خوارزم (روس) میں ہوا۔ آپ کا مدفن خوارزم ہی ہے۔ رَحِمَہُ اللّٰہُ رَحْمَۃً وَاسِعَۃً

(تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص۱۳۲)

حضرت شیخ بو علی قلندر پانی پتیؒ المتوفی ۷۲۴ھ

نام و نسب نام شیخ شرف الدین اور لقب بو علی قلندر تھا۔ والد کا نام سالار فخر الدین ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کی اولاد میں سے تھے۔ والد ماجد ۶۰۰ھ میں عراق سے ہندوستان آئے۔ وہ بڑے متبحر اور جید عالم تھے۔ ان کی پہلی شادی حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کی دختر نیک اختر سے ہوئی۔ لیکن وہ لاولد فوت ہوگئیں۔ اس کے بعد مولانا سید نعمت اللہ صاحب ہمدانیؒ کرمانی کی ہمشیرہ بی بی حافظہ جمال سے عقد ہوا، جو حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندرؒ کی ماں تھیں۔

ولادت و ابتدائی حالات شیخ بو علی قلندر ۶۰۵ھ میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ کمسنی میں تمام علوم ظاہری حاصل کرلئے اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری فرمایا۔ چنانچہ بیس برس تک دہلی میں قطب مینار کے پاس اُن کے درس و تدریس کا فیض جاری رہا۔ دہلی کے اکابر علماء، مولانا قطب الدین، مولانا وجیہ الدین پائلی، قاضی ظہور الدین بخاری، قاضی حمید الدین، صدر شریعت مولانا فخر الدین پائلی وغیرہم اُن کے علمی تبحر اور فضیلت کے معترف تھے۔

جذب و سکر لیکن جب تصوف کے کوچہ میں قدم رکھا اور ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہوئے تو جذب و سکر کی حالت میں علوم و فنون کی تمام کتابوں کو دریا میں ڈال کر جنگل کی راہ لی اور پانی پت کے

مضافات یا گھونی اور کرنال کے نواح بڈھا کھیڑہ میں آخر وقت تک مقیم رہے۔ (خزینۃ الاصفیا ج ۱ ص ۲۲۸) (از بزم صوفیہ ص ۲۷۹)

خزینۃ الاصفیا میں ہے کہ "معارج الولایت" کے مؤلف نے شیخ بو علی قلندر کو خواجہ بختیار کاکی رح کا خلیفہ لکھا ہے۔ لیکن ان کی ارادت اور خلافت حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رح کی طرف بھی منسوب ہے۔ اخبار الاخیار میں ہے:

بعضے گویند کہ بخواجہ بختیار کاکی ارادت داشت و بعضے گویند بشیخ نظام الدین اولیا رح۔ و ہیچ یکے ازیں دو نقل بصحت نرسدہ است۔	بعض لوگ کہتے ہیں کہ خواجہ بختیار کاکی رح سے ارادت رکھتے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ شیخ نظام الدین اولیاؒ سے (ارادت رکھتے تھے) اور ان دونوں میں سے کوئی بھی روایت صحت کو نہیں پہنچی ہے۔

سکر اور مستی کی حالت میں ایک بار مونچھیں شرعی حدود سے بہت بڑھ گئی تھیں، کسی کو تراشنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، اُن کے ہمعصر بزرگ مولانا ضیاء الدین سنامی کو شریعت کی پابندی کا بڑا جوش تھا۔ اُنھوں نے شیخ کی ریش مبارک کو پکڑ کر مونچھوں کو شرعی حد کے مطابق تراش دیا۔ جب وہ تراش کر تشریف لے گئے تو شیخ بو علی قلندر اپنی ڈاڑھی کو پکڑ کر بار بار فرماتے کہ یہ ڈاڑھی کیسی مبارک ڈاڑھی ہے کہ شرع محمدی کی راہ میں پکڑی گئی۔

حضرت شمس الدینؒ ترک اور حضرت بوعلی قلندرؒ

جب حضرت شمس الدین ترکؒ کا نزول اجلال پانی پت میں ہوا تو دودھ سے بھرا ہوا ایک پیالہ اپنے خادم کے ہاتھ شیخ بو علی قلندرؒ کی خدمت میں بھیجا۔ شیخ بو علی قلندرؒ خادم کو دیکھ کر مسکرائے، گلاب کے

چند پھول اُن کے سامنے پڑے تھے، اُن کی پنکھڑیاں دودھ میں ڈال کر اُسے حضرت شمس الدین ترکؒ کے پاس واپس کردیا۔ وہ پیالے میں گلاب کی پنکھڑیاں دیکھ کر متبسم ہوئے۔ حاضرین مجلس نے تبسم کی وجہ پوچھی۔ فرمایا کہ شیخ بو علی قلندر کے پاس دودھ سے بھرا ہوا پیالہ بھیجنے سے مراد یہ تھی کہ یہ شہر میرے شیخ نے مجھ کو عطا کیا ہے جو مجھ سے پُر ہو گیا ہے۔ اس لئے آپ کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ تو شیخ بو علی قلندرؒ نے گلاب کی پنکھڑیاں ڈالکر دودھ کا پیالہ جو واپس کر دیا، تو اُس سے مراد یہ ہے کہ وہ میرے اس شہر سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے اور یہاں اسی طرح رہیں گے جس طرح دودھ میں گلاب کی پنکھڑیاں۔ شیخ بو علی قلندرؒ سے پوچھا گیا تو اُنھوں نے بھی یہی فرمایا۔ چنانچہ دونوں میں آخر وقت تک اخلاص و محبت قائم رہی۔

ف: سبحان اللہ، اُن دونوں ہی حضرات کے اشارہ وکنایہ کے بطور سوال و جواب میں جو لطف و لطافت ہے وہ اہل ذوق پر مخفی نہیں۔ (مرتب)

شیخ بو علی قلندرؒ کا فیض

کبیر الاولیا حضرت شیخ جلال الدین پانی پتیؒ، شیخ بو علی قلندرؒ ہی کے فیض نظر سے راہ طریقت پر گامزن ہوئے۔ ایک دن شیخ بو علی قلندرؒ سرِ راہ بیٹھے ہوئے تھے کہ کمسنی کے زمانہ میں شیخ جلال الدین گھوڑے پر سوار اُدھر سے گزرے۔ اُنکو دیکھ کر شیخ بو علی قلندرؒ نے فرمایا:۔

"زہے اسپ و زہے سوار" (یعنی گھوڑا اور سوار دونوں ہی کیا خوب ہیں)

کانوں میں یہ آواز پڑتے ہی شیخ جلال الدین بیخود ہو گئے، گھوڑے سے اُتر پڑے اور اُسی وقت گریبان چاک کر کے جنگل کی راہ لی۔ اور چالیس سال تک جنگل میں پھرتے رہے، اور اس درمیان میں مختلف درویشوں اور فقیروں کی صحبت اختیار کی، پھر جب وطن واپس آئے تو شیخ بو علی قلندرؒ سے بیعت کے لئے مصر ہوئے۔ شیخؒ نے فرمایا:۔

"اے فرزند عزیز! کشایش تو موقوف بر مرد دیگر است"

(یعنی اے فرزند عزیز! تمھاری کشایش دوسرے مرد (بزرگ) پر موقوف ہے۔)

چنانچہ جب حضرت شمس الدین ترک پانی پتی رؒ کا ورودِ مسعود پانی پت میں ہوا تو شیخ بوعلی قلندرؒ نے شیخ جلال الدین کو اُنکے پاس ارادت کیلئے بھیجا۔ جو آگے چل کر اُن کے خلیفہ ہوئے۔

حضرت قلندر صاحبؒ کے زمانہ کا سیاسی ماحول

حضرت قلندر صاحبؒ کے بچپن میں اُس خاندان کی بادشاہت تھی جس کو غلاموں کا خاندان کہا جاتا ہے۔ اور اتفاق سے اُس زمانہ میں وہ بادشاہ حکمراں تھا جو صرف اس خاندان میں نہیں بلکہ دہلی کے تمام بادشاہوں میں اپنی طبیعت کی نیکی اور دل کی بھلائی میں مشہور رہے۔

یہ شمس الدین التمش کا سب سے چھوٹا لڑکا "ناصر الدین محمود" تھا۔ اُس نے اگرچہ دولت کے پوتڑوں میں جنم لیا تھا، بادشاہت کے گھوارے میں پلا بڑھا۔ اور ہمیشہ شان و شوکت کے جھولوں میں جھولتا رہا تھا، مگر طبیعت فقیرانہ پائی تھی۔ سنہ ۱۲۴۶ء (سنہ ۶۴۴ھ) میں اُس کو بادشاہ بنایا گیا۔ بائیس سال حکومت کی، مگر اس پورے دَور میں اُس نے خزانۂ شاہی سے اپنے لئے ایک پیسہ بھی کبھی نہیں لیا۔ اسلامی تعلیم کے مطابق اُس کا عقیدہ یہی تھا کہ جس کو خزانۂ شاہی کہا جاتا ہے وہ بادشاہ کا نہیں، بلکہ رعایا کا ہے۔ بادشاہ صرف امانت دار ہے اور محافظ۔

بادشاہ اگر اُس میں سے لے سکتا ہے تو صرف اتنا جتنا کوئی ایک کارپرداز حکومت یا رعایا کا کوئی ایک فرد لے سکتا ہے۔ بعنوانِ دیگر جو اوسطاً ملک کے کسی ایک باشندہ کی گزران ہو سکتی ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ اتنا بھی نہ لے۔ مَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ۔ (نساء آیت ٦)

(یعنی جو مستغنی ہو (ضرورتمند نہ ہو) اُس کو پاکدامن رہنا چاہیئے۔ (اس دولت کو ہاتھ نہ لگانا چاہیئے) اور جو ضرورتمند ہے وہ کھا سکتا ہے عام گزران کے بموجب۔)

ناصر الدین نے اسی پہلی صورت کو اختیار کیا تھا۔ اُس نے ملکی خزانہ سے کبھی بھی اپنے یا اپنے اہل و عیال کے لیئے کچھ لینا گوارا نہیں کیا۔ وہ بہترین خطاط اور اعلیٰ درجہ کا خوشنویس تھا، اُس زمانہ میں خوشخطی بھی ایک شریفانہ اور اُجلا پیشہ تھا چھاپہ اُسوقت تک ایجاد نہیں ہوا تھا۔ کتابیں کاتبوں سے اُجرت پر لکھوائی جاتی تھیں۔ ناصر الدین عمر بھر یہی پیشہ کرتا رہا۔ وہ بہترین خط سے قرآن شریف لکھ کر اُجرت حاصل کرتا اور اپنا خرچ چلاتا تھا۔ اُس نے اپنے لئے کبھی نوکر نہیں رکھا۔ کھانا اسکی بیوی خود بناتی تھی۔ وہ اپنے ہاتھ سے روٹی پکاتی اور گھر کا تمام کام خود کرتی تھی۔ ایسے بادشاہ کا دورِ حکومت جسقدر بھی آسودہ اور پُرامن ہو کم ہے۔ چنانچہ اُس کے بائیس سالہ دورِ حکومت میں چین اور آرام ہی کی رنگ رلیاں رہیں۔ (بزرگانِ پانی پت ص۱۲)

ف: سبحان اللہ، یہ ہیں سلاطین اُمت۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو عبرت حاصل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (مرتب)

ارشادات اے بھائی! تجھ پر اللہ کی عنایت ہوئی، تو اس نے تیرے اندر ایک جذبہ پیدا کر دیا اور تجھے خود رائی سے بچا لیا۔ اور پھر تم میں عشق پیدا کر کے حسن کا جلوہ دکھا دیا۔ جب تم عشق کو پہچان لوگے تو لامحالہ معشوق کو بھی پہچان لوگے، اور تم بھی معشوق کے حقیقی عاشق بن جاؤ گے۔ اور جب معشوق اور عاشق ایکدوسرے سے ملیں تو تجھے معشوق کے طریقہ اور عاشق کے فریضہ پر چلنا ہوگا۔

اے بھائی! اللہ نے جنت اور دوزخ دونوں کو پیدا فرما کر ان دونوں سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ میں تم کو بھروں گا اور پُر کروں گا۔ معشوق کو اُس کے

عاشقوں سمیت جنت میں داخل کیا جائے گا اور شیطان کو اُس کے چیلوں سمیت دوزخ میں جھونکا جائے گا۔

اے بھائی! جنت اور دوزخ میں عاشق ہی اپنے حسنِ عشق اور خرابِ عشق کی وجہ سے داخل کئے جائیں گے۔ بہشت دوستوں سے وصال کا مقام ہے اور دوزخ دشمنوں سے فراق کا۔ یہ فراق کافر اور منافق لوگوں کیلئے ہوگا۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقوں کے لئے وصال ہوگا۔

اے بھائی! ذرا آنکھیں کھول کر دیکھ کہ اللہ نے کیسا کیا پیدا کیا اور دنیا کو کیسا تماشا گاہ بنایا، اور اپنے حسن کو ہر درخت میں پنہاں رکھا، اور مختلف الاقسام میوہ جات پیدا فرمائے اور ہر میوے کا علٰحدہ علٰحدہ مزہ بنایا اور اس درخت کو خود اپنی اور پھول و پھل کی خبر تک نہیں۔ اور اسی طرح اس نے گنّے کو تیرے لئے شیریں بنایا اور اس کو اپنے مٹھاس کی خبر نہیں۔ اسی طرح ہرن کی ناف میں مُشک رکھا اور اُس کو بھی اس کی خبر نہیں، سمندری گاؤ سے عنبر پیدا کیا اور اس کو اس کی خبر نہیں، اور مشک بِلاؤ سے تمھارے لئے زباد پیدا کیا اور اس کو اس کا علم نہیں۔ اور ایک قسم کے درخت سے کافور پیدا کیا اور کافور کو اس کی خبر نہیں۔ صندل کو تمھارے لئے پیدا کیا اور اس کو اس کا علم نہیں۔

ف: شاید اسی قسم کے مضمون کو مولانا محمد احمد صاحبؒ نے اس شعر میں فرمایا ہے ؎

حسن کا انتظام ہوتا ہے عشق کا یونہی نام ہوتا ہے

اے بھائی! عاشق بنو، اور اس جہان کو معشوق کا حسن سمجھو۔ اسی طرح

اپنی ذات کو بھی معشوق کا حسن سمجھو۔

اے بھائی! اپنے نفس کو خوب سمجھ لے۔ جب تو اپنے نفس کو پہچان لیگا تو دنیا کی حقیقت خود بخود تیرے سامنے واضح ہو جائے گی۔ اسی طرح روح کو بھی پہچانو، اس لئے کہ روح کی معرفت پر آخرت کی معرفت موقوف ہے۔

اے بھائی! اِس دنیا میں جو حسن تزین کفر اور اہل کفر کو دیا گیا ہے اسے عاشق لوگ ہی پہچانتے ہیں، سو جو دنیا کا عاشق ہے اس کا معشوق حسن کفر ہے۔ اور جو آخرت کا عاشق ہے اس کا معشوق حسن ایمان ہے۔

اے بھائی! اگر گڑ کا ایک ٹکڑا لو اور اُس سے سَو گولیاں بناؤ اور ہر ایک کا الگ الگ نام رکھو، مثلاً اُن میں سے کسی کا نام گھوڑا، اور کسی کا نام ہاتھی وغیرہ رکھو، تو جب تک وہ چیزیں اُن ہی شکلوں میں ہیں جو تم نے بنائیں اور اُن کے نام رکھے اُس وقت تک تو اُن کے وہی نام رہیں گے، لیکن اگر ان تمام شکلوں کو ملا دو تو ان کے نام ختم ہو جائیں گے، اور وہی نام یعنی گڑ رہ جائے گا۔

اے بھائی! غور وفکر اس بات کی کرو کہ تمھیں ایک زبردست مہم حل کرنی ہے اس لئے تمھیں اپنے لئے ایک مونس و ہمدرد کی ضرورت ہے۔ ذرا ہوش کرو اور اس بات کا یقین کر لو کہ تم بحالتِ موجودہ اپنے نفس اور اپنی خواہشات کے غلام بن چکے ہو، اس سے کسی طرح چھٹکارا حاصل کرنے کی تدبیر کرو۔

اے بھائی! کچھ معلوم نہیں کہ خیالات وافکار تمھیں کس بدحالی تک لیجائیں (اب تو کچھ معلوم نہیں ہو رہا) البتہ جب بدنصیبی اور بدقسمتی ظاہر ہوگی تو معلوم ہوگا کہ یہ بدبختی اور بدنصیبی دراصل بُرے خیالات اور نفس کی اتباع کا ہی نتیجہ ہیں

اے بھائی! مجھے کچھ خبر نہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور کیا کر رہا ہوں، مجھے اپنے کسی فعل کی خبر نہیں۔ البتہ میری زبان اللہ کے قبضہ میں ہے، اس لیے چاہتا ہوں کہ ایسی باتیں کہوں جو دو عالم میں پسندیدہ ہوں۔ (اخبار الاخیار صـ۲۸۳)

ف: یہ ارشادات حسن و محبت کے وظائف و آداب سے پُر ہیں۔ مگر اس کو سمجھنے کے لئے فہم خاص اور ذوق صحیح کی ضرورت ہے۔ اس لیے اگر ان حضرات کی باتیں سمجھ میں نہ آئیں تو بجائے انکار کے ان کے اہل کے حوالے کرنا چاہیئے۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ایسا ذوق مرحمت فرمائیں کہ ان کے کلام کے رموز و اسرار کو سمجھ سکیں۔ چونکہ مثل مشہور ہے: قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

واللہ الموفق۔ (مرتّب)

وفات

۹ رمضان کی شب ۷۲۴ھ میں بوڑھ کھیڑہ کے جنگل میں آپ کی وفات ہوئی۔ ایک دن گزرنے کے بعد کچھ لکڑہاروں کی اطلاع پر ۱۱ رمضان کو بوڑھ کھیڑہ سے آپ کی لاش کرنال لائی گئی اور غسل دیا گیا۔ اسی دوران پانی پت کے لوگ کرنال پہنچ گئے اور جنازہ پانی پت لائے اور حضرت قلندر صاحبؒ کی تجویز کردہ جگہ میں تدفین ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ محققین یہی لکھتے ہیں کہ آپ کا روضہ پانی پت میں ہے۔ نور اللہ مرقدہٗ۔

(بزرگانِ پانی پت صـ۱۳۵)

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۷۲۵ھ

نام ونسب نام محمد، القاب نظام الدین اولیاء، محبوب الٰہی، سلطان المشائخ، سلطان الاولیاء، سلطان السلاطین۔ والد کا نام سید احمد بن علی آپ سادات حسینی میں سے تھے۔ نانہال بھی سادات میں تھا، دادا خواجہ علی اور نانا خواجہ عرب دونوں ہم جد تھے۔ اور دونوں بخارا سے آکر کچھ مدت لاہور میں رہے وہاں سے بدایوں آئے۔

ولادت ۶۳۶ھ میں بدایوں میں آپ کی ولادت ہوئی[۵]۔ بدایوں (قدیم بداؤں) شرفاء و سادات کا قدیم مسکن تھا۔ بہت سے سادات کرام اور مشائخ عظام نے ایران وخراسان سے آکر یہاں سکونت اختیار کر لی تھی۔

(تاریخ دعوت وعزیمت ص۵۲ ج۳)

ابتدائی تعلیم وتربیت حضرت نظام الدین پانچ سال کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ والدہ ماجدہ نے جو اپنے وقت کی ایک بڑی صالحہ اور باخدا خاتون تھیں اس دریتیم کی پرورش اور دینی واخلاقی تربیت کا مردانہ ہمت اور پدرانہ شفقت کے ساتھ اہتمام کیا۔ کتابیں پڑھنے کے قابل ہوئے تو مولانا علاؤ الدین اصولی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور فقہ کی ابتدائی کتابوں تک اُن سے تعلیم حاصل کی۔ قدوری ختم کی تو مولانا علاؤ الدین نے فرمایا کہ مولانا نظام الدین، اب دستار فضیلت باندھو۔ والدہ صاحبہ سے آکر کہا کہ اُستاذ نے دستار بندی کا حکم فرمایا ہے۔ میں دستار کہاں سے لاؤں؟ والدہ صاحبہ نے

[۵] اخبار الاخیار میں تاریخ ولادت ۶۳۱ھ اور بزم صوفیہ میں صفر ۶۳۴ھ درج ہے۔ (بزم صوفیہ ص۲۱۵)

کہا، بابا خاطر جمع رکھو، میں اس کی تدبیر کروں گی۔ چنانچہ روئی خرید کر اُس کو کتوایا اور بہت جلد پگڑی تیار کر کے دی۔ والدہ صاحبہ نے اس تقریب میں علما و صلحاء وقت کی دعوت کی، خواجہ علی مرید شیخ جلال الدین تبریزیؒ نے ایک پیچ باندھا اور حاضرین مجلس نے علم نافع اور تکمیل کی دعا کی۔

ف: سُبحان اللہ، والدہ ماجدہ بھی کیسی باکمال تھیں، حق پدری کو بدرجہ اتم پورا کیا، جس کی وجہ سے اُن کا بچہ ایسے کمالات سے بہرہ ور ہوا کہ کم لوگ اس مقام تک پہنچے۔ (مرتب)

فقر و فاقہ اور والدہ کی تربیت

اس چھوٹے سے شریف گھرانہ میں جو سایۂ پدری سے محروم تھا، فقر و فاقہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ حضرت خواجہؒ فرماتے ہیں کہ: والدہ کا معمول تھا کہ جس روز ہمارے گھر کچھ پکانے کو نہ ہوتا تو فرماتیں کہ آج ہم سب اللہ کے مہمان ہیں مجھے یہ بات سُن کر بڑا ذوق آتا۔ ایک دن اللہ کا کوئی بندہ ایک تنکہ غلہ گھر میں دے گیا، چند دن متواتر اس سے روٹی ملتی رہی، میں تنگ آگیا اور اس آرزو میں رہا کہ والدہ صاحبہ کب یہ فرمائیں گی کہ آج ہم سب اللہ کے مہمان ہیں۔ آخر وہ غلہ ختم ہوا اور والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ آج ہم اللہ کے مہمان ہیں۔ یہ سُن کر مجھے ایسا ذوق اور ایسا سرور حاصل ہوا کہ بیان میں نہیں آسکتا۔ سولہ سال کی عمر میں حضرت خواجہؒ بدایوں سے دہلی آگئے۔

دہلی میں طالب علمی

آپ نے دہلی آکر طالب علمی کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہ مدت تین چار سال کی تھی۔ دہلی میں اُس وقت بڑے نامور اساتذہ جمع تھے۔ یہ سلطان ناصر الدین محمود کا عہد حکومت اور غیاث الدین بلبن کا عہدِ وزارت تھا۔ اور مولانا شمس الدین خوارزمی جو کہ

مستوفی الممالک ہوکر شمس الملک کے لقب سے مشہورِ روزگار ہوئے، استاذ الاساتذہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ سلطنت کے ایک اہم ترین عہدے کی ذمہ داری و مشغولیت کے ساتھ اُس زمانہ کے علماء کی طرح درس وتدریس کا مشغلہ بھی جاری تھا۔ حضرت خواجہ رحؒ اُن کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور اُستاذ کے محبوب نظر ہو گئے۔

علمی امتیاز و تفوق

حضرت خواجہ رحؒ نے اپنی ذہانت، مناسبتِ خداداد اور محنت سے اپنے رفقاء کے درمیان علمی امتیاز اور تفوق پیدا کرلیا، علمی مباحثوں اور سوال وجواب میں (جو قدیم نظامِ تعلیم کا ایک اہم جزء اور علمی استعداد و ذکاوت کی علامت سمجھی جاتی تھی) آپ کی طلاقتِ لسانی اور قوتِ استدلال کا ایسا اظہار ہوا کہ آپ جس علمی مسئلہ پر بحث کرتے طلبہ لاجواب ہو جاتے اور محفل پر آپ کے علم و ذہانت کا سکہ بیٹھ جاتا۔

حدیث کی اجازت

آپ نے حدیث اپنے زمانہ کے مشہور محدّث شیخ محمد بن احمد الماریکلی مشہور کمال الدین زاہد (م ۶۸۴ھ) سے پڑھی جو مصنف "مشارق الانوار" علامہ حسن بن محمد الصغانی کے براہِ راست شاگرد تھے، فقہ میں اُن کو بیک واسطہ صاحب ہدایہ علّامہ برہان الدین المرغینانی سے تلمذ تھا، آپ نے اُن سے "مشارق الانوار" کا درس لیا اور حدیث کی اجازت حاصل کی۔ (دعوت وعزیمت ص۵۶ ج۳)

بیعت

آپ شیخ فریدالدین رحؒ کی خدمت میں اجودھن حاضر ہوئے، شیخ کبیر نے حضرت خواجہ رحؒ کی بڑی خاطر فرمائی۔ ارشاد ہوا کہ اس پردیسی طالب علم

کیلئے جماعت خانہ میں چارپائی بچھائی جائے۔ حضرت خواجہؒ فرماتے ہیں کہ جب چارپائی بچھ گئی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں ہرگز اس چارپائی پر آرام نہ کرونگا کتنے معزز مسافر، کتنے حافظِ کلام اللہ، کتنے عاشقانِ خدا زمین پر سو رہے ہیں میں چارپائی پر کیسے لیٹوں؟ یہ خبر منتظمِ خانقاہ مولانا بدرالدین اسحٰق کو پہنچی اُنھوں نے فرمایا کہ اُن سے کہہ دو کہ تمھیں اپنے دل کی کرنا ہے یا شیخ کے ارشاد کی تعمیل کرنا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ شیخ کے ارشاد کی تعمیل کروں گا فرمایا کہ جاؤ، چارپائی پر سو جاؤ۔

اسی حاضری میں کسی وقت حضرت خواجہ جس ارادہ سے آئے تھے، اس کی تکمیل کی اور شیخ کبیرؒ سے بیعت ہو گئے۔ اُس وقت آپ کی عمر بیس سال کی تھی۔

شیخ کبیرؒ سے درس

شیخ کبیرؒ کی یہ خصوصی عنایت اور اختصاص تھا کہ آپ نے حضرت خواجہ کو بنفسِ نفیس بعض چیزیں پڑھانا شروع کیں۔ فرمایا کہ نظام! تم کو کچھ کتابیں مجھ سے بھی پڑھنی ہوں گی۔ چنانچہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ کی تصوف کی مشہور کتاب عوارف المعارف کا درس شروع کیا اور چھ باب اُس کے پڑھائے۔ مزید براں تجوید کی تعلیم بھی دی اور چھ پارے کامل تجوید کے ساتھ پڑھائے۔ (دعوت وعزیمت ص۱۶۱)

ف: معلوم ہوا کہ مقامِ شیخوخت پر فائز ہونے کے بعد بھی درس و تدریس کے سلسلہ کو جاری رکھا اور کئی کئی اسباق پڑھاتے تھے۔ اس لئے اس سلسلہ کو جاری رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کا یہ دستور رہا ہے

ایسا نہیں تھا کہ " پیر بن کر بیٹھ جاؤ ڈٹ کے قوالی سنو" بلکہ تعلیم و تربیت میں لگے رہے اور اُمت کو صحیح راہ دکھلاتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کتاب و سنت کی تعلیم و تدریس پر قائم رکھے اور قبول فرمائے۔ آمین! (مرتب)

درس کی لذت

حضرت خواجہؒ زمانہ گزر جانے کے بعد بھی اُس درس کی لذت کو یاد فرماتے رہے۔ فرماتے تھے کہ "عوارف" کے درس میں جو حقائق اور نکات حضرتؒ کی زبان سے سُنے وہ پھر کبھی سننے میں نہ آئیں گے۔ بیان کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ جب حضرت تقریر فرماتے تھے تو یہ آرزو ہوتی تھی کہ اگر اسی حالت میں موت آجاتی تو بڑا اچھا ہوتا۔

فنا و نیستی کی تربیت

"عوارف" کا جو نسخہ درس کے وقت شیخ کبیرؒ کے ہاتھ میں ہوتا تھا وہ کچھ سقیم بھی تھا اور خط بھی باریک تھا۔ چند ہی اسباق کے بعد ایک ایسا مقام آیا جہاں شیخ کو کچھ دیر تأمل رہا۔ خواجہ نے (سادگی اور نوعمری میں) کہا کہ میں نے شیخ نجیب الدین متوکل کے پاس ایک اور نسخہ دیکھا تھا وہ نسخہ صحیح تھا۔ شیخ نے فرمایا" درویش را قوت تصحیح نسخۂ سقیم نیست" (فقیر کو سقیم نسخہ کی تصحیح کی طاقت نہیں) بار بار شیخ نے یہ فقرہ دُہرایا۔ خواجہ فرماتے ہیں کہ شروع میں تو مجھے خیال نہ آیا، لیکن بار بار یہ الفاظ شیخ کی زبان سے نکلے تو سبق کے دوسرے ساتھی مولانا بدرالدین اسحٰق نے بتلایا کہ خطاب تمھاری طرف ہے۔ حضرت خواجہ کے ہوش اُڑ گئے۔ فرماتے ہیں کہ "سر برہنہ کردم و در پائے شیخ افتادم[1]" اور کہتے جاتے تھے۔ نعوذ باللہ! میرا اس سے حضرت پر تعریض کرنا ہرگز مقصود نہ تھا۔

---

[1] یعنی سر کو ننگا کر کے شیخ کے قدم پر گر پڑا۔ (مرتب)

خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ہر چند معذرت کی لیکن حضرت کا ملال خاطر نہ گیا۔ فرماتے ہیں کہ: میں اُٹھ گیا، لیکن سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں۔ وہ دن جیسا مجھ پر گزرا اور جس حزن وغم کا پہاڑ مجھ پر ٹوٹا شاید کبھی کسی شخص کو ایسا کبھی پیش آیا ہو سراسیمہ و پریشان باہر آیا۔ ایک مرتبہ تو یہ جی چاہا کہ کنویں میں گر کر جان دے دوں، لیکن کچھ سوچ کر باز رہا۔ اسی سراسیمگی اور پریشانی کی حالت میں جنگل کو نکل گیا اور بہت رویا۔

شیخ کبیر کے ایک صاحبزادے شہاب الدین نامی سے خواجہ کا خاص میل ملاپ تھا، اُنھوں نے شیخ کبیر سے خواجہ کا یہ حال کہا، جو مقصود تھا پورا ہو چکا تھا، حاضری کی اجازت مرحمت ہوئی۔ " بآمدم سر بر قدم مبارک آوردم" معافی ہوئی دوسرے روز طلب فرمایا اور ارشاد ہوا۔ یہ سب میں نے تمھاری تکمیل حال کے لئے کیا۔ پیر مشاطۂ مرید ہوتا ہے۔ اس ارشاد کے بعد خلعت وکسوت خاص سے سرفراز فرمایا گیا۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ شیخ تعلیم وتربیت کے لئے مرید کے ساتھ سختی کا معاملہ کرسکتا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اس کے بغیر اصلاح ہوتی ہی نہیں۔ (مرتب)

شیخ کی نصائح

شیخ کبیر نے ارادت وخلافت کے ساتھ کئی بار یہ تاکید کی تھی کہ مخالفین کو خوش کرنے کی پوری کوشش کرنا اور اہل حقوق کو راضی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا۔ (دعوت وعزیمت ص۶۳)

اجودھن سے دہلی کو

خواجہ نظام الدین اپنے مرشد ومربی سے رخصت ہو کر ہندوستان اللہ کی مخلوق کے ارشاد وتربیت اور تبلیغ وہدایت کی عظیم ومقدس مہم پر روانہ ہوئے۔ یہ ایک بے نوا جو ہندوستان بلکہ ساتویں صدی ہجری کے عالم اسلام کے سب سے مستحکم اسلامی سلطنت کے

دار السلطنت کو جارہا تھا۔ اُس کے پاس اخلاص، اعتماد علی اللہ اور استغنار عن الخلق کے سوا کوئی زاد راہ اور کوئی ہتھیار و سلاح نہ تھا۔ الغرض اِس شان کے ساتھ سب کچھ جلا کر بھسم کر کے وہ اجودھن سے روانہ ہوئے اور جس علاقہ کی ولایت آپ کے سپرد ہوئی تھی اُسی کے پایۂ تخت میں آپ پہنچ گئے۔ (دعوت وعزیمت ص۹۶)

حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے اوصاف و خصوصیات کا خلاصہ اور ان کا صحیح ترین و جامع ترین تعارف ان الفاظ میں ہے جو عطائے خلافت کے وقت اُن کے صاحبِ نظر شیخ و مرشد (شیخ کبیر حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر) کی زبان سے نکلے۔ انھوں نے فرمایا:۔

باری تعالےٰ ترا علم و عقل و عشق دادہ است و ہر کہ بدیں صفت موصوف باشد از و خلافت مشائخ نیکو آید۔	اللہ تعالےٰ نے تم کو علم و عقل و عشق کی دولت عطا کی ہے اور جو ان صفات کا جامع ہو وہ مشائخ کی ذمہ داریاں خوب ادا کر سکتا ہے۔

حضرت خواجہؒ کی سیرت اِسی جامعیت کا مرقع ہے، یہاں علم و عقل و عشق تینوں پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔ محبت و معرفتِ حقیقی اور مشائخ کبار کی تربیت وصحبت جو بہترین اثرات و نتائج پیدا کرتی ہے اور جن کے بہترین مجموعہ کا نام دور آخر میں تصوف پڑ گیا ہے۔ یعنی اخلاص و اخلاق اس کی بہترین نمود انکی زندگی میں نظر آتی ہے۔ (دعوت وعزیمت ص۱۰۲)

اخلاص اُن کی زندگی کا بہترین جوہر جس نے اُن کو اپنے معاصرین ہی میں نہیں بلکہ مشائخ اسلام میں ایک بلند مقام اور اپنے زمانہ ہی میں نہیں بلکہ تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں قبولِ عام اور بقاء دوام عطا کیا،

اور اُن کو محبوبیت کے خاص انعام سے نوازا، وہ توحید و اخلاص کی وہ خاص کیفیت اور ذوق ہے جس میں محبت و رضائے الٰہی کے سوا کوئی چیز مطلوب و مقصود نہیں رہی محبت و یقین کے شعلہ نے ہر طرح کے خس و خاشاک کو جلا کر رکھ دیا تھا، حبِّ دنیا حبِّ جاہ اور اس طرح کی تمام محبتوں اور طلبوں کا استیصالِ کلّی ہو چکا تھا ؎

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما | اے طبیبِ جملہ علتہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما | اے تو افلاطون و جالینوس ما

(اے عشق جو ہمارا اچھا جنون ہے، اے ہمارے تمام (اخلاقی و روحانی) امراض کے طبیب تو خوش رہ۔ اے (عشق جو) ہمارے تکبر اور عزت طلبی کی دوا ہے، اے (وہ کہ) تو ہمارا افلاطون و جالینوس ہے۔)

امیر حسن علا سنجری راوی ہیں کہ ایک مرتبہ مجلس میں یہ ذکر ہو رہا تھا کہ کچھ لوگ مسجد میں قیام کرتے ہیں اور وہاں قرآن مجید کی تلاوت کرتے اور نوافل پڑھتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ اگر اپنے گھر ہی رات کو قیام کریں تو کیسا ہے؟ فرمایا کہ آدمی اپنے گھر میں ایک پارہ پڑھے وہ مسجد میں ایک قرآن ختم کرنے سے بہتر ہے۔

ف: اس لئے کہ مسجد میں پڑھنے سے ریار و شہرت طلبی کا خطرہ ہے بخلاف گھر کے کہ وہاں اس کا ڈر نہیں، دوسرے گھر اور گھر والوں کو بھی تلاوتِ قرآن کے برکات حاصل ہوں گے۔ (مرتب)

شہرت کیلئے مسجد میں عبادت

اس پر یہ ذکر آگیا کہ گزشتہ زمانہ میں ایک صاحب جامع مسجد دمشق میں رات بھر عبادت میں مشغول رہتے تھے، اس لالچ میں کہ اس کی شہرت عام ہو گی اور شیخ الاسلامی کے عہدے پر (جو اُس زمانہ میں خالی تھا) اُن کا تقرر ہو جائے گا

یہ سُن کر حضرت خواجہؒ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ نے فرمایا:۔

بسوز اوّل شیخ الاسلامی را — آگ لگاؤ ایسی شیخ الاسلامی کو، پھر

و پس خانقاہ را و بعد ازاں خود را۔ — خانقاہ کو، پھر اپنے کو خاک کر کے رکھ دو۔

حضرت خواجہؒ کی ساری زندگی اسی "دل سوختگی" اور "خود باختگی" کا نمونہ ہے۔ اور اسی چیز نے اُن کی صحبت میں کیمیا اور اکسیر کی خاصیت پیدا کر دی تھی۔ اپنے ہی بارے میں نہیں، اپنے خلفاء اور جانشینوں کے بارے میں بھی (جن سے تہذیب اخلاق اور تزکیۂ نفس کا کام لینا تھا) اِس کا لحاظ فرماتے تھے کہ وہ اخلاص کے اُس مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ حبِ جاہ کا اُن کے دل سے خاتمہ ہو چکا ہے۔

خلافت کا اہل

مولانا فصیح الدین نے سوال کیا کہ: مشائخ کی خلافت کا اہل کون ہوتا ہے؟ فرمایا:۔

کسے را کہ در خاطر او توقع — وہ شخص جو خلافت کا متوقع

خلافت نباشد۔ — اور منتظر بھی نہ ہو۔

صاحب "سیر الاولیاء" کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آپ کو اپنے ایک ممتاز خادم کے متعلق، جن کو اجازت دی جا چکی تھی، معلوم ہوا کہ وہ کوئی کمبل تہہ کر کے بچھا کر اُس پر مشائخ کی طرح بیٹھتے ہیں، اور اُمراء و عوام و خواص ان کی خدمت میں معتقدانہ حاضر ہوتے ہیں۔ آپ اِس سے اتنے آزردہ ہوئے کہ جب وہ آئے تو آپ نے اُن سے منہ پھیر لیا اور اُن کو اجازت سے محروم کر دیا۔ عرصہ تک اُن سے ایسی ہی بے رُخی رہی، جبتک کہ اُن کا عذر ظاہر نہیں ہوا اور اُنھوں نے معافی نہیں مانگی، اُن پر نظرِ عنایت

مبذول نہیں ہوئی۔ (دعوت وعزیمت ص۱۰۵/۳)

شفقت و تعلق

اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہؒ کو عام انسانوں اور خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں اور اپنے اہل تعلق کے ساتھ ایسی شفقت و محبت عطا فرمائی تھی جس کو اگر ماں کی شفقت سے تشبیہ یا اُس پر بھی ترجیح دی جائے تو واقعات کے لحاظ سے اُس میں کوئی مبالغہ اور شاعری نہ ہوگی۔ شیوخ کاملین کی یہ شفقت دراصل نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُس شفقت کی وراثت اور نیابت ہے جس کی حقیقت اس آیت میں بیان کی گئی ہے:۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (التوبۃ ع ۱۶)	اے لوگو! تمھارے پاس ایسا پیغمبر آیا جو تمھاری جنس سے ہے جسکو تمھاری تکلیف و مضرت کی بات گراں گزرتی ہے، جو تمھاری منفعت کا بڑا خواہشمند رہتا ہے، ایمانداروں کے ساتھ بڑا ہی شفیق و مہربان ہے۔

اور اُس حکم کی تعمیل جس کا خطاب رسولؐ سے ہے:۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الشعراء ع ۱۱)	اُن لوگوں کے ساتھ فروتنی کے ساتھ پیش آؤ جو مسلمانوں میں داخل ہوکر تمھاری راہ پر چلیں۔

اس شفقت اور تعلق نے وہ "اتحاد" پیدا کر دیا تھا کہ دوسروں کی جسمانی اذیت سے اپنے کو جسمانی طور پر اذیت اور دوسروں کی قلبی راحت سے اپنے کو قلبی راحت ملتی تھی۔ امیر حسن علاء سنجری راوی ہیں کہ ایک مرتبہ مجلس ہو رہی تھی، سایہ میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے بعض لوگ دھوپ میں بیٹھے تھے۔ آپ نے سایہ میں بیٹھنے والوں

سے فرمایا: "بھائی ذرا مل کر بیٹھو، تاکہ اُن بھائیوں کیلئے بھی جگہ ہو جائے۔ دھوپ میں یہ بیٹھے ہیں اور میں جلا جارہا ہوں۔

ایک مرتبہ آپ نے کسی بزرگ کا مقولہ نقل کیا جو درحقیقت اپنے ہی حال کی ترجمانی تھی کہ اللہ کی مخلوق میرے سامنے کھانا کھاتی ہے اور میں اُس کھانے کو اپنے حلق میں پاتا ہوں۔ جیسے وہ کھانا میں ہی کھا رہا ہوں۔

امیر حسن علا سنجری فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بے وقت حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں اس طرف عزیزوں سے ملنے آیا ہوا تھا، حاضری کو جی چاہا۔ بعض دوستوں نے کہا کہ اگر کوئی شخص کسی اور کام سے آیا ہو اور شروع سے حاضری کی نیت نہ کی ہو، تو شیخ کی خدمت میں نہیں حاضر ہونا چاہیئے۔ میں نے دل میں کہا کہ اگرچہ قاعدہ یہی ہے لیکن دل نہیں مانتا کہ یہاں آکر حضرت کی زیارت کئے بغیر واپس چلا جاؤں۔ میں آج قاعدہ کے خلاف ہی کروں گا۔ حضرت نے فرمایا، اچھا کیا۔ پھر یہ شعر پڑھا ؎

در کوئے خرابات وسرائے او باش　　منعے نبود بیا و بنشیں و بہ باش

پھر فرمایا کہ مشائخ کا معمول یہی ہے کہ کوئی اُن کے پاس اشراق سے پہلے اور عصر کی نماز کے بعد نہیں جاتا، لیکن میرے یہاں یہ قاعدہ نہیں۔ جس وقت جس کا جی چاہے آئے۔ (دعوت وعزیمت ص۱۹۰)

غمخواری عام

یہ اہل قلوب غمِ دُنیا سے فارغ البال لیکن دنیا والوں کے غم اور خلق اللہ کی فکروں سے نڈھال اور خستہ حال رہتے ہیں۔ وہ اپنا غم بھلا دیتے ہیں اور ساری دُنیا کا غم اپنا غم بنا لیتے ہیں۔ یہ کہنے کا حق درحقیقت اُنہی کو ہے کہ ؏ سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی رح کے نواسے خواجہ شرف الدین سے کسی مجلس میں

کسی صوفی نے کہا کہ خواجہ نظام الدین عجب فارغ البال بزرگ ہیں، مجرد ہیں، اہل وعیال و اطفال کا کوئی تردد ان کو نہیں ہے، اُن کو ایسا فراغ خاطر حاصل ہے کہ ایک ذرہ غم بھی اُن کو چھو نہیں گیا ہے۔ وہ عزیز اُس مجلس سے اُٹھے تو حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، چاہتے تھے کہ خود اس کا ذکر کریں، حضرت خواجہؒ نے خود ہی ارشاد فرمایا:۔

"میاں شرف الدین! وہ رنج وغم جو میرے دل کو وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے شاید ہی کسی دوسرے شخص کو اُس سے زیادہ ہوتا ہو۔ جو شخص میرے پاس آتا ہے اپنا حال مجھ سے بیان کرتا ہے، اُس سے دوچند فکر و تردد اور غم و الم مجھے ہوتا ہے۔ بڑا سنگدل ہے وہ جس پر اپنے دینی بھائی کا غم اثر نہ کرے۔ اس کے علاوہ یہ جو کہا گیا ہے، المُخْلِصُونَ عَلٰی خَطَرٍ عَظِیْمٍ (مخلصین کو بڑا خطرہ درپیش رہتا ہے) اس سے بھی سمجھ سکتے ہو کہ ع

نزدیکاں را بیش بود حیرانی

حضرت خواجہؒ کے نزدیک مسلمان کا دل خوش کرنا اور اُس کی دلجوئی و راحت رسانی افضل ترین عمل اور تقرب الی اللہ کا بہترین ذریعہ تھا۔ "سیر الاولیاء" میں ہے کہ فرمایا:۔

"مجھے خواب میں ایک کتاب دی گئی اُس میں لکھا تھا کہ جہاں تک ہو سکے دلوں کو راحت پہنچاؤ، کہ مومن کا دل اسرارِ ربوبیت کا مقام ہے

کسی بزرگ نے خوب کہا ہے ؂

می کوش کہ راحت بجانے برسد یا دست شکستہ بنانے برسد

(کوشش کرو کہ کسی انسانی جان کو تم سے آرام پہنچے، یا جو دست شکستہ ہے اسکو تمہارے ذریعے سے روٹی ملے۔)

ایک مرتبہ فرمایا کہ:۔

"قیامت کے بازار میں کسی سودے کی اتنی قیمت اور چلن نہ ہوگا جتنا دل کا خیال رکھنے اور دل خوش کرنے کا۔" (دعوت وعزیمت ص۱۱۱)

ف: سبحان اللہ، کیسی نادر بات ارشاد فرمائی، مگر افسوس آج منتسبین کے نزدیک ایسی باتوں کی کوئی قیمت نہیں ہے، تا بعمل چہ رسد، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (مرتب)

ارشادات

منقول ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں اپنے شیخ کے ساتھ کشتی میں سوار تھا۔ شیخ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ میرے سامنے آؤ، مجھے تم سے کچھ کہنا ہے، سنو! جب دہلی پہنچو تو مجاہدہ کرتے رہنا، بیکار رہنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ روزہ رکھنا آدھی منزل ہے، اور بقیہ اعمال مثلاً نماز، حج یہ دوسری آدھی منزل ہے۔ خلیفہ بناتے وقت شیخ فریدالدینؒ نے فرمایا کہ سلوک کے راستہ پر مستعد رہنے کے لئے مجاہدہ کرتے رہنا۔

منقول ہے کہ ایک روز خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک واقعہ میں مجھے ایک خط دیا گیا جس میں لکھا تھا کہ جہاں تک اور جتنا ممکن ہو لوگوں کے دلوں کو آرام پہنچاؤ، کیونکہ مسلمان کا دل حقیقت میں اللہ کے ظہور کا مقام ہے۔ قیامت کے بازار میں کوئی سامان اتنا مقبول نہیں جتنا کہ دلوں کو آرام پہنچانا مقبول ہے۔

فرماتے تھے کہ تصوف کی کتب میں لکھا ہے کہ سلوک کے سو درجے ہیں، جن میں

ستر ہواں درجہ کشف و کرامات کا ہے، اگر سالک اُسی میں رہ جائے تو باقی تراسّی درجوں کو کب حاصل کرے گا۔ اس لئے درویش کو اپنی نظر کشف و کرامت تک محدود نہ رکھنی چاہیئے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ جب میرے مخدوم نے مجھے خلافت سے نوازا تو ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں علم وعقل اور عشق کی دولت سے نوازا ہے اور جسمیں یہ تینوں چیزیں موجود ہوں وہ خلافتِ شیخ اور مشائخ کا مستحق ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ انہی تینوں چیزوں سے کام بحسن و خوبی پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے۔ حضرت محبوبِ سبحانی رح اور تمام مشائخ اور بزرگوں پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ (اخبار الاخیار ص۱۲۶)

عزیمت آپ نے فرمایا کہ سالک کو ہر خطرہ کے حال میں اللہ تعالیٰ کی پناہ کا جویاں ہونا چاہیئے۔ اس کا نام عزیمت ہے۔ اور پھر اس عزیمت کو عمل میں منتقل کر دینا چاہیئے۔

جب سالک عبادت اور ریاضت کا آغاز کرتا ہے تو اُس کو نفس پر گرانی محسوس ہوتی ہے، لیکن جب وہ صدقِ دل سے اُس کو جاری رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کو توفیق ہوتی ہے اور اُس کی مشکل آسان ہو جاتی ہے۔

ف: سبحان اللہ، کیا خوب حقیقت و انکشاف فرمایا جو ہمارے جیسے کسلمند لوگوں کیلئے تسلی بخش اور ہمت افزا ہے۔ (مرتّب)

فراغتِ قلب آپ نے فرمایا کہ اس راہ میں عاشق وہی ہے جو حضور اور غیبت کی حالت میں یکساں معشوق کی محبت کا دم بھرتا ہو اور اسکے وصال کا ہمیشہ طالب رہتا ہو۔ محبت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک محبتِ ذات، دوسری

محبتِ صفات۔ اول الذکر موہبت الٰہی ہے اور آخر الذکر کسب سے حاصل ہوتی ہے موہبتِ الٰہی کا تعلق بندہ کے عمل سے نہیں، مگر محبتِ صفات کو کسب سے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ماسوی اللہ سے قلب کو فارغ کرکے اُس کو ذکر دوام میں مصروف رکھنا چاہیئے۔ فراغ قلب کو روکنے والی چار چیزیں ہیں۔ (۱) خلق (۲) دُنیا (۳) نفس ہے (۴) شیطان۔ مگر دفع خلق کے لئے عزلت، دفع دنیا کے لئے قناعت، اور دفع نفس وشیطان کے لئے اللہ جل شانہٗ سے التجا، فریاد گریہ وازی ہو، تو فراغت قلب حاصل ہوجاتی ہے۔ (بزم صوفیہ ص۲۷)

عشق ومحبت

آپ نے فرمایا کہ درویش اہل عشق ہوتے ہیں اور علما راہلِ عقل جب تک اللہ جل شانہٗ کی محبت قلب کے غلاف میں ہوتی ہے گناہ کا صادر ہونا ممکن ہے، لیکن محبت جب قلب کے گرد و نواح میں آجاتی ہے تو پھر گناہ صادر نہیں ہوتا۔ اہلِ محبت کے دل میں نماز کے وقت دنیا کا خیال آجاتا ہے تو وہ پھر سے نماز پڑھتے ہیں۔ اور اگر عاقبت کا خیال آجاتا ہے تو سجدۂ سہو بجالاتے ہیں۔

صبر، رضا، توکل

آپ نے فرمایا کہ اس راہ میں صبر، رضا، اور توکّل لازمی چیزیں ہیں۔ بلار اور مصیبت کے وقت شکایت نہ کرنا صبر ہے، اور بلار و مصیبت کے وقت اپنی کراہت کا اظہار نہ ہونے دینا رضا ہے، جو بظاہر ناممکن العمل معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ مثلاً تیز رو مسافر کے پاؤں میں کانٹا چبھ جاتا ہے تو وہ کانٹے کی پروا کئے بغیر اپنی راہ طے کرتا چلا جاتا ہے، یا ایک سپاہی جنگ میں مشغول ہوتا ہے تو پھر اُس کو اپنے زخم کا خیال مطلق نہیں ہوتا۔

توکّل کی تین قسمیں بتائی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تبارک و تعالےٰ کو اپنے حال کا عالم و دانا سمجھ کر اُس سے سوال کرے۔ دوسرا توکّل بچوں کا ہے کہ وہ ماں سے دودھ نہیں مانگتا ہے لیکن پھر بھی اُس کو دودھ مل جاتا ہے۔ تیسرا توکّل مُردوں کا ہوتا ہے وہ اپنے غسّالوں کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں، جس طرح غسّال چاہتے ہیں اُن کو غسل دیتے ہیں۔ محبوب الٰہی کے نزدیک سب سے اعلیٰ توکّل یہی ہے۔

فرمایا کہ ایک شخص کا ایمان مکمل اُسی وقت ہوتا ہے جب وہ دنیا اور اس کی تمام چیزوں کو اونٹ کی مینگنی کے برابر سمجھتا ہو، اور اللہ کے سوا کسی اور پر اعتماد نہ کرتا ہو۔

جو اللہ تبارک و تعالےٰ کی دوستی کا دعویٰ کرتا ہے اور اسی کے ساتھ دنیا کی دوستی بھی رکھتا ہے وہ کاذب ہے۔

عارف کے ستّر مقامات ہیں۔ اُن میں سے ایک اِس دنیا کی مرادوں سے محرومی ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے کو نیک اور اچھا انسان سمجھنے لگے اور اُسمیں رعونت پیدا ہو جائے، تو وہ بدترین آدمی ہے۔

بنیادِ حق

آپ نے فرمایا کہ: سالک کے لئے یادِ حق کی بنیاد چھ چیزوں پر ہے۔

(۱) وہ خلوت نشیں ہو، کہ اِس سے اُس کا نفس مغلوب ہوگا۔

(۲) وہ ہمیشہ باوضو رہتا ہو، اگر اُس کو نیند آجائے تو جاگنے کے بعد پھر وضو کرلے۔

(۳) صومِ دوام رکھنے کی کوشش کرتا ہو، اگر یہ ممکن نہ ہو تو غذا میں تقلیل کرے،

(۴) غیرِ حق سے ہمیشہ سکوت اختیار کرتا ہو۔ (۵) شیخ سے قلبی لگاؤ اور محبت رکھتا ہو۔ (۶) حق کی خاطر تمام خواطر کی نفی کردیتا ہو۔

ف : سبحان اللہ، یادِ حق کی بنیادیں جو بیان فرمائیں وہ اہلِ حق کو ملحوظ

رکھنا چاہیئے، تاکہ یادِ حق وصولِ حق تک پہنچادے۔ (مرتب)

سالک کا پرہیز

ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ سالک کیلئے چار چیزوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ (۱) دنیا، خصوصاً صحبتِ اغنیاء (۲) ماسوی اللہ کا تذکرہ (۳) غیر اللہ کی طرف التفات و توجہ (۴) دل کا میل، یعنی دل میں دنیا کی کسی قسم کی محبت نہ ہو۔

توبہ

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ سالک جب کسی چیز سے توبہ کرے تو اسکی نیت خالص ہو۔

گناہ سے ایک مرتبہ توبہ کی جاتی ہے مگر طاعت سے ہزار مرتبہ۔ جس طاعت میں ریا کی آمیزش ہو وہ گناہ سے بھی بدتر ہے۔

ظاہری اخلاق

حضرت محبوب الٰہیؒ نے سالک کے ظاہری اخلاق پر بھی پورا زور دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ سالک میں چار چیزوں سے کمال پیدا ہوتا ہے۔ کم کھانا، کم بولنا، کم سونا، لوگوں سے میل جول کم رکھنا۔

(بزم صوفیہ صـ۲۷۲)

حقوق العباد

مخالطتِ خلق سے پرہیز کی تاکید جابجا ہے، مگر اسی کے ساتھ خلق اللہ کے حقوق کی بھی تعلیم ہے۔ فرمایا کہ مومن کے دل کو ستانا اللہ تبارک و تعالیٰ کو تکلیف پہنچانا ہے۔ مومن وہ شخص ہے کہ اگر وہ مشرق میں ہے اور مغرب کے ایک مومن کے پاؤں میں کانٹا چبھے تو اُس کو یہاں درد محسوس ہو۔

عیب پوشی

درویش کو جب کسی سے تکلیف پہنچے تو اُس کے دل سے کسی حال میں بھی بددعا نہ نکلے۔ اور درویش کو پردہ پوش

ہونا چاہئے۔ پردہ پوشی تمام عبادتوں میں افضل ہے۔

حقوق ہمسایہ ہمسایہ کے حقوق کے سلسلہ میں فرمایا: وہ قرض مانگے تو اسکو قرض دو، اُس کو کوئی ضرورت ہو تو پوری کرو، بیماری میں اُس کی عیادت کرو، مصیبت میں غمخواری کرو، اُس کا انتقال ہو جائے تو اُسکی میت کے ساتھ جاؤ اور اُس کے جنازہ کی نماز پڑھو۔

پابندیٔ شریعت شریعت کی پابندی ہر حال میں ضروری بتائی ہے۔ اپنے خواجگان ہی کی طرح فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی مقام سے گرے تو شروع میں گرے، اور اگر یہاں سے گر گیا تو پھر اُس کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ ایک اور موقع پر فرمایا کہ "آنچہ نامشروع است ناپسندیدہ است" (یعنی جو شے شرعاً ناجائز ہے، وہ بُری ہے۔)

وجد و حال، ذوق و کیف اور استغراق و تحیر سے شریعت ساقط ہو جاتی ہے تو اُس کو کسی حال میں گوارا نہیں فرماتے۔ ارشادات عالیہ میں ہے کہ وہی لوگ مشائخ ہیں جن کے ظاہر و باطن دونوں آراستہ ہیں۔

اسی لئے ملفوظات میں ذوق کو کیف اور استغراق و تحیر کے ساتھ نماز روزہ، سنن و نوافل، تلاوت قرآن پاک، تراویح، احترام شریعت، اور اتباع سنت کی جا بجا تاکیدیں ہیں۔ خصوصاً نماز باجماعت کی بڑی تاکید ہے۔

خود بھی جماعت کا بڑا اہتمام رکھتے تھے، ضعیفی اور کبرسنی کے باوجود آخر وقت تک نماز باجماعت کے لئے خانقاہ کے کوٹھے پر سے نیچے تشریف لاتے۔

ف: ہمارے اکابر کی یہی تو خصوصیت ہے کہ ہر حال میں ظاہر شریعت کی مکمل پابندی فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (مرتب)

وفات

۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ کو طلوعِ آفتاب کے بعد زہد و عبادت حقیقت و معرفت اور ہدایت وارشاد کا یہ آفتاب غروب ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ساری عمر تجرد میں گزری، اِس لئے کوئی اولاد نہیں تھی۔ روحانی سلسلہ سارے ہندوستان میں پھیلا۔ اور ابھی تک جاری ہے۔ (دعوت و عزیمت ص ۱۰۱)

آپ کی مزار پُرانوار دہلی میں ہے، جہاں آج بھی عوام و خواص کا ہجوم رہتا ہے۔ اور زائرین کو بڑی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔ وصیت یہ تھی کہ ان کو صحرا میں دفن کیا جائے اور قبر کے اوپر کوئی عمارت نہ بنائی جائے۔ اور ایسا ہی کیا گیا تھا، لیکن بعد میں سلطان محمد بن تغلق نے روضہ مبارک کی عمارت بنوائی۔ (بزم صوفیہ ص ۲۶۵)

ف: اللہ تعالیٰ یہ سلسلہ تا قیامت جاری رکھے۔ الحمد للہ، آپ کی مزار کی زیارت ہوئی ہے۔ (مرتب)

حضرت امیر خسرو دہلوی رحمہ اللہ المتوفی ۷۲۵ھ

ولادت حضرت امیر خسرو ۱۲۵۴ء میں پٹیالی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ترک تھے اور والدہ ہندوستانی۔ دونوں اپنے مخصوص سماجی اور تہذیبی روایات کے حامل تھے۔ والد سپاہی پیشہ تھے، لیکن بڑی نیک اور پاک سیرت پائی تھی۔ امیر سیف الدین محمود کے معرکہ میں شہید ہوگئے تو ماں نے اپنی محبت سے بچپن کے اس صدمہ کو دھونے کی کوشش کی اور حقیقت یہ ہے کہ آغوش مادری ہی تھی جس نے اُن کو سایۂ پدری سے محرومی کے شدید احساس سے بچایا۔ خسرو کو اُن سے اتنی محبت تھی کہ ذرا بھی نظروں سے اوجھل ہوتے تو ان کی طبیعت بے چین ہوجاتی۔

چنانچہ جب ماں کا انتقال ہوا تو خسرو کی عمر ۴۸ سال کی تھی، وہ بچوں کی طرح بلکتے تھے اور کہتے تھے ؎

اے مادرِ من کجائی آخر رُو از چہ نمی نمائی آخر

(ترجمہ: اے میری ماں تو آخر کہاں چلی گئی؟ آخر تو اپنا چہرہ کیوں نہیں دکھاتی)

گیرم کہ شدی ز دیدہ مستور از سینۂ من کجا شوی دور

(ترجمہ: ماناکہ تو میری نظروں سے چھپ گئی لیکن میرے دل سے کیونکر دور ہوسکتی ہے)

(تاریخی مقالات مؤلفہ پروفیسر خلیق احمد نظامی)

ف: سبحان اللہ، کیسی باصلاحیت ماں تھیں اور کیسے باادب صاجزادے، جس کی وجہ سے باطنی ثمرات اور جواہر سے ہمکنار ہوئے۔ (مرتب)

چنانچہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے چشمۂ فیض پر پہنچے اور بقول خود اب محسوس کیا

ع مردہ بر چشمہ حیواں رسید

(ترجمہ: مردہ آب حیات کے چشمہ پر پہنچ گیا)

شیخ نے پہلی ہی نظر میں اُن کے دل کی دھڑکنوں اور صلاحیتوں کی پُکار کو سُن لیا، اور اِس انداز سے تربیت کی خسروؔ کی شخصیت کے سارے جوہر نکھر کر سامنے آگئے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ کی تعلیم و تربیت کا ایک اہم نکتہ یہ تھا کہ وہ کسی کی شخصیت کو دبا کر یا اس کی حقیقی صلاحیتوں کو پامال کر کے تربیت نہیں دیتے تھے۔ بلکہ وہ فکر و عمل کے سرچشموں کو متأثر کرلے کے بعد خداداد صلاحیتوں کو خود ان کے رُخ پر چلنے دیتے تھے۔ کہ انسانی شخصیت اسی طرح اپنے کمال کو پہنچ سکتی ہے۔ **ف**: مرشد کا کمال یہ ہے کہ تربیت میں طالب کی استعداد کا لحاظ کرے۔ (مرتب)

حضرت محبوب الٰہی کا ایک اصول یہ بھی تھا کہ جس مرید کو خلافت دیتے تھے اسے شاہی دربار سے علیحدہ رہنے کی ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا خیال تھا کہ درباداری کی زندگی اہم روحانی ذمہ داریوں کو پورا کرلے میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔ لیکن اُنھوں نے خسروؔ کی صلاحیتوں کے پیش نظر ان کو شاہی دربار سے نہیں روکا، کیونکہ ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کے لئے وہ میدان ضروری تھا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ شیخ نے اُن پر دوسروں کی روحانی تربیت کی ذمہ داری بھی نہیں ڈالی۔

ف: معلوم ہوا کہ بعض حضرات میں انفرادی طور پر صلاح و نیکی تو ہوتی ہے، مگر اصلاح و تربیت اور خلافت کے لئے جس صلاحیت کی ضرورت

ہوتی ہے وہ انمیں نہیں ہوتی، تو اُنھیں مشائخ محققین خلعتِ خلافت سے نہیں نوازتے۔ (مرتب)

شیخ سے خصوصی تعلق

خسرو جب دہلی میں ہوتے تو ہر روز بعد نمازِ عشاء شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ جبکہ شیخ کے علاوہ کوئی دوسرا نہ ہوتا تھا اور شیخ سے بلا تکلف باتیں کرتے تھے۔

چشتیہ کی خصوصیت

چشتیہ سلسلہ کے مشائخ اپنے وابستگان میں دردِ محبت اور عشق کی چنگاری روشن کرتے تھے، چنانچہ حضرت نظام الدین اولیاء رح کے مرشد حضرت بابا فرید گنج شکر رح جب کسی سے خوش ہوتے تو دعا دیتے کہ اللہ تعالیٰ تجھے درد عطا فرمائے۔ یعنی ایسا دل جو عشقِ حقیقی کی آگ میں ہمیشہ سُلگتا رہے۔ (تاریخی مقالات ص۵۶)

ف : اسی درد کے متعلق حضرت مرشدی مولانا محمد احمد صاحب رح یوں فرما رہے ہیں ؎

شکر ہے دردِ دل مستقل ہوگیا　　اب تو شاید مرا دل بھی دل ہوگیا

اور حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب یوں نغمہ سرا ہیں ؎

اب تو آزارِ محبت کے مزے آنے لگے
صدقے اُس ساقی کے جس نے درد پیدا کر دیا

نیز حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رح اِسی درد کے پیدا ہونے کی دعا فرما رہے ہیں ؎

دردِ دل سینہ میں رہ رہ کے ٹھہر جاتا ہے
جو نہ ٹھہرے مجھے وہ درد خدایا دیدے　　(مرتب)

آپ کی عبادت وریاضت

امیر خسرو کے دربار سے تعلق اور شاعرانہ مشغولیتوں کے پیش نظر یہ خیال ہو سکتا ہے کہ شاید وہ عبادت وریاضت میں کوئی گہری دلچسپی نہ رکھتے ہوں، مگر ایک دن محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے دریافت کیا کہ تمھاری مشغولی کا کیا حال ہے؟ عرض کیا، مخدوم! چند روز سے یہ ایک اتفاق پیش آیا ہے کہ جب پچھلی رات ہوتی ہے تو خود بخود گریہ غالب آجاتا ہے اور آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ شیخ نے فرمایا:

الحمد للہ، اب کچھ ظاہر ہونا شروع ہوگیا ہے۔ (تاریخی مقالات ص۵۵)

ف: سبحان اللہ، جب یہ ابتدائی حال تھا، تو انتہا کا کیا حال ہوا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کا ایک شمہ نصیب فرما دے۔ (مرتب)

اشعار عارفانہ

خدایا چو دانائے رازم توئی بہر نیک بد چارہ سازم توئی

(ترجمہ: اے اللہ! جب تو ہی میرا راز داں ہے تو ہی میرے برے بھلے میں کام آنے والا ہے)

بداں گونہ کن چارۂ کار من کہ رحمت برد آں درت بار من

(ترجمہ: تو میری چارہ سازی اس طرح کر کہ جب تیرے در پہ حاضر ہوں تو تیری رحمت میرے گناہوں کا بوجھ ہلکا کردے)

درے باز کن بر من از گنج راز کہ گردم ز گنج کساں بے نیاز

(ترجمہ: رازوں کا ایسا خزانہ مجھ پر کھول دے کہ دوسروں کے خزانوں سے بے نیاز ہو جاؤں)

نگویم کہ کن بر در خویش خاص ہمی گویمت کز خودم کن خلاص

(ترجمہ: میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے اپنا خاص بنالے، عرض اتنی ہے کہ مجھے خود بینی سے نجات دے)

اشعار دعائیہ

خدائے گدایاں و شاہاں توئی　　پناہِ ہمہ بے پناہاں توئی

(ترجمہ: فقیروں اور بادشاہوں سب کا مالک تو ہی ہے، تمام بے سہاروں کا سہارا تو ہی ہے)

پناہے مدہ جز براہِ خودم　　دگر سو مراں از نیاز خودم

(ترجمہ: اپنے سوا کسی اور کی پناہ میں نہ مجھے نہ دے، مجھے اپنی حاجت کے لئے در بدر نہ گھما)

چو خاکم کنی خاکسارم مکن　　دراں خاک چوں خاک خوارم مکن

(ترجمہ: جب خاک میں مجھے ملائیں تو مجھے آپ ذلیل نہ فرمائیں، مجھ کو مٹی میں مٹی کی طرح ذلیل و خوار نہ فرمائیں)

ف: سبحان اللہ، کیسی رقت آمیز دعا ہے جو اپنے خاص ورد و وظیفہ میں شامل کئے جانے کے لائق ہے۔ واللہ الموفق۔ (مرتب)

عبادت کی دو قسمیں ہیں

عبادت کی دو قسمیں ہیں: لازمی اور متعدی۔

ماشاء اللہ، حضرت امیر خسرو نے دونوں طرح کی عبادتیں کی تھیں۔

طاعت لازمی پر محنت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سے انسان کے کردار میں پختگی پیدا ہوتی ہے، جب وہ ایک اللہ رب العزت کے آگے سر جھکا دیتا ہے تو ہزاروں سجدوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ دنیاوی مشاغل میں اُلجھ کر اس عبادت لازمی کو بھول جانا انسان کی سب سے بڑی بد بختی ہے انسان تو اشرف المخلوقات ہے۔ جانوروں تک کا یہ حال ہے ؎

قطرہ آب نخورد ماکیاں　　تا نہ نگند رو سوئے آسماں

(ترجمہ: مرغی پانی کا قطرہ بھی نہیں پیتی، جبتک کہ آسمان کی طرف نظر نہیں کر لیتی)

طلعت متعدی کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ جو شخص دوسروں کی مدد نہ کرے اس کا شمار جمادات میں ہونا چاہیئے۔ چاہے وہ کتنا ہی عزت وجاہ والا ہو۔

یک شاخ کہ میوہ دھد تر بہتر ز ہزار باغ بے بر

(ترجمہ: ایک شاخ جو تازہ میوہ دیتی ہو، بے پھل کے ہزار باغوں سے بہتر ہے)

خود اُن کا حال یہ تھا کہ اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ دوسروں پر صرف کر دیتے تھے۔ ایک جگہ کہتے ہیں ؎

شیرم و رنج از پئے یاران برم نے چو سگ خانہ کہ تنہا خورم

(ترجمہ: میں شیر ہوں اور دوستوں کے لئے شکار کی تکلیف اُٹھاتا ہوں۔ گھر کے کُتے کیطرح نہیں ہوں کہ تنہا کھالوں۔)

ان کے نزدیک "آدمیت" عبارت تھی احترام انسانیت سے۔ یعنی امیر خسرو کے نزدیک آدمیت کے معنی و مراد انسانیت کا احترام تھا۔

دیباچہ "غرۃ الکمال" میں لکھتے ہیں کہ:۔

"اگرچہ آدمی بے حساب ست ولیکن در دیوانِ آدمیت ہمہ را در حساب آدمیت نتواں شمرد۔"

(ترجمہ: اگرچہ آدمی بے شمار ہیں، لیکن آدمیت کی فہرست میں سب کو شمار نہیں نہیں کیا جاسکتا (اسلئے کہ ان میں احترامِ انسانیت نہیں ہے۔)

مزید لکھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے انسانوں کو "احسن تقویم" میں پیدا کیا ہے اس لئے کہ وہ زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے۔ اس کو نیابت اور خلافت کا حق ادا کرنا ہے اس دنیائے آب و گِل میں اُلجھ کر نہیں رہ جانا چاہیئے۔

امیر خسرو نے انسان کی سیرت اور کردار کی تعمیر کے سلسلہ میں بہت کچھ لکھا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:۔

اپنے آبا و اجداد کے کمالات پر فخر کرنا اور خود تہی دامن ہونا خسرو کی نظر میں بزرگوں کی ہڈی (استخواں) فروشی سے کم نہ تھا۔ کیونکہ انسان کو اپنے کمالات سے اپنے بزرگوں کا نام روشن کرنا چاہیے، نہ کہ اُن سے مستعار لی ہوئی بڑائی سے اپنی شہرت کا سامان مہیا کرے۔ **ف:** سبحان اللہ، کیا خوب نصیحت فرمائی۔ (مرتب)

نسب کے متعلق لکھتے ہیں کہ: یہ بے معنی چیز ہے۔ اصل قدر و قیمت انسان کے ذاتی کردار اور اوصاف کی ہے۔ نیز سطحی علم کی مذمت کرتے ہیں اور جس علم پر عمل نہ کیا جائے اسے بیکار بتاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ عالم بے عمل کی مثال ایسی ہے جیسے کہ آدمی کا سوتے میں بڑبڑانا۔

ان کا عقیدہ تھا کہ محنت اور جد و جہد ہی انسان کی کامیابی اور ترقی کی ضامن ہو سکتی ہے۔ اسی اصول کے پیش نظر اُنھوں نے اولاد کی تربیت کے سلسلہ میں بڑی سبق آموز باتیں کہی ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ناز و نعم کی پرورش اولاد کو بگاڑ دیتی ہے۔

رنج کش طفل شکیبا بود پرورش ناز نہ زیبا بود

(ترجمہ: رنج و غم کو برداشت کرنیوالا بچہ کامیاب ہوتا ہے، بچوں کی ناز و نعمت میں پرورش مناسب نہیں ہے۔)

وفات ۱۸ر شوال ۷۲۵ھ کو وفات ہوئی۔

رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

(اخبار الاخیار ص۲۱۸)

حضرت شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ المتوفیٰ ۷۲۸ھ

نام و نسب نام احمد تقی الدین، کنیت ابو العباس، لیکن خاندانی لقب ابن تیمیہ سب پر غالب آیا اور اسی سے مشہور ہوئے۔ والد کا نام شہاب الدین عبد الحلیم، دادا کا نام ابو البرکات مجد الدین ہے۔

خاندان ابن تیمیہ کا خاندان جو پہلے سے اسرۃ ابن تیمیہ (خاندان ابن تیمیہ) کے نام سے مشہور تھا، حران کا مشہور علمی اور دینی خاندان تھا۔ یہ خاندان (جب سے اس کی تاریخ معلوم ہے) حنبلی العقیدہ اور حنبلی المذہب تھا اپنے دیار میں اس کو مذہب حنبلی میں پیشوائی کا منصب حاصل تھا اور اس کے صاحب علم افراد ہمیشہ درس و افتار اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔

(دعوت و عزیمت ص۳۲ ج۲)

ولادت اور نقل سکونت آپ کی ولادت دوشنبہ ۱۰ ربیع الاول ۶۶۱ھ میں ہوئی۔ باپ نے تقی الدین نام رکھا بڑے ہو کر انھوں نے ابو العباس کنیت اختیار کی، لیکن خاندانی لقب ابن تیمیہ سب پر غالب آیا اور وہ اسی نام سے مشہور رہیں۔

یہ زمانہ تاتار گردی کا زمانہ تھا، سارا عالم اسلام اُن کی ہیبت سے لرزہ براندام

لہ ابن تیمیہؒ سے چار پشت اوپر ان کے جد امجد محمد بن الخضر کے وقت سے یہ نسبت شروع ہوئی تھی۔ اس وجہ تسمیہ میں مورخین کا اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ محمد بن الخضر کی والدہ کا نام (جو واعظہ تھیں) تیمیہ تھا۔ اس لئے یہ خاندان تیمیہ کی طرف منسوب ہو گیا۔ (دعوت و عزیمت ص۳۶ ج۲)

تھا، لیکن عراق و جزیرہ کی سرزمین خاص طور پر اُن کی جولانگاہ تھی۔ ابن تیمیہ ۷ سات برس کے تھے کہ ان کا وطن حران تاتاری حملہ کی زد میں آگیا۔ اس لئے آپ کے خاندان نے دمشق کیطرف ہجرت کی، اور باوجود دقت و مشقت کے اپنے قیمتی کتب خانہ کو بھی ساتھ لے گیا۔

دمشق میں دمشق پہنچتے ہی اس علمی گھرانے کی آمد کی خبر ہو گئی۔ اہل علم ابوالبرکات مجدالدین ابن تیمیہ کے نام اور کام سے واقف تھے عبدالحلیم ابن تیمیہ کا علم و فضل بھی معروف تھا، چند دن کے اندر ہی جامع اموی اور دارالحدیث السکریہ میں ان کا درس شروع ہو گیا اور وہ طلبہ اور حنبلی علماء کا مرجع بن گئے اور اس خاندان کو اس نئے شہر میں کوئی غربت و اجنبیت محسوس نہیں ہوئی۔

کمسن احمد ابن تیمیہ نے جلد قرآن مجید کے حفظ سے فراغت کر لی اور حدیث و فقہ و عربیت کی تحصیل میں مشغول ہو گئے۔ اس عمر میں اپنی نو عمری کے باوجود اپنے والد کی مجالس درس و وعظ اور علماء کے حلقوں میں شرکت کرتے تھے اور علمی مذاکرات میں شریک رہتے تھے، جس سے اُن کا اخاذ ذہن وسعت و ترقی حاصل کرتا تھا۔

تعلیم و تکمیل ابن تیمیہؒ نے بڑی محنت اور توجہ اور انہماک کے ساتھ علوم کی تحصیل شروع کی۔

اُنھوں نے خاص طور سے تفسیر قرآن میں چھوٹی بڑی سَو سے زائد کتابوں کا مطالعہ کیا، اِس فن سے اُن کو فطری مناسبت تھی۔ قرآن مجید کی تلاوت، تدبر اور مطالعہ کی کثرت سے اللہ تعالیٰ نے اُن پر علوم قرآن کا خاص افاضہ فرمایا تھا، کتابوں کے علاوہ خود صاحب کتاب کی طرف رجوع کرتے تھے اور اس سے

فہم قرآن اور شرح صدر کی دولت مانگتے تھے۔ اپنی طالبعلمی اور اپنے تدبر قرآن کے طریقہ کے متعلق وہ خود بیان کرتے ہیں ؎

ربما طالعت على الآية الواحدة نحو مائة تفسير ثم اسئل الله الفهم واقول يا معلم آدم وابراهيم علمني وكنت اذهب الى المساجد المهجورة ونحوها وامرغ وجهي في التراب واسئل الله تعالى واقول يا معلم ابراهيم فهمني۔	بعض اوقات ایک آیت کے لئے میں نے سو سو تفسیروں کا مطالعہ کیا ہے۔ مطالعہ کے بعد میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ مجھے اس آیت کا فہم عنایت ہو، میں عرض کرتا کہ اے آدم و ابراہیم کے معلم! میری تعلیم فرما۔ میں سنسان اور غیر آباد مسجدوں اور مقامات کی طرف چلا جاتا، اپنی پیشانی خاک پر ملتا اور کہتا کہ اے ابراہیم کو تعلیم دینے والے مجھے سمجھ عطا فرما۔ (دعوت وعزیمت ص ۳۹/۲)

جیل کے اندر اصلاح و تعلیم اور اس کے اثرات

صاحب "الکوکب الدریہ" شیخ الاسلام کے معاصر اور رفیق درس شیخ علم الدین البرزالی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ :۔

"شیخ جب مجلس میں پہنچے تو دیکھا کہ قیدی لہو و لعب اور تفریحات میں مشغول ہیں اور اسی طرح اپنا دل بہلاتے اور وقت کاٹتے ہیں۔ شطرنج، چوسر وغیرہ کا زور ہے، نمازیں بے تکلف قضا ہوتی ہیں، شیخ نے اس پر اعتراض کیا، اور قیدیوں کو نماز کی پابندی، اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ، اعمال صالحہ، تسبیح و استغفار اور دعا کی طرف متوجہ کیا اور سنت کی تعلیم اور اعمال خیر کی ترغیب شروع کر دی، یہاں تک

کہ علم ودین کی ایسی مشغولیت شروع ہوگئی کہ یہ جیل خانہ بہت سی
خانقاہوں اور مدارس سے زیادہ بارونق اور بابرکت نظر آنے لگا۔
لوگوں کو ان کی ذات سے ایسا تعلق اور جیل کی اس دینی وعلمی زندگی
سے ایسی دلچسپی ہوگئی کہ بہت سے قیدی رہائی پانے کے بعد بھی ان کو
چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھے، اور اُن ہی کی خدمت میں رہنا
پسند کرتے تھے۔ (دعوت وعزیمت ص۴۴)

ابن تیمیہؒ کی اخلاقی بلندی

اس عرصہ میں ابن تیمیہؒ کی سیرت کی بلندی اور نمایاں ہوئی۔ اُنھوں نے کسی طاقت کے سامنے
گردن نہیں خم کی، اور نہ کسی دنیاوی ترغیب یا مالی منفعت سے ان کا دامن داغدار
ہوا، انھوں نے سلطانی خلعت اور عطایائے سلطانی کے قبول کرنے سے بھی
صاف انکار کر دیا۔

اُن کا دوسرا کارنامہ یہ تھا کہ اُنھوں نے جیل سے باہر آتے ہی اور تمام
مخالفین کو اور اُن تمام لوگوں کو جنھوں نے ایذا رسانی کی کوشش کی تھی بلا استثناء
معاف کر دیا اور اس کا صاف اعلان کر دیا کہ اُن کو کسی سے کوئی شکایت نہیں،
اور نہ وہ کسی سے مواخذہ کریں گے۔ اپنی رہائی کے بعد اُنھوں نے شام
جو خط لکھا تھا، اُس میں فرماتے ہیں:۔

تعلمون رضی اللہ عنکم	اللہ تعالٰی آپ سے راضی ہو، آپ
انی لا احب ان یوذی احد	کو معلوم ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ عامۂ مسلمین
من عموم المسلمین فضلا عن	میں سے کسی کو بھی ایذا پہنچے، کسی طرح کی بھی
اصحابنا شیئا اصلا لا ظاھرا	ظاہری یا باطنی، چہ جائیکہ یہ پسند کروں

اوباطنا ولا عندي عتب على احد منهم ولا لوم اصلا، بل لهم عندي من الكرامة والاجلال والمحبة اضعاف ما كان كل بحسبه، ولا يخلو الرجل اما ان يكون مجتهدا او مخطئا او مذنبا فالاول ماجور مشكور والثاني مع اجره على الاجتهاد معفو عنه والثالث فالله يغفر لنا وله ولسائر المومنين۔

کہ ہمارے احباب (علماء واہل دین) کو میری وجہ سے کوئی ایذا پہنچے، مجھے نہ کسی سے شکایت ہے، نہ کسی پر ملامت، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کی عزت وعظمت اور محبت میرے دل میں پہلے سے کئی گنا زیادہ ہے اور وہ ہر ایک کے مرتبہ کے مطابق انسان (کسی شخص کے ساتھ اختلاف ونزاع کرنے میں) یا تو مجتہد ہوتا ہے یا غلط کار یا گنہگار مجتہد تو ثواب اور شکریہ دونوں کا مستحق ہے، غلط کار قابلِ معافی ہے۔ رہا گنہگار، تو اللہ تعالیٰ ہماری، اُس کی اور تمام مومنین کی مغفرت فرمائے۔

لا احب ان ينتصر من احد بسبب كذبه عليّ او ظلمه او عدوانه، فاني قد احللت كل مسلم وانا احب الخير لكل المسلمين واريد لكل مؤمن من الخير ما اريده لنفسي والذين كذبوا

میں نہیں چاہتا کہ کسی شخص سے اس وجہ سے انتقام لیا جائے کہ اُس نے مجھ پر بہتان باندھا، یا ظلم یا زیادتی کی، اس لئے کہ میں نے ہر مسلمان کو معاف کردیا ہے اور میں تمام مسلمانوں کے لئے بھلائی چاہتا ہوں اور ہر مومن کے لئے اُسی چیز کا طالب ہوں جس کا اپنے لئے ہوں

وظلموا هم فی حل من جهتی۔ — وہ تمام لوگ جو جھوٹ بولے اور جنہوں نے ظلم کیا وہ میری طرف سے بری الذمہ اور آزاد ہیں میری طرف سے کوئی مواخذہ نہیں۔

ابن تیمیہؒ کا مسلکی اعتدال

اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے صاف لکھا ہے کہ وہ نہ صرف سُنی العقیدہ اور سلفی المسلک عالم تھے، بلکہ شریعت کے بہت بڑے ترجمان اور وکیل اور کتاب وسنت کے مخلص خادم اور اُمت محمدیہ کے جلیل القدر عالم تھے، انکا وجود نوادرِ روزگار میں سے تھا جو صدیوں میں پیدا ہوتا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے اِس تزکیہ و شہادت اور ان بلند توصیفی کلمات کے بعد کسی ایسے عالم یا مصنف کی جرح جس کی ابن تیمیہؒ کے آفاق علم و فکر تک رسائی نہ ہو، کوئی علمی وزن نہیں رکھتی۔ حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے جو تبحر علمی، تنوع کمالات، مجتہدانہ فکر و نظر، اختلافات میں مسلکِ اعتدال اور علمائے اسلام کی مرتبہ شناسی کا ملکہ عطا فرمایا تھا، اس کے بعد انکا قول اِس بارے میں قول فیصل ہے۔ ع

داستان فصل گل خوش می سراید عندلیب

(ترجمہ: موسم بہار کا حال بلبل ہی بہتر طریقے سے بیان کر سکتی ہے۔)

(تاریخ دعوت وعزیمت صفحہ ۱۶۳ ج۲)

آپؒ عارف باللہ تھے

جن لوگوں نے عام سوانح نگاروں اور تذکرہ نویسوں کی مدد سے شیخ الاسلام کو سمجھنے کی کوشش کی، وہ ان کو ایک محدث خشک اور ایک عالم ظاہر ہیں

سے زیادہ مقام نہیں دے سکے۔ لیکن "مدارج السالکین" میں ابن قیمؒ نے جستہ جستہ شیخ الاسلام کے جو اقوال و احوال پیش کئے ہیں اور علامہ ذہبیؒ وغیرہ نے ان کے تذکرہ میں بر سبیل تذکرہ ان کے اخلاق و اذواق و عادات و شمائل اور اشغال و اعمال کا تذکرہ کیا ہے اس کو سامنے رکھنے سے ایک منصف شخص اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ شیخ الاسلام کا شمار اس امت کے عارفین اور اہل اللہ میں کیا جانا چاہیئے اور اس کو اس بات کا وجدان حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ ان منازل پر فائز اور ان مقاصد سے بہرہ مند تھے جن کے حصول کے لئے سالہا سال ریاضت مجاہدہ ائمہ فن سلوک کی صحبت اور دوام ذکر و مراقبہ کا راستہ بالعموم اختیار کیا جاتا ہے، اور جس کو متاخرین صوفیہ "نسبت مع اللہ" سے تعبیر کرتے ہیں۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ (تاریخ دعوت وعزیمت ج ۲ ص ۱۶۲)

حضرت ملا علی قاریؒ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں۔ "جو شخص منازل السائرین کی شرح "مدارج السالکین" کا مطالعہ کرے گا اس پر واضح ہو جائے گا کہ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ اہل سنت والجماعت کے اکابر اور اس امت محمدی کے اولیاء اللہ میں سے تھے۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے تھے کہ "ابن تیمیہ بھی بہت بڑے صوفی تھے۔ مگر خشک صوفی تھے۔ اہل کمال کا رنگ مختلف ہے۔ بعد اصلاح اخلاق کے بھی مزاج کا فطری رنگ ضرور رہتا ہے۔

(رسالہ المبلغ ملفوظات حصہ ہفتم ص ۲۳۰)

محدث کبیر حضرت شاہ محمد انور صاحب کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے کہ "ہمارے علمائے دیوبند کا یہ مسلک ہے کہ ہمارے ایک ہاتھ میں حافظ ابن تیمیہؒ کی

کتابیں ہیں اور دوسرے ہاتھ میں شیخ اکبر کی۔ کیونکہ حافظ کی تصانیف سے اجلال وجبروتِ الٰہی ظاہر ہوتا ہے اور شیخ اکبر کی کتب سے زیادہ تر رجاء و انبساط واُنس وغیرہ امور ٹپکتے ہیں۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "مجھ سے ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ان دونوں اسمائے الٰہیہ یعنی الحیّ، القیّوم کی حیاتِ قلب کے سلسلہ میں تاثیر عظیم ہے۔ اور اشارۃً فرماتے تھے کہ اسم اعظم یہی دونوں اسماء ہیں اور میں نے انہی سے یہ بھی سنا کہ جو شخص فجر کی سُنت و فرض کے درمیان یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ چالیس مرتبہ پڑھنے پر مواظبت کرے گا تو اس کو حیاتِ قلب نصیب ہوگی۔ اور اس کا قلب مردہ نہ ہوگا۔

(مدارج السالکین ج ۳ ص ۲۶۴)

ف: سبحان اللہ، یہ تھا حضرت شیخ الاسلام کے وظیفۂ ذکر کا کمال، اور اس سے پہلے آپ کے بلندیٔ اخلاق کا حال آپ پڑھ چکے ہیں کہ اپنے مخالفین کی خطاؤں بلکہ ایذاؤں کو کیسے معاف کرنے کا اعلان فرمادیا۔

اسی کے ساتھ ساتھ آپ کا یہ سبق آموز قول بھی بہت ہی مشہور و معروف ہے کہ جب قوم اُن کے پیچھے پڑگئی اور شکایات کا سلسلہ شروع کردیا، تو کسی نے کہا، حضرت! آپ کی بیجا شکایت کرکرکے یہ لوگ آپ کو جیل بھیج رہے ہیں، آپ بھی اُن لوگوں کی شکایت کردیجئے۔ تو فرمایا: پھر اُن میں اور مجھ میں کیا فرق رہ جائے گا۔

پھر اُس کے بعد فرمایا کہ یہ لوگ میرا کیا کریں گے؟ اگر جیل بھیج دیں گے تو یہ میرے لئے خلوت ہے۔ اللہ کے ذکر کا موقع ملے گا، اگر شہر بدر کردیں گے تو

یہ میرے لئے سیاحت ہوگی اور " سیروا فی الارض" پر عمل ہوگا۔ اور اگر یہ لوگ مجھے قتل کریں گے تو یہ میرے لئے شہادت ہوگی۔ اس سے زیادہ میرے دشمن کیا کریں گے؟ میں سب پر راضی ہوں۔ انتہٰی۔ (مرتّب)

ذوق عبودیت

ابن تیمیہ رح کے واقعات بتلاتے ہیں کہ اُن کو یقین و مشاہدہ حاصل تھا اور اس نے ان کے اندر ایک افتقار و اضطرار اور ایک انابت و عبودیت کی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ جب اُن کو کسی مسئلہ میں اشکال یا کسی آیت کے سمجھنے میں دقت ہوتی تھی تو وہ کسی سنسان مسجد میں چلے جاتے تھے اور پیشانی خاک پر رکھ کر دیر تک یہ کہتے رہتے کہ " یا معلّمَ ابراھیم فھّمنی" (اے ابراہیم کو علم عطا کرنے والے! مجھے اس کی سمجھ عطا فرما)

ذہبی رح کہتے ہیں:۔

" لم ار مثله فی ابتهاله واستغاثته وکثرة توجّهه "	میں نے گریہ وزاری، اللہ تعالیٰ سے استمداد اور فریاد اور توجہ الی اللہ میں انکی نظیر نہیں دیکھی۔

وہ فرماتے ہیں:۔

انه لیقف خاطری فی المسئلة او الشیء او الحالة التی تشکل علیّ فاستغفر الله تعالیٰ الف مرة او اکثر او اقل حتی ینشرح الصدر	کسی وقت کسی مسئلہ میں میری طبیعت بند ہو جاتی ہے یا کسی معاملہ میں مجھے اشکال پیش آجاتا ہے تو میں ایک ہزار بار استغفار کرتا ہوں یا اس سے کم یا زیادہ یہانتک کہ طبیعت کھل جاتی ہے اور بدلی چھٹ

وینجلی اشکال ما اشکل   جاتی ہے اور اشکال رفع ہو جاتا ہے۔

اس کیفیت میں جلوت، مجمع، بازار، شور و شغب کوئی چیز مانع نہ ہوتی فرماتے ہیں:-

واکون اذ ذلك فی السوق	ایسی حالت میں کبھی بازار میں، کبھی
او المسجد او الدرب او المدرسة	مسجد میں یا گلی یا مدرسہ میں ہوتا ہوں لیکن
لا یمنعنی ذلك من الذكر	ذکر و استغفار میں کوئی رکاوٹ نہیں
او الاستغفار الی ان	پیش آتی اور برابر مشغول رہتا ہوں یہانتک
أنال مطلوبی۔	کہ مطلوب حاصل ہو جاتا ہے۔

یہ یقین اور ذوق عبودیت جب پیدا ہو جاتا ہے اور باطن میں سرایت کر جاتا ہے تو انسان میں اپنی بے بسی و بے چارگی، اپنی تہی دستی و بے بضاعتی کا ایسا احساس پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ آستانۂ شاہی پر کشکولِ گدائی لے کر کھڑا ہو جاتا ہے اور خدائی کا صدقہ اور رحمت کی بھیک مانگتا ہے، اُس وقت اُس کے روئیں روئیں سے یہ صدا آتی ہے کہ ؎

مفلسانیم آمده در کوئے تو   شیئًا للہ از جمالِ روئے تو
دست بکشا جانبِ زنبیل ما   آفریں بر دست و بر بازوئے تو

ابن تیمیہؒ کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو یہ دولتِ فقر اور یہ عزتِ تذلّل حاصل تھی۔ ابن قیمؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا اس بارے میں ایسا حال دیکھا ہے جو کسی کے یہاں نظر نہیں آیا وہ فرماتے تھے: نہ میرے پاس کچھ ہے نہ میرے اندر کچھ ہے۔ وہ اکثر یہ شعر پڑھتے تھے ؎

انا المكدّی انا المکدّی وهٰکذا کان ابی وجدّی

(ہاں! میں تیرے در کا بھکاری ہوں، ہاں! میں تیرے در کا بھکاری ہوں، اور کوئی نیا بھکاری نہیں، خاندانی بھکاری ہوں اور پشتینی سائل، میرا باپ بھی تیرے در کا بھکاری تھا، اور میرا دادا بھی۔) (دعوت وعزیمت ص۱۶۹)

ذوق عبادت وانہماک عبادت کا ذوق اور اس میں انہماک اُس وقت تک نہیں ہو سکتا جبتک کہ انسان کو اسکی لذت اور اس کا حقیقی ذائقہ نہ نصیب ہو، اور وہ اُس کے درد کی دوا، قلب کی غذا اور روح کی قوت نہ بن جائے، اور اس کو مقام "جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ اور اَرِحنا یا بلال" سے مناسبت نہ بخشی جائے۔ ابن تیمیہؒ کے معاصرین اور واقفین حال اِس کی شہادت دیتے ہیں کہ ان کو اس دولت بیدار سے حصہ ملا تھا، اور اُن کو خلوت ومناجات اور نوافل وعبادات کا خاص ذوق تھا، اور ان کا انہماک اِس سلسلہ میں بہت بڑھا ہوا تھا۔ "الکواکب الدریۃ" میں ہے:

"وکان فی لیلہ منفردا عن الناس کلھم، خالیا بربہ عزوجل ضارعا الیہ مواظبا علیٰ تلاوۃ القرآن العظیم مکررا لانواع التعبدات اللیلیۃ والنھاریۃ وکان اذا دخل فی الصلوٰۃ ترتعد فرائصہ واعضاؤہ حتیٰ یمیل یمنۃ	رات کو وہ تمام لوگوں سے علحدہ رہتے تھے، اُس وقت اللہ کے سوا کوئی نہیں ہوتا تھا، وہ تھے اور گریہ وزاری، برابر قرآن مجید پڑھتے رہتے، رات اور دن مختلف قسم کے نوافل وعبادات میں مشغول رہتے جب نماز شروع کرتے تو ان کے شانے اور اعضاء کانپنے لگتے، یہاں تک کہ اُن کو داہنے اور بائیں

ویسرۃ۔ (الکواکب ص۱۵۶) لرزش ہوتی۔

ایسے اہل قلوب اور اہل ذوق کی طاقت اور نشاط، ذکر وعبادت سے قائم ہوتا ہے، اگر اُس میں فرق واقع ہو تو اُن کی قوت جواب دے جاتی ہے اور ان کو محسوس ہوتا ہے کہ فاقہ ہوا۔ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:۔

وکان اذا صلی الفجر یجلس فی مکانہ حتی یتعالی النھار جدا یقول ھذہ غدوتی لولم اتغد ھذہ الغدوۃ سقطت قوای۔ (الرد الوافر ص۳۶)	نماز فجر کے بعد اپنی جگہ بیٹھے رہتے یہاں تک کہ دن اچھی طرح سے چڑھ آتا کوئی پوچھتا تو فرماتے کہ یہ میرا ناشتہ ہے، اگر میں یہ ناشتہ نہ کروں تو میری قوت میں سقوط ہو جائے اور میرے قویٰ کام نہ کریں۔

اس ذوق واہتمام کے بعد اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرما دیتا ہے اور ذکر وعبادت اور معمولات طبیعت ثانیہ بن جاتے ہیں۔

ذہبیؒ لکھتے ہیں:۔

لہ اوراد واذکار یدیمھا بکیفیۃ وجمعیۃ۔ (الرد الوافر ص۱۸)	وہ اپنے اوراد و اذکار کی پوری پابندی کرتے تھے اور ہر حالت میں جمعیت خاطر کے ساتھ ادا کرتے تھے۔

سخاوت وایثار

اہل اللہ اور اخلاقِ نبویؐ کی میراث میں حصہ پانے والوں کی خاص صفت سخاوت وایثار ہے۔ ابن قیمؒ نے "زاد المعاد" میں "اَلَمْ نَشْرَحْ" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ شرح صدر کی دولت اور ایمان ویقین کا نتیجہ سخاوت وایثار ہے، اس لئے جس کو اُس دولت سے حصہ ملے گا، سخاوت وایثار اُس کا شعار ہوگا۔ شیخ الاسلامؒ کے معاصرین واحباب

اُن کی سخاوت کے بیحد معترف اور ثناخواں ہیں۔ "الکواکب الدریہ" میں ہے:۔

وھو احد الاجواد الاسخیاء الذین یضرب بھم المثل۔	وہ اُن معدودے چند اہل سخاوت میں سے ہیں، جن کی سخاوت ضرب المثل ہے۔

الحافظ ابن فضل اللہ العمری جو اُن کے معاصر ہیں، اُس سخاوت کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

کانت تاتیہ القناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضۃ والخیل المسومۃ والانعام والحرث فیھب ذٰلك باجمعہ ویضعہ عند اھل الحاجۃ فی موضعہ لایاخذ منہ شیئا الا لیھبہ ولا یحفظ الا لیذھبہ۔ (الکواکب ص۱۵۸)	اُن کے پاس ڈھیروں سونا، چاندی اعلیٰ اصیل گھوڑے، جانور، املاک و اموال آتے، وہ سب کا سب اُٹھا کر دوسروں کو دیدیتے، یا اہل ضرورت کے پاس رکھوا دیتے اور صرف دوسروں کو دینے کے لئے لیتے اور صرف عطا کرنے کے لئے اٹھا رکھتے۔

اُن کی سخاوت یہاں تک پہنچی ہوئی تھی کہ اگر دینے کے لئے کچھ نہ ہوتا تو کپڑا اُتار کر دیدیتے۔

کان یتصدق حتیٰ اذا لم یجد شیئا نزع بعض ثیابہ فیصل بہ الفقراء (الکواکب ص۱۵۰)	وہ صدقہ کرتے تھے، اور جب کچھ پاس نہ ہوتا تو اپنا کوئی کپڑا ہی اتار کر دیدیتے اور اہل حاجت کی کاربرآری کرتے۔

ایک دوسرے صاحب فرماتے ہیں:۔

وکان یتفضل من قوتہ	کھانے سے ایک روٹی، دو روٹیاں

الرغيف والرغيفين فيؤثر بذالك على نفسه ۔ (ایضاً)	بچالیتے اور اپنے اوپر ایثار کر کے دوسروں کو دے دیتے ۔

ایثار کا ایک نازک مقام یہ ہے کہ آدمی اپنے دشمنوں اور حریفوں کے ساتھ فراخ دلی بلکہ عفو و احسان اور اس سے آگے بڑھ کر دعا و خیر خواہی کے ساتھ پیش آئے۔ یہ مقام اُنہی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے، جو اُنانیت اور حظوظ نفس سے بہت آگے بڑھ چکے ہوں، اور اُن پر نعمائے الٰہی کی ایسی بارش ہو اور سکینت و سرور اس درجہ کا حاصل ہو کہ وہ اُن سب مخالفتوں کو انکے مقابلہ میں ہیچ اور پر کاہ سمجھتے ہوں۔ اور جن کے اندر اپنے دشمنوں اور مخالفین کے لئے بھی خیر طلبی و رحم کا جوش پیدا ہوتا ہو۔

اُن کے تلمیذ رشید اور ہر وقت کے ساتھی حافظ ابن قیم رح کہتے ہیں کہ وہ اپنے دشمنوں کے لئے دعا رخیر کرتے تھے۔ میں نے نہیں دیکھا کہ وہ اُن میں سے کسی کے لئے بد دعا کرتے ہوں۔ میں ایک روز اُن کے سب سے بڑے حریف اور ایک ایسے شخص کی وفات کی خبر لے کر آیا جو عداوت اور اُن کو ایذا پہنچانے میں سب سے آگے تھے، اُنھوں نے مجھے جھڑک دیا اور منہ پھیر لیا۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعُون پڑھی، پھر فوراً اُن کے مکان پر گئے، اُن کی تعزیت کی اور فرمایا کہ مجھے اُن کی جگہ پر سمجھنا، جس چیز کی تم کو ضرورت پڑے گی میں تمھاری اس میں مدد کروں گا، اسی طرح اُن سے ایسی ملاطفت و دلجوئی کی باتیں کیں جن سے وہ نہایت مسرور ہوئے اور اُن کو بڑی دعائیں دیں۔ اور ان کو اس پر سخت استعجاب ہوا۔

عفو و احسان، اعدار و مخالفین کے ساتھ شفقت و مرحمت کا یہ مقام

مالی ایثار سے بہت بلند اور آگے کا مقام ہے۔ یہ وہ مقام ہے جو صدیقین وخواصِ اولیاء کو ملتا ہے۔ ابن تیمیہؒ اس مقام پر فائز تھے۔ اور گویا زبانِ حال سے وہ کہتے تھے جو اسی مقام کے کسی صاحبِ حال شاعر نے فارسی میں کہا ہے ؎

ہر کہ مارا رنج دادہ راحتش بسیار باد	ہر کہ مارا یار نبود ایزد اورا یار باد
ہر گلے کز باغِ عمرش بشگفد بےخار باد	ہر کہ اندر راہِ ما خارے نہد از دشمنی

فروتنی و بے نفسی

فروتنی و بے نفسی اہل اللہ کی خاص صفت اور وہ مرتبۂ کمال ہے جو ہزار کرامتوں سے بلند اور ہزار فضیلتوں سے بالاتر ہے۔ یہ مقام اُسی وقت حاصل ہوتا ہے جب خودی مٹ جاتی ہے اور نفس کا کامل تزکیہ ہو جاتا ہے۔ شیخ الاسلامؒ کو اپنے کمالاتِ علمی اور عروجِ دینی و دنیاوی کے ساتھ یہ کمال بھی حاصل تھا، اُن کے اقوال پتہ دیتے ہیں کہ وہ بے نفسی و للّٰہیت اور ہضمِ نفس و انکارِ ذات کے درجۂ عُلیا پر پہنچے ہوئے تھے۔

ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ وہ اکثر فرماتے تھے کہ " مَالِیْ شَیْءٌ وَلَا مِنِّیْ شَیْءٌ وَلَا فِیَّ شَیْءٌ " اگر کوئی اُن کے منہ پر ان کی تعریف کرتا تو فرماتے کہ اللہ کی قسم، ابھی تک برابر اپنے اسلام کی تجدید کرتا رہتا ہوں، اور ابھی تک نہیں کہہ سکتا کہ کامل طور پر مسلمان ہوں۔

کبھی کوئی تعریف کرتا تو یوں بھی فرماتے کہ " انا رجل ملة لا رجل دولة "۔ (میں اُمت کا ایک عام آدمی ہوں، سلطنت و حکومت کا آدمی نہیں۔)

بے نفسی اور عبودیت کے اس درجہ پر پہنچ کر آدمی کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ وہ اپنا نہ کسی پر کوئی حق سمجھتا ہے نہ اس کا کوئی مطالبہ کرتا ہے، نہ اُس کو کسی سے کوئی شکایت ہوتی ہے، نہ اپنے نفس کا انتقام لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اِس مقام پر پہنچا دیا تھا۔

ابن قیمؒ فرماتے ہیں: کہ میں نے شیخ الاسلام قدس اللہ روحہ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ عارف اپنا کسی پر کوئی حق نہیں سمجھتا، اور نہ یہ جانتا ہے کہ اُس کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل ہے۔ اِسی لئے نہ وہ کسی کی کوئی شکایت کرتا ہے نہ مطالبہ کرتا ہے، نہ مار پیٹ کرتا ہے۔

ولذالك لا يعاتب ولا يطالب ولا يضارب۔	حاصل یہ ہے کہ اسی لئے نہ وہ کسی کی شکایت کرتا ہے، نہ مطالبہ کرتا ہے اور نہ مار پیٹ کرتا ہے۔
(مدارج السالکین ص۲۹۶ ج۱)	

ان کے حالات سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ "حدیث دیگراں" میں وہ اپنا ہی حال بیان کر رہے ہیں۔

سکینت و سرور

اِس ایمان و یقین اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اِس صحیح تعلق اور مخلوق سے آزادی اور قلب کی وارستگی اور بے تعلقی کے بعد انسان کو وہ سکینت و سرور حاصل ہوتا ہے کہ اِس زندگی ہی میں اس کو جنت کا مزہ آنے لگتا ہے۔ شیخ الاسلامؒ نے (جیسا کہ ابن قیمؒ نے نقل کیا ہے) خود ایک بار فرمایا کہ:-

انّ في الدنيا جنةً من لم يدخلها لم يدخل جنة	دنیا میں (مومن کیلئے) ایک ایسی جنت ہے کہ جو اُسمیں یہاں داخل نہیں ہوا، وہ آخرت

الاٰخرۃ۔ (الروالوافر ص۳۶) کی جنت سے بھی محروم رہے گا۔

اہل نظر جانتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کبھی اپنے مخلص بندوں کو اس زندگی میں بھی "لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ" کی دولت عطا فرماتا ہے اور وہ اُس کا نمونہ (بقدر وسعت دنیا) یہاں بھی دیکھ لیتے ہیں۔ شیخ الاسلامؒ اور اُن کے رفقار کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو یہ دولت حاصل تھی خود بھی ایک بار جوش میں آکر فرمایا:۔

ما یصنع اعدائی بی، انّ جنتی وبستانی فی صدری ان رحت فھی معی لاتفارقنی — میرے دشمن میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں میری جنت اور میرا باغ میرے سینے میں ہے، جہاں جاؤنگا وہ میرے ساتھ ہے۔

یہ نسبت سکینت ورضا زندگی میں اور بعد وفات اُن کے ساتھ رہی ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ان کو خواب میں دیکھا، میں نے اُن سے بعض اعمال قلبیہ کا ذکر کیا، اس پر شیخؒ نے فرمایا:۔

اما انا فطریقی الفرح والسرور بہ۔ (اغاثۃ اللھفان) — بھائی، میری نسبت تو فرحت وسرور کی ہے۔

ابن قیمؒ لکھتے ہیں:۔

وھٰکذا کانت حالہ فی الحیاۃ یبدو ذالك علیٰ ظاھرہ وینادی بہ علیہ حالہ — یہی حالت انکی زندگی میں بھی تھی کہ اُن کے چہرہ پر فرحت وسرور کے آثار نظر آتے تھے اور ان کی کیفیت اس کا اعلان کرتی تھی۔

کمالِ اتباعِ سنت

اس مقام (قبولیت وصدیقیت) کی ابتدا اتباع سنت سے ہے۔ اور اس کی انتہا بھی کمال اتباع سنت پر ہے۔ حدیث وسنت کے ساتھ ابن تیمیہؒ کا شغف وانہماک ان کے مخالفین کو بھی تسلیم ہے۔ لیکن یہ شغف وانہماک محض علمی ونظری نہ تھا، عملی اور ظاہری بھی تھا۔ اُن کے معاصرین شہادت دیتے ہیں کہ مقام رسالت کا جیسا ادب واحترام اور اتباع سنت کا جیسا اہتمام ابن تیمیہؒ کے یہاں دیکھا، کسی اور کے یہاں نظر نہیں آیا۔ حافظ سراج الدین البزار قسم کھا کر کہتے ہیں:۔

لا واللہ ما رایت احدا اشد تعظیما لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا احرص علی اتباعہ ونصر ما جاء بہ منہ (الکواکب الدریہ ص۱۴۹)	اللہ کی قسم، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا ادب واحترام کرنے والا اور آپ کی اتباع اور آپ کے دین کی نصرت کی حرص رکھنے والا ابن تیمیہؒ سے بڑھ کر نہیں دیکھا

یہ چیز اُن پر اتنی غالب اور اُن کی زندگی میں نمایاں تھی کہ دیکھنے والوں کا قلب شہادت دیتا تھا کہ اتباع کامل اور سنت کا عشق اِس کا نام ہے۔ علامہ عماد الدین الواسطیؒ فرماتے ہیں:۔

ما راینا فی عصرنا ھذا من تستجلی النبوۃ المحمدیۃ وسننھا من اقوالہ وافعالہ الا ھذا الرجل یشھد القلب الصحیح ان ھذا ھو الاتباع حقیقۃ۔ (جلاء العینین ص۵)	میں نے اپنے زمانہ میں ابن تیمیہ ہی کو ایسا پایا کہ نبوت محمدیؐ کا نور انکی زندگی میں اور سنتوں کا اتباع ان کے اقوال وافعال میں عیاں تھا۔ قلب سلیم اسکی شہادت دیتا تھا کہ حقیقی اتباع اور کامل پیروی اسکا نام ہے۔ (دعوت وعزیمت ص۱۴۸ ج۲)

فراست وکرامت

ہر چند کہ کشف وکرامت نہ بزرگی ومقبولیت کا جزء ہے نہ اُس کی دلیل۔ محققین نے صاف لکھ دیا ہے کہ :-
الاستقامة فوق الکرامة (یعنی شریعت پر ثابت قدمی کرامت سے بڑھ کر ہے) اور یہ مسئلہ اب کسی بحث کا محتاج نہیں۔ لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے بہت سے مقبول بندوں کو بطریق انعام یہ دولت بھی عطا فرماتے ہیں اور اُن کے ہاتھوں یا زبان سے ایسے واقعات کا ظہور ہوتا ہے جو اُن کی مقبولیت ووجاہت کے مؤیدات وآثار میں سے ہوتے ہیں۔ اہلِ سنت کا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ "کرامات الاولیاء حقٌ" اور قرآن وحدیث میں اس کے متعدد شواہد وواقعات ہیں۔ اور خود شیخ الاسلام کی کتابوں میں اس مسئلہ کی تقریر اور اس حقیقت کا اثبات ہے۔

ان واقعات کی شہادت جو بطریق کرامت وخرق عادت پیش آئے، اُن کے تلامذہ واحباب ومعاصرین نے دی ہے اور متاخرین نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ وہ اِس قدر مشہور اور بکثرت منقول ہیں کہ اُن کا انکار ممکن نہیں۔ علامہ عینیؒ صاحب "عمدۃ القاری" شرح البخاری تقریظ "الرد الوافر" میں لکھتے ہیں :-

وھذا الامام مع جلالة	اپنی علمی عظمت وکمال کے ساتھ ان
قدرہٖ فی العلوم نقلت عنه	سے ایسی کرامات کا بھی صدور ہوا ہے
علیٰ لسان جم غفیر	جس کو ایک بڑے مجمع نے نقل کیا ہے
من الناس کرامات	اور ان میں شبہہ کی گنجائش نہیں۔
ظھرت منه بلا التباس۔	(الرد الوافر ص۸۹)

انھی کرامات کا ایک شعبہ "فراست صادقہ" ہے جو اکابر مومنین اور اولیائے متقین کو حاصل ہوتی ہے۔ اس فراست کے عجیب وغریب واقعات نقل کئے جاتے ہیں۔ حافظ ابن قیم رحؒ نے "مدارج السالکین" اور دوسری کتابوں میں اس "فراست" کے بہت سے واقعات نقل کئے ہیں۔ "مدارج السالکین" میں ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

ولقد شاھدت من فراسة شیخ الاسلام امورا عجیبة وما لم نشاھدہ منھا اعظم واعظم، ووقائع فراستہ تستدعی سفرا ضخما۔ (مدارج السالکین ص ۲/۲۵)	میں نے شیخ الاسلام کی فراست کے عجیب وغریب واقعات کا مشاہدہ کیا ہے اور جو واقعات میرے مشاہدہ میں نہیں آئے (بلکہ میں نے معتبر لوگوں کی زبانی سُنے ہیں) وہ اور بڑھ چڑھ کر ہیں۔ ان کی فراست کے واقعات کے نقل کرنے کے لئے ضخیم کتاب چاہیئے۔

مسئلۂ وحدۃ الوجود، فنا، بقا، معرفت، اعمال قلبیہ وغیرہ پر انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عملی طور پر بھی ان منازل سے گزرے ہوئے تھے اور اس سلسلہ میں ان کو "اذواق عالیہ" اور "احوال صحیحہ" حاصل تھے، اور جو کچھ کہتے اور لکھتے ہیں وہ محض عام ذہانت، قوتِ علم یا زورِ قلم کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ اُن کے تجربات ومشاہدات ہیں۔ ان مسائل ومباحث میں بعض مرتبہ اُن کا کلام اور تحقیقات محققین صوفیہ اور مجتہدین فن سلوک (مثلاً مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحؒ اور امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحؒ) کے کلام وتحقیقات سے مل جاتی ہیں۔ (دعوت وعزیمت ص ۲/۱۸۱)

انتباہ: مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی تصنیف کی خصوصیات پر سیر حاصل کلام فرمایا ہے، مگر ہم بغرض اختصار بادل نخواستہ اسے حذف کرتے ہیں۔ لہٰذا جو حضرات اسے دیکھنے کا ذوق رکھتے ہوں ضرور دیکھیں، اس لئے کہ نہایت مفید ہیں۔

فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔ (مرتب)

زندگی کے آخری ایام اور وفات

شیخ الاسلام کے بھائی زین الدین عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ قرآن مجید کے اسّی دور ختم کرنے کے بعد جب نیا دور شروع کیا اور سورۂ قمر کی اس آیت پر پہنچے، اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝ فِىْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ تو بجائے میرے عبداللہ بن محب اور عبداللہ الزرعی کے ساتھ دور شروع فرمایا۔ یہ دونوں نہایت صالح شخص تھے اور آپس میں حقیقی بھائی تھے، شیخ کو اُن کی قرأت بہت پسند تھی۔ ابھی یہ دور ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ زندگی کے دن پورے ہوگئے۔

وفات

انتقال سے ۲۰، ۲۲ روز پہلے طبیعت خراب ہوئی تو پھر درست نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ ۲۲، ذی القعدہ ۷۲۸ھ کی شب میں اِس مجمع کمالات ہستی نے ۶۷ سال کی عمر میں دنیا سے کوچ کیا۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ (دعوت وعزیمت ص ۱۲۳ ج ۲)

حضرت الشیخ حسین الجاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۷۳۰ھ

فضل و کمال آپ جاکی کی جامع مسجد کے امام وخطیب تھے، نہایت صالح و نیک واعظ تھے، لوگوں کو وعظ و تذکیر فرماتے تھے۔ اور لوگوں کو بھی ان سے نفع پہنچ رہا تھا۔ مگر ایک دن (ان کے مخالفین) مجتمع ہوئے اور بادشاہ سے کہا کہ یہ وعظ میں بہت سی غلط باتیں بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ بادشاہ نے ان کے پاس وعظ سے ممانعت کا فرمان لکھ بھیجا۔ شیخ حسین نے اپنے شیخ ایوب کناس رحؒ سے اس کی شکایت کی، تو بادشاہ جس وقت بیت الخلاء میں تھا، اچانک شیخ ایوب دیوار سے بڑے شیر کی صورت میں نکلے جبکہ جھاڑو ان کے کندھے پر تھا اور اپنے منہ کو کھولا کہ سلطان کو نگل جائیں۔ تو بادشاہ کانپ گیا اور بیہوش ہو کر گر پڑا۔ جب افاقہ ہوا تو فرمایا کہ شیخ حسین کو وعظ کے لئے اجازت نامہ بھیجو ورنہ ابھی تم کو ہلاک کئے دیتا ہوں، پھر دیوار کے اندر چلے گئے۔ اس کے بعد بادشاہ شیخ حسین کے پاس گیا اور شیخ ایوب سے ملنے کا ارادہ ظاہر کیا تو شیخ نے اجازت نہ دی۔

ف: ایوب کناس رحؒ کی یہ کھلی کرامت تھی۔ اور اہل سنت والجماعت کے نزدیک کراماتِ اولیاء کے حق ہونے پر اتفاق ہے۔ اس لئے امر عجیب میں کچھ بھی اشکال و تعجب نہیں۔ حضرت مرشدی مولانا وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ اکثر یہ واقعہ سنایا کرتے تھے اور سامعین کو محظوظ فرمایا کرتے تھے۔ (مرتب)

وفات شیخ حسین نے ۷۳۰ھ میں انتقال فرمایا۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

(طبقات ص ۲)

حضرت سید یوسف حسینی المعروف بہ شاہ راجو قتال حسینی ۷۳۱ھ

نام ونسب آپ کا نام یوسف حسینی ہے۔ اور عام طور پر شاہ راجو قتال کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ حضرت سید محمود بندہ نواز المعروف گیسو دراز حسینی کے والد بزرگوار ہیں۔

تعارف آپ مشاہیر اولیا سے ہیں اور صوفیانہ زندگی رکھتے تھے۔ ویسے ہی عالم باعمل، صاحب زہد و تقویٰ، ریاضت و مجاہدہ میں مشہور تھے۔ آپ سے کسی وقت فرض تو کیا سنت اور نفل تک قضا نہیں ہوتی تھی۔ آپ ظاہری علوم فقہ، حدیث، تفسیر میں بڑے ماہر تھے۔

تصانیف میں "تحفۃ النصائح" بھی آپ کی تصنیف ہے جسے آپ نے اپنے فرزند ارجمند حضرت خواجہ بندہ نواز کیلئے مرتب فرمائی تھی جو فارسی اشعار میں نصیحت اور حکمت کا خزانہ ہے۔ کتاب مختلف عنوانات پر ۴۵ ابواب میں تقسیم ہے۔ ہم ناظرین کے لئے چند اشعار کا اردو ترجمہ ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

تعلیمات (۱) اوقات نماز کی پابندی کرو۔ نماز چھوڑ دینے سے ملعون ہو جاؤ گے۔ مستقل طور پر نماز چھوڑ دینے والا کافر ہے اور اس کی جگہ دوزخ میں ہے۔

(۲) اذان کی آواز سنو تو خاموش ہو جاؤ، بات نہ کرو اور کسی کام میں مشغول نہ رہو۔ اذان کا جواب دیتے رہو، اگر اذان کا جواب نہ دو گے، یا

اُسوقت باتیں کروگے تو بعجلت ممکنہ بلائیں آتی رہیں گی۔

(۳) چاشت کی نماز پڑھو اور اشراق بھی ناغہ نہ کرو، تو تم تونگر ہو جاؤگے اور بہت سا مال وزر پاؤگے۔

(۴) نصف رات میں تہجد کے وقت خلوص دل سے نماز ادا کرو۔ یقیناً حق کو دیکھ لوگے اور فتنوں اور پریشانیوں سے محفوظ رہو گے۔

(۵) نماز ختم کرتے ہی آیتہ الکرسی پڑھو۔ اس سے جنت تمہاری مشتاق ہوگی حور اور جنت کے پھل بھی پاؤگے۔

(۶) جبتک عشار کی نماز سے فارغ نہ ہو جاؤ، بستر پر نہ لیٹو، تکیہ پر سر نہ رکھو۔

وَفات

۵ر شوال ۱۳۱۷ھ میں آپ نے اس دار فانی سے کوچ کیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

"طبیب مآب چشت" تاریخ رحلت ہے۔ آپ کے مکان کے بیرونی حصہ میں تدفین عمل میں آئی۔

آپ کا مزار حضرت شیخ منتخب الدین زرزری بخش کی درگاہ کے مغرب کی جانب کوہِ شارخ کے دامن میں واقع ہے۔ نوّر اللہ مرقدہٗ

(گلستان خلد آباد ص۲۲۱)

حضرت ابو البرکات الیمن بن محمدؒ المتوفی ۷۳۴ھ

تعارف

چودہ پشتوں تک آپ کے آباء و اجداد کا نام محمد بیان کیا جاتا ہے۔ تونس (ٹیونس) کے باشندہ تھے۔ وہاں سے قاہرہ آئے اور قاہرہ سے مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ شاعر تھے، اور ہجو بکثرت لکھتے تھے، مدینہ پہنچ کر وہیں کے مجاور ہو گئے۔ اور ہجو گوئی سے توبہ کر کے عہد کیا کہ آئندہ سے صرف نعت لکھوں گا۔ چنانچہ اس عہد کو انھوں نے مدۃ العمر نباہا۔[۱]

ایک مبارک خواب ایک دفعہ انھوں نے مدینہ سے کسی دوسری جگہ منتقل ہونے کا ارادہ کیا، تو خواب میں آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ابو البرکات! تم ہماری جدائی کیسے گوارا کروگے؟ اس خواب کے بعد وہ مرتے دم تک مدینہ ہی میں مقیم رہے۔ انھوں نے اپنا نام عاشق النبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) رکھا تھا۔

ٹیونس کے سلطان نے ان کو اپنے وطن واپس چلے آنے کی بہت ترغیب دی مگر انھوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اگر مشرق و مغرب کی سلطنت بھی مجھے دیدی جائے تو میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جوار و ہمسائگی کو نہیں چھوڑ سکتا۔ انھوں نے جس دن یہ جواب دیا، اسی دن خواب میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور آپؐ نے ان کو جَو کے دلیے کے تین لقمے کھلائے، اور ایسے کلمات سے ان کو نوازا کہ ابو البرکات کہتے تھے کہ میں ان کلمات کو کسی سے

بیان نہیں کرسکتا۔ ہاں اتنا بتا سکتا ہوں کہ آخری بات یہ تھی۔ اِعْلَمْ اَنِّیْ عَنْكَ رَاضٍ (یعنی تمھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ میں تم سے خوش ہوں۔)

ایک بار انھوں نے آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو آپ کے حضور میں اپنا یہ شعر پڑھا ؎

لولاك لما ادر الهوىٰ　　لولاك لما ادر الطريق

(یعنی آپ نہ ہوتے تو مجھ کو پتہ نہ چلتا کہ عشق کیا چیز ہے۔ آپ نہ ہوتے تو مجھ کو راستہ ہی نہ معلوم ہوتا۔)

وفات

حضرت ابوالبرکات کی وفات ۳۴۷ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

(اعیان الحجاج ص ۱۲۶)

شیخ علاؤالدولہ سمنانیؒ المتوفی ۷۳۶ھ

نام ونسب نام احمد، کنیت ابوالمکارم، لقب رکن الدین علاؤالدولہ اور والد کا نام محمد البیابانکی ہے۔

فضل وکمال آپ کی اصل سلاطین سمنان سے ہے۔ آپ کی عمر پندرہ سال کی تھی کہ سلطانِ وقت کے دربار سے وابستہ ہوئے۔ ایک بار بادشاہِ وقت اپنے دشمن سے نبرد آزما تھا کہ اسی دوران آپ میں جذب کی کیفیت طاری ہوگئی اور آپ ترکِ تعلق کر کے ۶۸۷ھ میں بغداد چلے گئے۔ اور وہاں شیخ نورالدین عبدالرحمٰن کسرتی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ آپ خانقاہ سکاکیہ میں سولہ سال بسر کر چکے تھے۔ آپ کے چلوں کی تعداد ایک سو چالیس تھی۔ اور شیخ نورالدین کی خدمت میں رہ کر مسندِ ارشاد تک پہنچے۔

ارشادات ایک درویش نے شیخ سے سوال کیا کہ جب بدن خاک میں رکھ دیا تو اس میں کچھ عقل باقی نہیں رہتی اور جو بدن کہ روح سے فائدہ حاصل کرتا تھا روح سے جدا ہوگیا، اور عالمِ ارواح میں کوئی پردہ نہیں، تو پھر کیا ضرورت ہے کہ قبروں پر جایا جائے؟ کیونکہ کسی بزرگ کی وجہ سے جہاں بھی توجہ کی جائے وہ اسی طرح ہوگی جیسے ان کی مزار پر ہوگی۔

شیخ نے فرمایا؛ وہاں جانے میں بہت سے فائدے ہیں:۔

۱۔ ایک تو یہ کہ جب کوئی بزرگ کی زیارت کو جاتا ہے تو وہ جس قدر راستہ

طے کرے گا اسی قدر اس کی توجہ زیادہ ہوگی۔ اور جب زائر اس کی قبر پر پہنچے گا اور اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا تو اس کی حس بھی اس کی طرف مشغول اور کامل طور پر متوجہ ہوگی۔ اور اس سے بہت بڑا فائدہ ہوتا ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ اگرچہ ارواح کے لئے حجاب نہیں ہے اور ان کو تمام جہاں یکساں ہے، لیکن جس بدن میں ستر سال تک وہ مقیم رہی ہے اور اس کا بدن جو حشر کے بعد ہمیشہ ہمیش رہے گا، اسی قبر میں ہوتا ہے اس لئے اس جگہ پر بہ نسبت دوسری جگہ کے اس کی نظر اور اس کا تعلق دوسرے مقام سے بڑھ کر ہوگا۔

آپ کا ارشاد ہے کہ یہ لوگ عجیب قسم کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ درویش کو چاہئے کہ وہ محتاج و گدانہ ہو۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے کبھی بھی کسی درویش کو مخلوق کا محتاج نہیں بنایا۔ اور ایسا ہو ہی کیوں کہ اللہ تعالےٰ کے بندے اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کے محتاج ہوں۔ آخر اس دنیا کو باوجود اس نعمت کے کہ انہی کی برکت سے دنیا کو قائم رکھا ہے، بلکہ تخلیق سے مقصود ہی یہی لوگ ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے کہ شیخ بھی اِس لئے ہے کہ وہ مریدوں کو ان باتوں سے آگاہ کرے، تو مرید جس قدر اپنے اثباتِ کمال کیلئے زیادہ سعی اور زیادہ عمل کرے گا، تاکہ اس کا کمال ظاہر ہو تو شیخ اس سے اتنا ہی رنجیدہ اور آزردہ ہوگا۔ کیونکہ شیخ تمام تکالیف اِس لئے برداشت کرتا ہے تاکہ وہ اپنے مریدین کی ان آنکھوں کو سی دے جن سے وہ اپنا کمال نفس دیکھتا ہے، اور اس آنکھ کو کھول دے جو کمالِ حق کا مشاہدہ کرے، اور ہر لمحہ اپنے کمال سے دوسروں

کی آنکھ کھولتا رہے، پس ایسا شخص شیخ کے رنج کو دور کرنے میں کوشش کرتا ہے۔

درویش کو چاہیے کہ اپنے نفس کی گھات میں لگا رہے، تاکہ جیسے ہی اپنا کمال دیکھنے کے لئے آنکھ کھولے اس کو بند کر دے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو اس کو معلوم ہو جائے گا کہ نفس اپنے ہر بُن مو سے ایک آنکھ اپنا کمال دیکھنے کے لئے کھول لے گا اور اللہ کے دیکھنے سے اس کو اندھا کر دے گا، کہ نفس کی خاصیت ہی یہی ہے۔ **ف**: اس لئے نفس سے کتنا پُر حذر اور چوکنا رہنا چاہیے۔ (مرتب)

آپ کا ارشاد ہے کہ جو درویش کام میں مشغول ہیں ان کو چاہیئے کہ اپنے اندر بیکاری نہ آنے دیں۔ کیونکہ ایک بیکار شخص سَو کارگزار بندوں کو کام کرنے سے باز رکھتا ہے۔ (نفحات الانس ص۴۷۶)

سمنان کے شہزادے تھے، بادشاہ کی خدمت میں منصب اور اہم کام کے ذمہ دار تھے۔ مگر اسکو ترک کر دیا اور بغداد جا کر شیخ نورالدین کی خدمت میں رہ کر مسند ارشاد تک پہنچے۔

ان کے ارشادات میں سے ایک یہ ہے کہ پوری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ غفلت کے ساتھ کوئی لقمہ پیٹ میں نہ جائے۔ اور جو شخص اپنے اعمال کے تخم کو غفلت کے ساتھ ڈالتا ہے تو اس کیلئے ممکن نہیں ہے کہ وہ جمعیت اور فہم و دانش کا مثمر ہو۔ نیز فرمایا کہ درویش جو کہ ہر وقت کام میں مشغول رہتے ہیں ان تک بیکار و مہمل لوگ ہرگز ہرگز نہ پہنچیں اس لئے کہ بیکار آدمی سینکڑوں باکار اشخاص کو راستے سے ہٹا دیتا ہے۔

فرمایا کہ تمام انبیاء علیہم السلام اس لئے مبعوث ہوئے ہیں کہ امت کی آنکھوں کو کھول دیں، تاکہ وہ اپنے عیوب کو دیکھیں اور جمال حق کا مطالعہ کریں نیز اس لئے کہ اپنے عجز اور قدرت الٰہیہ کو دیکھیں، اور اپنے ظلم اور حق تعالیٰ کے عدل کا مشاہدہ کریں نیز اپنے جہل اور حق تعالیٰ کے علم اور اپنی ذلت اور حق تعالیٰ کی عزت کا معائنہ کریں

نیز اپنی فنا و نیستی اور اللہ تعالیٰ کی بقا و ہستی کے بصیر ہو جائیں۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

اسی طرح شیخ کا کام یہ ہے کہ وہ مریدین کی آنکھوں کو کھولے (تاکہ وہ اپنے نقائص وعیوب کو دیکھیں) اسلئے کہ اگر کسی مرید کی نگاہ اپنے کمال کی طرف ایک لمحہ کیلئے بھی پڑجائے گی تو وہ کمال حق کے دیکھنے سے اندھا ہو جائیگا۔

نیز فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام گناہوں کے ارتکاب سے عمداً معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء کرام گناہوں کو ہیچ در ہیچ سمجھنے کی وجہ سے محفوظ رہتے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں کہ آدمی اپنے کو بے گناہ سمجھے۔ (تقصار جیود الاحرار)

وفات

آپ کا انتقال ۷۳۶ھ میں برج احرار صوفی آباد میں ہوا اور قطب الزماں عماد الدین عبد الوہاب کی خانقاہ میں دفن ہوئے۔ نور اللہ مرقدہٗ۔

(نفحات الانس ص۶۷)

؎ یہی مفہوم ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا " مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ ۔ (یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔)

(مرتب)

حضرت شیخ حسام الدین ملتانی رحمہ اللہ المتوفی ۷۳۶ھ

تعارف

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کے خلیفہ، اور جو لوگ آپ کی تربیت سے کامل ہوئے ان میں بہت بلند پایہ تھے۔ شیخ ان کے باب میں فرماتے تھے کہ شہر دہلی انہی کی حفاظت میں ہے۔ زہد وتقویٰ میں سلف صالحین کے طریقہ پر تھے، فقر وطریقت کے ساتھ علم شریعت میں بھی ان کا درجہ بہت اونچا تھا، ہدایہ اور بزدوی ان کو گویا زبانی یاد تھی۔ یہی حال علم تصوف میں قوت القلوب اور احیاء العلوم کا بھی تھا۔ (اعیان الحجاج صہ ۲۳)

خلافت کے وقت شیخ سے نصیحت کی درخواست

سلطان المشائخ نے جب ان کو خلافت سے سرفراز فرمایا تو انھوں نے عرض کیا کہ کوئی وصیت فرمائیے۔ شیخ نے ہاتھ باہر نکال کر انگشت شہادت سے ان کی طرف اشارہ کر کے تین بار فرمایا "ترک دنیا، ترک دنیا، ترک دنیا، پھر فرمایا کہ مریدوں کی تعداد بڑھانے کی کوشش نہ کرنا۔ انھوں نے عرض کیا کہ حکم ہو تو شہر کے باہر بیابان میں دریا کے کنارے ایک جھونپڑا ڈال کر رہوں شہر میں کنوؤں کے پانی سے وضو کرنا پڑتا ہے جس کی طہارت پر اطمینان نہیں ہے شیخ نے فرمایا، ایسا کرو گے تو چرچا ہونے لگے گا کہ فلاں درویش فلاں جگہ

بیٹھ گیا ہے۔ پھر شہری اور مسافر پوچھتے پوچھتے وہاں پہنچیں گے اور تمھارا
وقت خراب کریں گے۔ رہا کنویں کا مسئلہ، تو اس میں علماء کا اختلاف ہے
اور شرعاً اس کے استعمال میں وسعت و رخصت ہے۔ انھوں نے عرض کیا،
میرا معمول ہے کہ جب خدا کچھ بھجواتا ہے تو اس میں سے کچھ بچوں کے خرچ کیلئے
دے دیتا ہوں، کچھ مہمانوں کیلئے اٹھا رکھتا ہوں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے
کہ کہیں سے کچھ نہیں آتا۔ اس وقت بیوی بچے بھی تنگ کرتے ہیں اور مہمان
بھی محروم واپس جاتے ہیں، ایسے موقع پر قرض لوں یا نہیں؟ فرمایا، تب تو
تدبیر و انتظام کے چکر میں پھنس جاؤ گے۔ درویش تو وہ ہے کہ پاس ہو تو
خرچ کرے ورنہ صبر کرے۔ اور نامرادی کی وجہ سے اسکی پیشانی پر بل نہ آئے۔

اسی سلسلہ میں آگے فرمایا کہ درویش کو ہر دری (ہر جائی) نہ ہونا چاہیئے۔
ایک ہر دری تو وہ ہوتے ہیں جو دروازے دروازے گھوم کر مانگتے پھرتے
ہیں۔ یہ صوری (ظاہری) ہر دری ہیں۔ دوسرے ہر دری وہ ہیں جو اپنے گھر کے
گوشہ میں بیٹھے ہوئے یاد خدا کر رہے ہوں مگر دل میں یہ سوچ رہے ہوں کہ
زید و عمر کے یہاں سے میرے گھر کچھ آئے گا۔ پھر فرمایا کہ ظاہری ہر دری
اس معنوی (چھپے ہوئے) ہر دری سے اچھا ہے کہ اس کا ظاہر و باطن یکساں
ہے۔ اور چھپے ہوئے ہر دری بظاہر تو حق کے ساتھ مشغول ہیں اور باطن میں
در بدر گھوم رہے ہیں۔ (اعیان الحجاج ص۱۴۴)

تواضع

ایک دفعہ شیخ حسام الدین کندھے پر مصلا ڈالے ہوئے کہیں چلے جا رہے
تھے، اتفاق سے مصلا گر گیا اور ان کو خبر نہیں ہوئی۔ ایک شخص نے کئی بار

شیخ شیخ کہہ کر ان کو آواز دی مگر یہ متوجہ نہیں ہوئے، اس لئے وہ مصلّٰی لے کر دوڑا ہوا اُن کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے کئی دفعہ آواز دی کہ شیخ اپنا مصلّٰی اٹھا لیجئے، مگر آپ نے سنا نہیں۔ فرمایا، بھائی! میں تو ایک فقیر مُلّا ہوں میں شیخ نہیں ہوں۔

ف: سبحان اللہ، کیسی تواضع تھی کہ اپنے کو شیخ کہلانے کا مستحق نہیں سمجھتے تھے۔ مگر اب معاملہ برعکس ہے ع بہ بیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا۔ (مرتب)

گجرات کا سفر

محمد تغلق کے عہد میں جب اس نے دولت آباد کو بسانے کے لئے دہلی خالی کرادی تھی، آپ گجرات کے شہر نہر والہ پٹن چلے گئے تھے، اور جامع مسجد کے ایک حجرہ میں قیام کر کے عبادت و ریاضت میں مصروف ہو گئے تھے۔ مگر اپنی درویشی کو چھپاتے تھے۔ ایک تہبند باندھتے اور ایک کپڑا اوپر کے حصہ پر ڈال لیتے۔ سر پر ایک ٹوپی، اس پر رسی کا ایک ٹکڑا لپٹا ہوا رہتا تھا۔ تمام روز طلبہ کو دینی کتابوں کا درس دیتے تھے۔

مدینہ کا سفر

شیخ عبد الحق ؒ نے لکھا ہے کہ آپ جب حج اور زیارتِ خانہ کعبہ کر کے ہندوستان واپس آئے اور اپنے پیر سلطان المشائخ ؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شیخ نے فرمایا کہ جو شخص خانہ کعبہ کی زیارت سے مشرف

ہو چکے تو اس کو چاہئے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی زیارت کی علیٰحدہ نیت کرکے مستقل سفر کرے تاکہ طفیل والی زیارت کا شرف حاصل کرنے والا نہ رہے۔ مولانا حسام الدین نے سننے کے ساتھ زیارت مدینہ کا عزم مصمم کرلیا اور دوسرے دن روانہ ہوگئے۔

(اخبار الاخیار، برکات الاولیاء، نزہہ)

وفات

آپ کی وفات سنہ ۷۳۶ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار نہر والہ پٹن میں ہے۔ رَحِمَہُ اللہُ رَحْمَۃً وَّاسِعَۃً۔

(اعیان الحجاج۔ ج ۲ ص ۱۴۵)

حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ المتوفی ۷۳۸ھ

نام ونسب اسم گرامی شیخ برہان الدین، لقب غریب اور خطاب اسد الاولیاء والد کا نام شیخ محمد محمود ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب گیارہ واسطوں سے امام اعظم ابوحنیفہؒ سے ملتا ہے۔

ولادت اور تعلیم وتربیت آپ کی ولادت باسعادت ۶۵۴ھ میں شہر ہانسی میں ہوئی۔ پیار سے لوگ آپ کو "برہانی" کہا کرتے تھے۔ آپ کی تمام تربیت والد بزرگوار کے زیر سایہ ہوئی کمسنی ہی میں آپ تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے عم بزرگوار سے قدوری پڑھی، اور دیگر علوم مثل فقہ، حدیث، تفسیر میں پوری تعلیم حاصل کی، فقہ نافع کو حفظ کرلیا۔ (تاریخ اولیاء کرام برہان پور ص۸)

عبادت بچپن ہی میں آپ کو عبادت کا شوق پیدا ہوا۔ سات سال کی عمر میں ایک گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر کلمۂ طیبہ کا ورد کیا کرتے تھے۔ ابتداء ہی سے آپ کے چہرے سے شان بزرگی عیاں تھی ؎

بالائے سرش زہوشمندی ۔۔۔ می تافت ستارۂ سربلندی

دہلی میں قیام آپ کو کیمیا کا بہت شوق تھا۔ بہ تلاش مرشد آپ دہلی آکر ایک مسجد میں فروکش ہوئے۔ اگرچہ آپ غریبانہ زندگی بسر کرنے لگے، مگر لوگوں نے آپ میں بڑی جاذبیت پائی اور اہل شہر بکثرت آپ کی طرف رجوع ہوئے اور مسجد کی رونق بڑھ گئی۔

لقب "غریب" ہونے کی وجہ آپ نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا

غلغلہ سنا کہ آپ کا دسترخوان باوجود فقیری کے بے انتہا وسیع ہے، بھلا فقیری کے ساتھ یہ تموّل کیسا؟ ضرور کیمیا یا دست غیب ہے۔

ایک رات خواب میں دیکھا کہ وہ ایک خندق میں گرے ہوئے ہیں، باہر نکلنا چاہتے ہیں مگر باہر نکلنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ یکایک حضرت نظام الدین اولیاء نظر آئے اور اپنا ہاتھ دے کر اُن کو خندق سے باہر نکالا۔ بیدار ہوئے تو اس بشارت کی بناء پر حضرت نظام الدین رح کی خانقاہ میں آئے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ کے خادم خاص اقبال نے اطلاع دی کہ برہان الدین غریب حاضر ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ ساری خلقت تو اُن کی طرف جُھک پڑی ہے، ابھی تک وہ غریب ہی ہیں؟ اُسی دن سے آپ غریبؔ کے نام سے مشہور ہوئے۔ ۵

غریب است ایں محبِّ حق بدنیا　　حبیب اللہ فی الدنیا غریب است

(یعنی یہ محبِّ حق دنیا میں غریب ہے اور اللہ کا حبیب دنیا میں غریب ہی ہوتا ہے۔)

بیعت و خدمت رفتہ رفتہ تقرب حاصل ہوا۔ اور باورچی خانہ کی خدمت آپ کے سپرد ہوئی۔ ایک دن حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رح باورچی خانہ کی طرف آنکلے، مولانا غریب سے کہا کہ ایک مٹی کا ڈھیلا تو استنجا کے لئے لاؤ! آپ نے جھپٹ کر ایک ڈھیلا اُٹھایا تو سونا تھا، دوسرا اُٹھایا تو وہ بھی سونا بن گیا۔ غرض مٹی کا ڈھیلا نہ ملا تو مجبوراً واپس ہو کر یہ واقعہ عرض کیا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ برہان! جو چیز استنجا کے کام بھی نہ آئے اس کی خواہش عبث ہے۔ آپ نے اُسی وقت سے کیمیا کی جستجو چھوڑ دی اور فقر کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ ۶۹۳ھ میں حضرت سلطان المشائخ کے مرید ہوئے۔

مقبولیت و عظمت تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت شیخ اپنے معصروں میں

ہر دلعزیز اور محبوب ہو گئے۔ حضرت سلطان المشائخؒ کے مشہور مریدوں میں سے حضرت امیر خسرو، حضرت امیر حسن سنجری، خواجہ مبشر، میر سید خاموش، سید حسن اور اقبال خادم وغیرہم آپ کی صحبت میں رہتے اور آپ کی بذلہ سنجی اور شیریں کلامی سے لطف اندوز ہوتے۔ حضرت سلطان المشائخ بھی آپ کو احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ایک روز مجلس میں بایزید بسطامیؒ کی بزرگی کا ذکر ہو رہا تھا تو حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا ہم بھی ایک بایزید رکھتے ہیں۔ دریافت کرنے پر بتلایا کہ جماعت خانہ میں ہے۔ جب خواجہ اقبال نے جا کر دیکھا تو حضرت شیخ برہان الدین کو جماعت خانہ میں پایا۔

مرشد کا عتاب

ایک مرتبہ آپ کی مرشد سے کچھ اس قسم کی گفتگو ہوئی جو مرشد کو ناگوار گزری اور وہ آپ سے ناراض ہو گئے۔ مولانا غریب نہایت منحنی اور ضعیف الجثہ تھے۔ اوّل تو ستّر برس کا سن، اوپر سے ریاضت اور بھی کمزور ہو گئے، سخت زمین پر بیٹھنے سے تکلیف ہوتی تھی، اس لئے آپ اپنے مکان میں چادر یا کمبل کی دو تین تہہ کر کے بیٹھتے تھے۔ چند حاسدوں نے حضرت سلطان المشائخؒ کو یہ خبر غلط پہنچائی کہ مولانا برہان الدین مشائخ کی طرح سجادہ پر بیٹھتے ہیں نشست کا یہ طریقہ سنکر حضرت سلطان المشائخ بہت ناراض ہوئے اور جب آئے تو رُخ نہ کیا۔ اور جب جماعت خانہ میں آئے اسی وقت اقبال خادم نے کہا کہ آپ کو اسی وقت یہاں سے چلے جانے کا حکم ہوا ہے۔ آپ متحیر اور سراسیمہ ہوئے اور کہا ؎

ماچہ کردیم دگر بار کہ شیریں لب دوست
بسخن بازنمی باشد و چشم از نازش

ترجمہ: ہم سے کیا خطا سرزد ہوئی کہ محبوب کے شیریں لب ہمکلامی کے لئے کھل نہیں رہے ہیں اور آنکھیں اس کے ناز سے اوپر نہیں اُٹھ رہی ہیں۔

اور گھر جاکر سوگ میں بیٹھے اور رات دن روتے رہتے۔ جو لوگ اُن کی ملاقات کو آتے تھے اُن کی حالتِ زار دیکھ کر خود بھی روتے تھے۔

کچھ عرصہ کے بعد امیر خسرو نے اس معاملہ کو ہاتھ میں لیا اور اپنی گردن میں دستار ڈال کر حاضر ہوئے۔ حضرت نے پوچھا، ترک! کیا معاملہ ہے؟ عرض کیا مولانا برہان الدین کی عفو تقصیرات کا خواستگار ہوں۔ مسکراتے ہوئے پوچھا "وہ کہاں ہیں؟" حضرت امیر خسرو کے اشارے سے حضرت برہان الدین بھی پگڑی گلے میں ڈال کر حاضر خدمت ہوئے۔ حضرت سلطان المشائخؒ مسرور ہوئے اور بغلگیر ہوئے اور تجدید بیعت فرمائی۔

خلافت

جب حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے چند خاص مریدوں کو خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا تو میر سید حسین ابن سید محمد کرمانی (المتوفی ۷۵۲ھ)، میر سید خاموش اور خواجہ اقبال نے خدمت میں عرض کیا کہ مولانا برہان الدین کا اخلاص و اعتقاد سب مریدوں سے بڑھا ہوا ہے، اس لئے وہ بھی امیدوار مرحمت ہیں۔ حضرت سلطان المشائخؒ نے اُسی وقت اپنا بقچۂ خاص منگوا کر کلاہ و پیرہن نکالا اور حضرت شیخ برہان الدین کو عنایت کرکے درجۂ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اس لئے آپ کا سلسلہ چشتیہ نظامیہ تھا۔

دکن کو روانگی

حضرت سلطان المشائخؒ کا سن شریف ۹۵ سال کا تھا، ایک روز اقبال خادم سے فرمایا کہ نقد و جنس جو کچھ ہے لاؤ۔ اقبال نے عرض کیا، نقد تو کچھ نہیں ہے، البتہ غلّہ بہت سا ہے۔ آپ نے

حکم دیا کہ آج ہی تقسیم کر دو، اُس کے بعد کپڑوں کی گٹھری منگوا کر اُس میں سے ایک دستار اور پیراہن اور مصلیٰ برہان الدین صاحب کو دے کر دکن جانے کی اجازت دی۔

دوسری روایت یہ ہے کہ جس دن شاہ منتخب الدین خلد آباد میں رحلت فرما گئے، آپ وضو کر رہے تھے، برہان الدین آفتابہ لئے پانی ڈال رہے تھے، یکایک آپ نے پوچھا، تمھارے بھائی منتخب الدین تم سے چھوٹے تھے یا بڑے؟ آپ سمجھ گئے کہ ضرور اُن کا انتقال ہو گیا۔ کیونکہ آپ کی زبان مبارک سے "تھے" کا لفظ نکلا ہے۔ چنانچہ دوسرے دن حضرت برہان الدین کے مکان پر رسم تعزیت ادا کرنے تشریف لے گئے۔ اور فرمایا کہ ہم نے تمکو منتخب الدین کی جگہ مقرر کیا، فوراً دولت آباد چلے جاؤ۔

برہان الدین یہ سُن کر خاموش ہو گئے۔ حضرت نے فرمایا، کیوں تامل کیا ہے، برہان الدین نے نہایت ادب سے عرض کیا کہ حضرت کا حکم میرے سر آنکھوں پر، مگر پس و پیش یہ ہے کہ آپ کی جوتیوں سے دور ہو جاؤں گا۔ حضرت نے فرمایا، اچھا جوتیاں بھی لے جاؤ۔ برہان الدین نے نعلین مبارک اُٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیں، لیکن پھر بھی درد جدائی سے بے تاب ہو گئے۔ پھر حضرت نے پوچھا۔ اب کیا پس و پیش ہے؟ برہان الدین نے عرض کیا کہ میں اِس مجلس سے منزلوں دور ہو جاؤں گا۔ آپ نے نہایت التفات سے فرمایا، یہ بھی سہی، تم سارے خلفاء کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ برہان الدین بادل ناخواستہ سفر کی تیاری کرنے لگے، مگر آخری کوشش ایک دفعہ اور کی اور عرض کیا کہ خادم کو کسی طرح حضرت کی جدائی گوارا نہیں ہے۔ حضرت نے چندے مراقبہ فرمایا اور کہا کہ

برہان الدین! تم بے تأمل چلے جاؤ کہ میرے تمھارے درمیان کوئی پردہ نہ ہوگا۔ حضرت سلطان المشائخ نے آپ کے ہمراہ چارسو خلفاء اور ہمراہ جب دیگر سات خلفاء دے کر دکن روانہ کیا۔

رخصت کے وقت خرقہائے خلافت ونعمتہائے باطنی سے سرفراز فرمانے کے بعد پانچ نصیحتیں کیں:۔

١۔ جو خرقہائے خلافت تم کو امانتاً دیئے گئے ہیں مولانا داؤد حسین کو پہنچانا۔

٢۔ والد کی خوشی ہر کام پر مقدم رکھنا اور اسکو رحمت حق تصور کرنا۔

٣۔ جمعہ کی نماز کبھی ترک نہ کرنا۔

٤۔ ہمیشہ مجرد رہنا۔

٥۔ میری پیرزادی صاحبہ (عائشہ بی بی) کی خدمت اور خبر گیری سے (جو دولت آباد میں ہیں) غافل نہ رہنا۔ (تاریخ اولیاء کرام برہانپور ص٦٣)

دریائے تاپتی کے کنارے قیام

"سیرۃ الاولیاء" میں لکھا ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے ارشاد کے مطابق آپ دہلی سے دولت آباد آئے، اور یہ وقت وہ تھا کہ دہلی اُجڑ کر دولت آباد آباد ہوا تھا۔ اور شک نہیں کہ آپ کے ساتھ ایک جماعت کثیر راستہ میں ٹھہرتی آئی، ایک روز دریائے تاپتی کے کنارے ایک فرح بخش جنگل میں ایک چھوٹا سا گاؤں نظر پڑا۔ رات کو آپ وہیں ٹھہر گئے اور ندی کے کنارے ایک پتھر پر بیٹھ کر آپ نے وضو کیا اور وہیں جماعت سے نماز ادا کی، اور دعا کی کہ خدایا! اِس مقام پر ایک شہر آباد کر۔ آپ کی دعا مقرون اجابت ہوئی اور کچھ عرصہ بعد وہ مقام آباد ہو کر آپ ہی کے اسم مبارک پر

برہان پور نام رکھا گیا۔

ایک دوسری روایت "گلزار الابرار" میں اس طرح درج ہے کہ سات سو پالکی سوار بزرگانِ دین کا قافلہ منزل بمنزل قیام کرتا ہوا راستہ میں دریائے تاپتی کے کنارے ٹھہرا، اُس وقت یہاں ایک معمولی گاؤں تھا (جس کو دسانہ کہتے تھے) منقول ہے کہ خاندیش کے شاہان فاروقیہ کے آبائے کرام میں سے ایک شخص اس خطہ کا ناظم و حاکم تھا، اس نے آپ کی دل و جان سے خدمت کی اور ہر طرح کا آرام پہنچایا، ایک دن صبح کے وقت جب حضرت شیخ کوچ کرنے لگے تو ناظم موصوف نے دعائے خیر اور فاتحہ کے لئے التماس کیا۔ حضرت شیخ نے دعائے خیر پڑھنے کے بعد فرمایا کہ بحکم ازلی اس جگہ ایک شہر آباد ہوگا اور تمھارے فرزند اس علاقے کے حکمراں ہوں گے۔ بہتر ہوگا کہ اس نو آباد مقام کا نام اس درویش کے نام پر رکھا جائے۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد حضرت شیخ زین الدین داؤد بخاری کے اشارے کے مطابق شہر کی بنیاد ڈالی گئی۔ اور حضرت شیخ برہان الدین کے نام سے اُس مقام کا نام برہان پور رکھا گیا۔

دولت آباد پہنچنا اور خلد آباد میں مستقل سکونت اختیار کرنا

حضرت شیخ برہان الدینؒ کی تشریف آوری دولت آباد میں بروایتے ۷۱۰ھ میں ہوئی اور بروایتے دیگر ۷۲۰ھ میں آپ پہلے محلہ اکرام آباد میں کاکا کے مکان پہ اُترے۔ مگر وہ جگہ پسند نہ آنے سے بعد میں شمس الملک کے مکان پر آئے، وہاں سے جب آپ خلد آباد تشریف لائے تو پہلے جلال الدین صاحب کی درگاہ کے شمالی نالے کے قریب ایک باؤلی پہ ٹھہرے اور یہ برہان باؤلی کے نام سے مشہور ہے

برہان باؤلی سے اُٹھ کر اُس جگہ تشریف لے گئے جہاں آپ کا مزار ہے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کے علم و فضل اور کشف و کرامات کی شعاعیں اطراف دکن میں چمکنے لگیں۔ سینکڑوں لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں شریک ہوئے اور خدمت میں رہ کر فیض معنوی سے سرفراز ہونے لگے۔

رشد و ہدایت اور اسلام کی اشاعت

حضرت شیخ اور اُن کے مصاحبوں کی مساعی جمیلہ سے بہت سے غیر مسلم مشرف باسلام ہوئے، عام مسلمانوں نے بھی ہر طرح کا استفادہ کیا۔ اور حضرت رُکن الدین کاشانی کی وساطت سے ایک ہزار آدمیوں نے بیعت کی۔ آپ کی ذات اہل دکن کے لئے باعثِ برکت و رحمت ثابت ہوئی۔

مجاہدہ اور ریاضت

تبلیغ اسلام اور رشد و ہدایت کی مصروفیت کے باوجود حضرت شیخ نے ریاضت و عبادت میں کوئی کمی نہ کی، دن رات عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے اور ریاضتِ شاقہ کرتے۔ منقول ہے کہ آپ نے متواتر پچیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی، اور کبھی شب کو نہیں سوئے۔ مصلّیٰ ہی اوڑھنا اور بچھونا ہوتا تھا۔ تیس سال تک داؤدی روزے رکھے، یعنی ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔ روزانہ صبح کی نماز کے بعد اوراد و وظائف میں مشغول رہتے اور چاشت کی نماز کے بعد کلام پاک کے تین پارے تلاوت فرماتے۔ قبرستان میں تشریف لے جاتے تو وہاں کبھی پانچ سو بار اور کبھی ہزار بار سورۂ اخلاص پڑھتے۔

غذا

مندرجہ بالا بیان میں ذکر آیا ہے کہ حضرت شیخؒ نے تیس سال تک داؤدی روزے رکھے، تو افطار کبھی پانی سے اور کبھی صرف سرکہ سے

اور کبھی صرف دہی سے فرماتے تھے۔ ہفتہ میں دو دن آدھا پیٹ کھاتے تھے۔ لوبیا اور جو کی روٹی پسند تھی۔

ف: حصولِ کرامات و فتوحات کے لئے ریاضات و مجاہدات لازم وضروری ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ یعنی جو لوگ ہماری راہ میں مشقت برداشت کریں گے ہم ان کو اپنے راستے ضرور دکھائیں گے۔ (مرتب)

لباس واسباب سادہ لباس پہنتے تھے۔ سر پر عمامہ، بغل میں کرتا اور اُس پر عبا، اور نیچے تہبند اور جوتیاں جیسے کہ اُس زمانہ میں تھیں۔ نحیف و لاغر، قد لمبا، داڑھی مرسل۔ آپ تارک الدنیا تھے، سلاطین و اُمراء سے قطعاً نہیں ملتے تھے۔

سلطان محمد تغلق نے تین ہزار تنکے ملک نائب کافور کے ہاتھ حضرت کی خدمت میں بھیجے۔ آپ نے کاکا سے کہا کہ فقیر کے گھر میں اگر کچھ ہے تو وہ بھی لاؤ اور ملک نائب کے سامنے ہی دونوں کو ملا کر تقسیم کر دو۔ بعد تقسیم آپ نے تھوڑی کھجوریں اور ایک مصلیٰ بادشاہ کو بھیجا۔ (تاریخ اولیاء کرام برہانپور ص۲۶)

ارشادات

حضرت شیخؒ کے اقوال بیشمار ہیں۔ مولانا عماد الدین نے ایک رسالہ بنام "احسن الاقوال" لکھا ہے۔ ان سے چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں:-

۱۔ فقیر کسی کی امانت نہ رکھے، کسی کا ضامن نہ ہو، اور کسی دستاویز پر گواہی نہ دے۔

۲۔ فقیر وہ ہے کہ جو کچھ ہاتھ میں ہو اور جو کچھ سر (دماغ) میں ہو دونوں کو دور کرے
ف: یقیناً دل و دماغ میں تو مال رکھنا ممنوع ہے۔ مگر ہاتھ اور جیب میں بقدر ضرورت رکھ سکتے ہیں تاکہ دوسروں کا دست نگر نہ ہو۔ (مرتب)
۳۔ فقیر کو باریک کپڑا نہ پہننا چاہئے۔
۴۔ فقیر سوائے اللہ کے کسی پر تکیہ (بھروسہ) نہ کرے۔

۵ **طلبِ دین:** آپ کے پاس ایک مسافر آیا اور عرض کیا کہ میں دو چیزوں کے لئے آپ کی خدمت میں آیا ہوں۔ ایک تو دین حاصل کرنے کے لئے کیونکہ آپ مذہبی پیشوا ہیں، دوسرے دنیا حاصل کرنے کے لئے، کیونکہ سلاطین و امراء آپ کے معتقد ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ایک اللہ تم کو دونوں چیزیں بہم پہنچائے گا اللہ تعالیٰ کو حاصل کر لو، ساری چیزیں خود بخود حاصل ہو جائیں گی۔

۶۔ پھر فرمایا: جس گھر میں کُتا رہے یا تصویر وہاں فرشتہ رحمت نہیں آتا۔ تیرا نفس کُتا ہے اور تو جس گھر کو ماسوائے خدا دوست رکھتا ہے اُس دل میں شیطان کی تصویر ہے۔ پس ایسے شخص کے دل میں اللہ کی محبت کس طرح داخل ہو سکتی ہے۔ اللہ کی محبت کے لئے نفس کو پاک اور دل کو ماسوا اللہ یعنی دنیا کی محبت سے دور رکھ، اللہ کی قربت حاصل ہو گی تو دین و دنیا دونوں پائے گا۔

۷۔ **دنیا کی حقیقت:** ایک موقع پر مریدوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دُنیا سایہ کے مانند ہے۔ جب آدمی سایہ کی طرف منہ کر کے چلتا ہے تو سایہ آگے آگے چلتا ہے۔ اور جب پیٹھ پھیرتا ہے تو پیچھے پیچھے آتا ہے۔ اسی طرح جو دُنیا کی طرف رُخ کرتا ہے، دُنیا اُس سے بھاگتی ہے، اور جو دنیا کی طرف سے

منہ موڑتا ہے دنیا اُس سے لپٹتی ہے۔

۸۔ پھر فرمایا کہ تمام دنیا مشرق سے مغرب تک اِس درویش کی نظر میں ایسی ہے جیسے ہتھیلی پر مرغی کا انڈا ہو۔

۹۔ **اللہ تعالیٰ کی محبت:** فرمایا: دل ایک ظرف کے مانند ہے۔ جبتک برتن خالی ہے ہوا سے پُر رہتا ہے۔ لیکن جب کسی چیز سے بھر جاتا ہے تو ہوا سے خالی ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح دل دُنیا کی خواہش سے پُر ہوتا ہے، لیکن جب اُس میں محبت بھر جاتی ہے تو دنیا کی ہوس دور ہو جاتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی محبت بھر جاتی ہے۔ (تاریخ اولیاء کرام برہان پور ص۲۸)

۱۰۔ **راحت رسانی:** معتقدین کو تلقین کی کہ لوگوں کی راحت رسانی میں کوشاں رہیں۔ اِس سلسلہ میں فرمایا کہ درخت خود تو دھوپ میں کھڑا رہتا ہے لیکن دوسروں کو سایہ دیتا ہے۔ اسی طرح لکڑی خود تو جلتی ہے لیکن اوروں کو آرام پہنچاتی ہے۔ اسی طرح انسان کو چاہیئے کہ خود تکلیف اُٹھالے، اپنی تکلیف کا خیال نہ کرے لیکن دوسروں کو فائدہ اور آرام پہنچائے۔

ف: یعنی نباتات و جمادات میں نفع رسانی کا مادہ ہے تو پھر انسان کے اندر تو بدرجہ اولیٰ ہونا چاہیئے۔ (مرتب)

۱۱۔ **عیب جوئی:** لوگوں کی عیب جوئی کے سلسلہ میں مریدوں کو بتایا کہ اگر تمہارا عیب کوئی ظاہر کرے تو یہ دیکھو کہ تم میں وہ عیب ہے یا نہیں اگر ہے تو اُس سے باز آؤ، اور عیب ظاہر کرنے والے سے کہو کہ تم نے مجھ پر کرم کیا کہ میرا عیب مجھ کو بتا دیا۔ اور اگر تم میں وہ عیب نہیں ہے تو دعا کرو کہ الٰہی! اس عیب ظاہر کرنے والے کو عیب جوئی سے بچا۔ اور مجھ کو بھی

بدکلامی سے محفوظ رکھ۔

۱۲۔ **بخل وسخاوت:** فرمایا: ایک سخی ہوتا ہے اور ایک بخیل۔ سخی وہ ہے جو مہمان کو دوست رکھتا ہے اور بخیل وہ ہے جو دولت کو مہمان رکھتا ہے۔

۱۳۔ **چِلّہ:** ایک مرید آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا، میں چلّہ کرنا چاہتا ہوں۔ تو دریافت کیا کہ چلّۂ زناں یا چلّہ مرداں؟ اُس کے بعد فرمایا:۔ چلّۂ زناں وہ ہے کہ چالیس دن تک ایک گوشہ میں بیٹھے۔ اور چلّہ مرداں وہ ہے کہ درویش ظاہراً لوگوں میں بیٹھے، لیکن اس کا باطن یادِ الٰہی میں مستغرق رہے۔

ف: خلوت در انجمن اسی کو کہتے ہیں۔ (مرتب)

۱۴۔ **تلاوتِ قرآن:** فرمایا کہ ایک درویش کامل راستہ سے جا رہا تھا، دیکھا کہ ایک مقام پر لوگ چنگ بجا رہے تھے۔ درویش وہاں ٹھہر گیا، اور کہا: اے چنگ! اگر تو یہ بات جانتا ہے کہ تو کیا کہہ رہا ہے، تو تیرے تمام تار ٹوٹ جاتے۔ اُسی وقت چنگ کے تمام تار ٹوٹ گئے۔ لوگوں نے پوچھا کہ چنگ سے کیا آواز آرہی تھی؟ تو درویش نے بتلایا کہ ایک تار سے "یا رحمٰن" اور دوسرے تار سے یا رحیم کی آواز نکل رہی تھی۔ چنانچہ اسی بات پر حضرت شیخ نے فرمایا کہ بعض لوگ قرآن پڑھتے تو ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں۔

۱۵۔ **اہل وعیال کے حقوق:** بیوی اور بچوں کے حقوق کے بجالانے کی بھی تاکید کی اور فرمایا، بیوی بچے باغ اور بوستاں ہیں۔ جب خداوند تعالیٰ کی عبادت سے ملول ہو تو اس کو اپنا دل بیوی بچوں سے ہی بہلانا چاہیئے کیونکہ یہ بھی عبادت ہے۔ **ف:** سبحان اللہ، کیسی معرفت کی بات ارشاد فرمائی۔ (مرتب)

عادات واخلاق

آپ نہایت پرہیزگار وعبادت گزار تھے اور صوم وصلوٰۃ کے سخت پابند تھے۔ آپ فصیح وبلیغ اور شیریں کلام تھے۔ آپ کی مجلس میں جو کوئی بھی جاتا آپ کا اسیرِ محبت ہوجاتا۔ اور آپ کی صحبتِ پُرفیض سے قلب کو پاکیزہ اور ذہن کو مصفّٰی پاتا۔ آپ صاحبِ کشف وکرامات تھے۔ اور ہمیشہ ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ آپ مدت العمر مجرد رہے۔ آپ صاحبِ تصنیف بھی تھے۔

اقتباسات

نماز: ظاہری نماز کا تعلق شریعت کے مطابق اعضاء سے ہے۔ اور باطن کی نماز طریقت کی رو سے دل کا تفکّر ہے۔ اور قلب وروح کی نماز فیض سے حاصل ہوتی ہے اور وہ حقیقت کی نماز ہے۔ خواص ظاہر میں تو کعبہ کی طرف رُخ کرتے ہیں، لیکن اُن کی توجہ ربّ کعبہ کی طرف ہوتی ہے۔ حضورِ دل کے ساتھ تھوڑی نماز بے حضوری کی بہت سی نمازوں سے افضل ہے۔

ف: یا اللہ! ہم سب کو نمازِ خواص کی توفیق ارزانی فرما۔ (مرتّب)

روزہ: فرمایا کہ روزہ حق تعالےٰ کی صفت ہے۔ روزہ سے حیوانی صفات دور ہوتی ہیں اور حق تعالےٰ کی صفات پیدا ہوتی ہیں۔ ہر اطاعت وعبادت کی جزا تو بہشت ہے، لیکن روزے کی جزا خود حق تعالےٰ ہیں۔ روزہ داروں کی مخصوص جگہ ریّان ہے۔

ف: اللہ تعالےٰ اپنے فضل وکرم سے جنت کی راہ آسان فرمائے۔ آمین! (مرتّب)

زکوٰۃ: فرمایا: اللہ تعالیٰ کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ اپنے خاص و عام بندوں کو سفر میں چار رکعت کے بجائے دو ہی رکعت پڑھنے کو کہتا ہے۔ وہ اپنی غفاری سے بخش دیتا ہے۔ اور اپنی رحمانی سے رحمت نازل کرتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ اپنی نعمت و نبوت کی وجہ سے خلق اللہ کو اوامر و نواہی سے آگاہ کرتے ہیں۔ برگزیدہ اولیاء کرامؒ کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ تصفیۂ دل سے و تجلیۂ روح کے ذریعہ سے عشق و محبت اور معرفت حاصل کرتے ہیں۔ مشائخ عظام کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو علم سلوک کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ علماء ربّانی کی زکوٰۃ یہ ہے کہ کلام پاک اور احادیث نبوی اور فقہ کی تعلیم دیتے ہیں۔ اغنیاء کی زکوٰۃ یہ ہے کہ دو سو دیناریں سے پانچ دینار غرباء کو دیتے ہیں۔

حج: فرمایا: عام حاجیوں کا حج دینی و دنیوی مقاصد کے لئے ہوتا ہے وہ خانۂ کعبہ کا طواف اِس لئے کرتے ہیں کہ اُن کے گناہ معاف کر دیئے جائیں۔ لیکن عاشقانِ الٰہی حج ربِ کعبہ سے قربت حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ وہ احرام اِس لئے باندھتے ہیں کہ اسرارِ الوہیت معلوم کریں۔ ایک حاجی حج میں اپنی مغفرت کے خیال سے خوش ہوتا ہے، لیکن ایک عاشقِ حق اپنی جان نذر کرنے میں فرحت و مسرت محسوس کرتا ہے، کیونکہ کعبہ ہی میں اس کو مقصودِ اعلیٰ و مطلوب کلی نظر آتا ہے۔

عبادت: فرمایا: بلا عذر عبادت کا ترک کرنا فسق ہے اور عبادت سے منہ موڑنا کفر ہے۔

ف: سبحان اللہ، شریعت کے ہر عمل کے ظاہری و باطنی آداب و اسرار کو ایسی وضاحت سے بیان فرمایا کہ دل کو فرح و سرور اور وجد و کیف

نصیب ہوا۔ فجزاہم اللہ تعالےٰ۔ (مرتب)

شریعت، طریقت، حقیقت: فرمایا: اوامر و نواہی کا پابند ہونا شریعت ہے۔ دل کی صفائی کرنا اور برائیوں کو اچھائیوں سے بدل دینا طریقت ہے۔ اور ماسوی اللہ کی باتوں کو دفع کر کے روح میں تجلی پیدا کرنا حقیقت ہے۔

فرمایا: **ذکر چار قسم کا ہوتا ہے۔**

(۱) لسانی (زبانی)۔ جس سے دل پر اثر ہوتا ہے۔
(۲) قلبی۔ جس سے تمام اعضاء متأثر ہوتے ہیں۔
(۳) طبعی۔ یعنی اُٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے میں بھی ہر عضو سے ذکر ہو اور کان میں جو آواز پڑے وہ بھی ذکر ہو۔
(۴) مستولی۔ یعنی ذکر کا ایسا استیلاء (غلبہ) ہو کہ نہ ذکر رہے نہ ذاکر، بلکہ صرف مذکور (حق تعالےٰ) رہے۔ (یعنی سب کی طرف سے توجہ ہٹ جائے اللہ ہی اللہ باقی رہے۔ وذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ (مرتب)

موت: موت تین قسم کی ہوتی ہے۔ صوری[۱]، معنوی[۲]، حقیقی[۳]۔ صوری تو یہ ہے کہ جسم سے روح نکل جاتی ہے، یہ شرعی موت ہے، جس کو موت صغریٰ کہتے ہیں۔ معنوی یہ ہے کہ ایک مرید کسی غیر شخص سے کچھ التجا کرے یہ موتِ طریقت اور موت کبریٰ ہے۔ اور موت حقیقی یہ ہے کہ کوئی مرید غیر حق سے کچھ التجا کرے، اور یہ موت اکبر ہے۔

رضاء وصبر: رضا یہ ہے کہ جب کوئی مصیبت آئے تو اس سے کراہیت پیدا نہ ہو۔ اگر اس سے کراہیت پیدا ہو تو اس کا اظہار

نہ کرے تو یہ صبر ہے۔ یعنی مصیبت کو شوق سے برداشت کرنا صبر ہے۔

ف: سُبحان اللہ، کیسے کیسے حقائق و اسرار ارقام فرمائے جو قلوب پر نقش کئے جانے کے لائق ہیں، اور جن کا علم انشاء اللہ ناظرین کرام کے ازدیادِ علم و معرفت ہی نہیں بلکہ ازدیادِ ایقان و حلاوتِ ایمان کا سبب ہوگا۔ الحمدللہ، اس سے اِس حقیر کے افسردہ و ناکارہ دل کو بھی حیات حاصل ہوئی۔ اللہ تعالےٰ مزیداِن کیفیات سے بہرہ ور فرمائے۔

وما ذالک علی اللہ بعزیز۔ (مرتب)

علالت آپ کا سِن شریف جب اَسّی سال کا ہوا تو ۱۲۳۵ھ میں آپ بہت بیمار ہوئے لوگ متردّد ہوگئے۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی میرا وقت نہیں آیا۔ دوبارہ ۱۲۳۶ھ میں صاحبِ فراش ہوگئے۔ لیکن علالت کے زمانہ میں بھی ہدایت و عبادت سے غافل نہیں رہے۔

وفات آخر وقت میں مریدوں کو بلا کر چند نصیحتیں کیں اور اُن میں سے ہر ایک کو اپنے دست مبارک سے کپڑے اور تبرکات عنایت کئے۔ اور اپنے مرشد کی تسبیح لے کر سامنے رکھی اور دستار گلے میں ڈال کر کہا مُسلمان ہوں، اُمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، شیخ کا مرید ہوں، اگر میں خود نیک خو نہ تھا تو نیکوں سے ملا ہوں۔ اس کے دوسرے دن ۱۲ صفر ۱۲۳۸ھ مطابق ۱۳۲[illegible]ء بوقت چاشت یوم سہ شنبہ کو وفات ہوئی اور دولت آباد سے چھ میل کے فاصلہ پر خُلد آباد میں مدفون ہوئے، جس کو روضہ بھی کہتے ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

(تاریخ اولیاء کرام برہان پور ص۲۴)

حضرت قاضی شرف الدین بارزیؒ المتوفی ۷۳۸ھ

تعارف ہبۃ اللہ بن عبد الرحیم بن ابراہیم شافعی قاضیٔ حماۃ بہت سی مفید کتابوں کے مصنف اور اپنے عہد کے اُستاذ الفقہار تھے۔ حدیث میں مختصر جامع الاصول، تفسیر میں روضات الجنان (۱۰ جلدوں میں) اور فقہ میں حاوی کی شرح وغیرہ اُنکی تصنیفات میں ہیں۔

اخلاق فاضلہ ذہبیؒ نے شیخ العلماء، بقیۃ الاعلام کے اوصاف کے ساتھ اُن کا ذکر کیا ہے۔ اور اُن کے تواضع وانکسار، حسن اخلاق، دینداری، عبادت گزاری کی تعریف کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ اولیاء وصلحار سے اُنکو بیحد عقیدت تھی بزرگوں کی زیارت کو اکثر جاتے تھے اور نہایت تواضع اور ادب و تعظیم سے ملتے تھے تکبر اُن میں ذرہ برابر بھی نہ تھا۔ مذہب شافعیہ کی امامت وسیادت اُن پر ختم تھی۔

کتابوں کا شوق کتابوں کا ایسا شوق تھا کہ اُس زمانہ میں جہاں کسی نے کوئی کتاب لکھی اور اُنکو علم ہوا، فوراً اس کے پاس کتابت ونقل کی اُجرت بھیج کر باصرار تاکید کرتے کہ جلد نقل کرکے بھجوائیے۔ **ف**: یہ تھی ہمارے اکابر کی دینی کتابوں کی قدر دانی (مرتب)

منصب قضاء چالیس برس تک وہ حماۃ کے قاضی رہے مگر کبھی تنخواہ نہیں لی، نہ کبھی اپنے پاس درہ رکھا نہ کسی کو سزا دی۔ اُنکے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، اُنمیں ایک بڑی تعداد اُن فقہار کی ہے جنکو اُنھوں نے فتویٰ دینے کی اجازت دی ہے۔ ذہبی وبرزالی وغیرہما نے اُن سے حدیثیں سنی ہیں۔

اُنھوں نے متعدد حج کئے تھے ازانجملہ ایک حج ۷۰۰ھ میں اور ایک ۷۱۵ھ میں اور ایک ۷۲۰ھ میں اُنھوں نے کیا تھا۔ (ابن کثیر)

وفات آپ کی وفات ۷۳۸ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔ (اعیان الحجاج ص ۱۳۲)

حضرت صاحب کراماتِ ظاہرہ محمد مرشدی المتوفی ۷۳۷ھ

تعارف محمد بن عبداللہ ابن ابی المجد ابراہیم نام تھا۔ منیۃ بنی مرشد (نواح مصر) میں آپ کا قیام تھا۔ قرارت سبعہ اور علم فقہ کی تحصیل کے بعد آپ اپنے زاویہ میں گوشہ نشین ہو گئے۔

مہمان نوازی خدمتِ خلق اور مہمان نوازی کا بہت بلند حوصلہ آپ میں تھا اور اس باب میں بیحد حیرت انگیز واقعات کا ظہور آپ سے ہوا ہے ہرکس وناکس اور چھوٹا بڑا جو آپ کے پاس سے گزرتا تھا سب کو آپ کھلاتے تھے بلکہ جس کو جس چیز کی خواہش ہوتی تھی اس کو وہی کھلاتے تھے۔ اس پر لطف یہ کہ کسی سے کوئی ہدیہ یا نذرانہ قبول نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ سلطان وقت نے بہانہ سے اُن کو کچھ دینا چاہا تو بھی نہیں لیا۔ اس بے نیازی کے ساتھ اِس غیر معمولی مہمان نوازی کے واقعات اِس درجہ متواتر ہیں کہ جن حضرات کی تنقیدی نگاہ بہت تیز ہے وہ بھی انکار کی جرأت نہ کر سکے۔ ابن تیمیہؒ و ذہبیؒ جیسے محقق نقاد بھی واقعات کی صحت کا انکار نہ کر سکے، تو اُن کی تاویل یہ کی کہ جنات اُن کے تابع تھے، مگر تذکرہ نویسوں نے واقعات کی جو تفصیل بیان کی ہے، اُس کو پڑھنے کے بعد اس تاویل کو قبول کرنا ممکن نہیں ہے۔

مسالک الابصار کے مصنف ابن فضل اللہ نے لکھا ہے کہ اُنکی مہمان نوازی کے جو واقعات بیان کئے جاتے ہیں، پچھلی تاریخ میں اُس کی نظیر نہیں ملتی۔ ایک شخص جو ایک چھوٹے سے گاؤں میں مقیم ہو جہاں کی ریتیلی زمین میں کچھ زیادہ پیداوار بھی نہ ہوتی ہو، پھر وہاں کوئی بازار بھی نہ ہو، وہاں ہر وقت انواع واقسام کی

ان چیزوں کا مہیا ہو جانا جو قاہرہ یا دمشق کے سوا کہیں دستیاب نہ ہو سکتی ہوں پھر لطف یہ کہ نہ کوئی خادم نہ باورچی، نہ ہانڈی نہ چولھا، پھر بھی جس وقت جتنے مہمان آجائیں سب کی خاطر خواہ مہماں نوازی حد درجہ حیرت انگیز ہے۔

ابن فضل اللہ کہتے ہیں کہ بیان کرنے والوں نے بہت کچھ مبالغہ سے بھی کام لیا ہے، مگر یہ واقعات اس قدر مشہور و متواتر ہیں کہ بالکلیہ انکار کی کوئی گنجائش نہیں اور ماننا پڑتا ہے کہ اسکی اصلیت ضرور ہے۔ چنانچہ مجھ سے مختلف جماعتوں نے بیان کیا ہے جن کو بلا واسطہ اس طرح کے واقعات سے سابقہ پڑا ہے۔

سفرِ حج ابن حجر کہتے ہیں کہ انھوں نے اپنے مریدین و معتقدین کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ حج کیا تھا، اُس سفر میں ہر رات کبھی ایک ہزار درہم اور کبھی اس سے زیادہ لوگوں کے کھلانے پلانے میں صرف کرتے تھے۔ بلکہ ایک دفعہ تین راتوں کا حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ ایک ہزار دینار کی مالیت کا کھانا خرچ ہوا۔ دوسری دفعہ پانچ راتوں کا حساب لگایا گیا تو پچیس ہزار درہم کی لاگت کا کھانا خرچ ہوا۔

الملک الناصر سے ملاقات سلطان الاسلام الملک الناصر (بادشاہِ مصر و شام) سے آپ کی ملاقات ہوئی، تو آپ نے اس کی بہت تعظیم کی، مگر کوئی نذرانہ قبول نہیں کیا، نہ کسی دوسرے ہی کے لئے کوئی سفارش یا کسی چیز کی درخواست کی۔ اور ارکانِ دولت میں کسی کے حق میں کوئی کلمۂ خیر نہیں کہا بجز ناظر الجیش کے کہ اُس کے حق میں ضرور چند کلمات کہے۔ چنانچہ الملک الناصر کو اس کی ناگواری ہوئی کہ انھوں نے میری تعظیم تو بہت کی، مگر کسی کے لئے کچھ نہ مانگا نہ کچھ کہا۔ باقی رہا ناظر الجیش تو وہ ان کی تعریف کرتا ہے اور وہ اُسکی تعریف کرتے

ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس واقعہ پر بہت عمدہ نوٹ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں تو شیخ نے بہت خوب کیا، اسلئے کہ ناظر الجیش کے حالات سے جو واقف ہے وہ جانتا ہے کہ وہ بڑا عدل پرور، ظالمانہ احکام ورسوم کو مٹانے والا اور رعیت کا خیر خواہ وحمایتی تھا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ: اُن کے معاصرین میں جو جو لوگ دور دور سے حالات سُنکر اُن پر معترض اور اُن سے بدعقیدہ تھے جب اُنھوں نے اُنکو نزدیک سے دیکھا تو انکی بدعقیدگی عقیدت مندی میں بدل گئی ہے، جیسے علامہ ابن سید الناس اور ابن جنکلی وغیرہما۔

ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ وہ صاحبِ حال بزرگ تھے۔ لمبے چوڑے دعوے نہیں کرتے تھے نہ اُنکی زبان سے شطحیات (ایسے کلمات جنکا ظاہر شریعت کے مطابق نہ ہو) کا صدور ہوتا تھا۔ اور اُنکے عقائد درست تھے۔ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ وہ بہت کثیر التلاوت تھے۔

امام یافعیؒ نے بھی اُنکی زیارت کی ہے اور اُنکی کرامات کا مشاہدہ بھی کیا ہے۔ اپنی ملاقات کا حال انھوں نے مرآۃ الجنان میں تفصیل سے لکھا ہے۔

ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ حکومت وقت اُن سے مرعوب تھی۔ وہ بڑے بڑے امیر ووزیر کو جو لکھ بھیجتے تھے کسی کی مجال نہ تھی کہ اسکو رد کردے۔

ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ اُنھوں نے بہت سی دفعہ حج کیا ہے۔ از انجملہ ۷۳۱ھ میں جس سال ابن کثیرؒ وابن قیمؒ گئے تھے اُس سال وہ بھی حج میں تھے۔

وفات

آپ کی وفات ۷۳۸ھ میں ہوئی۔ (درر، مرآۃ، شذرات، ابن کثیر)

(اعیان الحجاج ص ۱۴۱/۲)

حضرت حافظ شمس الدین ذہبیؒ المتوفی ۷۴۸ھ

نام ونسب نام شمس الدین محمد، والد کا نام احمد، دادا کا نام عثمان ہے۔

ولادت ماہ ربیع الاخر ۶۷۳ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔آپ ترکمانیۃ الاصل تھے۔اور آپ کا سلسلۂ نسب بنی تمیم تک پہنچتا ہے۔ آپ کے والد ذہب (سونے) کا کام کرتے تھے، اسی وجہ سے آپ کو ذہبی کہتے ہیں۔

تعلیم وتربیت جب آپ اٹھارہ سال کے ہوئے تو حصول علم کی طرف پوری طرح متوجہ ہوئے اور آپ نے دو علموں کیطرف خاص توجہ دی، ایک قرأت، دوسرے حدیث نبوی شریف۔ تو آپ قرارت کی تعلیم کے لئے شیخ القرار جمال الدین ابو اسحٰق، ابراہیم بن داؤد عقلانی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔اور اس کے بعد آپ نے اُس وقت کے مشہور ومعروف قرار سے تجوید سیکھی۔ اور بہت جلد آپ ماہر فن ہوگئے۔اور اٹھارہ سال ہی کی عمر میں حدیث نبوی الشریف کی طرف بھی متوجہ ہوئے۔ (مقدمہ سیر اعلام النبلاء)

فضل وکمال دمشق آپ کا مسکن تھا، اپنے زمانہ میں بعض حیثیتوں سے فن حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے۔ سبکی نے سچ کہا ہے کہ وہ امام وجود (ہفت اقلیم کے تنہا امام) اور اُس دور کے زرخالص تھے۔معرفت رجال کے باب میں اُن کا یہ حال تھا کہ حدیث کے سارے راوی گویا ایک میدان میں جمع ہیں اور وہ سب اُنکی نگاہوں کے سامنے ہیں۔

علمی خدمات ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ وہ اپنے عصر کے سب سے بڑے مصنف تھے۔اُنھوں نے ۲۱ جلدوں میں تاریخ الاسلام لکھی ہے (جو اسوقت مصر سے شائع

ہو رہی ہے) اور میزان الاعتدال (۳ جلدوں میں) اور تذکرۃ الحفاظ (۴ جلدوں میں) مشتبہ النسبہ، تجرید اسماء الصحابہ، تلخیص المستدرک ور دول الاسلام چھپ چکی ہیں۔ ان کے علاوہ تذہیب التہذیب، کاشف، مغنی، سیر اعلام النبلاء، العبر اور طبقات مشاہیر القراء وغیرہ اُنکی بہت سی تصنیفات ہیں، جن سے چوٹی کے علماء نے استفادہ کیا ہے۔

عملی کیفیت اِس علمی جلالت کے ساتھ عمل میں بھی ان کا مقام بہت بلند تھا۔ سبکی کا بیان ہے کہ جس دن اُنکی وفات ہوئی ہے اُسی دن قبیل مغرب ہمارے والد اُنکی عیادت کو گئے۔ ذہبیؒ نے والد سے پوچھا، کیا مغرب کا وقت ہو گیا؟ والد نے کہا، کیا آپ نے ابھی عصر کی نماز نہیں پڑھی ہے؟ فرمایا، عصر تو پڑھ چکا ہوں، مغرب نہیں پڑھی ہے۔ اِس کے بعد اُنھوں نے والد سے پوچھا کہ کیا مغرب ہی کے وقت عشاء بھی پڑھ لوں؟ والد نے فتویٰ دیا کہ ہاں! پھر اُنھوں نے اِسی طرح دونوں نمازیں پڑھیں اور عشاء کے بعد آدھی رات سے پہلے وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

ابن تغری بردی نے لکھا ہے کہ اُن کے اوراد و وظائف کی تفصیل حیرت انگیز ہے۔ امام ذہبیؒ نے اپنے حج کے موقع پر توزری وغیرہ محدّثین مکہ سے حدیثیں سُنی ہیں۔

وفات ذہبیؒ کی وفات ۷۴۸ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

(اعیان الحجاج ص ۱۲۶/۲)

مولانا فخرالدین زرادیؒ المتوفی ۷۴۸ھ

فضل و کمال

آپ بھی شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے ممتاز خلفاء میں ہیں۔ آپ علم و تقویٰ اور ذوق و عشق کے جامع تھے۔ دین کے معاملہ میں بہت سخت تھے پہلے مولانا فخرالدین ہانسوی کے پاس علم ظاہر کی تحصیل و تکمیل میں مشغول تھے اور اپنی ذکاوت، فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے شہر کے ممتاز لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ بعد میں شیخ المشائخ کے مرید ہو کر درویشی اختیار کرلی۔ آپ اکثر سفر میں رہتے اور سنسان مقامات میں عبادت کیا کرتے تھے۔ صوم دوام کے عادی تھے۔

ذکر کی فضیلت

آپ نے شیخ المشائخ سے دریافت کیا کہ ذکر میں مشغول رہنا افضل ہے یا تلاوت کرنا افضل ہے؟ شیخ نے فرمایا۔ ذاکر بہت جلد خدا رسیدہ ہوجاتا ہے مگر زوال کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔ اور تلاوت کرنے والا دیر میں اس مرتبہ کو پہنچتا ہے مگر زوال کا خطرہ نہیں رہتا۔ ف: سبحان اللہ کیا ہی خوب فیصلہ فرمایا، فجزاہ اللہ تعالیٰ (مرتب)

حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ فرماتے تھے کہ ہم لوگوں کو مہینہ دو مہینہ میں جو حاصل ہوتا تھا وہ مولانا فخرالدین کو ایک گھڑی میں حاصل ہوجاتا تھا۔

آپ سلطان محمد تغلق کے دربار میں

منقول ہے کہ سلطان محمد تغلق نے دہلی کے تمام امراء کو حکم دیا کہ وہ حاضر ہوں، اُسی روز مولانا فخرالدین زرادی، شیخ شمس الدین یحییٰ اور شیخ نصیر الدین

دہلوی رحؒ کو طلب کیا۔ خواجہ قطب الدین وزیر تعلیم جو خواجہ نظام رحؒ کے مرید اور مولانا فخر الدین رحؒ کے شاگرد تھے وہ مولانا کو دربار شاہی میں لائے۔ مولانا بار بار فرما رہے تھے کہ بادشاہ کے سامنے جانا مناسب نہیں سمجھتا، میں کسی طرح اُس کی موافقت نہ کروں گا۔

غرض کہ بادشاہ نے مولانا سے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ملعون چنگیزیوں کو ختم کردیں، کیا آپ اس سلسلہ میں ہماری مدد کریں گے؟ مولانا نے فرمایا: انشاء اللہ! بادشاہ نے کہا کہ یہ کلمۂ شک ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ مستقبل کے لئے یہی ہوتا ہے۔ بادشاہ نے یہ بات سُننے کے بعد پیچ و تاب کھاتے ہوئے مولانا سے کہا، ہمیں کچھ نصیحت فرمائیں! مولانا نے فرمایا کہ غصہ پیتے رہو۔ بادشاہ نے پوچھا، کونسا غصہ؟ مولانا نے فرمایا کہ اس سے پہلے سات عہ سلطان غصہ کی نذر ہوچکے ہیں۔ (اخبار الاخیار صفحہ ۲)

تذکرۂ شہادت

مولانا فخر الدین بھی اسی زمانہ میں جب دولت آباد بسایا جارہا تھا دہلی سے گجرات چلے گئے تھے۔ اور وہاں سے خانۂ کعبہ کی زیارت کو گئے۔ واپسی میں بغداد ٹھہر کر علم حدیث حاصل کیا۔ اس کے بعد دہلی کے شوق میں وہاں سے کشتی پر سوار ہو کر چلے، راستہ میں کشتی ڈوب گئی اور آپ کو شہادت کا درجہ نصیب ہوا۔

آپ کی وفات ۷۴۸ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (اعیان الحجاج صفحہ ۲/۱۲۵)

عہ شاید شیخ کا مطلب ہے کہ اسی بے موقع غصہ کی بناء پر اپنے کو ہلاکت کے گھاٹ اُتار چکے ہیں۔ اسی لئے ایک صحابیؓ کے تین مرتبہ نصیحت طلب کرنے پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لَا تَغْضَبْ فرمایا (یعنی غصہ نہ کرو) اس لئے کہ اسی کی وجہ سے عموماً تباہی و بربادی آتی ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

حضرت مولانا ضیاء الدین نخشبی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۷۵۱ھ

نام ونسب:۔

اسم گرامی ضیاء الدین تھا۔ بدایوں کے رہنے والے تھے۔ اصل وطن نخشب (بخارا) تھا۔ اسی مناسبت سے اپنی شاعری میں نخشبی تخلص کرتے تھے۔ گو زندگی گوشۂ تنہائی میں گزاری، لیکن اپنی استعداد کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل کی۔

ولادت: آپ کی ولادت ۶۲۵ھ میں ہوئی۔

بیعت: بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ وہ حضرت خواجہ نظام الدین رحؒ کے مرید تھے۔ لیکن "اخبار الاخیار" میں ہے کہ:۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے زمانہ میں تین شخص ضیاء کے نام کے تھے (۱) ضیاء سنامی جو منکر شیخ تھے۔ (۲) ضیاء برنی، جو شیخ کے معتقد اور مرید تھے (۳) ضیاء نخشبی، جو شیخ کے نہ منکر تھے اور نہ معتقد۔ (اخبار الاخیار ص۹۵)

"خزینۃ الاصفیاء" میں ہے کہ مولانا ضیاء الدین نخشبی رحؒ کی ارادت سلطان التارکین شیخ حمید الدین ناگوری رحؒ کے پوتے حضرت شیخ فرید سے تھی۔

عزلت نشینی: حضرت ضیاء الدین نخشبیؒ نے خواص وعوام دونوں سے الگ تھلگ رہ کر اپنی فقیرانہ زندگی زاویۂ خمول میں گزاری اور اس گوشۂ عافیت میں زیادہ تر تصنیف وتالیف کا مشغلہ رکھا۔ اس لئے اُن کے حالات زندگی کی کوئی زیادہ تفصیل نہیں ملتی۔ (بزم صوفیہ ص۳۴۵)

تصانیف آپ کی تصانیف میں سے ایک "سلک السلوک" ہے جو فن معرفت وسلوک میں ایک اہم تصنیف ہے۔ اس میں تصوف کے مسائل کو الگ الگ عنوانات میں بیان کیا ہے۔

یوں تو پوری کتاب ہی عجیب وغریب مضامین سے لبریز ہے مگر ہم اختصاً کو ملحوظ رکھنے کی وجہ سے اس کی چند نصیحت آمیز باتیں درج کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:۔

ایک دن ایک خواجہ نے ایک لونڈی خریدی۔ جب رات ہوئی لونڈی سے کہا، اے کنیزک! میرا بچھونا درست کر دے کہ میں سو رہوں۔ لونڈی نے کہا۔ اے مولا! کیا تمھارا بھی مولا ہے؟ خواجہ نے کہا، ہاں! لونڈی نے پوچھا، کیا وہ بھی سوتا ہے؟ خواجہ نے کہا، نہیں! لونڈی نے کہا، تمھیں شرم نہیں آتی؟ تمھارا مولیٰ تو جاگے اور تم سو رہو۔

آپکا یہ انداز بیان اور بھی دلپذیر اور مؤثر ہو جاتا ہے جب ناصحانہ طور پر ایک ایک حکایت بشنو بشنو سے شروع کی جاتی ہے۔ مثلاً

سُنو سنو! ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تمھاری قوم میں جتنے نیک لوگ ہیں ان کو بدوں سے الگ کرو۔ موسیٰ علیہ السلام نے آواز دی بہت سے لوگ باہر آئے۔ حکم ہوا، ان میں سے نیکوں کو چن لو۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے ستر آدمی نکالے۔ فرمان ہوا۔ موسیٰ! ان میں سے بھی چنو، تب ان میں سے تین چُنے۔ حکم آیا اے موسیٰ! میرے نزدیک یہ تینوں سب سے زیادہ بُرے ہیں۔ کیونکہ جب انھوں نے سنا کہ تم نیکوں کو پکارتے ہو، تو یہ اپنے کو نیک سمجھ کر باہر آئے۔ اے عزیزو! اگر کوئی عبادت نہ کرے تو اس سے بہتر ہے کہ

عبادت کرے اور فخر کرے۔ شریعت میں مدعیٰ علیہ کو قید کرتے ہیں، لیکن طریقت میں مدعی کو قید خانہ بھیجا جاتا ہے۔ **ف:** خوب بات ارشاد فرمائی۔ (مرتب)
ایک اور حکایت ہدیۂ ناظرین ہے۔ سنو سنو! ایک بزرگ نے چاہا کہ بازار جاکر کچھ خریدیں۔ دینار کو گھر میں تولا۔ جب بازار لے گئے تو دینار گھر کے وزن سے کم نکلا، رونے لگے۔ لوگوں نے پوچھا، کیوں روتے ہو؟ فرمایا، جب گھر کی چیز یہاں ٹھیک نہ ہوئی تو قیامت میں دنیا کی باتوں کا کیا حال ہوگا۔

(بزم صوفیہ صفحہ ۳۵۰)

ف: سبحان اللہ، کس قدر آخرت کا استحضار تھا جو کسی وقت چین سے بیٹھنے نہ دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اس فکر آخرت سے بہرہ ور فرمائے اور اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! (مرتب)

سنو سنو! حضرت وہب ابن منبہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت کعب بن احبار رضؓ مسجد میں نماز پڑھتے وقت پچھلی صف میں کھڑے ہوا کرتے تھے۔ لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ اخیر صف میں کھڑے ہونے میں کیا راز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے توراۃ میں پڑھا ہے کہ اُمت محمدیہ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے کہ جب اُن میں سے کوئی ایک اللہ کے حضور سربسجود ہوگا، تو ابھی اُس نے سجدہ سے سر نہ اُٹھایا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اُس سے پیچھے والے لوگوں کو بخش دیں گے۔ میں اِسی لئے سب سے آخر میں کھڑا ہوتا ہوں کہ اگلے لوگوں کے سجدوں کے طفیل میرا مقصد پورا ہو جائے (یعنی میں بخش دیا جاؤں)۔ قطعہ

بخشی دریا مبیں خود را | قطرۂ را چہ سیل می خوانی
ہمہ کس در طفیل تو گردد | گر تو خود را طفیل کس دانی

(ترجمہ: اے نخشبی! لوگوں کے درمیان (یعنی لوگوں جیسا) نہ دیکھو خود کو، ایک قطرہ کو سیلاب کون سمجھتا ہے، تمام دنیا تمھاری مطیع و فرمانبردار اُسوقت ہوسکتی ہے جب تم بھی کسی کے فرماں بردار بن جاؤ۔)

شیخ محمد واسع وہ بزرگ تھے جن کو یہ وسیع وعریض دنیا ایک چیونٹی کی آنکھ سے بھی کم نظر آتی تھی، اُن سے منقول ہے کہ اگر گناہ اور معصیت میں بدبو ہوتی تو کوئی آدمی میرے پہلو میں نہ بیٹھ سکتا۔

کہتے ہیں کہ ایک روز زبیدہ کے دروازے پر ایک آدمی نے آکر کہا کہ میں زبیدہ کا عاشق ہوں، زبیدہ کو اُس کی خبر دی گئی تو اس نے اُس آدمی کو اندر بلا کر کہا کہ خبردار! آئندہ ایسی بات کی جرأت نہ کرنا۔ تو اُس نے کہا کہ میں اس بات سے کسی صورت میں باز نہیں آسکتا۔ زبیدہ نے کہا کہ اچھا دو ہزار درہم لے لو اور عشق کا اظہار چھوڑ دو۔ مگر اس آدمی نے انکار کیا۔ وہ انکار کرتا اور زبیدہ رقم اور بڑھا دیتی۔ یہاں تک کہ جب زبیدہ نے دس ہزار درہم دینے کا وعدہ کیا، تو اُس نے تسلیم کر لیا اور عشق کے اظہار کے ترک پر رضامند ہوگیا۔ زبیدہ نے جب اُس کی یہ کیفیت دیکھی تو اپنے خادموں اور ملازموں سے کہا کہ اِسکی گردن اُڑا دی جائے، کیونکہ یہ اوپر سے ہماری محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور فی الواقع اِس کو ہماری محبت نہیں ہے۔

سنو سنو! ایک بزرگ تھے جو کبھی بھی دائیں بائیں جانب مڑ کر نہ دیکھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے تو اُنھیں کسی نے آواز دی اور پکارا۔ اُنھوں نے مڑ کر دیکھنا چاہا کہ کون پکار رہا ہے تو اچانک فضا سے آواز آئی کہ جو ہمارے علاوہ کسی اور کی طرف توجہ

کرے وہ ہمارا نہیں۔

اے عزیز! اگر ہزار برس بھی اس راستے پر چلتے رہو اور پھر تمھارے دل میں یہ خیال آئے کہ تمھاری دعا قبول ہونی چاہیے، تو یقین کرو کہ تم جاہ پرست ہو اور راہِ حق کے طالب نہیں ہو۔

بھلا جو پیشاب کے پلید راستے سے دنیا میں آیا ہے، اسے شان و شوکت کیسے زیب دے سکتی ہے۔ وہ بیچارہ تو گندے نطفہ اور سڑی ہوئی مٹی سے بنایا اور پیدا کیا گیا ہے۔

سنو سنو! جب ابراہیم علیہ السلام اُس آگ کے قریب پہنچے جو آپ کیلئے جلائی گئی تھی تو آگ کو اتنا مسکین اور بے بس پایا کہ اُلٹا آپ کو آگ پر رحم آیا۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لولاک لما خلقت الافلاک فرماتے ہیں کہ کسی کو راہِ حق میں اتنی مصیبتوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا جتنا کہ مجھے مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں چلا جانا، زکریا علیہ السلام کا پارہ پارہ ہو جانا یہ اتنی مصیبتیں نہیں جتنی ہمارے اوپر ڈالی گئیں۔ ہمیں اہلِ زمین و آسمان سے مقدم رکھا گیا، اور بنی آدم کے گناہوں کو ہماری شفاعت کے ذیل سے وابستہ کر دیا گیا۔ بے راہوں کو ہماری راہ اختیار کرنی چاہیئے، مجرموں کو ہماری طرح عذر کرنا چاہیئے اور کاہل اور سست لوگوں کو ہماری طرح کام کرنا چاہیئے۔ میرے پروردگار نے مجھے کبھی تو قاب قوسین او ادنیٰ کی مسند پر بٹھایا اور کبھی ابو جہل جیسے ظالم و جابر کے پاس بھیج دیا، اور کبھی مجھ کو شاہد اور مبشر کے لقب سے ملقب کیا، اور کبھی لوگوں نے مجھے پاگل اور ساحر

ے جنکے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے (اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔)

کہا، کبھی جبرئیل امین کو میرا رکاب دار اور ساتھی بنا دیا، اور کبھی بغیر اجازت نامہ کے مکہ میں داخل نہ ہونے دیا، کبھی ملکوت کے خزائن میرے حجرے میں لائے گئے۔ اور کبھی ایک جَو کی خاطر ابوشحمہ کے در پر بھیجتے ہیں کبھی آپ کے غلاموں سے خیبر مفتوح کرواتے ہیں، اور کبھی ظالموں کے ہاتھوں بذریعۂ پتھر دندان مبارک شہید کرواتے ہیں۔

یہ سب کچھ اس لئے کرواتے ہیں تاکہ اہل دنیا یہ یقین کرلیں کہ ہمارا راستہ پُرخار راستہ ہے، جس پر چلنے کے لئے پاؤں کو سر پر رکھ کر چلنا پڑتا ہے۔ اور اگر کسی سے یہ نہ ہو سکتا ہو، تو وہ اس راہ پر چلنے کا نام تک نہ لے۔ اِس راستہ کو عام راستوں کی طرح عبور اور طے نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت بشر حافی رح جن کو سر و پا برہنہ کہتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے سب سے زیادہ سخت تازیانہ اور ڈنڈا حسن بصریؒ کی لڑکی نے مارا تھا، اُس کی صورت اس طرح پیش آئی کہ میں ایک دن حضرت حسن بصری کے گھر گیا، اور ان کے گھر پہنچ کر دروازے پر دستک دی، اُن کی لڑکی نے پوچھا، کون؟ میں نے کہا بشر حافی (ننگے پاؤں والا) لڑکی نے کہا، یہاں سے سیدھے بازار چلے جاؤ اور وہاں سے جوتا خرید کر پاؤں میں پہن لو، اور اس کے بعد اپنے کو بشر حافی (ننگے پاؤں والا) مت کہنا۔

ف: حضرت حسن بصری رح کی صاحبزادی نے حضرت بشر حافی رح کے اس جواب میں عُجب و پندار کی بو محسوس کی ہوگی اسلئے اُس کا یہ علاج تجویز فرمایا۔ (مرتب)

سنو سنو! حضرت آدم علیہ السلام کو آٹھ بہشت عطا کئے گئے اور وہ ایک روز اُس سے بھاگ گئے، لیکن عشق کا جو ذرّہ اُسمیں رکھ دیا گیا تھا وہ اس سے

متصل رہا۔ جی ہاں! آدم علیہ السلام کی لغزش بھی مشغولیتِ حق کی وجہ سے تھی، اور شیطان کا گناہ فارغ البالی کی وجہ سے۔

قطعہ

نخشبی از فراق بیروں است — غم دل جز چراغ دل نہ بود
دل فارغ نشانِ بیکاری است — عاشقاں را فراغ دل نبود

(ترجمہ: نخشبی فراغت سے باہر ہو گیا ہے، دل کا غم بجز چراغ دل کے نہیں ہوتا فراغتِ قلبی بیکاری کی علامت ہے۔ عاشقوں کا دل فارغ نہیں رہتا۔)

حضرت رابعہ بصریہؒ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ ابلیس کو دشمن سمجھتی ہیں؟ فرمایا، نہیں! لوگوں نے پوچھا، کیوں؟ فرمایا: میں دوست کے خیال میں اتنی مشغول ہوں کہ مجھے دشمن کی خبر ہی نہیں۔

کسی بزرگ سے دریافت کیا گیا کہ دنیا کس چیز کے مانند ہے؟ فرمایا کہ دنیا اتنی حقیر اور ذلیل چیز ہے کہ اسکو کسی چیز سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی۔

ایک آدمی ایک فقیر (درویش) کے پاس گیا اور کہا کہ میرا خیال ہے کہ میں کچھ زمانہ آپ کی صحبت میں گزاروں۔ اُن بزرگ نے دریافت کیا کہ جب میں مر جاؤں گا تو تم کس کے ساتھ رہو گے؟ اُس نے جواب دیا کہ خدا کے ساتھ رہوں گا، تو بزرگ نے فرمایا کہ یہ سمجھ لو کہ میں معدوم ہوں، اس لئے ابھی سے خدا ہی کے ساتھ ہو جاؤ۔

ایک روز کسی دنیا دار نے کسی بزرگ کے گھر سے پانی طلب کیا، اُس درویش بزرگ نے بدمزہ اور گرم پانی پیش کیا۔ دنیا دار نے کہا کہ یہ پانی تو بدذائقہ اور گرم ہے، درویش نے جواب دیا کہ اے خواجہ ہم قیدی ہیں اور قیدی اچھا پانی نہیں پیا کرتے۔

کسی نے یحییٰ بن معاذ کو فوت ہو جانے کے بعد خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ عالمِ بالا میں آپ کے ساتھ کیا گیا؟ فرمایا، جب میں پیش کیا گیا تو مجھ سے پوچھا گیا کہ دنیا سے کیا لائے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ جیل خانہ سے آرہا ہوں، وہاں سے کیا لاتا، اگر میرے پاس کچھ ہوتا تو ستر برس تک قید و بند میں نہ رہتا۔

ایک پیر کے کچھ مریدوں نے اپنے پیر سے دریافت کیا کہ ہم کونسا راستہ اختیار کریں کہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور وصال نصیب ہو جائے، شیخ نے جواب دیا کہ کس راستہ سے تم آئے ہو کہ تم راہ بھی نہیں جانتے (مقصود اُن پر تعریض تھی کہ تمھیں تو اُس راستہ کی بھی خبر نہیں جس پر اب چل رہے ہو تو آگے والے راستہ کی کیا خبر ہوگی۔)

کہتے ہیں کہ بامروت آدمی وہ ہے جو بیمروت لوگوں کی باتوں سے کبیدہ خاطر اور رنجیدہ نہیں ہوتا۔ ایک بزرگ کا مقولہ ہے کہ فضیل کی وفات کے بعد زمین سے غم چلا گیا۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ حضرت فضیلؒ کی خاص صفت حزن وغم تھی جو نہایت مبارک صفت ہے۔ (مرتّب)

سال وفات اخبار الاخیار اور خزینۃ الاصفیاء میں سال وفات ۱۸۷ھ درج ہے۔ مرقد بدایوں ہی میں ہے۔ نوّر اللہ مرقدہٗ۔

(بزم صوفیہ ص۳۴۵)

حضرت خواجہ محمد بابا سماسی قدس سرہ المتوفی ۷۵۵ھ

تعارف آپ حضرت خواجہ عزیزاں علی رامیتنی کے خلیفہ ہیں۔ اور حضرت خواجہ بہار الدین کو آپ نے اپنی فرزندی میں قبول فرمالیا تھا۔ آپ جب ہندواں کے محلہ سے گزرتے تو فرماتے کہ اس زمین سے مردمی کی خوشبو آتی ہے اور بہت جلد محل ہندواں محل عارفاں ہوگا۔ چنانچہ ایک دن امیر کلال کے مکان سے جو آپ کے خلیفہ تھے قصر عارفاں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے کہ آج وہ خوشبو بڑھ گئی ہے، شاید وہ مرد پیدا ہوچکا ہے۔ جب مکان پر اُترے تو حضرت خواجہ بہار الدین کی ولادت کو تین دن گزر چکے تھے۔ خواجہ بہار الدین کے جد بزرگوار بڑے نیاز کے ساتھ ان کو خواجہ محمد بابا سماسی کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا کہ یہ ہمارا فرزند ہے، ہم نے اسکو اپنی خدمت میں قبول کرلیا ہے۔ پھر آپ نے اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ "یہ وہی مرد ہے جس کی خوشبو ہم نے سونگھی تھی، یہ اپنے زمانہ کا پیشوا ہوگا۔" اور امیر سید کلال سے فرمایا کہ تم میرے اس فرزند بہار الدین کی تربیت و شفقت میں فرق نہ کرنا۔ اگر تم نے اس میں قصور کیا تو میں تم کو معاف نہیں کروں گا۔ امیر کلال نے جواب دیا کہ میں مرد نہیں اگر خواجہ کی وصیت میں فرق کروں۔

حضرت بہار الدین کی دعا حضرت بہار الدین قدس سرہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے متاہل زندگی آغاز کرنے کا ارادہ کیا تو میرے محترم دادا نے مجھے

محمد بابا سماسی کی خدمت میں بھیجا کہ عرض کروں کہ میں آپ کے قدموں کی برکت سے ان منازل تک پہنچا ہوں، اس مرحلہ پر بھی میری مدد فرمائیے۔ چنانچہ حضرت بہاء الدینؒ فرماتے ہیں کہ جب میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوا تو میں نے آپ کی پہلی کرامت یہ دیکھی کہ اس شب میں مجھ پر نیاز اور عاجزی کا ظہور ہوا۔ میں حضرت کی مسجد میں آیا اور وہاں دو رکعت نماز ادا کی۔ سر کو سجدے میں رکھ کر بڑے خضوع و خشوع سے نماز مکمل کی۔ اور اس وقت میری زبان سے یہ دعا نکلی کہ الٰہی مجھے اپنی بلاء کے اٹھانے کی طاقت عطا فرما اور اپنی محبت کی محنت کی برداشت عطا کر۔

جب میں صبح کو حضرت خواجہ کی خدمت میں پہنچا، تو مجھے دیکھ کر فرمایا اے فرزند بہاؤ الدین! دعا اس طرح مانگنا چاہیئے کہ الٰہی! جو کچھ تیری رضا ہے اس ضعیف بندے کو اپنے فضل و کرم سے اس پر قائم رکھ۔ اگر خداوند تعالےٰ اپنی حکمت سے اپنے کسی دوست پر بلا نازل کرتا ہے تو اپنی عنایت سے اس بوجھ کو اُٹھانے کی قوت بھی اس دوست کو دیتا ہے۔ ورنہ اپنے اختیار سے بلا کی طلب مشکل ہے۔ یہ گستاخی نہیں کرنا چاہیئے۔ (نفحات الانس ص۶۱۷)

وفات

آپ کی وفات ۷۵۵ھ میں قریہ سماسہ میں ہوئی جو روس کا ایک حصہ ہے۔ رَحِمَہُ اللّٰہُ رَحْمَۃً وَّاسِعَۃً۔

حضرت خواجہ سید نصیر الدین محمود چراغ دہلی المتوفی ۷۵۷ھ

نام ونسب نام محمود، نصیر الدین محمود گنج اور چراغ دہلی القاب تھے۔ والد کا نام شیخ محمود یحییٰ ہے۔ جد بزرگوار شیخ عبداللطیف یزدی خراسان سے لاہور آئے۔ والد ماجد شیخ محمود یحییٰ اسی شہر میں پیدا ہوئے، اور سن شعور میں اودھ منتقل ہوگئے تھے۔ یہاں وہ پشمینہ کی تجارت کرتے تھے جس میں اُن کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ اُن کے پاس بہت سے غلام تھے۔

ولادت حضرت نصیر الدین محمود کی ولادت باسعادت اسی خطہ میں ہوئی بعض تذکرہ نگاروں نے مقام پیدائش اجودھیا اور بعض نے بارہ بنکی لکھا ہے۔ اسی لئے نام کے ساتھ اودھی لکھا جاتا ہے۔ خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ نسباً سادات حسنی میں سے تھے۔

ابتدائی تعلیم نو سال کے تھے کہ والد بزرگوار کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ تعلیم وتربیت کا فرض والدہ ماجدہ نے انجام دیا۔ اُن کے زہد وتقویٰ کے اثر سے بچپن ہی میں نماز باجماعت کے پابند ہوگئے تھے جو کسی حال میں بھی فوت نہیں ہوتی تھی۔ خیر المجالس کے ایک ملفوظ میں ہے کہ فقہ کی مشہور کتاب "بزدوی" قاضی محی الدین کاشانی سے پڑھی۔ لیکن "سیر العارفین" میں ہے کہ ابتداء میں مولانا عبدالکریم شیروانی علامۂ زماں سے ہدایہ اور بزودی کو پڑھا، بعد وفات مولانا افتخار الدین محمد گیلانی سے جمیع علوم حاصل کئے۔

(بزم صوفیہ ص۳۵۶)

ترک و تجرید پچیس سال کی عمر میں ترک و تجرید اختیار فرمائی اور محاسبۂ نفس میں مشغول ہوئے۔ گرد و نواح کے جنگل و بیابان میں ایک درویش کے ہمراہ آٹھ سال تک گھومتے رہے۔ اِس صحرا نوردی میں بھی نماز باجماعت کے پابند رہے، روزے بھی ترک نہیں ہوئے۔ برگ سنبھالو سے افطار کیا کرتے تھے۔ (سیر العارفین ص۴۲)

بیعت "سیر العارفین اور مرآۃ الاسرار" میں ہے کہ تینتالیس سال کی عمر میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوکر شرف بیعت حاصل کیا۔ بیعت کے ابتدائی زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ محمود حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رح کی قیامگاہ کے پاس ایک درخت کے نیچے متحیر کھڑے تھے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رح بالا خانہ سے نیچے اُتر رہے تھے کہ شیخ محمود پر ان کی نظر پڑی، خادم خاص کے ذریعہ خلوت میں بُلاکر دل کی کیفیت پوچھی۔ عرض کیا، بزرگوں کی جوتیاں سیدھی کرنے آیا ہوں۔ اِس جواب سے مرشد کامل حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رح نے شیخ محمود میں سچی طلب محسوس کرکے اُن کی جانب توجہ فرمائی۔ اور مرید صادق بھی بڑی دِلسوزی سے مرشد کی خدمت شب و روز کرنے لگے۔

قیام دہلی چنانچہ والدۂ ماجدہ کی وفات کے بعد وطن چھوڑ کر مستقل طور پر دہلی تشریف لے آئے اور مرشد کے خاص حجرہ میں سکونت اختیار فرمائی۔ یہ حجرہ جماعت خانہ میں تھا۔ مرشد کی صحبت میں فقر، صبر، تسلیم و رضا کی تمام درویشانہ صفتیں پایۂ تکمیل کو پہنچ گئیں۔ جیسا کہ "سیر العارفین" کے مؤلف کا بیان ہے:۔

"حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رح کے خلفاء اپنے مرشد
اور شیخ نصیر الدین کی ذات پر فخر کیا کرتے تھے۔" (ص ۹۵)

مرشد کی جانشینی جب حضرت محبوبِ الٰہی رح نے حضرت شیخ نصیر الدین میں وہ تمام باتیں بدرجۂ کمال پائیں جو جانشینی کے لئے موزوں تھیں تو اُن کو دہلی میں اپنا جانشین مقرر فرمایا اور وفات کے وقت اُن کو خواجگان سے جو خرقہ، عصا، کاسہ اور نعلین ملی تھیں، اُن کو عطا کرکے دہلی کے لوگوں کی جفاؤں کو صبر و سکون سے تحمل کرنے کی تلقین فرمائی۔

حضرت محبوبِ الٰہی رح کی وفات کے بعد جماعت خانہ اُن کی بہن کی اولاد کو ترکہ میں ملا۔ اس لئے حضرت نصیر الدین رح نے اپنی قیامگاہ کے لئے وہ جگہ منتخب کی جہاں اُن کی ابدی خوابگاہ ہے۔

تنگیٔ معاش جانشینی کا ابتدائی زمانہ بہت ہی تکلیف اور عسرت میں گزرا، اپنے ملفوظات میں اُن ایام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں، کہ میں نے ایک بار روزہ رکھا، دو دن گزر گئے لیکن کچھ کھانے کو نہ ملا۔ میرا ایک آشنا نتھو نامی تھا، وہ دو روٹیاں اور ترکاری دسترخوان میں لپیٹ کر میرے پاس لایا اس حال میں کہ اس کھانے نے وہ مزہ دیا کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ اکثر راتوں کو میرے گھر میں چراغ روشن نہ ہوتا، چند دن متواتر چولھا نہ سُلگتا۔ میرے اعزہ سامانِ معاش کرنا چاہتے، لیکن میں اُن کو کرنے نہ دیتا۔ وہ میرا مزاج پہچان گئے تھے کہ میں مشقت اور بے سروسامانی ہی میں خوش رہتا ہوں، اس لئے میرا خیال چھوڑ دیا۔ اگر کوئی دنیا دار مجھ سے ملنے آتا تو میں شیخ کا جبہ پہن کر بیٹھ جاتا، جب

وہ چلا جاتا تو کھاروے کا لباس پہن لیتا۔ جامۂ شیخ پہن کر وضو کرنا پسند نہ کرتا، لیکن اُس کو پہن کر لوگوں سے اپنا فقر پوشیدہ رکھتا تھا۔

فارغ البالی کچھ دنوں کے بعد یہ تنگی جاتی رہی اور اچھے دن آئے، مگر حضرت خواجہ نصیر الدین رح اُن عسرت بھرے دنوں کو برابر یاد کیا کرتے تھے دو دن کے فاقہ کے بعد اُن کو جَو کی روٹی اور ترکاری ملی تھی، اُس کے مزے کو یاد کر کے سر ہلاتے اور فرماتے، سبحان اللہ، یہ فقر بھی کیا نعمت ہے۔ اس کے اول اور آخر دونوں خوب ہیں۔ وہ کیا عمدہ دن اور پُر ذوق زمانہ تھا۔ یہ کہہ کر روتے گویا وہ ذوق پھر حاصل کر لیتے۔

فارغ البالی کے زمانہ میں مہمانوں اور مریدوں کیلئے دسترخوان پر اچھے اچھے کھانے ہوتے۔ خود تو صائم الدہر ہوتے لیکن مہمانوں کو بڑے لطف و کرم سے لذیذ کھانے کھلاتے۔ کبھی کبھی کسی مہمان کی خاطر افطار کر لیتے۔ ایک دفعہ دسترخوان پر حلوے کی کئی قسمیں تھیں، ایک حاجی نے عرب کے کھانے بھی اس موقع پر پیش کئے حاضرین میں ایک صاحب نفل روزہ رکھے ہوئے تھے، حضرت خواجہ نصیر الدین رح نے ان کی خاطر افطار کر لیا اور یاروں کو خوب کھانے کی تاکید فرمائی۔ (بزم صوفیہ ص۳۶۴)

تلقین مہمانوں کو لذیذ کھانا کھلاتے وقت پند و نصیحت کا سلسلہ جاری رکھتے۔ ایک بار دسترخوان پر عمدہ پلاؤ تھا، حاضرین کو بڑی شفقت و محبت سے کھلا رہے تھے، دست مبارک سے پلاؤ برتنوں میں ڈالتے جاتے اور تاکید فرماتے، یارو، خوب کھاؤ۔ جب لوگ کھا چکے تو فرمایا: طعام حلال و طیب وہ ہے کہ کھانا کھاتے وقت یہ خیال رہے کہ حق تعالیٰ دیکھتا ہے۔ اللہ کے واسطے کھائے اور نیت کرے کہ جو قوت اس سے پیدا ہوگی وہ طاعت و عبادت میں

صرف ہوگی، تو وہ شخص عین عبادت و نماز میں ہوگا۔

ارشادات

فرمایا ایک دن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے خدمت نبویؐ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم کھانا کھاتے ہیں مگر ہمارا پیٹ نہیں بھرتا۔ آپؐ نے فرمایا، شاید تم تنہا کھاتے ہو؟ عرض کیا، ہاں! ہر شخص الگ الگ کھاتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا، اب اکٹھا ہو کر کھایا کرو، پہلے بسم اللہ کہا کرو، اللہ تعالیٰ برکت دے گا۔ (خیر المجالس پنجاہ و ہشتم فارسی ص۱۹۹)

ایک بار عید اضحیٰ کے دن بہت سے لوگ ملنے آئے، اُن کی خاطر دسترخوان بچھایا گیا جس پر اچھے کھانے اور اچھے حلوے تھے۔ حضرت خواجہ نصیر الدین نے اُس موقع پر یہ حکایت سنائی کہ ایک بار ایک درویش شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کے سامانِ امارت میں بارگاہ شاہی، طناب ہائے ریشمی اور میخہائے زریں دیکھ کر سوچنے لگا کہ یہ کیسی درویشی ہے، یہ تو کسی بادشاہ کو بھی میسر نہیں۔ حضرت ابو سعید نے اس کے خیال کو نورِ باطن سے معلوم کر لیا اور اُس سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے درویش! ہم نے خیمہ کی میخ دل میں نہیں نصب کی ہے، زمین میں گاڑی ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ دنیا کی مثال سایہ کی ہے، اگر اُس کی طرف تو رُخ کرے تو تیرے پیچھے ہوگا اور اس کی طرف پشت کرے تو تیرے آگے ہوگا۔ (مجلس ۶۳ فارسی ص ۲۱۳)

ایک اور موقع پر کچھ معتقدین حضرت خواجہ نصیر الدینؒ کے سامنے فالودہ نوش کر رہے تھے، حسب دستور پند و موعظت شروع کی اور فرمایا کہ ایک بار حضرت

خواجہ ابراہیم بن ادہم قدس سرہ العزیز ایک بادشاہ کے حضور پیش کیے گئے۔ بادشاہ نے اُن کے لیے کھانا منگوایا، ایک آراستہ دسترخوان پر پہلے اُن کے سامنے فالودہ کا پیالہ رکھا گیا۔ حضرت خواجہ ابراہیمؒ نے پیالہ کو غور سے دیکھا مگر اُس میں سے کچھ کھانا پسند نہ کیا۔ بادشاہ نے پوچھا، فالودہ کو آپ دیکھتے ہیں لیکن کھاتے نہیں ہیں؟ حضرت خواجہ ابراہیمؒ نے فرمایا: فالودے سے قیامت یاد آتی ہے۔ بادشاہ نے پوچھا، کس طرح؟ فرمایا: اُس دن دو گروہ ہوں گے، ایک فالودہ اور ایک آلودہ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ کا اشارہ اسی طرف ہے۔ جس نے اپنے آپ کو دنیا میں مجاہدہ، طاعت و عبادت میں پالودہ کیا تو وہ بہشت میں جائیں گے۔ اور جو آلودۂ معصیت ہیں انکو آتشِ دوزخ میں پاک و صاف کر کے بہشت لے جائیں گے۔ بادشاہ نے یہ سُن کر کہا اے درویش! آپ کی باتوں سے میرا دل ہل گیا۔ (بزم صوفیہ ص۳۶۶)

چراغ دہلی کا لقب

رفتہ رفتہ حضرت خواجہ نصیر الدینؒ کے رشد و ہدایت کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیلی۔ جب حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو وہاں کے شیخ امام عبداللہ یافعی سے ایک عرصہ تک تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے۔ ایک موقع پر شیخ مکہ نے حضرت جلال الدین سے فرمایا: اگرچہ شہر دہلی کے بڑے بڑے مشائخ اُٹھ گئے، تاہم اُن کی برکت کا اثر شیخ نصیر الدین محمود کے اندر موجود ہے اُن کی ذات بابرکات بہت غنیمت ہے۔ وہ چراغ دہلی ہیں اور مشائخ کی رسموں کو زندہ کرنے والے ہیں۔ حضرت سید جلال الدین بخاری نے جب یہ سنا تو ان کو حضرت خواجہ نصیر الدین محمود سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ اور وہ مکہ معظمہ سے دہلی

آئے اور حضرت خواجہ نصیر الدین کی قدمبوسی کر کے شیخ مکہ نے جو کچھ کہا تھا اسکو بیان کیا، اس کے بعد حضرت خواجہ نصیر الدین محمود کا لقب "چراغ دہلی" بھی ہوگیا اور اسی لقب سے مشہور ہوئے۔

رشد و ہدایت مذہبی و روحانی استفادہ کے لئے ہندو بیرون ہند کے مختلف مقامات سے ہر طبقہ کے افراد آتے اور حضرت چراغ دہلی حسب مراتب اُن کی تربیت فرماتے۔

ایک مرتبہ ایک صاحب علم بیعت کے لئے آئے۔ یہ ہدایہ، بزدوی اور کشاف پڑھ چکے تھے۔ بیعت کے وقت حضرت چراغ دہلی رح نے ارشاد فرمایا جب کوئی طریقت میں داخل ہو تو اُس کو چاہئے کہ اپنی آستین چھوٹی کرے، دامن اونچا رکھے اور سر منڈائے۔ آستین چھوٹی کرنے سے یہ مراد ہے کہ اُس نے اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے، تا کہ اُس کو مخلوق کے سامنے نہ پھیلا سکے، دامن اونچا کرنے سے یہ مطلب ہے کہ اُس نے اپنا پاؤں قطع کر لیا ہے تا کہ کسی ایسی جگہ نہ جا سکے جو بُری ہو اور جہاں معصیت ہوتی ہو۔ سر منڈانے کے یہ معنی ہیں کہ راہِ حق میں اُس نے اپنا سر کاٹ لیا ہے اور اُس سے کوئی بات خلافِ شرع ظہور میں نہ آئے۔ (بزم صوفیہ ص۳۶۷)

ارشادات

جذب و سلوک فرمایا، سلوک میں ارادت ضروری شرط ہے، تا کہ مرشد طریقۂ ذکر و فکر کی تعلیم دے سکے اور جہاں کسی سالک کو وقفہ عارض ہو، وہاں مرشد دستگیری کرے۔ ایک سالک متدارک بہ جذبہ اور ایک مجذوب متدارک بہ سلوک ہوتا ہے۔ سالک متدارک بہ جذبہ وہ ہے جو علم و عمل اور ارادت کی قوت سے پہلے سلوک، پھر بعد میں جذبہ حاصل کرتا ہے۔ وہ اپنے اعمال میں خونِ جگر

پیتاہے، رنج وتعب اُٹھاتاہے، اُس کو نفس وشیطان معصیت میں آلودہ کرنا چاہتے ہیں، لیکن وہ تائب ہوکر عابد وزاہد رہتاہے۔ اور مجذوب متدارک بسلوک وہ ہے جو پہلے جذبہ اور آخر میں سلوک حاصل کرتاہے، وہ جو کچھ کرتاہے جذبہ کی قوت سے کرتاہے، شیطان اور نفس دونوں کو اس کے یہاں دخل نہیں۔ حضرت چراغ کی رائے ہے کہ سالک متدارک بجذبہ اور متدارک بسلوک دونوں کی متابعت کی جاسکتی ہے۔ لیکن مجذوب مطلق اور سالک نامتدارک بجذبہ اتباع کے لائق نہیں ہوتے۔ حضرت چراغ دہلیؒ کے نزدیک سالک متدارک بہ جذبہ مجذوب متدارک بسلوک سے افضل ترہے۔ سالک کی ایک قسم واقف بھی ہے جو علم اور مجاہدہ کے زور سے سلوک حاصل کرلیتاہے۔ لیکن کسی لغزش کی وجہ سے آگے نہیں بڑھنے پاتا۔ ایسی حالت میں مرشد مدد کرتاہے۔ ورنہ اسکو شیطان طمانچے مارتا رہتاہے۔ (بزم صوفیہ ص۳۹۲)

حال وقال

فرمایا: ایک مبتدی تلاوتِ کلام پاک، نماز اور فکر میں وقت صرف کرتاہے۔ اور جب وہ اپنے اوقات کو عبادت وریاضت سے معمور کرلیتاہے تو وہ صاحبِ وقت کہلاتاہے، اس کے بعد ایک حال قائم ہوتاہے جس میں انوار نازل ہوتے ہیں، اُس کا اثر دل پر پہنچتاہے اور دل سے اعضاء میں سرایت کرتاہے۔ لیکن اس حال میں دوام نہیں ہوتا۔ اگر اس کو دوام حاصل ہوجاتاہے تو یہ مقام ہے۔ اور جب مقام کو دوام حاصل ہوتاہے تو مبتدی منتہی کے درجہ پر پہنچ جاتاہے وہ صاحبِ انفاس کہلاتاہے، اس کی ہر سانس پاکیزہ ہوتی ہے۔ اور وہ غیر حق کے تمام خیالات دل سے محو کردیتاہے۔

ف: سبحان اللہ، سلوک میں کیسے کیسے درجات ومقامات ہیں جو کسی

مرشدِ کامل کی رہبری میں حاصل اور طے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان درجات و مقامات کی نعمت سے نوازے۔ آمین! (مرتب)

صحتِ نفس حضرت چراغ دہلوی نے نفس کی تربیت پر بڑا زور دیا ہے فرمایا: محافظتِ نفس کے لئے مخالفتِ نفس ضروری ہے چنانچہ ایک موقع پر اپنی ساری تعلیم کا لب لباب اِس شعر میں پیش کیا ؎

صحتِ نفس و قوت یک روزہ بہتر از تاج و تختِ فیروزہ

(ترجمہ: نفس کی صحت اور ایک دن کی روزی، تاج و تختِ فیروزہ سے بہتر ہے)

غسل کی قسمیں فرمایا: ایک مرید کے لئے تین قسموں کا غسل ضروری ہے۔ (۱) غسلِ شریعت، یعنی جسم سے ناپاکی کو دور کرنا (۲) غسلِ طریقت یعنی تجرد اختیار کرنا (۳) غسلِ حقیقت یعنی باطن کا توبہ کرنا۔

چار عالم فرمایا: ایک مرید کو راہِ سلوک میں حسب ذیل چار عالم سے واقف ہونا ضروری ہے۔ اور اگر وہ واقف نہیں ہے تو دروغ گو ہے۔

ف: لیکن اگر تجرد سے دینی ضرر کا اندیشہ ہو تو اسے ترک کر سکتا ہے۔ (مرتب)

(۱) ناسوت (۲) ملکوت (۳) جبروت (۴) لاہوت

عالمِ ناسوت حیوانات اور نفس کی دنیا ہے۔ اس میں حواسِ خمسہ سے افعال صادر ہوتے ہیں۔ سالک اپنی ریاضت اور مجاہدہ سے اِس عالم سے گزر کر عالمِ ملکوت میں پہنچتا ہے، جہاں اُس کے افعال صرف تسبیح، تہلیل، قیام، رکوع اور سجود تک محدود ہوتے ہیں۔ اِس عالم کو طے کر کے وہ عالمِ جبروت میں آتا ہے جہاں صرف شوق، ذوق، محبت، اشتیاق، طلب، وجد، سکر، سہو، محو اور محو کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا۔ اِس کے بعد وہ عالمِ لاہوت میں داخل ہوتا ہے جو

بالکل لامکان ہے، یہاں نہ گفتگو ہے اور نہ جستجو۔ عالم ناسوت نفس کی صفت، عالم ملکوت دل کی صفت، عالم جبروت روح کی صفت اور عالم لاہوت نظر رحمٰن کی صفت ہے۔ **ف:** ماشاء اللہ، چاروں ہی عالموں کی خوب ہی خوب تشریح فرمادی جو سالک عارف کامل ہی کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عالم لاہوت کے مقام تک پہنچا دے۔ (مرتب)

تجلیۂ روح ایک دوسری جگہ فرمایا کہ سالک جب تک تزکیہ، تصفیہ اور تجلیہ حاصل نہیں کرتا، اُس میں درویشی کا جوہر پیدا نہیں ہوتا، ان ہی کے ذریعہ سے شریعت، طریقت اور حقیقت کے مراتب حاصل ہوتے ہیں۔ حصولِ شریعت سے تزکیۂ نفس ہوتا ہے۔ اور اُس کے لئے کم کھانا اور رات کو نوافل پڑھنا ضروری ہے۔ حصولِ طریقت سے تصفیۂ دل ہوتا ہے، اُس کے لئے نماز پڑھنا روزہ رکھنا اور ذکر جلی کرنا لازمی ہے۔ حصولِ حقیقت سے تجلیۂ روح ہوتا ہے، اُس کے لئے روزے رکھنا اور ذکر خفی کرنا ضروری ہے۔ تجلیۂ روح سے مراد دل کے سات گوہر کا روشن ہونا ہے۔ وہ سات گوہر یہ ہیں:۔

(۱) گوہر ذکر (۲) گوہر عشق (۳) گوہر محبت (۴) گوہر سر (۵) گوہر روح (۶) گوہر معرفت (۷) گوہر فقر۔ (بزم صوفیہ ص۳۹۵)

اب ہم "اخبار الاخیار" سے کچھ خاص باتیں نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:۔

منقول ہے کہ شیخ نظام الدین رحؒ کے مریدوں نے ایک مرتبہ محفل سماع کا نظام بنایا۔ مریدین غزلخواں سے اشعار سن رہے تھے۔ اِس محفل میں شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی بھی موجود تھے، آپ اُٹھ کر جانے لگے، دوستوں نے بیٹھنے کیلئے اصرار کیا تو فرمایا کہ یہ خلافِ سُنّت ہے۔ میں اسے ہرگز گوارا نہیں کر سکتا۔ اس پر لوگوں نے کہا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سماع کے ناجائز ہونے کے قائل ہیں

اور اپنے شیخ کے مسلک سے انحراف کرتے ہیں۔ آپ نے دوستوں کو جواب دیا کہ شیخ کا قول حجت شرعی نہیں۔ قرآن و حدیث سے دلیل پیش کرنا چاہیئے۔ بعض بدخواہ و خود غرض لوگوں نے یہ بات شیخ نظام الدین رحؒ کی خدمت میں پیش کی اور کہا کہ شیخ نصیر الدین یوں کہتے ہیں۔ چونکہ شیخ نظام الدین رحؒ کو اصل واقعہ کی پہلے سے اطلاع مل چکی تھی۔ اس لئے ان لوگوں سے فرمایا کہ شیخ نصیر الدین ٹھیک فرماتے ہیں اور جو کچھ فرماتے ہیں وہی حق ہے۔

"سیر الاولیاء" میں ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاؒ کی محفل سماع میں مزامیر (باجے) وغیرہ نہ ہوتے تھے اور نہ ہی تالیاں بجائی جاتی تھیں۔ اگر آپ سے کوئی کہتا کہ فلاں شخص باجے وغیرہ کے ساتھ سنتا ہے تو اسے منع فرمادیتے اور فرماتے کہ باجے وغیرہ سننا شرعاً ناجائز اور ممنوع ہے۔

نیز منقول ہے کہ شیخ چراغ دہلوی رحؒ نے ارشاد فرمایا کہ میں کس لائق ہوں کہ پیری مریدی کروں، آج تو یہ بچوں کا کھیل تماشہ سمجھا جانے لگا ہے۔ پھر شیخ سنائیؒ کا یہ شعر پڑھا ؎

مسلماناں مسلماناں، مسلمانی مسلمانی   ازیں آئین بیدیناں پشیمانی پشیمانی

اے مسلمانو! شریعت پر عمل کرو۔ اور جو تم نے طریقہ اختیار کر رکھا ہے یہ دراصل بے دینی کا طریقہ ہے، جس سے سوائے پشیمانی کے کچھ اور حاصل نہ ہوگا۔

آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ایمان محفوظ رکھنے کی فکر کرو۔ اور کرامتوں کے درپے نہ ہو۔ نیز فرمایا کرتے تھے کہ میں نہایت پریشان ہوں کہ لوگ بغیر دیکھے پرکھے کسی کے پیچھے کیوں دوڑتے ہیں۔ ایک موقع پر یہ شعر پڑھا ؎

نظر در دیدہا ناقص فتادست   وگرنہ یار من از کس نہاں نیست

(یعنی آنکھوں میں روشنی ہی کم ہوگئی ہے ورنہ تو ہمارا محبوب کسی سے پوشیدہ نہیں ہے)

اس کے بعد فرمایا کہ اس طریق میں اصل چیز نفس کی نگرانی ہے۔ مراقبہ کے وقت صوفی کیلئے ضروری ہے کہ اپنے نفس پر کڑی نظر رکھے۔ اگر اس سے غافل ہوگا تو پھر باطن پریشان ہو جائے گا۔ صوفی وہ ہے جو اپنی ہر ہر سانس کو شمار کرتا ہو اور اس کا پاس و لحاظ رکھتا ہو۔ فرمایا کہ دل پر نظر رکھ کر دل کو اللہ کی طرف متوجہ کرنا ضروری ہے اور ذکر اللہ میں مشغول ہو کر تمام غیر اللہ سے دل کو پاک کرنا لازمی ہے۔ (اخبار الاخیار)

آپ پر قاتلانہ حملہ

ایک روز حضرت چراغ دہلی نماز ظہر کے بعد جماعت خانہ سے آکر اپنے حجرہ خاص میں مراقبہ میں مشغول تھے کہ ایک قلندر مسمیٰ تراب وہاں پہنچا اور چھری سے پے در پے حملے کئے، خون حجرہ کے باہر بہنے لگا، لیکن انکے استغراق میں فرق نہیں آیا۔ خون دیکھ کر مریدین حجرہ میں گئے اور قلندر کو سزا دینی چاہی، لیکن حضرت چراغؒ نے روکا اور اپنے مریدین خاص عبدالمقتدر، شیخ صدرالدین طبیب اور شیخ زین الدین علی کو پاس بلا کر قسم دی کہ کوئی شخص قلندر کو ایذا نہ پہنچائے، پھر قلندر سے معذرت کی کہ اگر چھریاں مارتے وقت تمہارے ہاتھ کو تکلیف پہنچی ہو تو معاف کرنا۔ اور بیس تنکہ زر دے کر رخصت کیا۔ انہی اوصاف کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ چشتیہ سلسلہ میں صبر و رضا و تسلیم کا خاتمہ ان پر ہوگیا۔ **ف:** سبحان اللہ، یہ معنوی کرامت تھی کہ ایسے موقع پر صبر و تحمل فرمایا جو ظاہری کرامت سے کہیں بڑھ کر ہے۔ (مرتب)

وفات

اس قاتلانہ حملہ کے بعد تین سال تک مزید خلق اللہ کے رشد و ہدایت میں مشغول رہے۔ ۱۸ رمضان المبارک شب جمعہ ۷۵۷ھ میں رحلت فرمائی اور دہلی میں مدفون ہوئے۔ نوّر اللہ مرقدہٗ۔ (بزم صوفیہ صفحہ ۳۸۹)

ف: الحمدللہ، آپ کی مزار پر حاضری ہوئی ہے۔ (مرتب)

الحمدللہ کہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ پر اس سلسلہ سینہ کا حصہ سوم ختم ہوا۔ اب اسکے بعد انشاء اللہ تعالیٰ حصہ چہارم حضرت شرف الدین منیریؒ سے شروع ہوگا۔ وباللہ التوفیق

مصادر و مراجع "اقوال سلف" حصہ سوم

نام کتاب	مصنف
نفحات الانس	حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب جامی رحؒ
نزہۃ الخواطر	حضرت مولانا سید عبد الحی صاحب لکھنوی رحؒ
قاموس المشاہیر	حضرت قاری فیوض الرحمٰن صاحب
تاریخ اولیاء گجرات (ترجمہ مرآۃ احمدی)	مترجم: حضرت مولانا سید ابو ظفر ندوی رحؒ
تاریخ ہند	حضرت مولانا مفتی محمد پالنپوری
سیر اعلام النبلاء	حضرت امام شمس الدین محمد الذہبی رحؒ
اعیان الحجاج	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمی رحؒ
تذکرۃ المحدثین	حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی رحؒ
حلیۃ الاولیاء	حضرت علامہ ابو نعیم اصفہانی رحؒ
تاریخ فرشتہ	حضرت محمد قاسم فرشتہ رحؒ
لواقح الانوار فی طبقات الاخیار (طبقات کبریٰ)	حضرت علامہ عبد الوہاب شعرانی رحؒ
بزم صوفیہ	حضرت مولانا سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب رحؒ
تاریخ المحدثین	حضرت الاستاذ محمد ابو زہو۔
روح تصوف (ترجمہ الرسالۃ القشیریۃ)	حضرت مولانا عرفان صاحب بیگ نوری رحؒ
معارف صوفیہ	مؤلف عفی عنہ
تاریخ دعوت و عزیمت	حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحؒ
احیاء علوم الدین	حضرت امام غزالی رحؒ
نصیحۃ المسلمین (ترجمہ رسالۃ المسترشدین للمحاسبی)	مؤلف عفی عنہ
تذکرہ حضرت رفاعی	حضرت مولانا احمد مصطفےٰ رفاعی رحؒ
اخبار الاخیار	حضرت مولانا عبد الحق محدث دہلوی رحؒ
عوارف المعارف	حضرت شہاب الدین سہروردی رحؒ

بیان القرآن	حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رح
شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا	حضرت مکرم سید قاسم محمود صاحب
تاریخ المدینۃ المنورۃ	حضرت مکرم محمد عبد المعبود صاحب
طبقات الشافعیۃ	حضرت علامہ تاج الدین السبکی رح
تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ	عزیزم مولوی محبوب احمد ندوی
مشائخ نقشبندیہ مجددیہ	حضرت مولانا محمد حسن صاحب نقشبندی مجددی رح
البنیان المشید	افادات حضرت سیدنا رفاعی رح
ارشادات رفاعی رح	حضرت مولانا سید مصطفیٰ صاحب رفاعی ندوی
الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ	حضرت مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی رح
الافادات الوصیہ	حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رح
الیواقیت والجواہر	حضرت علامہ عبد الوہاب شعرانی رح
تفسیر رازی (اردو)	مترجم حضرت مولانا محمد اسلم صاحب قاسمی، دیوبند
اکابر دیوبند کیا تھے	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم
تقصار جیود الاحرار	حضرت نواب سید صدیق حسن خاں رح
پند نامہ عطار	حضرت فرید الدین عطار رح
التنبیہ الطربی	حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رح
روح المعانی	حضرت علامہ محمود آلوسی رح
ایجادات کی حقیقت	حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رح
مناجات مقبول	حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رح
کلید مثنوی (ترجمہ مثنوی شریف)	″ ″ ″ ″ ″
اصول الطریقت	حضرت شیخ حمید الدین صوفی ناگوری رح
کتاب الاذکار	حضرت امام ابو یحییٰ زکریا بن شرف نووی رح
مشکوٰۃ شریف	حضرت ولی الدین محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی رح
الاعلام، قاموس التراجم	حضرت خیر الدین الزرکلی رح
مشائخ چشت	حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رح
قطب مالوہ	حضرت قاضی سید عابد علی، بھوپال

تاریخ مشائخ چشت	پروفیسر خلیق احمد نظامی
گلستان	حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ
بہار بوستاں (ترجمہ بوستاں)	حضرت مولانا فضل رحمن دھرم کوٹیؒ
بوستاں	حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ
اعتراف ذنوب مع اعتراف قصور	مؤلف عفی عنہ
تذکرہ مشائخ بنارس	حضرت مولانا مفتی عبد السلام نعمانی، بنارس
مرقات، شرح مشکوٰۃ	حضرت ملا علی القاریؒ
مدارج السالکین	حضرت علامہ ابن القیمؒ
گلستان خلد آباد (الموسوم بتذکرہ بزرگان دین)	حضرت الحاج محمد عبد الحی خلد آباد
تاریخ اولیاء کرام برہان پور	مکرم بشیر محمد خاں ایڈووکیٹ برہان پور
معارف القرآن	حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ
البدایہ والنہایہ	حضرت علامہ عماد الدین ابن کثیرؒ
تاریخی مقالات	پروفیسر خلیق احمد نظامی
تفسیر مظہری	حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ
تاریخ صوفیاء ناگور	حضرت صوفی محمد ایوب صاحب چشتی فاروقی
بزرگان پانی پت	حضرت مولانا محمد میاں صاحب، سابق ناظم جمعیۃ علماء ہند
التکشف عن مہمات التصوف	حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ
الاکلیل علی مدارک التنزیل	حضرت مولانا عبد الحق صاحب الہ آبادیؒ
التفسیر والمفسرون	مکرم الدکتور محمد حسین الذہبیؒ
ظفر المحصلین	حضرت مولانا محمد حنیف صاحب گنگوہیؒ
الکشاف	حضرت علامہ جار اللہ محمود زمخشریؒ
دلیل الفالحین شرح ریاض الصالحین	حضرت محمد بن علان الشافعیؒ
انوار محمدی (ترجمہ شمائل ترمذی)	حضرت مولانا کرامت علی جونپوریؒ

انتباہ: بعض عبارات میں بضرورت کسی قدر تغیر و تبدیلی کی گئی ہے۔ مگر الحمد للہ معنی و حقیقت میں کوئی فرق نہیں ہوا ہے۔ فقط

محمد قمر الزمان الہ آبادی
۵ صفر ۱۴۳۳ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۲۰۱۱ء
مدرسہ عربیہ بیت المعارف، الہ آباد

مطبوعات مکتبہ دار المعارف
شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الہ آبادی
اقوال سلفؒ (چھ جلدیں)
تربیت اولاد کا اسلامی نظام
(اردو، انگریزی، گجراتی، بنگلہ)
وصیۃ الآداب
فیضان محبت (شرح عرفان محبت)
گلدستۂ اذکار
(ریاض السالکین فی احادیث سید المرسلین)
(اردو، انگریزی)
معارف صوفیہ
نقوش و آثار مفکر اسلامؒ
الافاضات الاحسانیہ
تذکرۂ مصلح الامتؒ
زیارتِ حرمین شریفین
طہارتِ قلب
ہدایات نافعہ (اردو، انگریزی)
گناہوں کا وبال اور اس کا علاج
شرحِ صدر
جامع الحقوق
چند وصیتیں
(اردو، انگریزی، گجراتی)
حقیقت حج (اردو، انگریزی، گجراتی)
نکاح کی شرعی حیثیت
(اردو، انگریزی، گجراتی)
درس قرآن (اردو، انگریزی)
امت کی مایۂ ناز شخصیت
(مولانا علی میاںؒ)
امت کی ایک عظیم المرتبت شخصیت
(مولانا ابرار الحق صاحبؒ)
عقائد، فرائض مع وظائف و نصائح
حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڑھیؒ
روح البیان (۳ جلدیں)
اخلاق سلفؒ
کمالات نبوت (زیر طبع)
عرفانِ محبت (شامل مطبوعات)
مولانا محبوب احمد صاحب ندوی
مشائخ نقشبندیہ مجددیہؒ
احسن السیر
(اردو، انگریزی، گجراتی)
شیخان
تصفیۃ القلوب
(اردو، گجراتی)
مولانا سعید احمد ندوی قاسمی
الاربعین (چالیس حدیثیں)
دیگر حضرات کی تصانیف
دینی نصاب (۲ جلدیں)
احادیث سلوکیہ
تسہیل قصد السبیل (اردو، گجراتی)
علامات قیامت (اردو، انگریزی، گجراتی)
تذکیر آخرت
جامع الاحکام
سو درود و سلام کا مقبول وظیفہ
مکتوب گرامی امام غزالیؒ
اشکِ ندامت
میرے مدنی آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز
اعترافِ ذنوب (زیر طبع)
تالیفات مصلح الامتؒ
(مکمل ۷ جلدیں) (شامل مطبوعات)
MAKTABA DARUL MAARIF
639/B, Wasiabad Allahabad U.P.
خادم مکتبہ: محمد عبد اللہ قمر الزماں قاسمی الہ آبادی
Ph.: 0532-2550438 Mob: 9450581807